احناف کی چند کُتب

پر ایک نظر

مع رسالہ

(فرض نمازوں کے بعد دُعائے اجتماعی اور اہلِ حدیث
کا مسلکِ اعتدال از ابو مسعود سلفی) کی حقیقت

از قلم

عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو
فاضل مدینہ یونیورسٹی

إن فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ [ق:۳۷]

احناف کی چند کتب

پر ایک نظر

★ (فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی اور اہلِ حدیث کا مسلکِ اعتدال از ابومسعود سلفی) کی حقیقت

★ غیر مقلد بنام غیر مقلد (تالیف محمد یوسف)

★ حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ کی کتاب صلوٰۃ الرسول ﷺ کے بارے میں (تالیف محمد ابوبکر غازی پوری)

از قلم

عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو

فاضل مدینہ یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

((إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ ، نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ، وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ))

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ ﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ و بعد:

کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کے محقق ایڈیشن [1] کو اللہ عزوجل نے شرف قبولیت سے نوازا، علمی حلقوں میں اس کو بنظر استحسان دیکھا گیا تعصب و جمود سے بالاتر حضرات نے اسے بہت پسند کیا۔

پاک و ہند کے اخبارات نے اس پر انتہائی حوصلہ افزاء تبصرے کیے اور علمائے کرام نے گرانقدر تقاریظ لکھیں۔ جزاهم الله عني خيرا لجزاء۔

ان میں سے بعض تبصروں اور تقاریظ کے اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

ا۔ یہ کتاب بہترین تعلیقات سے مزین اور پر ہے۔ (شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ رحمہ اللہ نزیل مدینہ منورہ)

ب۔ خاص خوبی یہ ہے کہ موصوف نے کسی قسم کی عصبیت اور بیرونی اثرات کو جگہ دیے بغیر اپنی تحقیق کی بنیاد خالص اور بے لاگ علمی اصولوں پر رکھی ہے اور ہجوم و دفاع کے مناظرانہ اسلوب سے ہٹ کر بے لوث معروضی اسلوب اختیار کیا ہے۔ (مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ، مؤلف الرحیق المختوم)

---

[1] جس کا بعد میں '' القول المقبول في التخريج والتعليق على صلوٰة الرسول ﷺ'' نام رکھا گیا۔ یہاں بڑے تعجب اور افسوس کے ساتھ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جب یہ تخریج و تعلیق '' القول المبقول'' کے نام سے چھپی تو بعض حضرات کو اس پر اعتراض یہ ہوا کہ اس کتاب ''صلوۃ الرسول ﷺ'' کو میں نے مؤلف رحمہ اللہ کی بجائے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے کیونکہ اس پر مصنف ابو عبدالسلام عبدالرؤف بن عبدالحنان لکھا ہوا تھا۔ مجھ تک جب یہ بات پہنچی تو مجھے انتہائی تعجب اور افسوس بھی ہوا کیونکہ یہ اعتراض عوام الناس کی طرف سے نہ تھا بلکہ بعض فضلاء کی طرف سے تھا جس پر میں ۔ نے کہا کہ ''فتح الباری'' کو حافظ ابن حجر کی کتاب ''عون المعبود'' کو عظیم آبادی کی اور ''تحفۃ الأحوذی'' کو مبارکپوری کی کتاب کہا جاتا ہے تو کیا اس کے معنے یہ ہوئے کہ حافظ ابن حجر نے ''بخاری'' کو عظیم آبادی نے ''سنن أبي داوٗد'' کو اور مبارکپوری نے ''جامع ترمذی'' کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے بہر حال یہ اعتراض بہت ہی قابل افسوس تھا۔

ج۔ تخریج اور تعلیق کا انداز سنجیدہ علمی آزادانہ اور محدثانہ ہے اور اس کا اسلوب اس قدر دل نشین ہے کہ اسے شروع کر کے ختم کیے بغیر دل سیر نہیں ہوتا اور اس کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ روایات اور فقہی اختلافات کے سلسلے میں وجوہ ترجیح کا بیان نہایت جامع مگر عام فہم ہوتا ہے۔ (مولانا عزیز زبیدی رحمہ اللہ)

ہم انھیں تین شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں مزید تفصیل کے لیے "القول المقبول" کا مقدمہ (ص:۷،۹ دوسرا ایڈیشن) دیکھا جائے۔

واضح رہے کہ علماء کی یہ تقاریظ اور تبصرے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے بارے میں ہیں جب کہ اس کا دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے کہیں زیادہ مفید ہے۔

جیسا کہ اس محقق کتاب کے پہلے ایڈیشن کے مقدمے میں راقم نے لکھا تھا کہ:

"یہ ایک فطرتی امر ہے کہ کسی کام کے نہ تو سب لوگ موافق اور مؤید ہی ہوتے ہیں اور نہ ہی سب مخالف۔"

بہر حال اللہ۔عزوجل۔ سے مجھے امید واثق ہے کہ علمی حلقوں میں میرے اس کام کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔ اِن شاء اللہ۔ [1]

اللہ۔عزوجل۔ کے فضل وکرم سے ایسا ہی ہوا کہ علمی حلقوں میں اسے بنظر استحسان ہی دیکھا گیا۔ [2]

اس محقق ایڈیشن کی قبولیت پر دیگر بہت سے شواہد بھی ہیں جن میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (ص:۱۹) بعد والے ایڈیشن (۱۸)۔

[2] مگر ایک صاحب علم جو کہ علمی حلقوں میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں ان کی اس ایڈیشن کے بارے میں بعض باتیں سن کر بڑا تعجب اور افسوس بھی ہوا مگر یہ تعجب اور افسوس اس وقت زائل ہو گیا کہ جب ۱۹۹۸ء رمضان المبارک میں حرم مکی میں حافظ شریف صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے موصوف کے بارے میں ایک بڑا حیرت انگیز واقعہ سنایا۔ انھوں نے بتایا کہ جس مدرسہ میں موصوف اب شیخ الحدیث ہیں وہاں میرے ایک شاگرد بھی مدرس ہیں ایک روز موصوف ان کے کمرے میں تشریف لائے تو وہاں ان کو حافظ ابن حجر کی " تهذيب التهذيب" دکھائی دی تو ان سے پوچھنے لگے بیٹا یہ کیوں رکھی ہے بیٹے نے عرض کیا کہ میں نسائی پڑھاتا ہوں لہٰذا رواۃ کی تحقیق کے سلسلے میں کبھی مجھے اس کتاب کی ضرورت پیش آتی ہے موصوف فرمانے لگے بیٹا اس کو لائبریری میں جمع کروا دو کیونکہ یہ کتابیں فتنہ ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

"تهذيب التهذيب" فن رجال کی کتاب ہے جس فن کے بارے میں کسی غیر مسلم عالم نے کہا ہے کہ مسلمان اپنے علم حدیث پر جس قدر چاہیں فخر کریں مگر یہ موصوف اس فن کو فتنہ بتلا رہے ہیں یہ کتابیں اگر فتنہ ہیں تو پھر یہ فتنہ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو زرعہ، ابو حاتم اور امام بخاری وغیرہ کا پھیلایا ہوا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک طرف تو یہ شیخ الحدیث ہیں مگر دوسری طرف وہ شیخ الحدیث بھی ہیں کہ جب ان کو بازار میں کتاب " صلوٰۃ الرسول ﷺ " محقق کا نسخہ دستیاب نہ ہوا تو انھوں نے اپنے بعض طلباء کو ہمارے گاؤں میں نسخہ کے حصول کی خاطر بھیجا یہ ۱۹۹۵ء کا واقعہ ہے غالباً وہ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث راشدی صاحب تھے۔

① اس کتاب کا محقق ایڈیشن پہلی مرتبہ جنوری ۱۹۸۹ء میں پاکستان میں شائع ہوا۔ پاکستان میں اس کے شائع ہو جانے کے ٹھیک دو ماہ بعد اپریل ۱۹۸۹ء میں منزہ پبلیکشنز نے اس کی فوٹو کاپی لے کر اس کو دہلی ہندوستان سے شائع کیا اور اب یہ محقق ایڈیشن مرکزی مکتبہ اہل حدیث صدر بازار مئو یوپی سے شائع ہو رہا ہے۔

② بعض مدارس کے ناظمین نے اپنے مدارس سے فراغت حاصل کرنے والے طلباء میں اس محقق ایڈیشن کو تقسیم کیا۔ مثال کے طور پر:

ہندوستان میں مدرسہ ریاض العلوم دہلی سے فراغت حاصل کرنے والے طلباء میں اس محقق ایڈیشن کو تقسیم کیا گیا۔

اسی طرح پاکستان میں بھی بعض مدارس میں فارغ التحصیل طلباء میں اس کو تقسیم کیا گیا۔

③ بعض علماء بعض مسائل کی تحقیق یا ان کے بارے میں تفصیل کے لیے اس محقق ایڈیشن کے حوالے دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر۔

أ۔ مولانا عبد الرشید صاحب ناظم ادارہ علوم اسلامیہ جھنگ نے نماز کے بعد اجتماعی دعا پر دیے جانے والے دلائل کی حقیقت کی خاطر اس محقق ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نماز نبوی۔ (ص:۲۱۱۔۲۱۲)۔

بلکہ نماز نبوی کے مؤلف ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب نے اپنی اس کتاب کی تألیف میں اُحادیث کی صحت کے سلسلے میں اس ایڈیشن پر بھی اعتماد کیا ہے۔[1]

ب۔ استاذِ محترم شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی نے اپنی کتاب "**جائزة الأحوذي في التعليقات على سنن الترمذي**"، میں بعض مقامات پر اس ایڈیشن کے حوالے دیے ہیں جیسا کہ انھوں نے خود مجھ سے ذکر کیا۔

---

[1] یہ کتاب زبیر علی صاحب زئی کی تخریج اور دیگر علماء کی نظر ثانی اور تعلیق کے ساتھ دارالسلام سے شائع ہو رہی ہے۔ اس سے قبل یہ کتاب زبیر صاحب کی تخریج کے بغیر مکتبہ التوحید ۴۔ بلال سٹریٹ ملتان روڈ لاہور سے بھی شائع ہوئی جس کے دوسرے ایڈیشن کا ایک نسخہ ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کے پتہ پر مجھے بھیجا تھا کہ میں اس کے بارے میں اپنی رائے دوں۔ نسخہ چونکہ پاکستان کے پتہ پر ارسال کیا گیا تھا اور میں ادھر "امارات" میں تھا چنانچہ یہ نسخہ کافی دیر بعد مجھے ملا لہٰذا بروقت اس کے بارے میں اپنی رائے نہ لکھ سکا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس ایڈیشن کے ابتدائیہ میں صحتِ اُحادیث کے سلسلے میں جن کتب پر اعتماد کیا تھا ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا۔ الحمد للہ اس کتاب کی ترتیب میں کوشش کی گئی ہے کہ اُحادیث صحیحہ سے مدد لی جائے۔ اُحادیث کی صحت کے لیے علامہ ناصر الدین اُلبانی۔ ﷫۔ اور محترم عبد الرؤف سندھو خریج الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کی "**تحقيق و تخريج صلوٰة الرسول**" پر اعتماد کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو۔ (ص:۹)۔

مگر جب یہی کتاب دارالسلام سے زبیر صاحب کی تخریج سے شائع ہوئی تو اس سے شیخ البانی۔ ﷫۔ کا نام غائب ہو گیا۔ ملاحظہ ہو۔ (ص:۱۷)۔

اور یہ کام ڈاکٹر صاحب کا نہیں بلکہ زبیر صاحب کا ہے کیونکہ موصوف نے اس کتاب کے اپنے "مقدمہ التحقیق" میں موضوع نماز سے متعلق جن کتب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں ان میں سے متعدد کتب کا ذکر کرتے ہوئے شیخ۔ ﷫۔ کی کتاب ←

ج۔ مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ مدنی نے اپنے والد مولانا عبدالوہاب رحمہ اللہ کی زیر نگرانی جامع ترمذی کے ترجمے اور اس پر

▬ ''صفۃ صلوٰۃ النبی۔ ﷺ'' کا ذکر بھی کیا ہے۔

مگر ہمارے نزدیک یہ امر مستحسن نہیں کیونکہ کچھ اوہام یا اَغلاط کی بناء پر اگر کسی عالم یا اس کی کتاب کو غیر معتمد ٹھہرا دیا جائے تو پھر ہمیں بڑے بڑے ائمہ اور محدثین کو خیر باد کہنا پڑے گا کیونکہ اوہام اور اَغلاط سے کوئی بشر بھی مبرّا نہیں چنانچہ موصوف کے بھی بڑے عجیب وغریب اُوھام اور اَغلاط ہیں ان اوھام اور اغلاط کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے: موصوف نے موضوعِ نماز سے متعلق ضعیف احادیث والی متعدد کتب پر کلام کرنے کے بعد لکھا ہے:

''جناب عبدالرؤف صاحب کی کتاب'' القول المقبول فی تخریج صلوۃ الرسول ﷺ'' اس سلسلے کی بہترین کتاب ہے جزاہ اللہ خیراً، تاہم بشری کمزوریوں کی وجہ سے اس تخریج میں بھی اوہام واقع ہو گئے ہیں مثلاً ابوداؤد (۲۰۳) وغیرہ کی ایک ضعیف روایت کو عبدالرؤف صاحب نے حسن درجہ کی حدیث لکھا ہے حالانکہ یہ سند منقطع ہے اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے ملاحظہ ہو نماز نبوی مقدمہ التحقیق از زبیر علی (ص:۲۳)

جس حدیث کی طرف موصوف نے اشارہ کیا ہے وہ علی رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے:

'' وکاء السَّہِ العینان فمن نام فلیتوضأ۔''

''دونوں آنکھیں سیرین کی سربند (تسمہ) ہیں پس جو شخص سو جائے اسے چاہیے کہ دوبارہ وضوء کر لے۔'' ترجمہ از ڈاکٹر سید شفیق الرحمٰن ملاحظہ ہو (نماز نبوی، ص:۷۸ طبعۃ دارالسلام)

ڈاکٹر صاحب نے اس حدیث کا متن ذکر نہیں کیا بلکہ اس کے ترجمے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

قلت: موصوف کے مذکورہ کلام پر ہمارے درج ذیل مؤاخذات ہیں:

أ۔ انھوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔ لیکن میں نے یہ علت بیان نہیں کی یا یہ کہ یہ علت مجھ پر مخفی رہی۔ جب کہ اس علت کی طرف میں نے ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے:

''اس کو علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے عبدالرحمٰن بن عائذ ہیں۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ ان کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔''

اس کے بعد یہ لکھا ہے: ''مگر حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ بات محل نظر ہے۔ ملاحظہ ہو: القول المقبول۔'' (ص:۱۹۴، حدیث:۱۰۸).

میرے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اس سند کے انقطاع کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی دیا گیا ہے نیز اس کا ایک شاہد بھی ذکر کیا ہے۔

ب۔ زبیر صاحب کا یہ کہنا کہ: ''اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے۔'' یہ بات پڑھ کر ہمیں بہت تعجب ہوا کیونکہ حدیث کے کسی شاہد کے لیے اس کا صحیح ہونا شرط نہیں۔

ج۔ میں نے تو اس حدیث کو حسن کہا ہے مگر دیکھتے ہیں کہ موصوف نے ''نماز نبوی'' کی تخریج میں اس پر کیا حکم لگایا ہے موصوف نے اس کے بارے میں لکھا ہے: ''اسے ابن الصلاح اور امام نووی نے حسن کہا ہے۔'' ملاحظہ ہو (ص:۷۸، حاشیہ:۳)

موصوف نے یہاں ابن صلاح اور نووی کی تحسین کا ذکر کرنے کے بعد کسی قسم کا تعاقب نہیں کیا بلکہ خاموشی اختیار کی ہے چنانچہ یہ حدیث ان کے نزدیک بھی حسن درجے کی ہے۔

➡

حواشی کا کام شروع کیا تھا جسے وہ مکمل نہیں کر پائے۔ انھوں نے بھی اپنے حاشیہ میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے جیسا کہ مجھے انھوں نے خود بیان کیا اور بعض دیگر حضرات سے بھی معلوم ہوا۔

ان کی یہ کتاب عربی میں ہے جو طبع ہو چکی ہے اور یہ تعلیقات إن شاء اللہ العزیز۔ انتہائی مفید ثابت ہوں گی۔

اس محقق ایڈیشن کی مقبولیت صرف علمی حلقوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ عوام الناس میں سے باشعور اور تعصب و جمود سے بالاتر حضرات نے بھی اس کو بہت پسند کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ۔عزوجل۔ کے فضل و کرم سے اس محقق ایڈیشن کو شرف قبولیت حاصل ہوا۔ مگر بقول شخصے: ''لا تعدم حسناء ذامًا''.

''حسین وجمیل عورت کے مذمت کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔''

چنانچہ کچھ حضرات ایسے بھی نظر آئے کہ جن کو اس محقق ایڈیشن سے زبردست چڑ اور جلن ہوئی اور ان حضرات میں سرفہرست نام نہاد سلفی ابو مسعود کا نام ہے اس نام نہاد سلفی نے شرم وحیاء کی تمام حدود کو پھلاند کر اس قدر گھٹیا اسلوب اور گندی زبان استعمال کی ہے کہ جسے کوئی عام سنجیدہ آدمی بھی استعمال نہیں کر سکتا چہ جائیکہ مختلف جامعات و مدارس سے ڈگریوں کا حامل اور خود کو سلفی کہنے والا استعمال کرے۔

اس نام نہاد سلفی کا رسالہ جب میری نظر سے گزرا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا:

'' إنّ مما أدرك الناس من كلام النبوة الأولى إذا لم تستحي فاصنع ما شئت۔'' [1]

⟸ بلکہ انھوں نے ایک دوسری کتاب میں اس کو صراحتاً حسن کہا ہے چنانچہ لکھا ہے: '' حسن۔ ابوداود (الطهارة: باب الوضوء من النوم حدیث: ۲۰۳) اسے نووی، ابن صلاح اور منذری نے حسن کہا ہے۔'' ملاحظہ ہو'' تسهيل الوصول إلى تخريج صلوٰة الرسول'' (ص: ۱۰۶، حدیث: ۱۱۳، ص: ۷۷، حاشیہ: ۱، ایڈیشن اگست: ۲۰۰۴ء جولائی ۲۰۰۵ء)

معلوم ہوتا ہے کہ زئی صاحب اس حدیث کے بارے میں خاصے متذبذب ہیں۔ حال ہی میں موصوف کی تحقیق وتخریج کے ساتھ دارالسلام سے ''سنن أبي داوٗد'' چھپی ہے اب دیکھتے ہیں کہ موصوف نے اس میں اس حدیث کے بارے میں کیا کہا ہے موصوف اس میں لکھتے ہیں: '' سنده ضعيف، و مع ذلك حسنه المنذري، وغيره، وللحديث شواهد،'' ملاحظہ ہو (۱/۲۱۵ حدیث: ۲۰۳) یعنی اس حدیث کی سند ضعیف ہے، اس کے باوجود منذری وغیرہ نے اس کو حسن کہا ہے اور اس حدیث کے چند شواہد بھی ہیں۔ اب قاری ''اس حدیث کے چند شواہد بھی ہیں'' سے کیا نتیجہ اُخذ کرے گا کیونکہ زبیر صاحب کے اس کلام سے واضح طور پر کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا۔

[1] اس کو بخاری نے کتاب ''أحاديث الأنبياء'' باب (٥٤) میں حدیث (۳۴۸۳) أبو مسعود عقبہ بن عمرو۔ رضی اللہ عنہ۔ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی مفصل تخریج میں نے ''روضة الناظر'' لابن قدامه کی تخریج میں کی ہے جو کہ زیر طبع ہے۔ ابو مسعود۔ رضی اللہ عنہ۔ کی یہ حدیث ہمارے نام نہاد سلفی أبو مسعود پر من وعن فٹ آتی ہے۔

ایک طرف تو نام نہاد سلفی ابو مسعود جیسے کچھ حضرات ہیں اور دوسرے طرف ایک دوسرے مسلک سے تعلق رکھنے والے چند مقلدین مولوی صاحبان ہیں جنھوں نے کتاب ''صلوۃ الرسول'' کا محقق ایڈیشن آ جانے کے بعد اس کتاب پر کیچڑ اچھالنے اور اس کے بارے میں غلط پروپیگنڈا کرنے کی مذموم سعی کی ہے۔

چنانچہ مولوی ''محمد یوسف'' مقلد نے اس مقصد کے لیے ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' ایک کتاب ترتیب دی۔

مولوی محمد ''امین اوکاڑوی'' مقلد نے اس پر تقریظ لکھی اور صوفی محمد بشیر مقلد نے اس کا مقدمہ لکھا۔

ان مقلدین کے بعد ایک ہندوستانی مولوی محمد اُبو بکر غازی پوری مقلد نے بھی اسی قسم کا ایک رسالہ ''حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کے بارے میں'' کے نام سے لکھ مارا۔

اس کتاب میں سب سے پہلے نام نہاد سلفی ''اُبو مسعود'' کے رسالے ''فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی اور اہل الحدیث کا مسلک اعتدال'' پر ایک نظر ڈالی جائے گی۔

اور پھر مذکورہ مقلدین مولویوں سے ہماری گفتگو ہوگی اور انھیں یہ بتایا جائے گا کہ جن اوہام اور اغلاط کو لے کر تم نے کتاب ''صلوۃ الرسول'' پر کیچڑ اچھالنے اور اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی جو نا کام کوشش کی ہے وہی اوہام اور اغلاط تمہاری بڑی بڑی معتبر کتب میں بھی پائے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ان کو ان کے اپنے گھر ہی کے آدمیوں کے حوالے سے دکھایا جائے گا۔ إن شاء اللہ۔

اس کے بعد ان مقلدین کی علمی خیانتوں کا ذکر بھی کیا جائے گا جن کا ارتکاب انھوں نے ''صلوۃ الرسول'' پر زیادہ سے زیادہ اعتراضات کرنے کی خاطر کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

ممکن ہے بلکہ یقینی بات ہے کہ بہت سے اذہان میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' وغیرہ یہ کتب تو بہت پہلے سے شائع شدہ ہیں لہٰذا اب ان کے جواب کی ضرورت کیوں پیش آئی، یا ان کے جواب میں اس قدر تاخیر کی وجہ کیا ہے؟

تو یہ ایک معقول سوال ہے اور اس کے درج ذیل جوابات ہیں۔

① بیرون ملک ہونے کی وجہ سے مجھے ان کتب کا بروقت علم نہ ہو سکا۔

② ان کے بارے میں علم ہو جانے کے بعد ان کے حصول میں بھی تاخیر ہوئی۔

③ جب ان کتب کو دیکھا تو کچھ لکھنے کو جی نہ چاہا کیونکہ اس قسم کی کتب کا ردّ لکھنے میں اپنے قیمتی وقت کو صرف کر دینا میرے نزدیک کوئی مستحسن اُمر نہ تھا۔ چنانچہ بعض اُصحاب کے مطالبے کے باوجود کچھ نہ لکھنے ہی کو ترجیح دی۔

اور جب ردّ لکھنے کا پروگرام بنا تو اس کا اصل سبب ''مولوی محمد یوسف مقلد'' کی کتاب ہے۔ ہوا یہ کہ ایک روز

اتفاق سے یہ کتاب اٹھائی اور اس کے بعض مقامات کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس صاحب نے خیانت سے کام لیا ہے اور جب پوری کتاب کو غور سے دیکھا تو اس میں بہت سی خیانتیں نظر آئیں، لہٰذا اس کا ردّ لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا مگر اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے یہ کام جلد شروع نہ کر سکا چنانچہ کافی وقت اس طرح سے بیت گیا۔

جب اس کتاب کے ردّ کا پروگرام بنایا تو اس مناسبت سے نام نہاد سلفی ''اَبو مسعود'' کے رسالے ''فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی'' کا جائزہ لینا بھی مناسب سمجھا۔

''مولوی محمد یوسف'' مقلد کی طرح ''مولوی محمد ابوبکر غازی پوری'' مقلد نے بھی کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر اعتراضات کے لیے خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے اور ان خیانتوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے مؤلف۔ رحمہ اللہ۔ پر بے جا اعتراضات بھی کیے ہیں لہٰذا اس کتاب میں ان پر ردّ بھی شامل ہے۔

خیال یہ تھا کہ یہ ردّ مختصر سا ہوگا مگر جب اس کام کو شروع کیا گیا تو خلاف توقع یہ کافی طول پکڑ گیا اس ردّ کے مکمل ہو جانے کے بعد بعض وجوہ کی بناء پر اس کی طباعت کا کام بھی تقریباً دو سال کی تاخیر کے بعد سرانجام پایا بہر حال اب یہ کام آپ کے سامنے ہے جو درج ذیل تین ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب:

یہ نام نہاد سلفی اَبو مسعود کے رسالے ''فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال'' کے بارے میں ہے جو دو فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اوّل = اس فصل میں نام نہاد سلفی ''اَبو مسعود'' کی بعض باتوں کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ موصوف نے جو بیہودہ زبان اور نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں ان کا خاکہ پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو اس کی سلفیت کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

فصل دوم = یہ فصل دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں اجتماعی دعا کے قائلین سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ جن دلائل کی بناء پر آپ اجتماعی دعاء کو ثابت کرتے ہیں کیا کبار ائمہ کو ان کا علم نہ تھا کہ انھوں نے اپنی کتب میں کوئی ایسا باب نہیں باندھا جو اجتماعی دعا کے متعلق ہو۔ اور اس کے بعد متعدد کبار آئمہ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

دوسرا حصہ نام نہاد سلفی نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیے ہیں ان کے جائزے پر مشتمل ہے۔

دوسرا باب:

یہ ان بعض مخلصین کے بارے میں ہے جنھوں نے ''تخریج وتعلیق صلوۃ الرسول ﷺ'' یا دوسرے لفظوں میں ''القول المقبول'' کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا مگر بعض چیزوں کے بارے میں انھیں غلط فہمی ہوئی۔

تیسرا باب:

مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں۔ یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے:

- **فصل اوّل:** یہ مقلدین کے ان بعض الزامات کے بارے میں ہے جو انھوں نے مسلک اہل حدیث پر ٹھونسے ہیں۔
- **فصل دوم:** اس فصل میں مقلدین کی ان باتوں کا جواب دیا گیا ہے جن کی بناء پر انھوں نے کتاب ''صلوۃ الرسول ﷺ'' پر اعتراضات کیے ہیں۔
- **فصل سوم:** اس فصل میں ''مولوی محمد یوسف مقلد'' کی خیانتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔
- **فصل چہارم:** یہ فصل ''مولوی محمد ابوبکر غازی پوری'' مقلد کی خیانتوں اور ان کے بعض اعتراضات کے ردّ پر مشتمل ہے۔

کتاب کے اختتام پر اس کی مختلف فہرستیں تیار کی گئی ہیں تا کہ اس سے استفادہ آسان رہے۔ وہ فہرستیں درج ذیل ہیں:

1. فہرست قرآنی آیات۔
2. فہرست احادیث وآثار۔
3. فہرست رواۃ واعلام۔
4. فہرست مصادر ومراجع۔
5. فہرست مضامین۔

آخر میں اللہ۔عزوجل۔ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں متبع کتاب وسنت بنائے اور تعصب وجمود سے دور رکھے اور ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور گناہوں سے بچائے۔ آمین۔

کتبہ

ابوعبدالسلام

عبد الرؤف بن عبد الحنان بن حکیم محمد أشرف سندھو

۱۴۲۶/۱۱/۹ھ بمطابق ۲۰۰۵/۱۲/۱۱م

شارجہ۔ متحدہ عرب امارات

پہلا باب......!

نام نہاد سلفی اَبومسعود کے رسالے

''فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی'' کے بارے میں

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اَوّل:

اس فصل میں نام نہاد سلفی اَبومسعود نے جو بیہودہ زبان اور نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں ان کا خاکہ پیش کیا جائے گا تاکہ قارئین کو اس کی سلفیت کی حقیقت معلوم ہو، مثل مشہور ہے۔''ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور۔'' یہی حال ہمارے مخاطب ابومسعود سلفی کا ہے۔

اور الفاظ کے خاکہ کے ساتھ ساتھ موصوف کی بعض باتوں کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔

فصل دوم:

اس فصل میں اس نام نہاد سلفی نے اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔
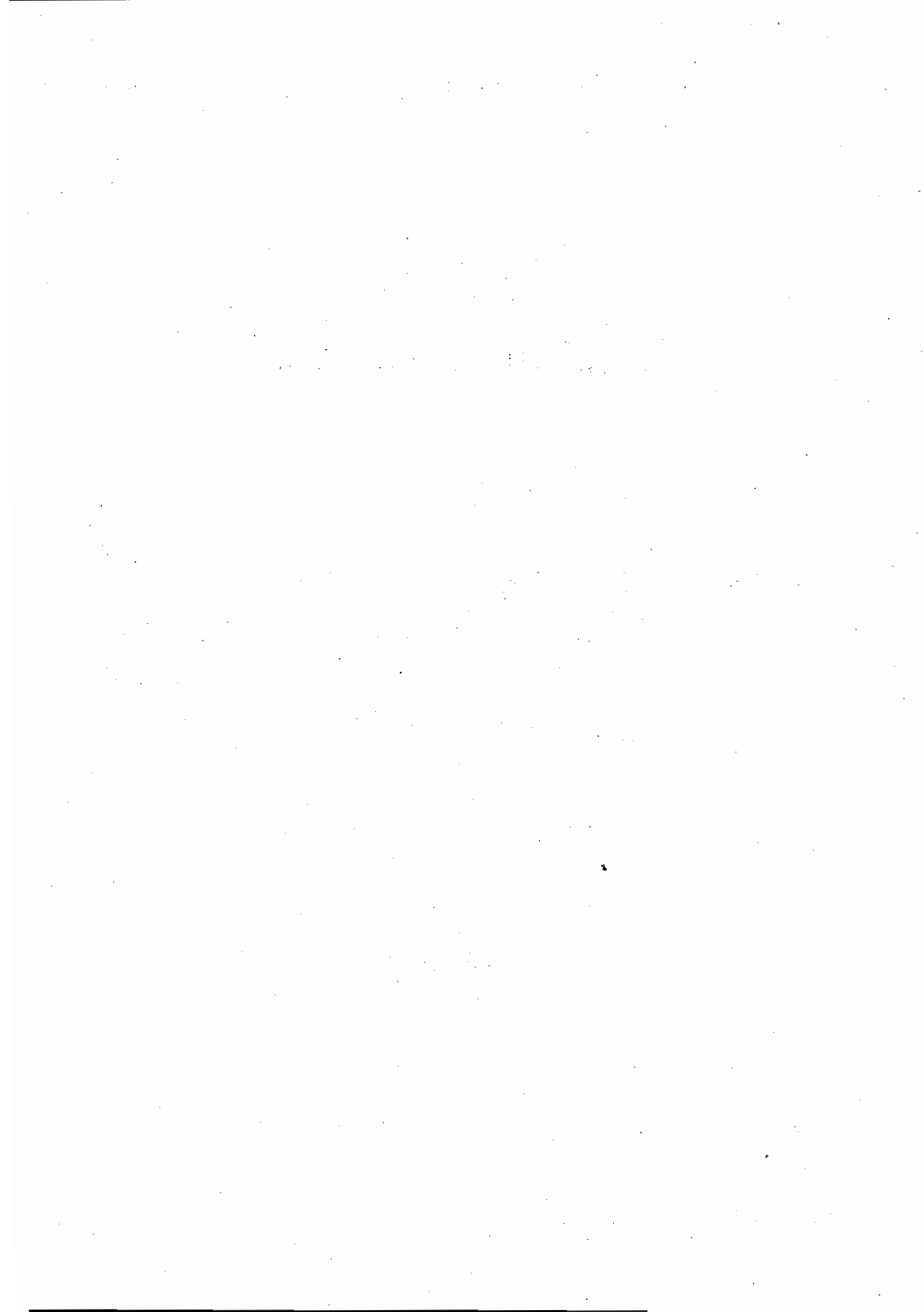
فصل اوّل

اس نام نہاد سلفی نے "فرض نمازوں کے بعد دعاءِ اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔
عنوان پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف نے اس مسئلہ پر بڑے اچھے انداز اور سنجیدگی سے بحث کی ہوگی مگر آپ جب رسالے پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نام نہاد سلفی نے کس قدر گندی زبان نازیبا کلمات اور گھٹیا اُسلوب اختیار کیا ہے۔
جو شخص اپنی زبان اور اُسلوب میں اعتدال کو قائم نہیں رکھ سکا تو وہ عاجز اس مسئلہ پر اعتدال کے ساتھ بحث کیسے کر سکتا تھا۔
اس نام نہاد سلفی نے اس قسم کا اسلوب اختیار کر کے بس اپنے دل کو تسکین پہنچانے کی کوشش کی ہے لیکن اسے تسکین حاصل نہ ہوگی۔ اِن شاء اللہ۔
جس صاحب نے مجھے یہ رسالہ لا کر دیا اس نے کہا کیا یہ شخص بریلوی ہے میں نے کہا نہیں کیونکہ ٹائٹل پر اُبو مسعود سلفی لکھا ہوا تھا۔ مگر جب رسالے پر نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ نام نہاد سلفی زبان درازی میں بریلویوں سے بھی چند قدم آگے ہے۔
قارئین کرام! آپ اس رسالے کے ٹائٹل پر صاحب رسالہ کے نام کو اس طرح سے لکھا ہوا پائیں گے: اُبو مسعود سلفی ایم اے۔
اور ٹائٹل کے اندر والے صفحہ پر آپ کو یوں لکھا ہوا ملے گا۔
ابو مسعود سلفی فاضل جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ، فاضل جامعہ فیصل آباد [1] ایم اے پنجاب یونیورسٹی لاہور
محسوس یوں ہوتا ہے کہ اس شخص نے ڈگریاں حاصل کرنے میں تو بڑی تگ و دو کی ہے مگر جو سیکھا اس پر عمل کرنے اور خود کو اُخلاق حسنہ سے متصف اور مزین کرنے کی کوشش نہیں کی ایسی ڈگریوں سے کیا فائدہ۔ ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾۔(الجمعة:٥)
اس شخص نے دوسروں کے بارے میں جن الفاظ کا استعمال کیا ہے ان کی فہرست ملاحظہ کیجیے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجیے کہ اس قدر لچر اور بیہودہ زبان کا استعمال کسی حقیقی سلفی کا کام ہے یا کہ اس شخص کا ہے جس کے اندر نفاق پایا جاتا ہو۔

---

[1] جامعہ کا نام ذکر نہیں شاید جامعہ سلفیہ ہو۔ واللہ اُعلم۔

الفاظ کی فہرست درج ذیل ہے۔

① خارجیوں سے تشبیہ۔ ملاحظہ ہو (ص:۵)۔
② ناعاقبت اندیش محققین (ص:۷)۔
③ جافین محققین۔ (ص:۸،۹)۔
④ غالی اور جافی (ص:۱۱،۱۲،۲۱،۲۶)۔
⑤ غالیوں اور جافیوں کا اُسوۂ رسول ﷺ پر ظلم (ص:۱۱)۔
⑥ شیطان کے ڈسے ہوئے جافی (ص:۲۸)۔
⑦ تحقیق کے اندھے تیر چلانے والے (ص:۴۳)۔
⑧ حدثاء الأسنان، سفہاء الأحلام (ص:۴۳)۔
⑨ شیطانی مشن پورا کرنے میں مصروف (ص:۴۹،۵۰)۔
⑩ شیطان نے اُحمق مخلصین کو اپنا کارکن بنالیا۔ (ص:۵۰)۔
⑪ محققین (ص:۵۰)۔
⑫ شرانگیز تحقیق کے تیر چلانے والے (ص:۵۱)۔

قارئین اب خود ہی فیصلہ کرلیں کہ یہ انداز کسی سلفی کا ہے یا کہ اس شخص کا جس کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے۔"وإذا خاصم فجر" ①

''جب جھگڑا کرتا ہے تو بدزبانی سے کام لیتا ہے۔''

موصوف نے اپنے رسالہ کے صفحہ (۱۴) پر سببِ تالیفِ رسالہ بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:'' چنانچہ راقم الحروف نے انہی بزرگوں کے جذبات پر اپنی گزارشات کو پیش کیا ہے۔''

ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے بزرگوں نے آپ کو یہ تلقین بھی کی تھی کہ جس قدر ہو سکے لچر اور بیہودہ زبان استعمال کرنا۔ (إنا للہ و إنا إلیہ راجعون)۔

موصوف نے اپنے مخالفین ہی کے ساتھ اس قدر گھٹیا اور گرا ہوا انداز اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے قائدین کو بھی معاف نہیں کیا چنانچہ (ص:۷) پر ایک عنوان یوں قائم کیا ہے۔''زعمائے اہلحدیث کی غفلت مجرمانہ'' اس عنوان کے تحت لکھا ہے:

''لیکن اس جماعت کے لیڈروں کی مجرمانہ غفلت سے اس میں کچھ ناعاقبت اندیش محققین گھس گئے جنھوں

① جیسا کہ بخاری (حدیث ۳۴) اور مسلم (حدیث:۸۵) میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ذکر ہے۔

نے طے شدہ مسائل میں الجھاؤ پیدا کر دیا۔"[1]

قلت: موصوف کو شاید غلط فہمی ہوگئی ہے کہ وہ اسے اپنے لیڈروں کی مجرمانہ غفلت سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بہت بڑے حوصلے اور فراخدلی کا ثبوت دیا ہے کہ ابو مسعود جیسے لچر او ربیہودہ زبان والے آدمی کو اپنی جماعت میں جگہ دے رکھی ہے۔

موصوف کے نزدیک طے شدہ مسائل میں سے فرض نماز کے بعد اجتماعی دعاء والا مسئلہ بھی ہے۔

ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ مسئلہ کن دلائل کی بناء پر طے شدہ ہے۔ قرآن مجید کی کس آیت یا کس حدیثِ رسول۔ ﷺ۔ میں اس کا ذکر ہے یا صحابہ تابعین اور ائمہ کرام و محدثین میں سے کن حضرات نے اس کو طے کیا ہے ذرا ان کے نام تو ذکر کریں۔

یہ نام نہاد سلفی تو اس مسئلے کو طے شدہ مسئلہ بتا رہا ہے لیکن سنیئے کہ علامہ مبارکپوری۔ رحمہ اللہ۔ اس مسئلے کے بارے میں کیا لکھتے ہیں، آپ رقمطراز ہیں:

" فائدة: اعلم أن علماء الحديث قد اختلفوا في هذا الزمان فی أنّ الإمام إذا انصرف من الصلاة المكتوبة هل يجوز له أن يدعو رافعًا يديه، و يؤمن من خلفه من المأمومين رافعي أيديهم فقال بعضهم بالجواز، و قال بعضهم بعدم جوازه ظنًا منهم أنّه بدعة۔ قالوا إنّ ذلك لم يثبت عن رسول الله۔ ﷺ۔ بسند صحيح، بل هو أمر محدث، و كل محدث بدعة۔"

"فائدہ۔ جان لو کہ اس زمانے میں علماء اہل حدیث کا اس میں اختلاف ہے کہ امام جب نماز فرض سے فارغ ہو جائے تو کیا اس کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا بھی ہاتھ اٹھانا اور اس کی دعاء پر آمین کہنا جائز ہے؟ بعض علماء نے جائز کہا ہے اور بعض دیگر علماء نے اس کو بدعت خیال کرتے ہوئے ناجائز کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہیں۔[2] بلکہ یہ ایک نیا کام ہے اور ہر نیا کام بدعت ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے اس کو جائز کہنے والوں کے دلائل ذکر کیے ہیں اور اپنی جو رائے دی ہے وہ یہ ہے:

" **قلت**: القول الراجح عندي أن رفع اليدين فی الدعاء بعد الصلاة جائز لو فعله

[1] اس آدمی کے انداز اور اُسلوب سے اس کی کس قدر پریشانی اور بے بسی ظاہر ہوتی ہے۔

[2] قلت: بلکہ یہ ضعیف اور موضوع سند سے بھی ثابت نہیں ہے۔

أحد لا بأس عليه۔ إن شاء الله تعالیٰ۔ والله اعلم" تحفة الأحوذي:(۱۹۸/۲،۲۰۲)

"میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے اگر کوئی [1] ایسا کرے تو ان شاءاللہ کوئی حرج نہیں۔واللہ اعلم۔"

مبارک پوری صاحب کے کلام سے معلوم ہوا کہ علماء اہل حدیث کی ایک جماعت نے اس اجتماعی دعاء کو بدعت کہا ہے اور یہ نام نہاد سلفی اس کو طے شدہ مسئلہ سمجھے بیٹھا ہے۔

اس نام نہاد سلفی نے گندی اور بیہودہ زبان استعمال کر کے ان اکابر علماء اہل حدیث کی بھی گستاخی اور بے ادبی کی ہے جنھوں نے اس کو بدعت کہا ہے لہٰذا زعمائے اہل حدیث اور جماعت کے لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ ایسے بے ادب و گستاخ کو جماعت سے نکال باہر پھینکیں۔

رہے اس نام نہاد سلفی کے اس بدعت کو ثابت کرنے کے لیے ادھر ادھر کے دلائل تو ان کا عنقریب ہم جائزہ لیں گے۔ان شاءاللہ۔

موصوف(صفحہ:۵۰) میں لکھتے ہیں:

"اور وہ (یعنی شیطان) ملعون عرصہ دراز سے اہل توحید کے سچے عقیدے اور تعلق باللہ پر نظر رکھے ہوئے تھا اور بڑا فکر مند تھا کہ اگر ان کا شوق و ذوق دعا اسی طرح جاری رہا تو کہیں سچے اور کھرے عقیدے والوں کو حسن عمل کی بنا پر اہل زمین کے ہاں قبولیت عامہ اور درجہ محبوبیت نصیب نہ ہو جائے اور لوگ ان کے عقیدہ و حسن عمل کو دیکھ کر اہل حدیث ہی نہ بن جائیں اور کہیں مساجد آباد اور آستانے ویران نہ ہو جائیں تو اس نے کمال عیاری سے اُحمق مخلصین کو اپنا کارکن بنا لیا اور ان سے "صلوٰۃ الرسول ﷺ" جیسی نفع مند کتاب کی تخریج لکھوا دی۔"

قارئین دیکھیے یہ ہے مدعی سلفیت کا کلام ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾ الاية۔(الكهف:۵)

کیا شیطان ایسا کام چاہے گا بلکہ اس کام سے تو وہ پریشان ہوگا اس لیے کہ وہ صحیح دین سے لوگ کو دور رکھنا چاہتا ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان اس کام سے بڑا پریشان ہوا اور اس نے اس کے سدّ باب کے لیے ایک نام نہاد سلفی کو تلاش کر لیا تاکہ وہ کسی طریقے سے لوگوں کو اس کام سے متنفر کر سکے۔

شاید شیطان کو اُس دن جس دن اس نام نہاد سلفی کا یہ رسالہ مارکیٹ میں آیا ہوگا اپنے اس چیلے کے کارنامے سے

---

[1] یعنی انفرادی طور پر۔

جس نے آ کر اسے یہ رپورٹ دی ہوگی کہ آج میں نے ایک میاں اور بیوی میں اختلاف ڈلوا دیا اور نتیجہ طلاق نکلا۔ [1] اتنی خوشی نہ ہوئی ہوگی جس قدر کہ اس رسالے کے مارکیٹ میں آنے سے۔

یہ ہے ادارہ تبلیغ القرآن والسنۃ سنت نگر لاہور کی دینی خدمت۔ إنا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس مدہوش نے یہ بات کہہ کر بڑے بڑے ائمہ اور محدثین کو مطعون کر دیا ہے کیونکہ حافظ ابن کثیر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر جیسے کبار ائمہ نے بھی دوسرے ائمہ کی کتب کی تخریج وغیرہ کی ہے تو کیا ان سے بھی شیطان ہی نے یہ کام کروایا تھا، اور کیا اسی کے کہنے پر ہی ان آئمہ نے یہ کام کیا اور کتب جرح وتعدیل وغیرہ لکھیں اور اسی کے اشارے پر ہی انھوں نے بال کی کھال اتاری ہے کیونکہ موصوف تحقیق کو بال کی کھال اتارنے سے تعبیر کرتے ہیں ملاحظہ ہو، ان کے رسالہ کا صفحہ (۵، ۳۸)۔

تحقیق سے بال کی کھال نہیں اترتی بلکہ اس سے اُبو مسعود جیسے رطب و یابس بیان کرنے والے اور بدعات کو سنت سمجھنے والے نام نہاد سلفیوں کی کھال اترتی ہے اسی لیے ان کو پریشانی ہوتی ہے۔

موصوف تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''میں وثوق سے کہتا ہوں اگر یہ محققین سعودیہ اور متحدہ عرب امارت کی پرکشش تنخواہوں پر حصول جنت کو ترجیح دیتے اور تبلیغ دین کے لیے ایرکنڈیشنڈ کمروں کی بجائے مراکز شرک کے سامنے ڈیرے ڈال دیتے اور مشرکین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عقیدہ توحید کا ڈنکا بجاتے تو انھیں حکمتِ اسلام کا اندازہ ہو جاتا اور انھیں مساجد میں اللہ کے سامنے اٹھے ہوئے ہاتھ خوبصورت لگتے۔'' (ص: ۵۰۔۵۱)۔

قلت: ﴿سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾۔ (النور: ١٦)

کیا تمہارے شیطان نے تمہارے کان میں پھونکا ہے کہ ہم نے سعودیہ اور عرب امارات کی تنخواہوں کو جنت پر ترجیح دی ہے۔

محسوس یوں ہوتا ہے کہ نہ تو تمھیں اللہ۔عزوجل۔ کا خوف ہی ہے اور نہ ہی شرم وحیاء، ان دونوں چیزوں میں سے کم از کم اگر ایک چیز ہی تمہارے اندر پائی جاتی تو تم یہ بات نہ کہتے۔

تم نے بڑے بڑے جامعات میں تعلیم حاصل کی اور ڈگریاں بھی وصول کیں کیا رسول اللہ۔ ﷺ۔ کی یہ حدیث

[1] صحیح مسلم (حدیث: ۲۸۱۳) کتاب "صفة القيامة"، باب "تحريش الشيطان و بعثه سراياه لفتنة الناس" میں حدیث جابر۔ رضی اللہ عنہ۔ ہے جس کا مختصر یہ ہے کہ آدمیوں کو ورغلانے کے لیے شیطان کے بھیجے ہوئے کارندے جب اس کو آ کر رپورٹ دیتے ہیں تو ایک کہتا ہے کہ آج میں نے یہ کیا، دوسرا کہتا ہے آج میں نے یہ کیا، وہ کہتا ہے کہ تم نے کچھ بھی نہیں۔لیکن جب ایک یہ کہتا ہے کہ آج میں نے خاوند سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دی تو وہ بہت خوش ہو جاتا ہے اور اسے گلے لگا لیتا ہے۔

تمہاری نظروں سے نہیں گذری۔ ''أفَلَا شققت عن قلبه حتى تعلم أقالها أم لا۔'' [1]

''تم نے اس کے دل کو چاک کیوں نہیں کیا تاکہ تمھیں پتہ چلتا کہ اس نے (دل نے) لاالٰہ الا اللہ کہا ہے یا نہیں۔''

معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے حقدار یہی ہیں بلکہ انھیں دخولِ جنت کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے اور خدمتِ دین کا ٹھیکہ بھی انھوں نے لے رکھا ہے یہ کس قدر انتہائی درجے کا عجب اور غرور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی عجب اور غرور تمہاری ہلاکت کا سبب بن جائے۔

جندب بن عبداللہ۔ رضی اللہ عنہ۔ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے قسم اٹھا کر کہا کہ اللہ فلاں کو معاف نہیں کرے گا تو اللہ۔عزوجل۔ نے فرمایا:

"من ذا الذي يتألى عليّ أن لا أغفر لفلان! إنّي قد غفرت له،و أحبطت عملك" أو كما قال۔ [2]

''کون ہے جو مجھ پر قسم اٹھائے کہ میں فلاں کو معاف نہیں کروں گا یقیناً میں نے اسے معاف کر دیا اور تیرے أعمال کو برباد کر دیا۔''

یہ ہے عجب اور غرور کی سزا۔

جنت اگر تمہاری ملکیت ہے تو ٹھیک ہمیں جنت میں داخل نہ ہونے دینا، اور نہ ہی ہمیں تمہاری جنت کی ضرورت ہے۔

رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدعی اور مدعی علیہ سے تو یہ کہیں کہ ممکن ہے کہ تم میں سے ایک زبان میں تیز ہو تو میں اس کی باتیں سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو وہ اپنے بھائی کے حق کو نہ لے اور جس کے لیے میں نے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دیا تو میں نے اس کے لیے عذاب کے ایک حصے کا فیصلہ کر دیا۔ [3]

مگر یہ جاہل مرکب کہے کہ میں وثوق سے کہتا ہوں۔ إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔ اس نام نہاد سلفی کے لیے یہاں ہم رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی ایک دوسری حدیث بھی ذکر کرتے ہیں شاید کہ اس کی اصلاح ہو جائے اور وہ حدیث أبو ہریرہ۔ رضی اللہ عنہ۔ ہے جو درج ذیل الفاظ سے ہے:

" إن العبد ليتكلم بالكلمة ما يتبين فيها يَزِلّ بها إلى النار أبعد مما بين المشرق والمغرب"۔ [4]

---

[1] ملاحظہ ہو، صحيح مسلم(حديث:٩٦) كتاب "الإيمان"، باب :"تحريم قتل الكافر بعد أن قال: لاإله الا الله"۔

[2] اس حدیث کو مسلم (حدیث:۲۶۲۱) نے روایت کیا ہے۔

[3] جیسا کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں مروی ام سلمہ۔ رضی اللہ عنہا۔ کی حدیث میں ہے۔ اس حدیث کی مفصل تخریج میں نے ابن قدامہ کی کتاب ''روضۃ الناظر'' (ج۲/حدیث:۲۹۸) میں کی ہے جو زیر طبع ہے۔

[4] بخاری(٦٤٧٧) كتاب الرقاق، مسلم(٢٩٨٨) كتاب الزهد۔

''یقیناً بندہ ایسی بات کہنے کی وجہ سے جس کے بارے میں وہ تثبت سے کام نہیں لیتا جہنم میں اتنا نیچے گر جاتا ہے جتنا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ہے۔''

اور اس نام نہاد سلفی کی صرف یہی ایک بات نہیں بلکہ اس قسم کی دیگر باتیں بھی ہیں۔ یہد یہ اللہ۔

اس نام نہاد سلفی کا خیال ہے کہ اہل شرک و بدعت سے صرف انہی لوگوں کو سامنا ہے جب کہ ہمارے ممالک، پاکستان بنگلا دیش اور انڈیا سے خلیجی ممالک میں آنے والے لوگوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے مگر اللہ۔عزوجل۔ کے فضل وکرم سے یہاں عرب امارات میں خطبہ جمعہ اور دروس کی صورت میں بڑے اُحسن انداز سے دعوت وتبلیغ کا کام جاری ہے خصوصاً ہمارے شارجہ شہر میں اُوقاف کی طرف سے تقریباً بیس سے زیادہ مساجد ایسی ہیں جن میں خطبہ اردو زبان میں دیا جاتا ہے۔ اور خطبہ دینے والے کتاب وسنت کے داعی ہیں۔

اور خطباء میں سے کچھ خطیب ایسے بھی ہیں کہ جن کی نماز جمعہ کے بعد سوال و جواب کی نشستیں بھی ہوتی ہیں۔ [1] جن سے لوگ بہت مستفید ہوتے ہیں کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہمیں دعائیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحیح دین کا علم ہمیں یہاں آ کر ہوا ہے۔

دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں ہمارے حاکم شارجہ شیخ ڈاکٹر سلطان بن محمد قاسمی۔ حفظہ اللہ۔ بھی کافی دلچسپی رکھتے ہیں وہ صحیح العقیدہ اور محبّ دین انسان ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور انھیں مزید خدمتِ دین کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

سطور بالا میں یہ ذکر ہوا کہ یہاں خلیجی ممالک میں بھی اہل شرک و بدعت موجود ہیں اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان میں کس قدر متعصب لوگ بھی ہیں ایک واقعہ سنتے چلیے۔

شاید بعض قارئین کو یاد ہو کہ ۱۹۹۹ء میں سعودی عرب کے شہر جبیل میں حافظ نعیم بن عبد الستار۔ رحمہ اللہ۔ [2] کا جو قتل ہوا تھا اس کی وجہ کیا تھا کیا کوئی ذاتی رنجش تھی قطعاً ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انھیں ایک پاکستانی بریلوی نے محض اس بناء پر قتل کیا تھا کہ وہ اس کے خیال میں گستاخ رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تھے اس لیے ایسے آدمی کو قتل کرنا بہت بڑی سعادت اور حصول جنت کا ذریعہ ہے۔

---

[1] ہمارے یہاں نظام یہ ہے کہ ہر اسلامی مہینہ کی ابتداء میں خطباء کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔ اس لیے ہر خطیب کو مختلف مساجد میں جانے کا موقع ملتا ہے جس سے خطیب اور سامعین دونوں کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔

[2] حافظ صاحب کا تعلق جڑانوالہ کے ایک گاؤں اکال گڑھ سے تھا جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد جامعہ ام القرآن مکہ مکرمہ میں استاد مقرر ہوئے یہاں چند سال خدمات دینے کے بعد جبیل منتقل ہو گئے اور اسی شہر میں ان کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔

اللہ ـ عزوجل ـ سے دعا ہے کہ وہ ان کی اس موت کو شہادت کی موت بنائے ـ ان کی خطاؤں سے درگزر اور ان کے درجات بلند کرے ـ [1] آمین

أبومسعود کے اس قول سے کہ انھیں حکمت اسلام کا اندازہ ہو جاتا ـ پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلام اور حکمت اسلام کو خوب سمجھتے ہیں جب کہ ان کے اس رسالے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محض ان کی خوش فہمی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان کے اس رسالے میں کئی باتیں لایعنی اور سطحی قسم کی ہیں جو کہ ان کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ فہم اسلام اور معرفت حکمتِ اسلام پر اور اس فصل کے آخر میں ہم اس کی صرف دو مثالیں ذکر کریں گے ـ

یہی وجہ ہے کہ ہم نے ابتداء میں ان کے رسالے کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا بلکہ وقت کا ضیاع سمجھا ـ

اور بعد میں جب پروگرام بنا تو محض دو وجوہ کی بناء پر جو یہ ہیں ـ

1. اس نام نہاد سلفی نے لوگوں میں یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ عرب ممالک میں رہنے والے محض دنیا کے طالب ہیں جب کہ یہ سراسر بہتان ہے ـ
2. دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے لوگوں کو یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ ہم دعا کے سرے سے منکر ہیں جب کہ یہ بھی بہت بڑا بہتان ہے ـ

اللہ تعالیٰ اس نام نہاد سلفی کو ہدایت دے اور اسے صحیح معنوں میں سلفی بننے کی توفیق عطا فرمائے ـ

دعاء کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ایک عبادت ہے اور جو اس عبادت سے انکار کرے وہ جہنمی ہے ـ [2]

اور اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے اس عبادت کے احکام، شروط اور آداب سے ہم اچھی طرح واقف ہیں بلکہ اس نام نہاد سلفی سے زیادہ بہتر طریقے سے واقف ہوں گے ـ إن شاء اللہ ـ اب آخر میں اس نام نہاد سلفی کی جہالت کی دو مثالیں ذکر کرکے اس فصل کو ختم کرتے ہیں ـ

---

[1] عام طور پر اس قسم کی موت والے یا کفار کے ہاتھوں قتل ہو جانے والوں پر لفظ ''شہید'' کا اطلاق کیا جاتا ہے جو درست نہیں ـ درست یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی موت کو شہادت کی موت بنائے ـ وغیرہ وغیرہ

کیونکہ حقیقت کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ـ بخاری (حدیث: ۲۸۰۳) اور مسلم میں ابوہریرہ ـ رضی اللہ عنہ ـ سے مروی حدیث میں ہے: '' لا يكلم أحد في سبيل الله ـ والله أعلم ـ بمن يكلم في سبيله...... '' نہیں کوئی زخمی کیا جاتا اللہ کی راہ میں اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے ـ

اسی طرح عام طور پر لوگ فلاں مرحوم، میرا والد بہشتی، میری ماں بہشتن وغیرہ الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں جب کہ ان الفاظ سے بھی گریز ضروری ہے اور ان کی بجائے یوں کہا جائے ـ '' رحمہ اللہ، رحمۃ اللہ علیہ '' میرے والد اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ بہشت میں جگہ دے ـ وغیرہ وغیرہ ـ

[2] ملاحظہ ہو، سورۃ المؤمن: (٦٠) ـ

پہلی مثال:

موصوف نے صفحہ (۲۴،۲۵) میں لکھا ہے:

''الغرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی اَحادیث بے شمار ہیں اور کسی حدیث میں اس طرح کی ممانعت نہیں کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھائے جائیں بلکہ ''مجمع الزوائد'' اور ''طبرانی'' اور ''فض الدعاء'' [1] میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر۔ رضی اللہ عنہ۔ نے ایک آدمی کو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی دعا مانگتے دیکھا تو فرمایا:"إن رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته"(قال:رجاله ثقات) کہ رسول کریم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔''

یہ ہے موصوف کا کلام جس پر ہمارے درج ذیل ملاحظات ہیں:

1. یہ عام ملاحظہ ہے وہ یہ کہ حوالے میں پہلی طبرانی کا ذکر ہونا چاہیے تھے کیونکہ طبرانی اَصل ہے یعنی امام طبرانی نے اس حدیث کو اپنی کتاب "المعجم الكبير" میں بالسند روایت کیا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ امام طبرانی کی تین معاجم ہیں۔ کبیر، اَوسط اور صغیر، اور جب مطلق طور پر یہ کہا جائے کہ فلاں حدیث طبرانی میں ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے اس حدیث کو ''معجم کبیر'' میں روایت کیا ہے۔

اور ''مجمع الزوائد'' میں حافظ ہیثمی نے مسند اَحمد، مسند اَبویعلی، مسند بزار اور طبرانی کی معاجم ثلاثہ کی زوائد اَحادیث کو یعنی وہ اَحادیث جو اُصول ستہ (معروف صحاح ستہ) میں نہیں پائی جاتیں ان کی اَسانید کو حذف کر کے انھیں فقہی اَبواب پر مرتب کیا ہے۔ [2]

لہٰذا حوالہ کا یہ انداز غلط ہے کہ اَصل کتاب کو بعد میں اور غیر اَصل کو پہلے ذکر کیا جائے۔ اور یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مختلف جامعات سے ڈگریاں حاصل کرنے والے کبیر السن اور سلفیت کا دعویٰ کرنے والے کو ابھی تک اس بات کا بھی علم نہیں ہے۔

کبیر السن ہم نے اس لیے کہا کہ موصوف نے اپنے مخالفین کو ''حدثاء الاسنان'' لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف عمر رسیدہ ہیں مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ موصوف اس عمر میں بھی اَخلاق حسنہ، سنجیدگی اور حلم سے کورے ہیں۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

---

[1] موصوف کے ہاں ایسے ہی ہے جب کہ صحیح ''فض الوعاء'' ہے نہ جانے کہ یہ طباعت کی غلطی ہے یا کہ موصوف کی۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطی کا رسالہ ہے جس کا پورا نام اس طرح ہے:"فض الوعاء في أحاديث رفع الأيدي في الدعاء"

[2] اس کے بارے میں اس کتاب کا صفحہ: (۵۱) بھی دیکھیں۔

② یہ کہنا کہ کسی حدیث میں اس طرح کی ممانعت نہیں یہ جہالت کی بات ہے۔

اس نام نہاد سلفی سے ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی بریلوی یہ کہے کہ درود کی فضیلت کے بارے میں بے شمار اُحادیث ہیں اس لیے ہم اذان سے پہلے بھی درود پڑھتے ہیں اور کسی حدیث میں اذان سے پہلے درود پڑھنے کی ممانعت بھی نہیں آئی۔

تو کیا خیال ہے کہ یہ کہنا درست ہے اگر نہیں تو کیوں؟ فما جوابکم فهو جوابنا۔ [1]

یہ تو ایک الزامی جواب تھا آیئے اب علمی جواب سنیے اور وہ یہ ہے کہ دعا ایک عبادت ہے اور عبادت کے بارے میں امام اُحمد اور فقہاءِ حدیث نے جو اُصول بیان کیا ہے وہ یہ کہ عبادات میں اُصل توقیف ہے لہٰذا وہی عبادت مشروع ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہو۔ اگر ہم اپنی طرف سے کسی کام کو عبادت سمجھ کر کریں گے تو ہم پر اللہ ۔عزوجل۔ کا یہ فرمان صادق آئے گا۔

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوریٰ: ۲۱)۔

''کیا ان لوگوں کے ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسے احکام دین مقرر کر رکھے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔''

اور عادات۔ عام دنیاوی اُمور۔ میں اصل اباحت ہے لہٰذا وہی چیز حرام ہوگی جسے اللہ نے حرام کیا ہو وگرنہ ہم اللہ ۔عزوجل۔ کے اس فرمان میں داخل ہوں گے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلَالًا﴾ (یونس: ۵۹)۔

''کہہ دیجیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل کیا ہے تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال کر رکھا ہے۔'' [2]

اس اُصول کے ذکر کے بعد اب ہم حقیقی سلف کے اُقوال سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں تا کہ اس نام نہاد سلفی کو علم ہو کہ عبادات کے بارے میں سلف کا مذہب کیا تھا۔

پہلی مثال: خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں سلف اور خلف کا مؤقف:

رسول اللہ ۔ﷺ۔ سے متعدد مقامات پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے مگر خطبہ جمعہ کی دعا میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

[1] مقلد مولوی غازی پوری نے زبان سے نیت کرنے کے جواز پر دلیل یہ دی ہے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ (۳۷۲)

ان کی اس دلیل کا اس نام نہاد سلفی کے پاس کیا جواب ہوگا؟

[2] اس اصول کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ مجموع الفتاویٰ (۲۹/۱۶۔۱۸) اور ''القواعد النورانیّة الفقهیّة'' (ص: ۱۷۶، بتخریجی و تعلیقی) کلاهما لشیخ الاسلام ابن تیمیة۔

آپ کا معمول نہ تھا آیئے اب اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں صحابہ، تابعین اور دیگر أئمہ کا موقف معلوم کرتے ہیں۔

ا۔ عمارۃ بن رؤیبہ۔ رضی اللہ عنہ۔ صحابی کا موقف:

انھوں نے جمعہ کے دن خطبہ کی دعاء میں بشر بن مروان کو دعا کے لیے [1] جب ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

"قبح الله هاتين اليُدَيَّتَيْنِ القصيرتين لقد رأيت رسول الله ﷺ و ما يزيد على أن يقول هكذا و أشار هشيم بالسبابة" [2]

"اللہ تعالیٰ ان چھوٹے ہاتھوں کو خراب کرے، میں نے رسول اللہ۔ ﷺ۔ کو (خطبہ جمعہ میں دعا کرتے وقت) صرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ھشیم (اس حدیث کے ایک راوی) نے شہادت والی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔"

تنبیہ= بعض راویوں نے اس حدیث کو بیان کرتے وقت دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں کیا بلکہ مطلق ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے چنانچہ بعض علماء نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ جیسے بعض خطباء دوران خطبہ سامعین کو متنبہ کرنے کے لیے دائیں بائیں ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس مطلق روایت کے بارے میں محدث عظیم آبادی کی رائے اور اپنی رائے کا ذکر کریں اس روایت کی امام قرطبی نے جو ایک انوکھی شرح کی ہے اس کا اور اس روایت کے بارے میں بعض حنفی علماء کے عجیب اوہام کا ذکر کرتے ہیں:

شارح مسلم ابوعباس قرطبی [3] (م:٦٥٦ھ) کی انوکھی تفسیر:

قرطبی اس روایت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كان ذاك۔ والله أعلم۔ من رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ عند التشهد في الخطبة كما كان يفعل في الصلاة" المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم" (٥٠٥/٢)۔

---

[1] یہ أموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھائی ہیں اور ان کی طرف سے عراق پر أمیر تھے اور ان کی وفات (٧٥ھ) میں ہوئی۔

[2] اس حدیث کو ترمذی (٥١٥) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی مفصل تخریج عنقریب آ رہی ہے

[3] یہ قرطبی تفسیر والے قرطبی نہیں بلکہ یہ ان کے اساتذہ میں سے ہیں اور ان کا نام أحمد بن عمر بن ابراہیم ہے اور ان کی وفات (٦٥٦ھ) میں ہوئی۔ اور تفسیر والے جو قرطبی ہیں ان کی کنیت أبوعبداللہ اور نام محمد بن أحمد ہے۔ اور ان کی وفات (٦٧١ھ) میں ہوئی۔

''رسول اللہ ﷺ کا یہ اشارہ خطبہ میں تشہد کے وقت تھا۔ جیسا کہ آپ نماز میں کیا کرتے تھے۔ واللہ أعلم۔''
یعنی خطبہ مسنونہ میں ''أشهد أن لا اله الا الله......'' پڑھتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے جیسا کہ نماز میں کرتے تھے۔'' [1]

بعض حنفی علماء کے عجیب أوھام:

مولانا خلیل أحمد سہارنپوری امام أبوداؤد کی اس تبویب باب: ''رفع اليدين على المنبر'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" أي عند القيام على المنبر في الخطبة، والمراد برفع اليدين: الرفع الذي يكون عند مخاطبة الناس للتنبيه كما هو عادة الخطباء، والوعاظ، لا الرفع الذي يكون عند التحريمة والدعاء" بذل المجهود" (٦/١٠٥-١٠٦)۔

''یعنی خطبہ جمعہ میں منبر پر کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو مخاطب کرتے وقت ان کی توجہ دلانے کے لیے جو ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں جیسا کہ خطباء اور وعاظ کی عادت ہوتی ہے نہ کہ وہ ہاتھ اٹھانا مراد ہے جو کہ تحریمہ اور دعاء کے وقت اٹھائے جاتے ہیں۔''

قلت: اِمام ابوداؤد کی مراد خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا ہے کیونکہ انھوں نے اس باب کے تحت حدیثِ عمارہ اور حدیثِ سہل ذکر کی ہے اور دونوں ہی حدیثوں میں دعاء میں ہاتھ اٹھانے کی صراحت ہے۔

مولانا زکریا کاندھلوی صاحب ان کے اس کلام پر تعلیق لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و أنكره في "فيض الباري" و قال : بل كان الرفع للدعاء كما شرح به البيهقي، وصاحب الإتحاف، ويؤيده رواية مسلم: "رأيت بشراً يرفع يديه" أي للدعاء، و أصرح منه ما في الترمذي بلفظ" بشر بن مروان يخطب فرفع يديه في الدعاء، انتهى۔"

''اس کا انور شاہ کاشمیری نے ''فیض الباری'' میں انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ رفع یدین دعاء کے لیے تھا جیسا کہ بیہقی اور صاحب اتحاف نے اس کی شرح کی ہے۔ اور اس کی تائید مسلم کی روایت ''بشر کو میں نے ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا'' سے بھی ہوتی ہے یعنی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

---

[1] واضح رہے کہ تشہد میں عام طور پر اشارہ ''أشهد أن لا إله إلا الله'' کہتے وقت کرتے ہیں جب کہ اس پر کوئی صحیح صریح دلیل نہیں ہے تفصیل کے لیے ''القول المقبول'' (صفحہ:۴۵۰-۴۵۱) دیکھیں۔

اور اس سے زیادہ صریح ترمذی کی روایت ہے جو بایں اُلفاظ ہے: ''بشر بن مروان خطبہ دے رہا تھا کہ اس نے دعاء میں ہاتھ اٹھائے۔''

قلت: اس کلام پر درج ذیل مؤاخذات ہیں:

① کاندھلوی اور کشمیری بہت دور چلے گئے کیونکہ سہارنپوری نے جو کچھ کہا اس کی تردید اُبوداؤد ہی کی روایت سے ہوتی ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"رأى عمارة بن رؤيبة بشر بن مروان، و هو يدعو في يوم جمعة۔"

نیز امام اُبوداؤد نے اس حدیث کے بعد حدیثِ سہل کو روایت کیا ہے اور اس میں بھی دعا کا ذکر ہے۔

② کاشمیری صاحب کا یہ کہنا کہ مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے محل نظر ہے کیونکہ مسلم کی دونوں روایتوں میں سے کسی ایک میں بھی دعا کی صراحت نہیں ہے۔

۳۔ "أي للدعاء" یہ کشمیری صاحب کی اپنی تفسیر ہے جب کہ ان کے ظاہر کلام سے پتہ چلتا ہے بلکہ قاری یہی سمجھے گا کہ یہ حدیث کے کسی راوی کی تفسیر ہے۔ اس تفصیل کے بعد اب ہم عظیم آبادی کے موقف کی طرف آتے ہیں۔

عظیم آبادی کا موقف:

محدث عظیم آبادی نے اسی ۔مطلق ہاتھ اٹھائے جانے والی۔ روایت کو ترجیح دی ہے چنانچہ وہ ''غاية المقصود'' سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و عندي للمعنى الثاني ترجيح من وجهين۔ الأوّل: أنّ أبا عوانة الوضاح، و سفيان الثوري، و عبد الله بن إدريس أوثق، و أثبت من هشيم بن بشير، و محمد بن فضيل، و إن كان زائدة بن قدامة مثل هولاء الثلاثة في الحفظ، فتعارض رواية هولاء الثلاثة الحفاظ رواية زائدة بن قدامة، و العدد الكثير أولى بالحفظ" [1]

''میرے نزدیک دو وجوہ کی بناء پر دوسرے معنی ہی کو ترجیح ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ زائدہ بن قدامہ اگرچہ حفظ میں اُبوعوانہ وضاح، سفیان ثوری اور عبد اللہ بن إدریس جیسے ہیں مگر یہ (تینوں) ھشیم بن بشیر اور محمد بن فضیل سے زیادہ ثقہ اور ثبت ہیں چنانچہ ان تینوں حفاظ کی روایت زائدہ بن قدامہ کی روایت سے ٹکراتی ہے اور کثیر تعداد حفظ میں اُولی ہوتی ہے۔''

قلت: یہ ان کا کلام ہے جو ہمارے نزدیک درج ذیل وجوہ کی بناء پر محل نظر ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ''عون المعبود'' (۲/۴۵۹)۔

① زائدہ بن قدامہ کے ساتھ ھشیم بن بشیر اور محمد فضیل بھی تو ہیں اور ان کو یکسر نظر انداز کر دینا بالکل درست نہیں ہے اور یہ دونوں بخاری ومسلم کے راویوں میں سے ہیں۔

محمد بن فضیل اگرچہ مذکورہ تینوں راویوں جیسے نہیں ہیں لیکن ھشیم بن بشیر ان سے کم نہیں ہیں۔ علامہ ذہبی نے ''**تذکرة الحفاظ**'' میں انھیں ''الحافظ الكبير محدث العصر''، میزان الاعتدال میں '' الحافظ أحد الأعلام'' اور کاشف میں '' إمام ثقة'' کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے '' تقریب'' میں انھیں ''ثقة ثبت'' کہا ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ تدلیس کرتے تھے لیکن اس سے ان کی ثقاہت پر کوئی حرف نہیں آتا یہ بھی واضح رہے کہ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے ھشیم نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔

اور زائدۃ کے بارے میں علامہ ذہبی نے کاشف میں ''ثقة حجة صاحب سنة'' اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں ''ثقة ثبت صاحب سنة'' کہا ہے۔

اور ان کی روایت پر دوسرے راویوں کی روایت کو ترجیح دینے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ثقہ ثبت راوی صحیح طرح سے روایت کو ضبط نہیں کر پائے جب کہ اس قسم کے راویوں کے بارے میں ایسی بات بغیر ٹھوس دلیل کے کہنا درست نہیں۔

② ان کا یہ قول ''والعدد الكثير'' محل نظر ہے کیونکہ دونوں روایتوں کے راویوں کی جو تعداد انھوں نے ذکر کی ہے وہ دونوں طرف ہی برابر ہے۔ اور ھشیم بن بشیر اور محمد بن فضیل کو یکسر نظر انداز کر دینا یہ درست نہیں جیسا کہ ذکر ہوا۔ اگر وہ اپنی اسی بات پر اکتفاء کرتے کہ دوسری روایت کے راوی اُحفظ ہیں تو بات قدرے مناسب ہوتی۔

③ زائدۃ بن قدامہ اور ان کے ساتھیوں کی روایت اُبوعوانہ وضاح اور ان کے ساتھیوں کی روایت کے منافی ومخالف نہیں کہ ترجیح کی ضرورت پیش آئے کیونکہ اُبوعوانہ اور ان کے ساتھیوں نے صرف ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے جب کہ ابن قدامہ اور ان کے ساتھیوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے چنانچہ انھوں نے اپنی روایت میں دعاء کا اضافہ کیا ہے جسے اُصول حدیث کی اصطلاح میں ''زیادة الثقہ'' کہا جاتا ہے یعنی ثقہ راوی کا اضافہ جو قابل قبول ہوا کرتا ہے اور دعا کا اضافہ ''زیادة الثقہ'' نہیں بلکہ ''زیادة الثقات'' ہے۔ یعنی کئی راویوں کا اضافہ جن کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ جو کہ اُصول حدیث کے مطابق قابل قبول ہے۔ [1]

---

[1] واضح رہے کہ ثقہ کی ہر زیادتی کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے بارے میں تفصیل ہے جسے '' النكت على ابن الصلاح'' لابن حجر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ''زیادات الثقات'' کے بارے میں محدثین اور اُصولیین کے ہاں فرق ہے علماء اُصول صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیادات کے بارے میں بحث کرتے ہیں جب کہ محدثین صحابہ۔ رضی اللہ عنہم۔ کے علاوہ حدیث کے دیگر راویوں کی زیادات کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔

④ بالفرض اگر زائدۃ بن قدامہ اور ان کے ساتھیوں کی روایت کو "زیادۃ الثقہ" نہ بھی کہا جائے تب بھی ترجیح انہی کی روایت کو ہوگی کیونکہ دوسرے راویوں کی روایت مطلق ہے جبکہ ان کی روایت مُقیَّد ہے چنانچہ اُصولِ فقہ کے قاعدے کے مطابق مطلق کو مُقیَّد پر محمول کیا جائے گا۔

⑤ اس حدیث کے اُکثر راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے مطلق ہاتھ اٹھانے کا نہیں لہٰذا اگر ترجیح کی صورت کو اختیار کریں تو ترجیح انہی کی روایت کو ہوگی۔

اس حدیث کو عمارہ بن رؤیبہ۔ رضی اللہ عنہ۔ سے حصین بن عبدالرحمٰن سُلَمی نے روایت کیا ہے اور حصین سے اسے روایت کرتے ہوئے درج ذیل راویوں نے دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔

① زائده بن قدامه۔

② هشيم بن بشير۔

③ شعبة بن الحجاج۔

④ زہیر بن معاويه۔

⑤ محمد بن فضيل۔

⑥ جرير بن عبد الحميد۔[1]

اسی طرح سفیان ثوری نے بھی محمد بن یوسف فریابی کی روایت میں دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ وکیع اور عبدالرزاق نے ثوری سے روایت کرتے ہوئے دعاء کا ذکر نہیں کیا۔[2] اور وکیع سفیان ثوری کے اُثبت (زیادہ پختہ) اُصحاب میں سے ہیں۔

اور جن راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں بلکہ مطلق ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

① عبد الله بن إدريس۔

② أبو عوانه وضاح بن عبد الله۔

---

[1] زائدہ کی سند سے اس کو اُبوداوُد (۱۱۰۴) اُبونعیم نے المستخرج علی صحیح مسلم (۲/٤٥٩) میں اور طیالسی (۱/۱۴۴) نے، ھشیم کی سند سے ترمذی (۵۱۵) بغوی نے ترمذی سے "شرح السنة" (٤/٢٥٥) میں، اُبونعیم اور ابن خزیمۃ (۱۷۹۳) نے، شعبہ کی سند سے طیالسی، ابن خزیمہ، اُبونعیم اور بیہقی (۳/۲۱۰) نے، زہیر بن معاویہ کی سند سے اُحمد (۴/۱۳۶) نے، فضیل کی سند سے ابن أبی شیبہ (۱/۴۷۵) اور احمد (۴/۲۶۱) نے اور جریر بن عبد الحمید کی سند سے اس کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

[2] فریابی کی سند سے اسے دارمی (۱/۳٦٦) نے روایت کیا ہے، وکیع اور عبدالرزاق کی سند سے اس کی تخریج عنقریب آرہی ہے۔

③ سفیان ثوری۔

④ أبو زبید عبثر بن قاسم۔[1]

ان چاروں راویوں نے مطلق ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے جب کہ پہلے چھ راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے بلکہ مذکور چار راویوں میں سے سفیان ثوری کی ایک روایت میں بھی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے جیسا کہ قریب ہی ذکر ہوا۔

جن چھ راویوں نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر ثقہ ثبت ہیں۔

زائدۃ بن قدامہ اور ھشیم بن بشیر کے بارے میں علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر کے أقوال ذکر ہوئے، اب شعبہ اور زہیر بن معاویہ کے بارے میں ان کے أقوال ملاحظہ کریں۔

① شعبه بن حجاج۔ ثقة حجة (كاشف الذہبی) ثقة حافظ متقن (تقريب الحافظ)۔

② زہیر بن معاویه۔ثقة حجة۔(كاشف) ثقة ثبت (تقريب)۔

لہٰذا ہم اگر عدد اور حفظ کے اعتبار سے بھی ترجیح دیں تو انھیں راویوں کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

تنبیه= ھشیم بن بشیر سے علی بن مسلم اور أبو ربیع کی روایت میں جمعہ کی بجائے عید کے دن کا ذکر ہے۔ جب کہ ان سے أحمد بن منیع کی روایت میں خطبہ میں دوران دعاء ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ جمعہ یا عید کی قید نہیں۔[2]

اسی طرح عبد اللہ بن إدریس، أبو زبید، زہیر، ابن فضیل اور جریر نے بھی اس حدیث کو حصین بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہوئے جمعہ یا عید کا ذکر نہیں کیا صرف منبر پر ہاتھ اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔

جب کہ سفیان ثوری، زائدۃ بن قدامہ، شعبہ اور أبو عوانہ نے جمعہ کے دن کی صراحت کی ہے۔ ان کی روایت اور عبد اللہ بن إدریس اور ان کے ساتھیوں کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ سفیان ثوری اور ان کے ساتھیوں کی روایت زیادۃ الثقات ہے جو قابل قبول ہوا کرتی ہے۔

اگر ترجیح کی صورت کو اختیار کریں تو ترجیح بھی انہی کی روایت کو ہوگی کیونکہ عبد اللہ بن إدریس وغیرہ کی روایت

---

① عبد اللہ بن إدریس کی سند سے اس کو ابن ابی شیبہ (۱/۴۷۵) نے اور ابن ابی شیبہ سے مسلم نے (۶/۱۶۲) أبو نعیم نے المستخرج (۲/۴۵۹) میں ابن حبان (۲/۱۲۱) اور بیہقی (۳/۲۱۰) نے روایت کیا ہے۔ أبو عوانہ وضاح کی سند سے اسے مسلم، سفیان ثوری کی سند سے أحمد (۴/۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۶) ابن خزیمہ (۱۷۹۴) اور عبد الرزاق (۳/۱۹۲) نے اور أبو زبید عبثر بن قاسم کی سند سے دارمی (۱/۲۶۶) نے اس کو روایت کیا ہے۔

② علی بن مسلم کی روایت صحیح ابن خزیمہ میں اور أبو ربیع کی روایت مستخرج أبو نعیم میں ہے اور احمد بن منیع کی روایت ترمذی اور بغوی کے ہاں ہے۔

مطلق ہے اوران کی روایت مُقیَّد ہے چنانچہ اُصولی قاعدہ کے مطابق مطلق کومقید پرمحمول کیا جائے گا۔

رہی ھشیم کی روایت تواس میں اور ثوری وغیرہ کی روایت میں اس طرح سے ترجیح دی جا سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ عید جمعہ کے دن آئی ہو۔ واللہ اُعلم۔

اگر یہ ترجیح بعید ہو تو ھشیم کی روایت شاذ ہے کیونکہ یہ ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ جن محدثین نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان تمام نے اسے ''**كتاب الجمعة**'' میں ہی روایت کیا ہے سوائے ابن حبان کے کہ انھوں نے اسے ''**باب الأدعية**'' میں روایت کیا ہے۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ معتبر روایت وہ ہے جس میں یہ ہے کہ بشر بن مروان کا منبر پر ہاتھ اٹھانا خطبہ جمعہ کی دعا میں تھا نہ کہ عام خطباء کی طرح دوران خطبہ ادھر ادھر ہاتھ ہلانا۔

دوسری وجہ ترجیح:

عظیم آبادی نے دوسری وجہ ترجیح یہ بیان کی ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے:"لقد رأيت رسول الله۔ﷺ۔ و هو على المنبر ما يزيد على هذه۔ يعني السبابة التي تلي الإبهام"یعنی میں نے رسول اللہ۔ ﷺ۔ کو منبر پر دیکھا کہ آپ شہادت والی انگلی سے اشارے کے علاوہ کچھ نہیں کر رہے تھے۔'' اور اس طرح سے دعاء میں اِشارہ منقول نہیں۔

قلت: مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ ثابت ہے لہٰذا انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

ب: حدیثِ عمارہ بن رؤیبہ اور شارحین حدیث:

اس تفصیل کے بعد اب شارحین نے اس حدیث کی بناء پر جو کچھ کہا ہے اسے ملاحظہ کیجیے:

(1) امام بیہقی اس حدیث اور حدیثِ سہل بن سعد [1] کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] اس حدیث میں سہل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ۔ ﷺ۔ کو کبھی بھی منبر اور غیر منبر پر دعاء میں ہاتھ اٹھائے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ میں نے آپ کو شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حدیث کو اُحمد (۵/۳۳۷) ابوداؤد (۱۱۰۵) اُبویعلی (۷۵۵۱) ابن خزیمہ (۱۴۵۰) ابن حبان (۲/۱۲۱) حاکم (۱/۵۳۶) طبرانی (۶/، رقم (۶۰۲۳) اور بیہقی (۳/۲۱۰) نے روایت کیا ہے۔

مگر یہ روایت متکلم فیہ ہے منذری نے اس کے ضعف کی طرف اِشارہ کیا ہے اور اُلبانی نے اس میں سنداً اور متناً کلام کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: مختصر سنن أبي داؤد (۲/۲۰) اور ضعيف أبي داؤد (۱۰/۷، حدیث:۲۰۴)۔

" والقصد من الحديثين إثبات الدعاء في الخطبة ثم فيه من السنة أن لا يرفع يديه في حال الدعاء في الخطبة و يقتصر على أن يشير بإصبعه"(سنن البيهقی:۳/۲۱۰)۔

''ان دونوں حدیثوں سے مقصود خطبہ میں دعاء کا اثبات ہے۔
دوسری بات اس میں ۔دعاء میں۔ یہ ہے کہ خطبہ میں دعاء کے وقت ہاتھ نہ اٹھائے اور انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کرے۔''

② امام بغوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" رفع اليدين في الخطبة غير مشروع، وفي الاستسقاء سنة" فإن استسقى في خطبة الجمعة يرفع يديه اقتداءً بالنبي ﷺ" (شرح السنة:٤/٢٥٧)۔

''خطبہ جمعہ میں (دعاء میں) ہاتھوں کا اٹھانا غیر مشروع ہے اور استقاء میں سنت ہے اگر خطبہ جمعہ میں (خطیب) بارش کی دعاء کرے تو نبی۔ ﷺ۔ کی اقتداء کرتے ہوئے ہاتھ اٹھائے۔'' [1]

③ امام نووی لکھتے ہیں:

" هذا فيه أنّ السنّة أن لا يرفع اليد في الخطبة، و هو قول مالك و أصحابنا وغيرهم۔ و حكى القاضي عن بعض السلف، و بعض المالكية إباحته، لأن النبي۔ صلى الله عليه وسلم۔ رفع يديه في خطبة الجمعة حين استسقى، و أجاب الأوّلون بأن هذا الرفع كان لعارض"۔

(شرح مسلم:٦/١٦٢، ایضاً، إكمال المعلم بفوائد مسلم للقاضی عیاض:٣/٢٧٧)

''اس حدیث میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ خطبہ (کی دعاء) میں ہاتھ نہ اٹھائے مالک ہمارے اَصحاب (شافعیہ) وغیرھم کا یہی قول ہے۔
قاضی (عیاض) نے بعض سلف اور بعض مالکیہ سے ہاتھ اٹھانے کا جواز نقل کیا ہے کیونکہ نبی۔ ﷺ۔ نے خطبہ جمعہ میں جب بارش کے لیے دعا کی تو ہاتھ اٹھائے۔
پہلے قول والوں نے اس کا جوب یہ دیا ہے کہ ہاتھ اٹھانا عارضہ کی بناء پر تھا۔''

تنبیہ = پہلے قول والوں نے یعنی ''أجاب الأوّلون'' یہ نووی کا کلام ہے قاضی عیاض کا نہیں۔نووی کا یہ کلام

---

[1] واضح رہے کہ خطبہ جمعہ کی عام دعاء میں ہاتھ اٹھانا درست نہیں لیکن اگر کوئی خاص دعاء جیسا کہ بارش وغیرہ کی دعاء ہو تو اس میں ہاتھ اٹھانا درست ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہماری کتاب ''القول المقبول'' (ص:۵۰۱) اور صفة التسمية (ص:۹۔۱۰، عربی) اس کتاب کے (ص:۳۴) میں بھی اس کی کچھ تفصیل آ رہی ہے۔

قاضی عیاض کے قول کے بعد محمد بن خلیفہ اُبّی نے "إکمال إکمال المعلم" (۲۴۳/۳) میں اور محمد بن محمد السنوسی نے "مکمل إکمال الإکمال (۲۴۳/۳) میں بھی نقل کیا ہے۔

④ علامہ عینی نے بھی "شرح سنن أبی داؤد" (۴۴۵/۴) میں یہی کچھ کہا ہے غالباً انھوں نے امام نووی ہی کا کلام ان کا نام لیے بغیر نقل کر دیا ہے کیونکہ چند ایک لفظی فرق کے بعینہ وہی کلام ہے جو نووی کا ہے۔

⑤ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

" والحديثان المذكوران في الباب يدلان على كراهية رفع الأيدي على المنبر حال الدعاء، و أنّه بدعة۔" (نيل الأوطار: ۲۷۱/۳)۔

" باب میں مذکورہ دونوں حدیثیں۔ حدیث عمارہ و حدیث سہل۔ منبر پر دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کی کراہت اور اس کے بدعت ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔"

⑥ علامہ مبارکپوری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" والحديث يدلّ على كراهة رفع الأيدي على المنبر حال الدعاء" (تحفة الأحوذي: ۴۸/۳)۔

"یہ حدیث منبر پر دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے۔"

ج۔ اُقوال تابعین و دیگر ائمہ:

اس حدیث کے بارے میں شارحین حدیث کے اُقوال ملاحظہ کر لینے کے بعد اب اس مسئلے کے بارے میں اُقوال تابعین و ائمہ ملاحظہ کریں۔

① امام محمد بن مسلم بن عبيد الله بن عبد الله بن شهاب الزهري -

معمر نے ان سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: "رفع الأيدي يوم الجمعة محدث......" جمعہ کے دن ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔"

معمر سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان سے جمعہ کے دن ہاتھ اٹھانے کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا بدعت ہے اور اس بدعت کو سب سے پہلے عبد الملک [1] نے ایجاد کیا تھا۔ [2]

---

[1] یعنی عبد الملک بن مروان بن حکم اُموی خلیفہ۔

[2] اس روایت کو عبد الرزاق (۱۹۲/۳) نے اور اس سے پہلے والی کو ابن أبي شيبہ (۴۷۵/۱) نے روایت کیا ہے اور ان دونوں روایتوں کی سندیں صحیح ہیں۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس کو "باب في رفع الأيدي في الدعاء يوم الجمعة" میں روایت کیا ہے۔

② امام مسروق بن الأجدع بن مالك أبو عائشه الفقيه۔

عبداللہ بن مرۃ بیان کرتے ہیں: کہ امام نے جمعہ کے دن منبر پر ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھا لیے تو مسروق نے کہا: "قطع الله أيديهم" اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو کاٹ دے۔"[1]

③ امام محمد بن سیرین کہتے ہیں:

"أوّل من رفع يديه في الجمعة عبيد الله بن عبد الله بن معمر"[2]

"جمعہ میں سب سے پہلے جس نے ہاتھ اٹھائے وہ عبیداللہ بن عبداللہ بن معمر ہے۔"[3]

ابن سیرین کا یہ کہنا انکار کے طور پر تھا۔ مذکورہ تینوں أئمہ مشہور ومعروف تابعین میں سے ہیں۔

اسی طرح لیث بن أبی سلیم، طاؤس تابعی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ جمعہ کے دن لوگوں کی دعاء کو مکروہ سمجھتے تھے اور وہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مگر اس کی سند میں لیث بن أبی سلیم کی وجہ سے ضعف ہے۔[4]

ان تابعین کے بعد اب دیگر بعض علماء کے أقوال ملاحظہ کریں۔

[1] امام شہاب الدین أبوشامہ (متوفی:٦٦٥ھ)۔

"و أما رفع أيديهم عند الدعاء فبدعة قديمة۔"[5]

"رہا لوگوں کا دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا تو یہ قدیم (پرانی) بدعت ہے۔"

[2] شیخ الاسلام ابن تیمیۃ (متوفی:٧٢٨ھ) لکھتے ہیں:

"و يكره للإمام رفع يديه حال الدعاء في الخطبة، لأنّ النبي صلى الله عليه وسلم إنّما كان يشير بإصبعه إذ دعا۔"[6]

---

[1] اسے ابن ابی شیبہ (١/٤٧٥) اور عبدالرزاق (٣/١٩٢) نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ واضح رہے کہ عبدالرزاق کی روایت میں کچھ اختصار ہے۔

[2] اس أثر کو ابن ابی شیبہ (١/٤٧٥) اور بخاری نے "تاریخ کبیر" (٥/٣٩٩) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اس اثر کو ابن ابی حاتم نے جرح وتعدیل (٥/٣٣٠) میں ابن حبان نے "ثقات" (٥/٧٤) میں اور حافظ ابن حجر نے بھی "تعجیل المنفعة" (ص:٢٧٤۔٢٧٥) میں ذکر کیا ہے۔

[3] یہ تابعین میں سے ہیں بصرہ کے والی (گورنر) تھے اور خلافتِ عمر بن خطاب میں جنگ اصطخر میں مارے گئے جیسا کہ حافظ ابن حبان نے کہا ہے۔

[4] اسے بھی ابن أبی شیبہ (١/٤٧٥) نے روایت کیا ہے۔

[5] الباعث على انكار البدع والحوادث (ص:٨٥)۔

[6] الاختيارات العلمية (ص:٤٨)۔

''امام کے لیے خطبہ میں دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ نبی ﷺ۔ دعاء کے وقت صرف اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔''

3 علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی: ۹۱۱ھ)۔
انھوں نے بھی خطبہ جمعہ کی بدعات کا ذکر کرتے ہوئے وہی بات کہی ہے جو اَبوشامہ نے کہی ہے۔ [1]

4 علامہ زبیدی (متوفی: ۱۲۰۵ھ)۔
یہ آدابِ دعاء کے ضمن میں تنبیہ کے طور پر لکھتے ہیں:

" لا يستثنى من مسألة رفع اليدين في الدعاء إلا مسألة واحدة، و هي الدعاء في الخطبة على المنبر فإنّه يكره للخطيب رفع اليدين فيه، ذكره البيهقي في باب صلاة الجمعة، واحتج بحديث في صحيح مسلم صريح في ذلك" [2]

''دعاء میں رفع یدین والے مسئلے سے صرف ایک مسئلہ مستثنٰی کیا جائے گا اور وہ ہے منبر پر خطبہ میں دعاء والا مسئلہ سو اس دعاء میں خطیب کے لیے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے اسے بیہقی نے ''باب صلاۃ الجمعہ'' میں ذکر کیا ہے اور اس پر انھوں نے اس کے بارے میں صحیح مسلم کی ایک صریح حدیث سے دلیل لی ہے۔''

حنفی علماء کا فتویٰ:

5 حنفی علماء کا اس مسئلے کے بارے میں بڑا سخت فتویٰ ہے چنانچہ بقالی نے اپنی مختصر میں کہا ہے:

" و إذا شرع في الدعاء لا يجوز للقوم رفع اليدين، ولا تأمين باللسان جهراً، فإن فعلوا ذلك أثموا۔
و قيل : أساء وا، ولا إثم عليهم، والصحيح هو الأوّل و عليه الفتوىٰ۔" [3]

''(خطیب) جب دعاء کرنے لگے تو لوگوں کے لیے ہاتھوں کا اٹھانا اور اونچی آواز سے آمین کہنا جائز نہیں اگر انھوں نے ایسا کیا تو وہ گنہگار ہوں گے۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا ایسا کرنا تو اچھا نہیں مگر ان پر کوئی گناہ نہیں اور صحیح پہلا قول ہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔''

---

[1] ملاحظہ ہو "الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع "(ص: ۱۸۲)۔
تنبیہ: اس کتاب کے مطبوعہ نسخے میں ''قدیمہ'' کی بجائے ''قبیحة'' ہے یعنی بری بدعت، جب کہ ایک نسخے میں ''قدیمہ'' بھی ہے جیسا کہ محقق نے اشارہ کیا ہے۔

[2] اتحاف السادة المتقين (۵/۲۴۵)۔

[3] حاشیہ ردّ المختار (۲/۱۵۸)۔

بلکہ مولانا عبدالحي لکھنوی نے بدعت کے گمراہی ہونے پر بشر بن مروان کے فعل کی مثال دی ہے چنانچہ لکھا ہے:

" و كذلك: رفع اليدين للدعاء في خطبة الجمعة، فعله بشر بن مروان ، وأنكره عليه عمارة۔" [1]

[6] شیخ ناصر الدین ألبانی۔

انھوں نے خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کو جمعہ کی بدعات میں شمار کیا ہے۔ [2]

شارحین حدیث، تابعین اور أئمہ کے مذکورہ أقوال ملاحظہ کر لینے کے بعد اب ہم نام نہاد سلفی أبو مسعود سے پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی حدیث ہے جس میں خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے منع کیا گیا ہو، اگر ہے تو ہمیں بھی بتائیں۔

اگر آپ کہیں کہ ایسی کوئی حدیث نہیں تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ عمارہ صحابی۔ رضی اللہ عنہ۔ زہری، مسروق، محمد بن سیرین، تابعین اور دیگر أئمہ کا خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے انکار کیسا ہے درست ہے یا کہ نہیں۔ اگر درست ہے تو کیوں اور اگر درست نہیں تو کیوں؟ بینوا توجروا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ لوگ بھی جافین محققین، بال کی کھال اتارنے والے، شر انگیز تحقیق کے تیر چلانے والے، ناعاقبت اندیش، أحمق مخلصین اور شیطان کا آلہ کار بننے والے تھے۔ نعوذ باللہ۔ "إذا لم تستحي فاصنع ما شئت" [3]

واضح رہے کہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں بارش کے لیے دعاء کے وقت ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جیسا کہ أنس۔ رضی اللہ عنہ۔ کی حدیث میں ہے۔ [4]

علماء نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ بوقت ضرورت ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جا سکتی ہے جیسا کہ بارش کے لیے یا اس جیسے کسی اور مسئلے کے لیے دعاء ہو تو، مگر عام دعاء میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔

علامہ ابن العربی، حدیثِ عمارہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

" رفع اليدين على المنبر جائز إذا احتاج إليه الإمام ، في البخاري......" [5]

اس کے بعد انھوں نے مذکورہ حدیثِ أنس کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] إقامة الحجة (ص: ٢٧) نقلا عن " القول المبين في أخطأ المصلين " لمشهور حسن (ص: ٣٧٩)۔

[2] الأجوبة النافعة (ص: ٧٢)۔

[3] یہ حدیث ہے ملاحظہ ہو اس کتاب کا مقدمہ (صفحہ: ٣)۔

[4] اس کو بخاری (١٠٢٩) نے معلقاً اور بیہقی (٣/ ٣٥٧) نے موصولاً روایت کیا ہے، اس کی وضاحت کے لیے اس رسالے کا دوسرا باب (صفحہ: ٩٣) ملاحظہ کریں۔

[5] ملاحظہ ہو "عارضة الأحوذي" (٢/ ٣٠٤)۔

اسی طرح صفحہ(۵۰) میں مذکور امام نووی کا کلام بھی دیکھیں۔

خطبہ جمعہ کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق اس خصوصی حدیثِ اُنس۔ ﷺ۔ کے ساتھ ساتھ عام دعاء میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق عمومی حدیث بھی ہے اور وہ سلمان فارسی۔ ﷺ۔ کی حدیث ہے جو بایں اُلفاظ ہے:

" إنّ ربّكم -تبارك و تعالىٰ- حييٌّ كريم يستحيي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردّهما صفراً۔" (۱)

''یقیناً تمہارا رب تبارک وتعالیٰ حیاء والا کرم والا ہے جب اس کا بندہ اس کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اسے ان ہاتھوں کو خالی لٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

اس عمومی حدیث اور خصوصی حدیثِ اُنس کے باوجود علماء نے خطبہ جمعہ کی عام دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا انکار کیا ہے بلکہ سختی سے انکار کیا ہے جیسا کہ تفصیل سے اس کے بارے میں ان کے اُقوال نقل کیے جا چکے ہیں۔

مذکورہ اُقوال کے بعد ایک اور قول بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔ اور وہ ہے: غُضَیف بن حارث ثُمالی۔ ﷺ۔ کا قول، فرماتے ہیں: کہ عبدالملک بن مروان نے میری طرف آدمی بھیجا کہ ہم نے لوگوں کو دو چیزوں پر جمع کر دیا ہے کہا وہ کونسی؟ اس نے کہا کہ جمعہ کے دن منبروں پر ہاتھ اٹھانا اور نمازِ فجر اور عصر کے بعد قصے بیان کرنا، میں نے کہا:

" أما إنّهما أمثل بدعتكم عندي و لست مجيبك إلى شئ منهما"۔

''یہ دونوں چیزیں میرے ہاں تمہاری بدعات میں سے سب سے اچھی بدعات ہیں لیکن میں ان میں سے

---

(۱) اس کو اُبوداود (۱۴۸۸) ترمذی (۳۵۵۶) ابن ماجہ (۳۸۶۵) ابن حبان (۲/۱۱۹، ۱۲۰) حاکم (۱/۴۹۷) اور اُحمد (۵/۴۳۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' (۱۱/۱۴۳) میں اس کی سند کو جید کہا ہے مگر اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ لیکن یہ حدیث اپنے بعض شواہد کی بناء پر ثابت ہے ان شواہد میں سے ایک حدیثِ اُنس ہے جس کو حاکم نے حفص بن عمر کی سند سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے مگر ذہبی نے ان کا تعاقب کیا ہے۔

اس کو عبدالرزاق (۱۰/۴۴۳) اُبونعیم (۸/۱۳۱) اور بغوی (۵/۱۸۶) نے اُبان اور طبرانی نے ''دعاء'' (۲۰۴، ۲۰۵) میں ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کی سند سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ دونوں سندیں سخت ضعیف ہیں اور اس کے شواہد میں دوسری حدیثِ جابر ہے جسے اُبویعلی (۱۸۶۷) اور طبرانی نے ''اُوسط'' (۸/۱۱۔ مجمع البحرین) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے مگر یہ حدیث اور حدیثِ اُنس اپنی حفص والی سند کے ساتھ دونوں حسن درجہ تک پہنچ جاتی ہیں بلکہ بعض محققین نے حدیثِ اُنس کی اس سند کو حسن کہا ہے ملاحظہ ہو " الأسماء والصفات للبيهقى"(۱/۲۲۱-۲۲۲) تحقیق عبد اللہ الحاشدی۔

بعض راویوں نے اس حدیث کو۔ حدیث سلمان کو۔ دوسرے سیاق سے روایت کیا ہے جیسا کہ (صفحہ:۱۷) میں آئے گا۔

کسی کو بھی قبول کرنے والا نہیں ہوں۔"

اس نے کہا کیوں؟ تو انھوں نے اس حدیث کا ذکر کیا:

" ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة" فتمسّك بسنة خير من إحداث بدعة۔" [1]

" جو قوم کسی بدعت کو ایجاد کرتی ہے تو (اس سے) اسی کے مثل سنت اٹھالی جاتی ہے، لہٰذا سنت کا تمسک، بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔"

حافظ ابن حجر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" وإذا كان هذا جواب هذا الصحابي في أمر له أصل في السنّة، فما ظنّك بما لا أصل له فيها، فكيف بما يشتمل على ما يخالفها" (فتح الباری(۱۳/ ۲۵٤)۔

"جب اس صحابی کا اس کام کے بارے میں جس کی سنت میں اُصل ہے جواب یہ ہے تو اس کام کے بارے میں کیا خیال ہے جس کی اس میں اُصل ہی نہ ہو اور پھر اس کام کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں اس کی سنت کی مخالفت پائی جائے۔" [2]

---

[1] اس کو اُحمد (۴/ ۱۰۵) مروزی نے "السنة" (رقم: ۹۷) میں اور لالکائی نے "شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة" (۱/ ۱۲۱) میں روایت کیا ہے۔
اس کے مرفوع حصے کو "ما أحدث قوم......" بزار (۱۳۱۔ کشف) طبرانی (۱۸/ حدیث: ۱۷۸) ابن قانع نے "معجم الصحابة" (۲/ ۳۱٦) میں اور ابن بطّہ نے "الإبانة" (۱/ ۳٤۹۔ الإیمان) میں بھی روایت کیا ہے۔
حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۱۳/ ۲۵۳) میں اس کی سند کو جید کہا ہے مگر اس کی سند اُبو بکر بن عبد اللہ بن ابی مریم غسانی کی وجہ ضعیف ہے حافظ ابن حجر نے خود اس کو "تقریب" اور "تلخیص" (۱/ ۱۱۸) میں ضعیف کہا ہے۔
مرفوع حدیث کو چھوڑ کر جہاں تک غضیف رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے کیونکہ اس کی ایک دوسری سند بھی ہے، امام اُبوزرعہ دمشقی نے اپنی تاریخ (۱/ ۶۰۳۔ ۶۰۴/ ۱۷۱۲) میں اپنی صحیح سند کے ساتھ۔ جیسا کہ "القول المبين في أخطأ المصلين (ص: ۳۷۹) میں ہے۔ حبیب بن عبید سے روایت کی ہے کہ عبد الملک نے غضیف بن حارث ثمالی سے منبر پر ہاتھ اٹھانے کا سوال کیا تو انھوں نے کہا میں آپ کی اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔
اس کو جو مرفوع ٹکڑا ہے وہ حسان بن عطیہ تابعی کا قول بھی ہے جس کی سند صحیح ہے جیسا کہ (ص: ٦۵) میں تفصیل آرہی ہے۔

[2] حافظ ابن حجر کا یہ کلام کتنا عمدہ ہے لیکن جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "مجموع الفتاوی (۲۰/ ٤۸٦) میں کہا ہے کہ بعض اُوقات فاضل آدمی ایسی بات کر دیتا ہے جو اُجہل الناس ہی کرے گا چنانچہ یہی حافظ ابن حجر عید میلاد النبی کے بارے میں لکھتے ہیں: "أصل عمل المولد بدعة لم تنقل عن أحد من السلف الصالح من القرون الثلاثة"، "عید میلاد منانا اُصل میں بدعت ہے جو قرون ثلاثہ کے سلف صالحین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں۔) اس کے بعد کہتے ہیں کہ ➡

دوسری مثال: دعاء قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھانے کا حکم:

اس دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں کسی حدیث میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اس کے بارے میں مبارکپوری لکھتے ہیں:

" و أما رفع اليدين في قنوت الوتر فلم أقف على حديث مرفوع فيه أيضًا"

(تحفة الأحوذی:۲/۵٦۷)۔

"رہا قنوتِ وتر میں ہاتھوں کا اٹھانا تو اس کے بارے میں بھی میں کسی مرفوع حدیث پر مطلع نہیں ہوا ہوں۔"

یعنی مجھے کوئی مرفوع حدیث نہیں ملی۔

عبداللہ بن مسعود اور ابو ہریرہ۔ رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ وہ قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھاتے تھے مگر یہ ان سے صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب "مسنون نماز" (ص:۱۷٦، پہلا ایڈیشن) دیکھیں۔

بعض علماء اس دعاء کو عام دعاء پر قیاس کرتے ہوئے اس میں بھی ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں۔

جب کہ امام أحمد بن حنبل اس دعاء کو دعائے قنوتِ نازلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس میں ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں کیونکہ اس دعاء میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو، حوالہ مذکورہ (ص:۱۷۷، حاشیہ)۔

ان علماء کے مقابلے میں علماء کی ایک دوسری جماعت ہے جو قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھانے کو مکروہ جانتی ہے اس بناء پر کہ نماز میں رائے و قیاس کو دخل نہیں کیونکہ یہ ایک تعبّدی اور توقیفی أمر ہے۔ ملاحظہ ہو: **إحكام الأحكام شرح عمدة الاحكام ، لابن دقيق العيد** (۱۷۲/۱) ایضاً۔ مسنون نماز۔

جو علماء کراہت کے قائل ہیں ان میں امام مالک، أوزاعی اور یزید بن أبی مریم بھی ہیں اور امام نسائی بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی "سنن" میں ایک باب یوں باندھا ہے: "ترك رفع اليدين في الدعاء في الوتر" ملاحظہ ہو (۲۴۹/۳)۔

اور دلیل کے لحاظ سے انہی علماء کا قول راجح اور قوی ہے۔

فائدہ= یہاں اس مسئلہ کی وضاحت خالی از فائدہ نہ ہوگی وہ یہ کہ سنت کی دو قسمیں ہیں:

← "مجھے اس کی ایک دلیل ملی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود دس محرم کا روزہ رکھتے تھے جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انھوں نے کہا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو فرعون سے نجات دی تھی تو آپ نے فرمایا کہ ہم بھی شکرانہ کے طور پر اس دن کا روزہ رکھیں گے۔ الخ۔ ملاحظہ ہو: "الحاوی للفتاوی" للسیوطی (۱۹٦/۱)۔

امام مالک رحمہ اللہ نے سچ فرمایا: "ما من أحد إلا ، و مأخوذ من كلامه، و مردود عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم" عقد الجيد (ص:۴۳، ۴۸)

یہی بات دیگر علماء نے بھی کہی ہے۔ ملاحظہ ہو ہماری کتاب مسنون نماز (ص:۱۲، مقدمہ)۔

① **سنت فعلیہ۔** یعنی وہ کام جو رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے کیا ہو۔

② **سنت ترکیہ۔** یعنی وہ کام جو آپ نے نہ کیا ہو تو اس کا ترک (نہ کرنا) سنت ہے اب اس کے بارے میں بعض علماء کے اُقوال ملاحظہ کیجیے۔

رسول اللہ۔ ﷺ۔ سے حجر اُسود کا استلام (بوسہ دینا یا چھونا) اور رکن یمانی کا چھونا ثابت ہے بعض علماء بیت اللہ کے چاروں ہی کونوں کو چھونے کے قائل ہیں اس بناء پر کہ بیت اللہ میں سے کوئی چیز مہجور (متروک) نہیں ہے۔ امام شافعی ان کا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" إنّا لم ندعُ استلامهما هجراً للبيت ، و كيف يهجره، و هو يطوف به، و لكنّا نتبع السنة فعلًا أو تركًا...... الخ۔" [1]

''ہمارا دوسرے دو کونوں کو نہ چھونا اس لیے نہیں کہ ہم بیت اللہ کو چھوڑ رہے ہیں طواف کرنے والا اسے کیسے چھوڑ رہا ہے کیونکہ وہ تو پورے بیت اللہ کا طواف کرتا ہے بلکہ ہم تو فعل اور ترک میں سنت کی اتباع کرتے ہیں۔'' یعنی ہمارا دوسرے دو کونوں کو نہ چھونا سنت ترکیہ کی بناء پر ہے کیونکہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے ان کو چھوا نہیں۔''

حافظ ابن قیم۔ رحمہ اللہ۔ نے صحابہ۔ رضی اللہ عنہم۔ کے رسول اللہ۔ ﷺ۔ کے ترک کو نقل کرنے کی دو قسمیں بیان کی ہیں اور فرماتے ہیں:"و كلاهما سنّة" اور دونوں ہی سنت ہیں'' اس کے بعد ان دونوں قسموں کی تفصیل اور مثالیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" فإنّ تركه۔صلى الله عليه وسلم۔ سنّة كما أنّ فعله سنّة، فإذا استحببنا فعل ما تركه كان نظير استحبابنا ترك ما فعله ، و لا فرق۔" (إعلام الموقعين:۲/۳۷۰۔۳۷۱)۔

''آپ۔ ﷺ۔ کا ترک سنت ہے جیسا کہ آپ کا فعل سنت ہے پس اگر ہم آپ۔ ﷺ۔ کے اس کام کو جسے آپ نے ترک کیا کرنا مستحب سمجھیں تو یہ بعینہٖ اس طرح ہوگا جیسا کہ آپ نے جو کام کیا اس کے نہ کرنے کو ہم مستحب سمجھیں۔''

اور علامہ قسطلانی ''المواهب اللدّنية'' میں لکھتے ہیں:

---

[1] امام شافعی کے طویل قول کا یہ خلاصہ ہے جسے حافظ ابن حجر نے "فتح الباری"(۳/۳۷٤۔ ۳۷۵) میں ذکر کیا ہے۔ تفصیل کے لیے" الأمّ"(۲/۲۵۸، ۲٦۰) کتاب "الحج" باب "الركنان اللذان يليان الحجر، باب الاستلام في الزحام" دیکھیں۔

"و ترکه۔ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ سنة کما أنّ فعله سنّة"

(نقلًا عن " أصول في البدع والسنن " لمحمد العدوی(ص:۷۲) ۔

"آپ۔ ﷺ۔ کا کسی کام کو نہ کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ آپ۔ ﷺ۔ کا کسی کام کو کرنا سنت ہے۔"

ایک اہم وضاحت:

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ آپ۔ ﷺ۔ کے ترک کی دو صورتیں ہیں:

① ایسا ترک جس کا آپ۔ ﷺ۔ کے زمانہ میں سبب موجود تھا۔ مثال کے طور پر عیدین کے لیے اذان اور اقامت کا ترک آپ کے زمانہ میں اس کا مقتضی موجود تھا وہ یہ کہ لوگوں کو نماز عیدین کے لیے بلانا مگر اس کے باوجود آپ۔ ﷺ۔ نے اُذان اور اقامت کو ترک کیا چنانچہ ان کا ترک سنت اور ان کا فعل بدعت کہلائے گا۔

اس کی دوسری مثال نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء کی ہے اس کے دواعی بھی رسول اللہ۔ ﷺ۔ کے زمانے میں موجود تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

کوئی یہ نہ کہہ دے کہ مثال کے طور پر تو اس چیز کو ذکر کیا جاتا ہے جس پر اتفاق ہو اور نماز کے بعد اجتماعی دعاء کے بارے میں تو اختلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف ہمارا پیدا کردہ ہے علماء اسلام میں اس مسئلے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں چنانچہ امام ابن قیم اور علامہ شاطبی نے مثالوں میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ ①

② ایسا ترک جس کا رسول اللہ۔ ﷺ۔ کے زمانے میں سبب موجود نہ تھا۔ مثال کے طور پر جمع مصحف والا مسئلہ ہے آپ۔ ﷺ۔ کے زمانے میں اس کی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ وافر مقدار میں قرآن مجید کے قراء وحفاظ موجود تھے۔ مگر ابو بکر صدیق۔ رضی اللہ عنہ۔ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں جب صحابہ۔ رضی اللہ عنہم۔ کثیر تعداد میں شہید ہوئے تو جمع مصحف کی ضرورت پیش آئی۔ ②

ایسے مسائل جن کا رسول اللہ۔ ﷺ۔ کے زمانے میں سبب موجود نہ تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا علماء اُصول کی اصطلاح میں انھیں "مصالح مرسلۃ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور شریعت کے عام اُصول و دلائل کو سامنے رکھ کر ان پر حکم لگایا جاتا ہے۔ ③

تنبیہ = اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ عدم نقل سے کسی کام کا عدم وجود تو لازم نہیں آتا تو اس سوال کے جواب کے لیے "إعلام الموقعین" (۲/۳۷۱-۳۷۲) دیکھی جائے۔

① ملاحظہ ہو: إعلام الموقعین (۲/۳۷۱) والموافقات (۲/۲۸۹)۔

② تفصیل واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، (حدیث: ۴۹۸۶)

③ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "اقتضاء الصراط المستقیم" لابن تیمیة (ص: ۲۷۸-۲۸۱) الموافقات (۲/۲۸۷-۲۹۱) اور الاعتصام (۱/۳۶۱- وما بعدھا) کلاھما للشاطبی۔

تیسری مثال: یعنی اُقوال سلف میں سے:

عبداللہ بن مسعود۔ رضی اللہ عنہ کا مشہور و معروف واقعہ ہے کہ انھوں نے اجتماعی طور پر خاص انداز سے ذکر کرنے والوں پر انکار کیا اور فرمایا:

" ويحكم يا أمّة محمد ما أسرع هلكتكم هولاء صحابة نبيّكم متوافرون ، و هذه ثيابه لم تبل، و آنيته لم تكسر، والذي نفسي بيدهٖ إنّكم لعلى ملّة هي أهدى من ملّة محمد، أو مفتتحوا باب ضلالة؟ قالو: والله يا أبا عبد الرحمن ما أردنا إلا الخير۔
قال: و كم من مريد للخيرلن يصيبه ، أنّ رسول الله ـصلى الله عليه وسلم۔ حدثنا "أنّ قومًا يقرأون القرآن لا يجاوز تراقيهم" و أيم الله ما أدري لعلّ أكثرهم منكم ثمّ تولّى عنهم، فقال عمرو بن سلمة: رأينا عامّة آولئك الحلق يطاعنونا يوم النهروان مع الخوارج۔" [1]

" امتِ محمد تم پر افسوس کتنی جلدی تم ہلاک ہونے لگ گئے تمہارے نبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے صحابہ کثرت سے موجود ہیں آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ کے برتن ابھی تک ٹوٹے ہیں اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس طریقے پر تم ہو کیا وہ محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے طریقے سے زیادہ ہدایت والا ہے یا کہ تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو انھوں نے کہا اللہ کی قسم ابو عبد الرحمٰن (ابن مسعود کی کنیت ہے) ہمارا ارادہ صرف خیر کا ہے۔
آپ نے کہا کتنے لوگ ایسے ہیں جو نیکی حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر وہ اسے ہرگز حاصل نہیں کر پاتے۔ ہمیں رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے بیان کیا کہ "ایک قوم۔ ایسی آئے گی کہ وہ۔ قرآن تو پڑھے گی مگر وہ اس کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔" اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ ان کی اکثریت تم ہی میں سے ہو۔ اس کے بعد آپ (ابن مسعود) چلے گئے۔"

عمرو بن سلمہ (اس قصے کے راوی) کہتے ہیں کہ ہم نے ان حلقوں کے۔ حلقے باندھ کر ذکر کرنے والے۔ اکثر لوگوں

---

[1] اسے دارمی (۱/۶۸) اور بحشل واسطی نے "تاریخ واسط" (۱۹۸۔۱۹۹) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔
یہی واقعہ اختصار کے ساتھ مختلف سندوں اور مختلف سیاقوں سے مصنف عبدالرزاق (۳/۲۲۱۔۲۲۲) طبرانی کبیر (۹/۱۳۳۔ ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷) میں اور "البدع والنهى عنها" لابن الوضاح (ص:۸، وما بعدها) میں ہے اور حافظ ہیثمی نے طبرانی کی ایک سند کو صحیح کہا ہے۔(مجمع الزوائد: ١/١٨٦)۔

کو دیکھا کہ وہ نہروان کے دن خوارج [1] کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے۔

ذکر کی قرآن وسنت میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کی ترغیب بھی دلائی گئی ہے مگر اس کے باوجود ابن مسعود نے ان لوگوں پر سختی سے انکار کیا کیونکہ ان کا طریقہ سنت کے مطابق نہ تھا، امام ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

" فهذا ابن مسعود أنكر هذا الفعل مع إمكان إدراجه تحت عموم فضيلة الذكر"

(إحکام الأحکام: ۱/ ۱۷۳)۔

''ابن مسعود نے اس فعل کا انکار کیا جب کہ ذکر کی عمومی فضیلت میں اس کو داخل کیا جا سکتا ہے۔''

اب ہم اپنے اس نام نہاد سلفی ابو مسعود سے پوچھتے ہیں کیا ابن مسعود خارجی تھے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ کیونکہ موصوف نے لکھا ہے: ''خارجیوں کے متعلق آپ سب جانتے ہیں کہ ان کی نمازیں اور روزے بے مثال تھے تعمق کی وجہ سے دین سے صاف نکل گئے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے چنانچہ ان کے بحث مباحثے اور لڑائیاں جھگڑے مسلمانوں سے ہوتے تھے کافروں کو ان سے کوئی خطرہ تھا نہ نقصان، ملاحظہ ہو: فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی (ص:۵)۔

ہم سلفیت کا لبادہ اوڑھنے والے اس نام نہاد سلفی سے سوال کرتے ہیں کہ ابن مسعود۔ رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں پر انکار کیا اسی طرح عمارہ بن رؤیبہ۔ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان پر اور مسروق تابعی رحمہ اللہ نے جن لوگوں پر انکار کیا۔ [2] کیا وہ تمام لوگ مسلمان تھے یا کہ کافر؟ اگر مسلمان تھے تو کیا ان پر انکار کرنے والے آپ کے نزدیک خارجی ہوئے یا کہ نہیں؟۔

اس مخبوط الحواس انسان سے کچھ بعید نہیں کہ کہہ دے کہ میرے نزدیک وہ خارجی ہی تھے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

یہ نام نہاد سلفی خود کو اگر واقعۃً سلفی سمجھتا ہے تو ابن مسعود۔ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر اگر تھوڑی دیر کے لیے سنجیدگی سے غور کرے۔ بشرطیکہ اس کے اندر کچھ تھوڑی بہت سنجیدگی پائی جاتی ہو تو۔ [3] تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ سلفی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اسی گروہ سے ہے جس پر ابن مسعود نے انکار کیا تھا۔

---

[1] اس سے مراد وہ جنگ ہے جو علی۔ رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف لڑی تھی چونکہ یہ لڑائی نہروان مقام پر ہوئی تھی اس لیے اسے ''یوم النهروان'' کہا گیا۔

[2] ان کے اُقوال کے لیے درج ذیل صفحات دیکھیں (۲۳، ۳۲، ۴۰)

[3] موصوف کے بارے میں ہمیں سنجیدگی کا شک اس لیے ہے کہ ہم ذاتی طور پر انھیں جانتے نہیں ان کا رسالہ ہی دیکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر سنجیدگی نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔

موصوف نے اپنے مخالفین کے بارے میں جو نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں قارئین کے لیے ہم (ص:۲۲) میں ان کا مختصر سا خاکہ پیش کر چکے ہیں اگر وہ مزید تفصیل اور تاکید چاہیں تو موصوف کے رسالے کا مطالعہ کریں مطالعہ سے انھیں معلوم ہوگا کہ اس آدمی نے سلفیت کا لبادہ اوڑھ کر سلفیت کو کس قدر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے نیز انھیں ان کے رسالے کے ⟵

نام نہاد سلفی کی جہالت کی دوسری مثال:

اس نام نہاد سلفی أبو مسعود کی جہالت کی دوسری مثال یہ ہے کہ موصوف نے (صفحہ:۳۹) میں لکھا ہے:

''بریلوی صاحبان ایک بدیہی أمر یعنی رسول کریم۔ ﷺ۔ کے سائے کا انکار کرتے ہیں اور ہم سے اس کا ثبوت صریح اور صحیح روایات سے طلب کرتے ہیں تو ہم اس بیّن حقیقت کا ثبوت فقط مسند أحمد کی روایت سے پیش کر سکتے ہیں اس کے علاوہ انھیں ہاتھ اٹھا کر دعائے اجتماعی جیسی صریح روایت پیش نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود کوئی بھی سلیم العقل انسان سائے کا انکار نہیں کرتا اسی طرح دعائے اجتماعی کے جواز پر بھی یقین رکھنا چاہیے۔''

یہ ہے نام نہاد سلفی ابو مسعود کا کلام جسے پڑھ کر ہمیں ایک شعر کا دوسرا مصرعہ یاد آ گیا:

اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

موصوف کے اندر ماشاء اللہ بڑی فقاہت، دقت اور گہرائی پائی جاتی ہے قارئین! آپ نے دیکھا کہ کس قدر پتے کی بات کی ہے۔

یہ پتے کی بات نہیں بلکہ پرلے درجے کی جہالت کی بات ہے ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ سائے کا ہونا ایک بدیہی أمر اور بیّن حقیقت ہے اور کوئی صحیح العقل انسان سائے کا انکار نہیں کرتا اور دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ اس پر ہمارے پاس سوائے ''مسند احمد'' کی روایت کے کوئی دوسری دلیل نہیں ہے۔

حکیم اسلام صاحب جب آپ کے پاس سوائے مسند أحمد کی روایت کے۔ جو کہ اسنادی اعتبار سے پایہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ [1] اور کوئی دلیل نہیں ہے تو سائے کا مسئلہ ایک بدیہی أمر اور بیّن حقیقت کیسے ہو گیا کیونکہ بدیہی امر یا بیّن

⬅ ناشر ادارے، ''إدارہ تبلیغ القرآن والسنۃ'' کی قرآن وسنت کی تبلیغ وخدمت کا علم بھی ہوگا اور ہر سنجیدہ اور ذی شعور آدمی اس ادارے کے ذمہ داران سے یہ سوال کرے گا۔ ﴿أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ﴾۔ (هود:۷۸)

[1] یہ روایت صفیہ رضی اللہ عنہا اور ایک روایت کے مطابق عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ زینب رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو گئے اور دو یا تین ماہ بعد آپ ان کے گھر تشریف لے گئے تو انھوں نے سب سے پہلے آپ کا سایہ دیکھا۔ اس کو احمد (۶/ ۱۳۱۔۱۳۲، ۲۶۱، ۳۳۷، ۳۳۸) طبرانی نے ''کبیر'' (ج۲۴/ حدیث:۱۷۸) اور ''أوسط'' (۴/ حدیث:۲۳۳۹) میں اور ابن سعد نے ''طبقات'' (۸/ ۱۲۷) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں صفیہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے راویہ سمیہ ہے اور بعض روایات میں ''شمیسہ'' اور بعض میں ''سمیہ'' کی بجائے ''سمینہ'' ہے مگر معتبر پہلے والی دونوں روایتیں ہیں۔ سمیّہ مجہولہ ہے اور شمیسہ کے بارے میں شیخ ألبانی نے ذکر کیا ہے کہ یہ ثقہ ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ان کی کتاب ''سلسلة الأحاديث الصحيحة'' (ج:۷/ص:۶۲۴۔۶۲۶، حدیث:۳۲۰۵)۔

حقیقت کا اطلاق تو ایسی چیز پر ہوتا ہے جو واضح اور ٹھوس دلائل سے ثابت ہو اور جس کا سلیم العقل اور سلیم الفطرت انسان کے لیے انکار ناممکن ہو۔

ہم اپنے اس نام نہاد سلفی اور حکمت دان سے گزارش کریں گے کہ سلیم العقل انسان سائے کا انکار اس لیے نہیں کرتا کہ اس کا ذکر ''مسند احمد'' کی روایت میں ہے بلکہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا بشر ہونا کتاب وسنت کے ٹھوس اور واضح دلائل سے ثابت ہے۔ اسی لیے فقہاء حنفیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بلکہ ہر رسول بشر ہی ہوتا ہے چنانچہ شرح ''عقائد نسفی'' میں رسول کی تعریف کے بارے میں لکھا ہے کہ:

" والرسول إنسان بعثه الله ـتعالى- إلى الخلق لتبليغ الأحكام۔"

(شرح عقائد نسفي، مطبوعه قيومي كانپور، ص:۱۱)منقول از مقياس، حنفيت(ص ۹۷) ۔

''اور رسول وہ آدمی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف تبلیغ اَحکام کے لیے مبعوث کرتا ہے۔''

جب یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر تھے اور ہر بشر کا سایہ ہوتا ہے لہٰذا آپ کا بھی سایہ تھا اگر ہمارے پاس کوئی ٹھوس اور واضح دلیل ہو کہ جس میں یہ ہو کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا تو پھر ہم آپ سے سایہ کی نفی کریں گے اور کہیں گے کہ آپ کا سایہ نہ ہونا آپ کے خواص میں سے ہے جب کہ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا دلیل وہ حضرات دیں جو رسول اللہ ﷺ سے سایہ کی نفی کرتے ہیں کیونکہ سایہ کی نفی کے معنے یہ ہوئے کہ یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے اور خصوصیت پر ٹھوس دلیل چاہیے ٹھوس دلیل کے بغیر کسی بھی خصوصیت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

واضح رہے کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ نافی پر دلیل نہیں جب کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ نافی پر بھی دلیل ہے اور صحیح قول بھی جمہور ہی کا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے یہود کے اس قول کو ﴿وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی﴾ ''اور انھوں نے کہا کہ جنت میں یہود و نصاریٰ ہی داخل ہوں گے۔'' یعنی ان کے علاوہ اور کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (البقرة:۱۱۱) ''یہ ان کی آرزوئیں ہیں ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو تو۔''

اس نفی پر ان سے دلیل طلب کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ نافی پر بھی دلیل ہے۔

⟵ ان دونوں روایتوں میں کونسی روایت معتبر ہے یعنی سمیّہ یا شمیہ والی روایت، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے لہٰذا اس حدیث کی سند محل نظر ہے واللہ اعلم۔

بعض نے نفی پر دلیل یہ دی ہے کہ حکیم ترمذی [1] نے ذکوان سے روایت کی ہے:

"أنّ رسول الله ﷺ لم یکن یری له ظلّ في شمس ولا قمر" [2]

''سورج اور چاند کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔''

مگر یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ من گھڑت بھی ہے مرسل اس لیے کہ ذکوان تابعی ہیں اور من گھڑت اس لیے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن قیس زعفرانی ایک راوی ہے، جس کو عبدالرحمٰن بن مھدی اور ابوزرعہ نے کذاب کہا ہے۔ [3]

اور زعفرانی نے اس حدیث کو عبدالملک بن عبداللہ بن الولید سے روایت کیا ہے، جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"لم یکن لرسول الله صلی الله علیه وسلم ظلّ۔"

''رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔''

اس کو ابن جوزی نے "الوفاء بأحوال المصطفى" (۲/۶۵) میں بلا سند ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اسے زرقانی نے "شرح المواهب اللدنيّة" (۵/۵۲۵) (۷/۲۰۰) میں ابن مبارک اور ابن جوزی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی، لہٰذا یہ بے اصل ہے۔

اہم تنبیہ:

تقریباً ایک سال قبل (۲۰۰۵م) دوبئ میں ایک صاحب عیسی مانع حِمْیَری نے اپنی تحقیق سے ایک جزء اس نام سے شائع کیا: "الجزء المفقود من الجزء الأوّل من المصنف" لعبد الرزاق. اور اس جزء میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث بھی ہے جس کی سند یوں ہے:

---

[1] یہ حکیم ترمذی صاحب ''سنن ترمذی'' ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (متوفی: ۲۹۷ھ) کے علاوہ ہیں ان کا نام محمد بن علی اور کنیت ابوعبداللہ ہے ان کی چند ایک کتب میں سے ایک کتاب "نوادر الأصول" بھی ہے اور یہ صوفیاء میں سے ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جیسے نبیوں کے لیے خاتم ہے اسی طرح اُولیاء کے لیے بھی خاتم ہے اور ان کے ''عقائد منحرفہ'' میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ ولایت کو نبوت پر فضیلت دیتے تھے ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے بعض کے کہنے کے مطابق ان کی تاریخ وفات (۲۸۵ھ) ہے ان کے ترجمے کے لیے تذکرۃ الحفاظ (۲/۶۴۵) اور "سیر أعلام النبلاء" (۱۳/۴۳۹۔۴۴۲) وغیرہ دیکھیں۔

[2] اس کو سیوطی نے " الخصائص الکبریٰ" (۱/۶۸، ۷۱) میں، قسطلانی نے "المواهب اللدنیه" (۵/۵۲۵۔۵۳۴۔ شرح الزرقانی) میں اور زرقانی نے "شرح المواهب اللدنية" (۷/۱۹۹) میں حکیم ترمذی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ سیوطی نے ایک مقام پر (۱/۷۱) اس کی سند کا ابتدائی حصہ بھی ذکر کیا ہے جس سے اس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

[3] اسی طرح دیگر ائمہ نے بھی اس میں کلام کیا ہے ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال (۲/۵۸۳)۔

"عبد الرزاق عن ابن جريج قال أخبرني نافع أن ابن عباس قال: لم يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم ظلّ "(ملاحظہ ہو مذکورہ جزء، صفحہ:۵۶، نمبر:۴)

اور یہ سند ظاہراً صحیح ہے مگر یہ مکمل جزء جس میں کل چالیس اَحادیث ہیں محلِ نظر ہے بلکہ من گھڑت اور بے اَصل ہے اس کے بارے میں عربی زبان میں بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اسی طرح ''محدث'' اور ''الاعتصام'' وغیرہ میں بھی اس جزء کے ردّ میں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

جب اس جزء کے بارے میں شور مچا تو حمیری نے اس کی توثیق کے لیے قلمی نسخہ ''مرکز جمعة الماجد للثقافة والتراث'' بھیجا جو کہ دوبئی میں قلمی نسخوں کا بہت بڑا مرکز ہے اس مرکز میں بحیثیت مُدَقِقُ المخطوطات۔ قلمی نسخوں کی جانچ پڑتال کا۔ کام کرنے والے ہمارے فاضل دوست شیخ شہاب اللہ بن بہادر جنگ نے بتایا کہ جب ہم نے اس نسخہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ جعلی نسخہ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے لہٰذا مرکز کی طرف سے دلائل وشواہد پر مبنی ایک رپورٹ تیار کر کے حمیری کو بھیج دی کہ یہ جعلی نسخہ ہے۔

شیخ محمد زیاد بن عمر نے " شبكة سحاب السلفية" [1] میں اس مکذوب اور مصنوعی جزء پر اپنے ردّ میں ذکر کیا ہے [2] کہ شیخ ادیب کمدانی نے۔ جو کہ عیسی حمیری کی ادارت میں کام کر چکے ہیں۔ [3] مجھے ٹیلیفون پر دوران گفتگو بتایا کی حمیری نے مجھے جب یہ مخطوط دکھایا تو میں نے دیکھ کر کہا کہ یہ من گھڑت ہے اور ان سے کہا کہ جس شخص نے آپ کو یہ مخطوط (قلمی نسخہ) لاکر دیا ہے اسے پوچھیں کہ جس اَصل قلمی نسخے سے اس کو نقل کیا گیا ہے وہ کہاں ہے تو اس نے جواب دیا کہ روس کے ایک مکتبہ سے اس کو نقل کیا گیا تھا اور وہ مکتبہ لڑائی میں جل گیا ہے پھر حمیری نے اس سے مطالبہ یہ کیا کہ اس جزء کا باقی حصہ کہاں ہے مجھے وہ بھی بھیجو مگر حمیری کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ ایک طرف تو یہ بات ہے جب کہ اس نسخہ کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کو (۹۳۳م) میں بغداد میں لکھا گیا۔

بہر حال بہت سے ایسے شواہد و دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جزء من گھڑت بناوٹی اور خانہ ساز ہے اور ''مصنف عبد الرزاق'' کے ساتھ اس جزء کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ واضح رہے کہ حمیری کو یہ جزء ہندوستان کے ایک محمد امین برکاتی قادری نے لاکر دیا تھا۔

❁OOO❁

---

[1] یہ انٹرنیٹ پر ایک روم کا نام ہے

[2] ان کا ردّ اب کتابی شکل میں بھی " مجموع في كشف حقيقة الجزء المفقود (المزعوم) من مصنف عبد الرزاق" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

[3] یہ حمیری دوبئی اوقاف کے مدیر رہ چکے ہیں۔

فصل دوم

یہ فصل دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں بیان یہ ہوگا کہ وہ دلائل جنھیں اجتماعی دعاء کے قائلین ذکر کرتے ہیں کیا وہ کبار ائمہ ومحدثین پر مخفی رہے کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی اپنی کتاب میں کوئی ایسا باب قائم نہیں کیا جس سے اجتماعی دعاء کا جواز یا استحباب ثابت ہو اور اس کے بعد اس دعاء کے ردّ میں بعض کبار ائمہ کے فتوؤں کا ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ

دوسرے حصے میں ان دلائل کا مختصر سا جائزہ لیا جائے گا جن کا نام نہاد سلفی أبو مسعود نے ذکر کیا ہے۔

...... پہلا حصہ ......

نماز کے بعد اجتماعی دعاء کے قائلین سے ہم پوچھیں گے کہ جن دلائل کو آپ لوگ اس کے اثبات پر پیش کرتے ہو کیا کبار ائمہ اور محدثین کو ان کا علم نہیں ہوا یا کہ وہ ان کی وجہ الدلالہ کو سمجھ نہیں پائے کیونکہ ان ائمہ کی کتب میں ''باب الدعاء قبل السلام''، ''باب الذکر بعد السلام''، یا ''باب الدعاء بعد السلام'' تو آپ کو ملے گا لیکن ''باب الدعاء الجماعی'' یا ''باب دعاء الامام والمأ مومین'' آپ کہیں نہیں پائیں گے۔ اب چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

① امام شافعی۔

ان کی کتاب ''الأمّ'' ''کتاب الصلاة، باب ''کلام الإمام و جلوسه بعد السلام'' دیکھیے اس کے آخر میں امام شافعی فرماتے ہیں:

''و للمأموم أن ينصرف إذا قضى الإمام السلام قبل قيام الإمام، و أن يؤخر ذلك حتى ينصرف بعد انصراف الإمام، أومعه، أحبّ إليّ له، و استحب للمصلي منفردًا، وللمأموم أن يطيل الذكر بعد الصلاة، ويكثر الدعاء رجاء الإجابة بعد المكتوبة۔'' [1]

''مقتدی کو اختیار ہے کہ وہ امام کے سلام کے بعد امام کے کھڑے ہونے سے قبل یا اس کے جانے کے بعد یا اس کے جانے کے ساتھ ہی جا سکتا ہے امام کے ساتھ اس کا جانا مجھے زیادہ پسند ہے۔ منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والے) اور مقتدی کے لیے میں مستحب سمجھتا ہوں کہ وہ نماز کے بعد زیادہ ذکر کرے اور فرض نماز کے

[1] الأم(۱/۲۴۳) أيضًا المجموع للنووي (۳/۴۸۷)۔

بعد دعاء کی قبولیت کی امید پر کثرت سے دعا کرے۔''

یہ ہے امام شافعی کا کلام وہ منفرد اور مقتدی کے لیے تو دعاء کو مستحب سمجھتے ہیں لیکن انھوں نے اجتماعی دعاء سے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کی جب کہ انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ نماز کے بعد دعاء کی قبولیت کی امید ہوتی ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ اگر اجتماعی دعاء کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔

اور اس سے قبل انھوں نے یہ کہا ہے:

" و أختار للإمام ، و المأموم أن يذكرا الله بعد الانصراف من الصلاة و يخفيان الذكر ، إلاّ أن يكون إمامًا يُحِبُّ أن يُتَعَلَّمُ منه، فيجهر حتى يرى أنّه قد تُعِلِّم منه، ثم يُسِرُّ الخ......" [1]

''امام اور مقتدی کے لیے نماز کے بعد ذکر کرنے کو میں پسند کرتا ہوں اور یہ کہ وہ مخفی ذکر کریں۔ اِلا یہ کہ امام کا مقصد تعلیم ہو تو وہ جہراً ذکر کرے گا جب سمجھے کہ لوگ سیکھ چکے ہیں تو پھر سراً ہی ذکر کرے۔''

② امام بخاری۔

انھوں نے اپنی ''صحیح'' میں کتاب الأذان میں "باب الدعاء قبل السلام" اور ''باب الذكر بعد السلام" اور کتاب الدعوات میں باب" الدعاء في الصلاة" اور "باب الدعاء بعد الصلاة" تو ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو(۲/ ۳۱۷، ۳۲۴، ۱۱/ ۱۳۱، ۱۳۲، فتح الباری) لیکن کوئی ایسا باب قائم نہیں کیا جس سے اجتماعی دعاء کا ثبوت مہیا ہو یا ثانی الذکر باب میں کوئی ایسی حدیث ذکر کی ہو جس سے اجتماعی دعاء یا ذکر ثابت ہو۔

جہاں اجتماعی دعاء کا ثبوت تھا وہاں انھوں نے یہ باب باندھا ہے چنانچہ کتاب ''الاستسقاء'' میں انھوں نے ایک باب یوں باندھا ہے:"باب رفع الناس أيديهم مع الإمام في الاستسقاء" اور اس باب کے تحت انھوں نے خطبہ جمعہ میں استسقاء سے متعلق حدیثِ اُنس۔ رضی اللہ عنہ۔ کا ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ایک باب یوں بھی قائم کیا ہے:"باب رفع الإمام يده في الاستسقاء" جب کہ کتاب ''الصلوٰۃ'' میں اس قسم کا کوئی باب قائم کیا ہے اور نہ ہی اس قسم کی کوئی حدیث ذکر کی ہے۔ [2]

③ امام مسلم۔

انھوں نے بھی صحیح مسلم میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی کہ جس سے اجتماعی دعاء ثابت ہو انھوں نے نماز کے بعد

---

[1] ملاحظہ ہو الأمّ(۱/ ۲٤۲) و أيضًا معرفة السنن و الآثار للبيهقی (۲/ ٦٨)۔

[2] ملاحظہ ہو:صحیح بخاری(۲/ ۳۱۷، ۳۲٤، ٥۱٦، ٥۱۷۔ فتح الباری)۔

حدیثِ اُنس رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس کتاب کا دوسرا باب (صفحہ:۹۳) ملاحظہ کریں، نیز اس باب کا (صفحہ:۳۴) بھی ملاحظہ کریں۔

ذکر سے متعلق جو اُحادیث ذکر کی ہیں ان پر امام نووی نے درج ذیل دو اُبواب قائم کیے ہیں۔

① الذکر بعد الصلاۃ۔

② استحباب الذکر بعد الصلاۃ و بیان صفتہ" ملاحظہ ہو: (شرح مسلم: ۸۳/۵، ۸۹)۔

④ امام ابو داؤد۔

انھوں نے اپنی ''سنن'' میں کتاب "الصلاۃ" میں دو باب قائم کیے ہیں جو یہ ہیں:

① باب الدعاء۔

② باب ما یقول الرجل إذا سلم۔ ملاحظہ ہو سنن أبي داؤد (۷۶/۲، ۸۲)۔

وہ ان دونوں بابوں میں کوئی ایسی حدیث نہیں لائے جس سے اجتماعی دعاء ثابت ہو اور نہ ہی انھوں نے اس کے بارے میں کوئی ایسا باب قائم کیا ہے۔

⑤ امام ترمذی۔

انھوں نے اپنی ''جامع'' میں باب "ما یقول إذا سلّم من الصلاۃ" قائم کیا ہے۔ لیکن کوئی ایسا باب قائم نہیں کیا جو اجتماعی دعاء سے متعلق ہو۔

⑥ امام نسائی۔

انھوں نے نماز کے بعد مختلف اُذکار کے بارے میں مختلف اُبواب قائم کیے ہیں مگر ان میں سے کوئی باب بھی ایسا نہیں جس کا اجتماعی دعاء سے تعلق ہو۔ ملاحظہ ہو۔ سنن صغریٰ (۶۷/۳۔۶۹) سنن کبریٰ (۳۹۷/۱۔ ۴۰۳) اور عمل الیوم واللیلۃ (صفحہ: ۱۸۰۔۲۰۱)۔

⑦ امام ابن ماجہ۔

انھوں نے اپنی ''سنن'' میں دو باب قائم کیے ہیں:

① باب "ولا یخصّ الإمام نفسہ بالدعاء" [1]

② باب ما یقال بعد التسلیم۔ ملاحظہ ہو: سنن ابن ماجہ (۲۹۸/۱) جب کہ ایسا کوئی باب نہیں جو اجتماعی دعاء سے متعلق ہو۔

⑧ امام دارمی۔

انھوں نے اپنی ''سنن'' میں تین باب قائم کیے ہیں:

---

[1] اس باب کے تحت ابن ماجہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کے بارے میں (صفحہ: ۸۳، نمبر ۱۱) میں تفصیل آ رہی ہے۔

① باب الدعاء بعد التشهد۔

② باب القول بعد السلام۔

③ باب التسبیح في دبر الصلاۃ۔ ملاحظہ ہو: سنن دارمي (۱/۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲) [1]
لیکن اجتماعی دعاء سے متعلق آپ کو کوئی باب نہیں ملے گا۔

⑨ امام ابن خزیمہ۔

انھوں نے اپنی ''صحیح'' میں سلام کے بعد دعاء اور ذکر سے متعلق متعدد ابواب قائم کیے ہیں جن میں سے پہلا باب یہ ہے: ''باب جامع الدعاء بعد السلام'' مگر ان مختلف اُبواب میں سے کوئی باب بھی ایسا نہیں جس میں اجتماعی دعاء کا ذکر ہو۔ ملاحظہ ہو صحیح ابن خزیمة(۱/۳۶۶۔۳۷۲)۔

⑩ حافظ ابن حبان

انھوں نے بھی اپنے شیخ ابن خزیمہ کی طرح اپنی ''صحیح'' میں سلام کے بعد دعاؤں اور اُذکار سے متعلق مختلف اُبواب قائم کیے ہیں جن میں سے پہلا باب یہ ہے: ''ذکر ما یقول المرء إذا سلم من صلاته''۔
مگر ان اُبواب میں سے کوئی باب بھی اجتماعی دعاء کے بارے میں نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔صحیح ابن حبان(۳/۲۲۵۔۲۳۸)۔

⑪ امام بیہقی۔

انھوں نے سلام کے بعد ذکر سے متعلق تین اُبواب قائم کیے ہیں جن میں سے دوسرا باب یہ ہے:
''باب الاختیار للإمام والمأموم في أن یخفیا الذکر''۔
لیکن اجتماعی دعاء سے متعلق کوئی باب نہیں ملاحظہ ہو: سنن کبریٰ (۲/۱۸۳، ۱۸۴)۔
اسی طرح انھوں نے اپنی کتاب ''السنن الصغیر(۱/۱۴۷۔۱۴۸) میں یہ باب قائم کیا ہے: ''باب ما یقول بعد السلام'' لیکن اجتماعی دعا سے متعلق کوئی باب قائم نہیں کیا۔

⑫ امام ابن سُنّی۔

انھوں نے بھی سلام کے بعد ذکر سے متعلق تین ابواب قائم کیے ہیں۔'' باب ما یقول إذا سلّم من الصلاۃ۔ باب ما یقول في دبر صلاۃ الصبح۔ باب فضل الذکر بعد صلاۃ الفجر۔'' مگر ان میں سے کسی کا تعلق بھی اجتماعی دعاء سے نہیں ملاحظہ ہو: عمل الیوم واللیلة(ص:۵۸، ۷۴)۔

---

[1] عام طور پر اس کو مسند داری کہا جاتا ہے جو درست نہیں کیونکہ یہ سُنن ہے۔ مسند نہیں۔

⑬ امام طبرانی۔

انھوں نے سلام کے بعد اذکار سے متعلق مختلف ابواب قائم کیے ہیں لیکن ان میں ایک باب بھی ایسا نہیں جس کا تعلق اجتماعی دعاء سے ہو ملاحظہ ہو۔ کتاب الدعاء (۲/ ۱۰۸۷۔۱۱۲۴)۔

⑭ امام بغوی۔

انھوں نے درج ذیل دو باب قائم کیے ہیں:

① باب الدعاء قبل السلام۔

② باب الذکر بعد الصلاۃ۔" مگر اجتماعی دعاء سے متعلق کوئی باب نہیں۔ ملاحظہ ہو شرح السنۃ (۳/ ۲۰۰، ۲۲۳)۔

⑮ حافظ هیثمی۔

انھوں نے "مجمع الزوائد" میں مسند أحمد، مسند أبو یعلی، مسند بزار، معجم کبیر، أوسط اور صغیر طبرانی کی ان أحادیث کو جمع کیا ہے جو حدیث کی مشہور چھ کتب۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ۔ میں نہیں پائی جاتیں۔ اور جو أحادیث ان کتب میں ہیں ان کا انھوں نے ذکر نہیں کیا۔ [1]

انھوں نے نماز کے بعد ذکر و دعاء سے متعلق ایک باب یوں باندھا ہے:" باب ما یقول من الذکر والدعاء عقیب الصلاۃ" اور اس میں بھی کوئی ایسا باب نہیں ملے گا جو اجتماعی دعا کے بارے میں ہو۔

⑯ ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام المعروف **بابن تیمیة** ۔ [2]

انھوں نے" المنتقی" میں ایک باب یوں باندھا ہے۔"باب فی الدعاء والذکر بعد الصلاۃ" اس باب کے تحت انھوں نے نماز کے بعد پڑھے جانے والے متعدد أذکار اور دعائیں ذکر کی ہیں۔

علامہ شوکانی "منتقی" کی شرح " نیل الأوطار"(۲/۳۱۰) میں لکھتے ہیں:" و قد وردت أذکار عقب الصلاۃ غیر ما ذکر المصنف" "نماز کے بعد جن أذکار کا مؤلف نے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ دیگر أذکار بھی ہیں۔" اس کے بعد انھوں نے چند أذکار کا ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا ذکر بھی ہے۔

ان محدثین کے علاوہ فقہاء نے بھی اپنی کتب میں اجتماعی دعاء سے متعلق کوئی ایسی بات نہیں لکھی۔ مثلاً۔

① امام **ابن قدامه** لکھتے ہیں:

" و یستحب ذکر الله۔ تعالیٰ۔ والدعاء عقیب صلاته و یستحب من ذلك ما ورد به الأثر" (المغنی(۲/ ۲۵۱)۔

---

[1] جیسا کہ (صفحہ:۲۱) میں بھی ذکر ہوا۔

[2] یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا ہیں، شیخ کا نام أحمد باپ کا نام عبدالحلیم اور دادا کا نام عبدالسلام ہے۔

''نماز کے بعد ذکر اور دعاء مستحب ہے اور وہ ذکر و دعاء مستحب ہے جس کے بارے میں أثر وارد ہوا ہے۔''
یعنی مسنون ذکر و دعائیں۔

اس کے بعد انھوں نے نماز کے بعد پڑھی جانے والی دعاؤں اور وظائف کا ذکر کیا ہے مگر اجتماعی دعاء کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

② امام **أبو إسحاق شیرازی**۔[1] "المھذب" میں لکھتے ہیں:

" و یستحب لمن فرغ من الصلاۃ أن یذکر اللہ۔تعالیٰ۔ لما روی ابن الزبیر......۔"
''نماز سے فارغ ہونے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے کیونکہ ابن زبیر نے روایت کی ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے چند مسنون اذکار کا ذکر کیا ہے امام نووی''المھذب'' کی شرح''المجموع'' (۴۸۴/۳، ۴۸۵) میں لکھتے ہیں:

" اتفق الشافعی والأصحاب وغیرھم۔رحمھم اللہ۔ علی أنہ یستحب ذکر اللہ۔ تعالیٰ بعد السلام۔ و یستحب ذلك للإمام والمأموم، والمنفرد، والرجل، والمرأۃ، والمسافر، و یستحب أن یدعو۔ أیضًا۔ بعد السلام بالاتفاق، و جاء ت فی ھذہ المواضع أحادیث کثیرۃ صحیحۃ في الذکر والدعاء قد جمعتھا فی کتاب الأذکار۔"
''شافعی، أصحاب شافعی اور دیگر علماء رحمہم اللہ کا سلام کے بعد ذکر کے مستحب ہونے پر اتفاق ہے اور یہ امام مقتدی، منفرد، آدمی، عورت اور مسافر سب کے لیے مستحب ہے اور نمازی کا سلام کے بعد دعاء کرنا بھی بالاتفاق مستحب ہے ان مقامات پر ذکر اور دعاء کے بارے میں بہت سی صحیح أحادیث آئی ہیں جن کو میں نے کتاب الأذکار میں جمع کیا ہے۔''

اور'' أذکار'' میں انھوں نے ایک باب یوں قائم کیا ہے۔"باب الأذکار بعد الصلاۃ" ملاحظہ ہو(صفحہ:۶۶)۔
اور اس باب کے تحت مسنون ذکر و دعاء والی أحادیث لائے ہیں اور کوئی ایسا باب قائم نہیں کیا جس میں اجتماعی دعاء کا ذکر ہو۔

تنبیہ= امام نووی نے "المجموع" میں جو یہ کہا ہے:

"فرع، قد ذکرنا استحباب الذکر، والدعاء للإمام، والمأموم، والمنفرد، و ھو

---

[1] یہ شافعی مذہب کے مشہور امام ہیں۔ فقہ میں ان کی کتاب "التنبیہ" اور "المھذب" اور أصول فقہ میں "التبصرۃ" ، "اللمع" اور ''شرح اللمع'' مشہور و معروف کتب ہیں۔

مستحب عقب كل الصلوات۔

و أما ما اعتاده الناس، أو كثير منهم من تخصيص دعاء الإمام بصلاتي الصبح، والعصر، فلا أصل له، و إن كان قد أشار إليه صاحب "الحاوی" فقال: إن كانت صلاة لا يُتَنَفَّلُ بعدها كالصبح والعصر استدبرالقبلة، واستقبل الناس، و دعا، و إن كانت مما يتنفل بعدها كالظهر، والمغرب، والعشاء فيختار أن يتنفل في منزله۔

وهذا الذي أشار إليه من التخصيص لا أصل له، بل الصواب استحبابه في كل الصلوات، و يستحب أن يقبل على الناس فيدعو والله أعلم۔" (المجموع:۳/۴۸۸)۔

تو اس کلام سے ان کا مقصود اجتماعی دعاء نہیں بلکہ ان لوگوں کا ردّ مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ نماز جس کے بعد سنت نہیں۔ مراد نماز فجر وعصر۔ امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعاء (یعنی مسنون ذکر و دعائیں) کرے مگر وہ نماز جس کے بعد سنت ہیں جیسا کہ ظہر، مغرب، اور عشاء تو ایسی نماز کے بعد پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ سنت گھر میں جا کر ادا کرے یعنی مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعاء وغیرہ نہیں کرے بلکہ اٹھ کر چلا جائے اور گھر میں سنت ادا کرے۔

امام نووی ان لوگوں کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امام کے لیے ہر نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعاء وغیرہ کرنا مستحب ہے نہ کہ صرف فجر اور عصر کے بعد۔

③ علامہ **کاسانی** حنفی۔

یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ نماز کے بعد امام کو کیا کرنا ہوگا۔ لکھتے ہیں:

"کہ وہ نماز جن کے بعد سنت نہیں جیسا کہ فجر اور عصر ہے تو امام کو اختیار ہے چاہے تو وہ کھڑا ہو جائے اور اگر چاہے تو اپنی جگہ بیٹھ کر دعا میں مشغول رہے لیکن قبلہ کی طرف منہ کر کے اس کا بیٹھے رہنا مکروہ ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے کراہت کے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اگر ایسی نماز ہے جس کے بعد سنت ہیں تو اس کا بیٹھے رہنا مکروہ ہے اس کے بعد انھوں نے اس کراہت پر بعض دلائل ذکر کیے ہیں۔

اور اس کے بعد مقتدیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ہمارے بعض مشائخ کہتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں تو کوئی حرج نہیں اور امام محمد سے مروی ہے کہ وہ اپنی صفیں توڑ دیں اور الگ الگ ہو جائیں۔ ملاحظہ ہو:"بدائع الصنائع"(۱/۱۵۹۔۱۶۰)

یہ مسائل تو کاسانی نے بیان کیے ہیں لیکن اجتماعی دعا کے مسئلے سے تعرض تک نہیں کیا۔

④ امام **مالک** رحمہ اللہ۔

آپ جماعت والی مسجد یا قبائل میں سے کسی قبیلے کی مسجد والے امام کے بارے میں فرماتے ہیں:

" إذا سلّم فليقم، و لا يقعد في الصلوات كلها"۔

''جب وہ سلام پھیرے تو اسے کھڑے ہو جانا چاہیے اور کسی نماز میں بھی اسے بیٹھنا نہیں چاہیے۔''

اور وہ امام جو سفر میں امام ہو یا اپنے گھر میں تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

" فإذا سلّم فإن شاء تنحّى و إن شاء قام۔"

''پس جب وہ سلام پھیرے تو چاہے ایک جانب ہو جائے اور اگر چاہے تو کھڑا ہو جائے۔'' ملاحظہ ہو: المدونة الکبری (١/١٤٤)۔

امام مالک کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاں اجتماعی دعاء کا کوئی تصور نہ تھا کیونکہ ان کے ہاں اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو یہ بھی کہتے کہ اگر چاہے تو مقتدیوں کے ساتھ مل کر دعاء کرلے۔

"الفقه المالكي و أدلته" کے مؤلف طاہر بن حبیب نے نماز کے مندوبات کا ذکر کرتے ہوئے چودہواں مندوب عمل جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

" ختم الصلاة بالأذكار الواردة عن الرسول ـ صلى الله عليه وسلم ـ من غير فصل بنافلة۔" (١/٢٣١)۔

''ان اُذکار کے ساتھ نماز کا اختتام جو رسول اللہ ـ ﷺ ـ سے وارد ہیں ان میں نفلی نماز (سنتیں) کے ساتھ فصل کیے بغیر۔''

انھوں نے اُذکار کی طرف تو اشارہ کیا ہے مگر نماز کے بعد اجتماعی دعاء کے بارے میں کوئی بات ذکر نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ مالکی مذہب میں اجتماعی دعاء کی اگر کوئی شرعی حیثیت ہوتی تو وہ اس کی طرف بھی اشارہ کرتے۔

یہ تو وہ اُئمہ، محدثین، فقہاء اور علماء ہیں جنھوں نے نماز کے بعد اجتماعی دعا کی کوئی بات ہی نہیں کی یا اس کی مشروعیت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

آیئے اب بعض ان علماء کے اُقوال ملاحظہ کریں جنھوں نے اس دعاء کا انکار کیا ہے اس کے بارے میں اُقوال تو بہت سے علماء کے ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر صرف چند اُقوال ذکر کریں گے۔

① شیخ الاسلام **ابن تیمیه** (متوفی: ۷۲۸ھ)۔

اس سوال کے جواب میں کہ نماز کے بعد دعا سنت ہے یا کہ نہیں؟ اور ایسے امام پر جس نے نماز عصر کے بعد دعاء نہ

کی، انکار کرنے والا صواب پر ہے یا کہ غلطی پر؟ لکھتے ہیں:

"لم يكن النبي ﷺ يدعو هو، و المأمومون عقيب الصلوات الخمس، كما يفعله بعض الناس عقيب العصر، والفجر، و لا نقل ذلك عن أحد، و لا استحب ذلك أحد من الأئمة، و من نقل عن الشافعي أنه استحب ذلك فقد غلط عليه، و لفظه الموجود في كتبه ينافي ذلك، و كذلك أحمد، وغيره من الأئمة لم يستحبوا ذلك"۔

"نبی۔ ﷺ۔ اور مقتدی پانچوں نمازوں کے بعد دعاء نہیں کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگ نماز فجر اور عصر کے بعد کرتے ہیں اور یہ کسی سے بھی منقول نہیں اور نہ ہی ائمہ میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا ہے۔ اور جس نے شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس کو مستحب سمجھا ہے تو اس نے ان سے غلط نقل کیا ہے، ان کی کتب میں جو لفظ موجود ہے وہ اس کے منافی ہے۔اور اسی طرح اُحمد اور دیگر ائمہ نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا۔"

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

" و لو دعاء الإمام، والمأموم أحيانًا عقيب الصلاة لأمر عارض لم يُعَدّ هذا مخالفًا للسنة...... الخ۔"

"امام اور مقتدی اگر کبھی نماز کے بعد کسی پیش آمدہ مسئلے کی بناء پر دعاء کرلیں تو اسے خلاف سنت شمار نہیں کیا جائے گا۔"

اور اس سوال کے جواب میں کہ لوگ ہر نماز کے بعد جو دعاء کرتے ہیں کیا یہ مکروہ ہے اور کیا سلف میں سے کسی سے ایسا کرنا وارد ہوا ہے؟...... لکھتے ہیں:

" الذي نقل عن النبي-ﷺ- من ذلك بعد الصلاة المكتوبة إنّما هو الذكر المعروف كالأذكار التي في الصحاح، و كتب السنن والمسانيد وغيرها، مثل ما في الصحيح......"

"نبی۔ ﷺ۔ سے اس کے بارے میں فرض نماز کے بعد جو منقول ہے وہ وہی معروف ذکر ہے جیسا کہ وہ اُذکار جو کتب صحاح، سنن اور مسانید وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

" و أمّا دعاء الإمام والمأمومين جميعًا عقيب الصلاة فلم ينقل هذا أحد عن النبي ﷺ"

"رہی امام اور مقتدیوں کی نماز کے بعد اجتماعی دعا تو اسے نبی۔ ﷺ۔ سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا۔"

مزید آگے چل کر لکھتے ہیں:

" والثاني: دعاء الإمام والمأمومين جميعًا، فهذا الثاني لا ريب أن النبي ﷺ لم يفعله في أعقاب المكتوبات، كما كان يفعل الأذكار المأثورة عنه، إذ لوفعل ذلك لنقله عنه أصحابه، ثم التابعون، ثم العلماء كما نقلوا ما هو دون ذلك۔"

" دوسری چیز: امام اور مقتدیوں کی اجتماعی دعاء یہ دوسری چیز ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی۔ ﷺ۔ نے فرض نمازوں کے بعد اس کو نہیں کیا۔ جیسا کہ آپ ان اذکار کو کرتے جو آپ سے منقول ہیں کیونکہ آپ نے اگر ایسا کیا ہوتا تو اس کو آپ سے آپ کے صحابہ پھر تابعین اور پھر علماء یقیناً نقل کرتے جیسا کہ انھوں نے اس سے چھوٹی چیزوں کو نقل کر دیا ہے۔"

اور اس سوال کے جواب میں کہ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدی کی دعاء جائز ہے یا کہ نہیں لکھتے ہیں:

" أما دعاء الإمام والمأمومين جميعًا عقيب الصلاة فهو بدعة لم يكن على عهد النبي ﷺ۔"

" رہی امام اور مقتدیوں کی نماز کے بعد اجتماعی دعاء تو یہ بدعت ہے نبی۔ ﷺ۔ کے زمانہ میں یہ نہ تھی۔"

ملاحظہ ہو: مجموع الفتاوٰی (۲۲/۵۱۲۔۵۱۷، ۵۱۹)۔

اس نام نہاد سلفی کو ابن تیمیہ کا یہ قول تو بہت یاد رہا: "والاجتماع على القراء ة والذكر والدعاء حسن......" ملاحظہ ہو فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی (ص:۱۱)۔

مگر ان کے دوسرے اقوال کو سراسر نظر انداز کر گیا، اور اہل بدعت کا یہی طریقہ ہے کہ جو بات ان کے مطلب کی ہوتی ہے اسے لے لیتے ہیں اور جو ان کے خلاف ہو اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ ابن تیمیہ کا مذکورہ قول محل نظر ہے انھوں نے یہ قول ایک سوال کے جواب میں کہا ہے سوال یہ تھا۔

کچھ عوام فقراء مسجد میں جمع ہو کر ذکر کرتے ہیں۔ قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتے ہیں پھر ننگے سر رو کر اور آہ زاری سے دعاء کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصود ریاکاری اور شہرت نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی خاطر ایسا کرتے ہیں تو کیا ایسا جائز ہے یا نہیں؟

تو اس سوال کے جواب میں انھوں نے یہ کہا:" الاجتماع الى القراء ة......" ملاحظہ ہو:"مجموع الفتاوٰی (۲۲/۵۲۳)۔

مگر ان کا یہ قول صفحہ (۴۰۔۴۱) میں گزرنے والے عبداللہ بن مسعود۔ رضی اللہ عنہ۔ کے قول کے خلاف ہے اسی طرح دیگر

دلائل کے خلاف بھی ہے بلکہ ان کے مذکورہ اُقوال اور ان کے دیگر بہت سے اُقوال کے بھی خلاف ہے۔جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔لہٰذا ان کا یہ قول محلِ نظر ہے۔ بلکہ مردود ہے۔امام مالک رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا:

" ما من أحد إلا ومأخوذ من كلامه، مردود عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم" (عقد الجيد:۴۳،۴۸) ۔

ہر شخص کی بات کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور ردّ بھی، سوائے رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے۔"

یعنی آپ کے فرمان کو ردّ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے قبول کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

۲ علامہ **ابن الحاج** (متوفی:۷۳۷ھ)۔

یہ اپنی کتاب "المدخل" (۲/۲۷۶) میں لکھتے ہیں:

" لم يرو أن النبي۔صلى الله عليه وسلم۔ صلّى صلاة فسلم منها، و بسط يديه، و دعا و أمّن المأمومون على دعائه، وكذلك الخلفاء الراشدون بعده۔رضى الله عنهم أجمعين۔

و كذلك باقي الصحابة۔رضى الله عنهم أجمعين۔ وشئ لم يفعله النبي صلى الله عليه وسلم ۔ و لا أحد من الصحابة فلا شكّ في أن تركه أفضل من فعله بل هو بدعة كما تقدم۔"

" یہ مروی نہیں کہ نبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے کوئی نماز پڑھی ہو پھر سلام پھیر لینے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہو اور مقتدیوں (صحابہ) نے آپ کی دعاء پر آمین کہا ہو اور نہ ہی آپ کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) سے ایسا مروی ہے۔

اور وہ کام جسے نبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور صحابہ میں سے کسی نے بھی نہ کیا ہو تو اس میں شک نہیں کہ اس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہے بلکہ وہ (کام) بدعت ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔"

۳ امام **ابن قیم** الجوزیہ (متوفی:۷۵۱ھ)۔

یہ اپنی کتاب "زاد المعاد" (۱/۲۵۷) میں لکھتے ہیں:

"و أمّا الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة، أوالمأمومين، فلم يكن من هديه۔صلى الله عليه وسلم۔ أصلاً ولا روي عنه بإسناد صحيح و لا حسن۔"

" رہی نماز سے سلام کے بعد قبلہ یا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعاء تو آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کا قطعاً یہ طریقہ نہ تھا اور نہ ہی آپ سے یہ کسی صحیح اور حسن سند سے مروی ہے۔"

موصوف نے ابن قیم کے اس کلام کی توجیہ کے طور پر حافظ ابن حجر کا ''فتح الباری'' (۱۱/۱۳۴۔ دار الفکر) سے جو کلام نقل کیا ہے جس میں انھوں نے یہ کہا ہے کہ ابن قیم کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے جس چیز کی نفی کی ہے وہ یہ ہے کہ نمازی کا نماز کے بعد پابندی سے قبلہ رخ بیٹھ کر دعا مانگنا، مگر جب وہ رخ پھیر لے یا مسنون اُذکار پڑھ لے تو پھر دعا کرنا ان کے نزدیک بھی منع نہیں۔

تو اس سے کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابن حجر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پھر ان کے نزدیک اجتماعی دعاء کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حافظ ابن حجر کی مراد یہ ہے کیا انھوں نے اجتماعی دعاء کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ابن قیم کے اس کلام کی یہ توجیہ کی ہے؟

بلکہ ان کے کلام سے نمازی کا انفرادی طور پر دعاء کرنا ثابت ہوتا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

" و أمّا إذا انتقل بوجهه أو قدّم الأذكار المشروعة فلا يمتنع عنده الايتان بالدعاء حينئذ"۔

'' مگر نمازی جب قبلہ سے اپنا رخ پھیر لے یا مشروع اُذکار کر لے تو اس وقت ان کے نزدیک (ابن قیم) دعاء کرنا ممتنع نہیں۔''

بلکہ علامہ ابن قیم نے خود اس کی صراحت کی ہے اور ان کی صراحت ہی کی بناء پر حافظ ابن حجر نے یہ بات کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: زاد المعاد (۱/۲۵۸) اور فتح الباری (۱۱/۱۳۳،۱۳۴)۔

نام نہاد سلفی نے نواب صدیق حسن خان صاحب کا " نزل الأبرار" سے یہ قول بھی نقل کیا ہے:

" ...... ولا يضرّ هذا الأدب عدم رواية الرفع في الدعاء بعد الصلاة، لأنّه كان معلوماً لجميعهم فلم يعتنوا بذكره في هذا الحين، و إنكار الحافظ ابن القيم۔ رحمه الله تعالٰى۔ رفع اليدين في الدعاء بعد الصلاة و هم منه ۔ قُدِّس سرّه۔ و قد حققنا هذه المسألة في مؤلّفاتنا تحقيقاً واضحًا لا سترة عليه۔"

'' اس ادب پر (دعاء میں ہاتھ اٹھانے والا ادب) نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے عدم ذکر سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ ادب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم تھا اس لیے انھوں نے اس کے بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا انکار کرنا ان کا وہم ہے اور ہم نے اپنی مؤلفات میں اس مسئلہ کی تحقیق بڑی وضاحت سے کی ہے۔''

قلت = یہ نواب صاحب رحمہ اللہ کا کلام ہے جس پر ہمارے درج ذیل مؤاخذات ہیں:

ل۔ بالفرض اگر یہ مسئلہ ان کو معلوم تھا یا ان کے ہاں معروف تھا تو انھیں اپنے سے بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے بیان کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ ان کے زمانے کے لیے خاص تو نہ تھا۔

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سلام پھیرنے کا طریقہ اور سلام کے الفاظ تو بیان کر دیے جو ایک سنی جانے والی چیز تھی تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس چیز کو بیان کرنے کے بارے میں خاموش ہیں جس کا تعلق سماعت سے نہیں تھا۔

اگر معروف ہونے کی وجہ سے انھوں نے دعاء اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا بیان نہیں کیا تو سلام اور اس کے الفاظ کو تو انھیں بالأولیٰ بیان نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ ''السلام علیکم'' تو امام مقتدیوں کو سنانے کے لیے بآواز بلند کہتا ہے جس کو سب سنتے ہیں۔

ب۔ ان کی اس بات سے بدعات کا دروازہ کھلتا ہے کیونکہ مبتدع اس بات کو دلیل بنا کر اپنی بدعت کی مشروعیت ثابت کر سکتا ہے مثلاً وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ درود وسلام پڑھنے کا حکم قرآن وسنت میں ہے اور اس کی بہت زیادہ فضیلت بھی بیان کی گئی ہے چونکہ اس کی فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں معروف تھی لہٰذا انھوں نے اُذان سے پہلے درود وسلام پڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔ وعلی ھذا القیاس۔

ج۔ ان کا نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کی نفی کو ابن قیم کا وہم قرار دینا عجیب بات ہے کیونکہ یہ بات اس وقت درست ہوتی جب نواب صاحب یوں کہتے کہ اس دعاء میں ہاتھ اٹھانا تو روایات سے ثابت ہے حالانکہ وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو اس لیے بیان نہیں کیا کہ یہ ان کے ہاں معروف تھا۔

اور جس واضح تحقیق کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے تو اس سے مراد عام دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے دلائل ہوں گے کیونکہ اگر نماز کے بعد کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے دلائل مراد لیے جائیں تو پھر ان کی بات میں تضاد لازم آئے گا اس لیے کہ انھوں نے اس سے قبل یہ کہا ہے کہ نماز کے بعد والی دعاء کے بارے میں صحابہ نے ہاتھ اٹھانے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ یہ مسئلہ ان کے ہاں معروف تھا تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی مؤلفات میں اس خاص دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے دلائل دیے ہوں گے۔

(ص:۵۶) میں مذکور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام بھی دیکھیں۔

۴ علامہ **ابراھیم بن موسیٰ** شاطبی (متوفی:۷۹۰ھ)۔

صفحہ(۳۹) میں گزر چکا ہے کہ حافظ ابن قیم اور علامہ شاطبی نے بدعات کی مثالیں دیتے ہوئے نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا ذکر بھی کیا ہے اور مزید تفصیل کے لیے شاطبی کی کتاب ''الاعتصام'' (۱/۲۵۲، ۲۶۹، ۳۲۵۳، ۳۵۴، ۳۶۷) دیکھیے۔

⑤ شیخ ابن عثیمین۔

نماز کے بعد اجتماعی دعاء سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

" إن هذا من البدع التي لم ترد عن النبي۔صلی اللّٰه علیه وسلم۔ و لا عن أصحابه" ۔

(فتاوٰی ابن عثیمین إعداد وترتیب أشرف بن عبد المقصود(۱/۳۶۷)۔

''یقیناً یہ ان بدعات میں سے ہے جن کا ثبوت نبی۔ ﷺ۔ اور نہ ہی آپ کے صحابہ سے ملتا ہے۔''

⑥ مصری محقق عمرو عبد المنعم۔

یہ اپنی کتاب "السنن و المبتدعات" (صفحہ:۲۷۲) میں لکھتے ہیں:

" و من بدع الدعاء التی انتشرت بین الناس حتی ظنّها بعض الجهال أنها من السنن المستحبة: بدعة الاجتماع من أجل الدعاء كأن يتداعى القوم فيما بينهم و يوقتون لهم وقتًا يجتمعون فيه، فيدعو أحدهم، و يؤمّن الباقون، و غالبًا ما يكون ذلك عقب الصلوات المكتوبة و قد شاهد نا ها كثيراً، و هي منتشرة لاسِيَمَا بين أهل الشام، و بين مسلمي الهند والباكستان۔"

''دعاء کی بدعات میں سے جو لوگوں میں عام ہو چکی ہیں حتی کہ بعض جاہل ان کو مستحب کاموں میں سے تصور کرتے ہیں ۔دعاء کی خاطر اجتماع والی ایک بدعت بھی ہے۔ [1]

اس کی صورت یہ ہے کہ کچھ لوگ آپس میں ایک وقت مقرر کرکے جمع ہو جاتے ہیں پھر ان میں سے ایک دعاء کرتا ہے اور باقی آمین کہتے ہیں۔ [2] اور عام طور پر فرض نمازوں کے بعد ایسا ہوتا ہے اور اس بدعت کا ہم نے بہت زیادہ مشاہدہ کیا ہے اور یہ عام ہو چکی ہے خصوصاً اہل شام اور ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں میں۔''

ہم انھیں چند علماء کے اُقوال پر اکتفاء کرتے ہیں اور یہ اُقوال ہم نے بطور مثال ذکر کیے ہیں ان علماء کے علاوہ متقدمین اور متاخرین میں سے بہت سے دیگر علماء نے بھی اس دعاء کا انکار کیا ہے طالب تفصیل کو حکیم مولوی عماد الدین دیوبندی بلوچستانی کی کتاب "التحقيق الحسن في نفي الدعاء الاجتماعی بعد الفرائض والسنن" (ص:

---

[1] بلکہ بعض لوگوں نے تو اس کو فرض کا درجہ دے دیا ہے چنانچہ دعاء نہ کرنے والے پر خوب برس پڑتے ہیں۔ ہداہم اللہ

[2] ہمارے پاکستان میں بعض دفعہ ایسے اشتہار دیکھنے میں بھی آئے جن میں لوگوں کو اجتماعی دعا کے لیے دعوت دی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ فلاں بزرگ دعاء کریں گے اور ایسے اشتہار ان لوگوں کی طرف سے دیکھنے میں آئے جو اتباع کتاب وسنت کا دعوٰی کرتے ہیں۔فإلى الله المشتكى۔

۱۷۔۴۷) دیکھنی چاہیے۔

اب ہم اس نام نہاد سلفی سے پوچھیں گے کہ وہ کبار ائمہ ومحدثین جنھوں نے اپنی کتب میں نماز سے قبل اور نماز کے بعد دعاؤں اور اَذکار سے متعلق تو ابواب قائم کیے ہیں لیکن اجتماعی دعاء کے بارے میں انھوں نے اشارہ تک نہیں کیا، کیا ان کو حکمت اسلام کا اندازہ نہ تھا یا کہ مساجد میں اللہ کے سامنے اٹھے ہوئے ہاتھ ان کو خوبصورت نہیں لگتے تھے۔

اور وہ کبار علماء ومحققین جنھوں نے اس اجتماعی دعاء کا انکار کیا اور اسے بدعت کہا کیا وہ ناعاقبت اندیش، اُحمق محققین، شیطان کے ڈسے ہوئے، تحقیق کے اندھے تیر چلانے والے، بال کی کھال اتارنے والے، شیطانی مشن کو پورا کرنے والے تھے۔

نہیں ہرگز ایسے نہیں بلکہ یہ تمام کی تمام صفات جمیلہ تو ہمارے نام نہاد سلفی اُبو مسعود کے اندر پائی جاتی ہیں۔

قارئین کرام آپ کی یاد دہانی کے لیے کہ جن خوبصورت الفاظ کا آپ نے ابھی مشاہدہ کیا یہ تمام کے تمام الفاظ ہمارے نام نہاد سلفی کے اپنے مخالفین کے بارے میں استعمال شدہ ہیں جن کا خاکہ ہم (صفحہ:۱۴) میں ذکر کر چکے ہیں چنانچہ وہاں ایک نظر ڈال لیجیے۔

اس سے بڑھ کر مزید سنیے کہ اس نام نہاد سلفی نے اپنے رسالہ کے (صفحہ:۴۹) میں لکھا ہے۔

”میرے وہ برادران جنھیں فضائل اعمال والی روایات دیکھ کر قبض ہو جاتی ہے وہ روح اسلام اور مزاج شریف کو سمجھنے سے قاصر ہیں......“

یہ ہے اس نام نہاد سلفی کا اسلوب اور زبان جسے بات کرتے ہوئے ذرا جتنا احساس نہیں ہوتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

امام بخاری اپنی ”صحیح بخاری“ میں فضائل اعمال سے متعلق کوئی ضعیف روایت نہیں لائے جس سے علماء نے اُخذ یہ کیا ہے کہ امام بخاری کے ہاں فضائل اُعمال میں ضعیف روایت قابل عمل نہیں۔ امام مسلم نے اپنی ”صحیح مسلم“ کے مقدمہ میں ضعیف روایات کو۔ خواہ وہ فضائل سے متعلق ہوں۔ بیان کرنے والوں پر بڑے سخت الفاظ سے تشنیع کی ہے اسی طرح امام یحییٰ بن معین اور ابن العربی وغیرہ کے نزدیک بھی فضائل اعمال والی ضعیف روایات پر عمل درست نہیں تو کیا ان اُئمہ کے بارے میں بھی یہ نام نہاد سلفی یہی بات کہے گا۔

ہم اپنے موصوف سے کہیں گے کہ اگر آپ کو فضائل اُعمال والی ضعیف روایات ترک کردینے پر اس مرض کے لاحق ہونے کا خطرہ ہے تو آپ معذور ہیں۔

یہ ہے خادم اسلام اور حکیم اسلام کی خدمت وحکمت، اس نام نہاد سلفی نے اپنے رسالے کے (صفحہ:۵۰) میں ایک بات یہ بھی کہی ہے:

"میں وثوق سے کہتا ہوں اگر یہ محققین سعودیہ اور متحدہ عرب امارات کی پرکشش تنخواہوں پر حصول جنت کو ترجیح دیتے اور تبلیغ دین کے لیے ائیر کنڈیشنڈ کمروں کی بجائے مراکز شرک کے سامنے ڈیرے ڈال لیتے اور مشرکین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عقیدہ توحید کا ڈنکا بجاتے تو انھیں حکمت اسلام کا انداز ہو جاتا۔"

یہ ہے اس آدمی کا کلام جو حکمت اسلام کو سمجھتا ہے اور خدمت دین کا بہت بڑا علمبردار بنا ہوا ہے جب کہ ایسا کلام کوئی عامی اور جاہل آدمی بھی نہیں کرے گا۔

اس نام نہاد اور بدزبان سلفی کا یہ کلام ہم (صفحہ:۱۷) میں ذکر کر کے اس کے بارے میں گفتگو کر چکے ہیں اور یہاں ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں:

﴿ أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾(الآية: الشورٰی:۳۲). ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (الحديد:۲۱)۔

"الدين النصيحة"[1] کے پیش نظر ہم اس نام نہاد سلفی کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپ جلیں نہیں کیونکہ مشہور مقولہ ہے:"الحسود لا يسود" چنانچہ بجائے جلنے کے آپ بھی اللہ عزوجل سے مانگیں کہ یا اللہ ہمیں بھی ان نعمتوں سے نواز اور اس میں کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:﴿وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾(النساء:۳۲)۔ اس فصل دوم کا پہلا حصہ اسی پر اپنے اختتام کو پہنچا۔

❁○○○❁

[1] اس حدیث کو امام مسلم نے (۲/۳۶۔۳۷) کتاب "الإیمان" میں تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
یہ حدیث دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے مگر ان سے صحیح ثابت نہیں، صحیح حدیث تمیم ہی ہے جیسا کہ امام بخاری نے کہا ہے اس حدیث کی مفصل تخریج ہم نے امام شافعی کی کتاب "الرسالہ (الفقرة : ۱۷۲) میں کی ہے اور یہ رسالہ زیر طبع ہے۔
فائدہ= صحیح مسلم میں تمیم داری کی یہی ایک حدیث ہے اور بخاری میں ان کی کوئی حدیث نہیں ہے جیسا کہ امام نووی نے کہا ہے جب کہ صحیح مسلم میں ایک ایسا واقعہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری سے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو: صحیح مسلم(۱۸/۸۰۔۸۱) کتاب الفتن حديث الجساسة۔

دوسرا حصہ

جیسا کہ اس فصل کے شروع میں ذکر ہوا کہ اس دوسرے حصے میں نام نہاد سلفی نے اجتماعی دعاء پر جو دلائل دیے ہیں ان کا مختصر سا جائزہ لیا جائے گا۔

ان دلائل کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلی قسم......!!

نماز کے بعد پڑھے جانے والے مسنون أذکار ودعائیں۔

جن کا مختصر سا خاکہ یہ ہے:

① رسول اللہ۔ﷺ۔ نے معاذ بن جبل۔رضی اللہ عنہ۔ کو نماز کے بعد پڑھنے کے لیے جو یہ دعاء سکھلائی تھی:" اَللّٰھُمَّ أعِنِّي عَلٰی ذِکْرِكَ......"[1] ملاحظہ ہو فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی (صفحہ:۱۷،۱۸)۔

② عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ۔ﷺ۔ نے ایک صحابی۔ جن کا نام قبیصہ ہے۔ کو نماز فجر کے بعد دنیا کے لیے تین دفعہ پڑھنے کے لیے یہ دعا"سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ ......" اور آخرت کے لیے یہ دعاء:"اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ مِنْ عِنْدِكَ وَأَفِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ......"[2] سکھلائی۔ ملاحظہ ہو:(صفحہ:۱۸)۔

③ صہیب۔رضی اللہ عنہ۔ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ۔ﷺ۔ نماز سے فراغت کے بعد یہ دعاء پڑھتے:"اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِیْ جَعَلْتَهٗ عِصْمَةَ أَمْرِیْ، وَاَصْلِحْ لِيْ دُنْيَایَ ......"[3] ملاحظہ ہو(صفحہ:۲۰)۔

④ أبو أیوب انصاری۔رضی اللہ عنہ۔ کی حدیث جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ۔ﷺ۔ نماز کے بعد یہ دعاء

---

[1] اس کو أبوداود(۱۵۲۲) اور نسائی(۳/۵۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح حدیث ہے۔

[2] اس کو ابن السنی (۱۳۳،۱۳۴) اور طبرانی (۱۸/ حدیث:۹۴۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے مگر اس مقام پر تفصیل کی گنجائش نہیں۔

[3] اس کو نسائی(۳/۷۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:"**القول المقبول**" (صفحہ:۴۸۴، حدیث:۴۳۱)۔

پڑھتے:" اللهم اغفرلي خطائي و ذنوبي كلها......" [1] ملاحظہ ہو۔(صفحہ:۲۰)۔

تنبیہ=موصوف کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے والی دعاء" اللهم اصلح لي ديني......" بھی ابوایوب۔ رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے چنانچہ اس دعاء کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاری۔ رضی اللہ عنہ۔ روایت کرتے ہیں جب کہ پہلی دعاء کے راوی صہیب۔ رضی اللہ عنہ۔ ہیں۔

⑤ حدیث علی۔ رضی اللہ عنہ۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب سلام پھیرتے تو یہ دعاء پڑھتے:"اللهم اغفرلي ما قدمت و ما أخرت......" [2] ملاحظہ ہو۔(صفحہ:۲۸)۔

⑥ علی۔ رضی اللہ عنہ۔ ہر نماز کے بعد یہ دعاء پڑھا کرتے تھے۔" اللهم تمّ نورك فهديت فلك الحمد......" [3] ملاحظہ ہو۔(صفحہ:۱۶۔۱۷)۔

اس اثر سے نماز کے بعد دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانے اور نہ ہی اجتماعی دعاء کا ثبوت ملتا ہے۔ نام نہاد سلفی نے اس کو "أمالي ابو القاسم" کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور اس کو ابویعلی نے بھی اپنی "مسند" میں روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ علی۔ رضی اللہ عنہ۔ نے فرمایا:

" ألا يقوم أحدكم، فيصلي أربع ركعات قبل العصر، و يقول فيهن ما كان رسول الله۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ يقول:"تمّ نورك فهديت......"

"یعنی تمھیں عصر سے قبل چار رکعت پڑھنی چاہئیں اور ان میں وہ دعاء پڑھو جو رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پڑھتے تھے۔"تمّ نورك......"۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ دعاء نماز کے اندر پڑھی جائے اسی لیے حافظ ابن حجر نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:"باب الذكر في الصلاة" ملاحظہ ہو:"المطالب العالية"(٤/٣٤/٣٤١٥)۔

---

[1] اسے حاکم (۴۶۲/۳) طبرانی نے "کبیر" (ج:۸/رقم:۷۸۷۵) أوسط (۸/۳۴۔۳۵۔مجمع البحرین) صغیر (۱/۲۱۹۔۲۲۰) میں اور حافظ ابن حجر نے "نتائج الأفكار" (٢/٣٠٤) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے مگر اس پر أبوأمامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شاہد ہے جس کی بناء پر یہ قوی ہو جاتی ہے اس حدیث کو طبرانی (۸/۲۳۶،۲۷۰) ابن السنی (۱۶۶) اور حافظ ابن حجر نے (۳۰۲/۲) روایت کیا ہے۔

تنبیہ=اس حدیث کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے:"واهدني لصالح الأعمال والأخلاق......" اور یہ ٹکڑا صحیح ہے کیونکہ اس کا ذکر اس کے بعد آنے والی حدیث علی رضی اللہ عنہ میں بھی ہے۔

[2] اس کو مسلم (۶/۶۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کے ایک راوی نے اس دعاء کو سلام سے پہلے پڑھنے کا ذکر کیا ہے مگر صحیح ترین روایت اس کو سلام کے بعد پڑھنے والی ہے۔ ملاحظہ ہو "القول المقبول" (ص:٤٦٤۔٤٦٥)۔

[3] اس کی تخریج عنقریب آ رہی ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے۔[1]

یہ وہ دعائیں و اذکار ہیں جن کو نام نہاد سلفی نے ذکر کیا ہے مگر ان میں یہ کہاں ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جائے یا اجتماعی دعاء کی جائے۔

ان کا ذکر تو اس کے لیے کیا جائے جو نماز کے بعد مسنون دعاء و ذکر کا قائل نہ ہو جبکہ کوئی بھی ایسا نہیں جو مسنون دعاء و ذکر کا انکار کرے بلکہ اجتماعی دعاء کے جو قائل نہیں وہ مسنون دعاؤں و اذکار کو آرام و اطمینان سے پڑھتے ہیں برعکس ان کے جو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کب امام دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائے تاکہ دعاء کر کے چلتے بنیں۔

ہمارے موصوف کا یہ کہنا کہ '' یہ سلام پھیرتے ہی جوتا اٹھا کر بھاگ جاتے ہیں، مسنون ذکر و اذکار تک نہیں کرتے۔'' ملاحظہ ہو (صفحہ:۱۲)۔

تو کیا ان کے سلام پھیرتے ہی چلے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ مسنون ذکر و اذکار نہیں کرتے بلکہ ان کا اٹھ کر چلے جانا تو حقیقی سلف کے عمل کے عین مطابق ہے کیونکہ وہ ان مجلسوں میں جہاں بدعت کا ارتکاب ہوتا بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

بلکہ جو دعاء کے منتظر رہتے ہیں ان کو یہی فکر لاحق رہتی ہے کہ کب امام دعاء کرے تاکہ ہم جانے والے بنیں، اور ان کو مسنون ذکر و اذکار کی بجائے دعاء کی فکر زیادہ ہوتی ہے حسان بن عطیہ تابعی نے سچ کہا ہے:

" ما ابتدع قوم بدعة في دينهم إلا نزع الله من سنتّهم مثلها ثم لا يعيدها إليهم إلى يوم القيامة"[2]

---

[1] اس کو ابو یعلی (حدیث:۴۴۰) نے اس سند سے روایت کیا ہے:"...... الخليل بن مرة عن الفرات بن سلمان قال قال عليّ :" اور یہ سند سخت ضعیف ہے اس میں درج ذیل علتیں ہیں:

۱۔ فرات کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے "المراسیل" (ترجمہ:۶۱۲) میں ذکر کیا ہے۔

۲۔ خلیل بن مرہ ضعیف ہے جیسا کہ ''تقریب'' میں ہے۔ ان دونوں علتوں کا ذکر حافظ ہیثمی نے بھی کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:"والفرات لم يدرك عليًا، والخليل بن مرة وثقه أبو زرعة، و ضعفه الجمهور "(مجمع الزوائد: ۱۰/۱٦۱)۔

۳۔ محقق مسند ابو یعلی نے کہا ہے کہ مجھے فرات بن سلمان کا ترجمہ نہیں ملا۔

[2] اس کو دارمی (۱/۴۵) ابن وضاح نے"البدع والنهي عنها"(ص:۳۷) میں ابن بطّة نے "الإبانة"(۱/۳۵۱۔ کتاب الإيمان) میں لالکائی نے"شرح أصول"(۱/۹۳) میں اور ابو نعیم نے"حلية الأوليا(٦/۷۳) میں روایت کیا ہے اور اس اثر کی سند صحیح ہے۔

یہی بات ایک مرفوع حدیث میں بھی آئی ہے مگر وہ سنداً صحیح نہیں اور وہ حدیث (ص:۳٦) میں گزر چکی۔

"جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم سے اسی کے مثل سنت اٹھا لیتا ہے اور پھر قیامت تک اسے ان کے پاس نہیں لوٹاتا ہے۔"

اس نام نہاد سلفی کو دیکھیں جو حکمتِ اسلام سے واقف ہے زیر بحث مسئلہ تو اجتماعی دعاء کا ہے مگر یہ دلائل دے رہا ہے نماز کے بعد مسنون ذکر و دعائیں پڑھنے پر، یہ ہے اس آدمی کی حکمت اور فہم کا حال۔

جو اس قدر مغفل ہو کہ اسے یہ خیال تک نہ ہو کہ میرے زیر بحث مسئلہ کیا ہے اور اس پر جو دلائل دے رہا ہوں وہ کیا ہیں تو وہ کسی مسئلہ پر اعتدال سے بحث کیا کرے گا۔

بس اس نے ادھر ادھر کے دلائل جمع کر کے خود کو اور اپنے ہمنواؤں کو خوش کرنے اور عوام الناس کو مغالطہ دینے کی کوشش ہے۔ اللہ یھدیہ۔

دوسری قسم......!!

یہ ان دلائل کی ہے جن کا تعلق عام حالات کی دعاء سے ہے نماز کے بعد اجتماعی دعاء سے قطعاً ان کا تعلق نہیں، جس کی مختصر سی تفصیل یہ ہے:

① اندر والے ٹائیٹل کے صفحہ کی دوسری طرف اس عنوان "ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء مانگنے والوں کی مغفرت" کے تحت درج ذیل حدیث ذکر کی گئی ہے:

"عن شداد بن أوس ـ رضى الله عنه ـ قال كنّا عند النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ فقال "هل فيكم غريب؟ يعنى أهل الكتاب، فقلنا: لا يا رسول الله، فأمر بغلق الباب، و قال: ارفعوا أيديكم، و قولوا لا إله إلا الله، فرفعنا أيدينا ساعة، ثمّ وضع رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ يده ثم قال: الحمد لله اللهمّ بعثتني بهذه الكلمة ،و أمرتني بها ، و وعدتني عليها الجنّة، و إنك لا تخلف الميعاد" ثم قال : أبشروا فإنّ الله ـ عزوجل ـ قد غفرلكم۔" [1]

---

[1] اس کو أحمد (۴/۱۲۴) بزار (حدیث: ۱۰۔ کشف) طبرانی نے کبیر (۷/۷/۳۴۷/۷۱۶۳) اور مسند الشامیین (حدیث: ۱۱۰۴) میں، حاکم (۱/۵۰۱) اور دولابی نے "کنی" (۱/۹۳) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند راشد بن داؤد صنعانی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

علامہ ذہبی نے "تلخيص المستدرك" میں کہا ہے: "راشد ضعفه الدارقطني، وغيره، و وثقه دحيم" اسے دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور دحیم نے اس کی توثیق کی ہے۔"

دحیم کی طرح ابن معین نے بھی اس کی توثیق کی ہے جب کہ امام بخاری نے اس کے بارے میں یہ کہا ہے: "فيه نظر" ملاحظہ ہو: میزان (۲/۳۵)۔

''شداد بن اوس بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی۔ ﷺ۔ کے پاس تھے آپ نے فرمایا تمہارے اندر کوئی غریب تو نہیں؟ یعنی اہل کتاب، ہم نے کہا: یا رسول اللہ نہیں۔ پھر آپ نے دروازہ بند کردینے کا حکم دیا اور فرمایا اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور ''لا إله إلا الله'' کہو تو ہم نے ایک گھڑی ہاتھ اٹھائے رکھے پھر رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے اپنا ہاتھ نیچے کرلیا پھر فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، یا اللہ تو نے مجھے اس کلمہ (لا إله إلا الله) کے ساتھ بھیجا اور اسی کے بارے میں مجھے حکم دیا، اسی پر تو نے مجھ سے جنت کا وعدہ کیا اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا: تمھیں خوشخبری ہو یقیناً اللہ عزوجل نے تمھیں معاف کردیا۔''

یہ وہ دلیل ہے جسے نام نہاد سلفی نے اندر والے ٹائٹل کے صفحہ کی دوسری جانب اس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے: ''ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء مانگنے والوں کی مغفرت''۔

مگر آپ جب اس دلیل پر تھوڑا سا غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر تک نہیں۔ دراصل اس نام نہاد سلفی کی مثال اس بھوکے جیسی ہے جس سے دو اور دو کہا گیا تو اس نے فوراً کہا کہ دو اور دو چار روٹیاں۔ یہی مسئلہ ہمارے اس بناوٹی سلفی کا ہے کہ اسے ہر ذکر اور دعاء والی حدیث میں اجتماعی دعاء ہی نظر آتی ہے۔

اب ہم اس حدیث کے بارے میں قدر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں:

① یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ اس کی تخریج میں ذکر ہوا۔

② اس حدیث کو بالفرض اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس میں اجتماعی دعاء تو کیا انفرادی دعاء میں بھی ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں ہے آپ ذرا حدیث کے سیاق پر غور کریں کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ۔ ﷺ۔ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا ہاتھ اٹھاؤ اور ''لا إله إلا الله'' کہو، یہ نہیں کہا کہ دعاء کرو یا دعاء کریں۔ اور لا إله إلا الله'' کہنے کے لیے ہاتھ اٹھانا یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارے کے طور پر ہوگا۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث کے الفاظ ہیں:

'' ثم وضع رسول الله۔صلی الله علیه وسلم۔ یده......''

''پھر رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے اپنا ہاتھ نیچے کرلیا۔''

حدیث میں ''یده'' اپنا ہاتھ ہے۔ ''یدیه'' اپنے ہاتھ نہیں۔

جن مصادر (کتب) سے اس حدیث کی تخریج کی گئی ہے ان میں مسند احمد، مستدرک حاکم، اور کنی دولابی میں اسی طرح یعنی ''یده'' ہے اور دیگر کتب میں یہ حدیث بقدر اختصار سے ہے ان میں: ''فوضع رسول الله ﷺ یده'' کا ذکر نہیں۔

اور دعاء میں دونوں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں ایک ہاتھ نہیں۔

تنبیه= موصوف کے رسالے میں "أیدیه" ہے اور انھوں نے اس حدیث کو "جامع العلوم والحکم" سے نقل کیا ہے اور جامع العلوم میں بھی "یده" ہی ہے۔

موصوف نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے تحریف سے کام لیا ہے یا ان کو وہم ہوا ہے یا کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

③ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے اپنا ہاتھ نیچے کر لینے کے بعد یہ دعا "اللهم بعثتني بهذه الكلمة......" کی اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی آپ۔ ﷺ۔ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دینا دعاء کے لیے نہ تھا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ۔ ﷺ۔ نے انفرادی دعاء کی یعنی خود دعا کی چنانچہ اس حدیث سے اجتماعی دعاء پر استدلال کرنا انتہائی درجے کی حماقت اور غفلت ہے۔

④ علماء نے اس حدیث سے "لا إله إلا الله" کی فضیلت پر استدلال کیا ہے نہ کہ اجتماعی دعاء پر چنانچہ علامہ ابن رجب اس حدیث کو درج ذیل حدیثِ أنس۔ رضی اللہ عنہ۔ کے تحت لائے ہیں:

" قال الله : يا ابن آدم إنك ما دعوتني، و رجوتني غفرت لك على ما كان فيك و لا أبالي......" [1]

اس حدیث میں توحید کی فضیلت کا ذکر ہے کہ وہ گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور اسی حدیث کے ضمن میں ابن رجب اس حدیث۔ حدیثِ شداد۔ کو لائے ہیں ملاحظہ ہو جامع العلوم والحکم۔(حدیث:٤٢)۔

حافظ منذری اس حدیث کو "ترغیب" (٢/٤١٥) میں "باب الترغيب فى قول "لا إله إلا الله و ما جاء في فضلها" میں لائے ہیں۔

---

[1] اس حدیث کو ترمذی (٣٥٤٠) نے "کتاب الدعوات" میں روایت کیا ہے اور یہ اپنے شواہد کی بناء پر صحیح حدیث ہے اور اس کے شواہد میں سے ایک حدیثِ أبو ذر رضی اللہ عنہ ہے جسے أحمد (٥/١٥٤، ١٦٧، ١٧٢) اور دارمی (٢/٣٢٢) نے روایت کیا ہے۔

اور ایک دوسری حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہے جسے طبرانی نے "کبیر" (١٢/١٩) أوسط (٨/٧٨) اور صغیر (٢/٢٠-٢١) میں روایت کیا ہے۔

حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن إسحاق صینی اور قیس بن ربیع ہیں اور ان دونوں میں اختلاف ہے (یعنی ان کی تضعیف اور توثیق میں) اور اس کے باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد: ١٠/٢١٩)

اور ایک تیسری حدیثِ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور ألبانی نے اسے صحیح الجامع (٤٢١٧) میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ہیثمی اس حدیث کو "مجمع الزوائد" میں دومقامات پر لائے ہیں جو درج ذیل ہیں:

1. كتاب الإيمان: اور اس کتاب میں وہ اسے باب "فيمن يشهد أن لا إله إلا الله" میں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (۱/۲۳، ۲۴)۔
2. كتاب الأذكار۔ اور اس کتاب میں اسے باب " ما جاء في فضل لا إله إلا الله" میں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (۱۰/۸۴)۔

امام حاکم اس حدیث کو کتاب "الدعاء و التكبير و التهليل و التسبيح و الذكر" میں لائے ہیں۔

محقق نے اس حدیث پر جانبی حاشیہ میں جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے:

"رفع الأيدي عند قول لا إله إلا الله و أمر غلق الباب"۔

سندھی نے اس حدیث سے دو مسئلے اُخذ کیے ہیں: چنانچہ لکھا ہے:

" فيه تجريد مجالس الذكر عما لا يليق إهلاله، و حفظها عن طروقه ، و رفع اليد عند الذكر، لأنّ الذكر في معنى السوال۔"

(نقلاً من المسند المحقق(۲۸/۳٤۹۔ مؤسسة الرسالة)۔

"اس حدیث میں یہ ہے کہ ذکر کی مجالس کو ان تمام چیزوں سے پاک اور محفوظ رکھنا چاہیے جن کا وجود اس قسم کی پاکیزہ مجلسوں کے شایان شان نہ ہو اور یہ کہ ذکر کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں کیونکہ ذکر سوال کے معنی میں ہے۔"

کسی نے بھی اس حدیث سے اجتماعی دعاء پر استدلال نہیں کیا۔ اس حدیث کے ذکر کرنے سے ہی نام نہاد سلفی کے اس رسالے کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ حدیث جو اس رسالے کے ٹائیٹل کے اندر والے صفحے کے دوسری جانب لکھی ہوئی ہے اس کا ہی رسالے کے موضوع سے تعلق نہیں۔

اس نام نہاد سلفی کے استدلال سے تو صوفیاء کا استدلال اس سے واضح ہے کہ انھوں نے اس سے اجتماعی ذکر پر استدلال کیا ہے چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اجتماعی ذکر ایک شرعی حکم ہے لہٰذا اس سے حجت لینا درست نہیں اس کے بارے میں (صفحہ: ۴۰۔۴۱) میں مذکور عبداللہ بن مسعود۔ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ملاحظہ کریں۔

ایک عجیب شرح:

شیخ عمرو عبد المنعم جو کہ مصری عالم ہیں نے اس حدیث کی بڑی عجیب شرح کی ہے انھوں نے اس حدیث سے اجتماعی ذکر پر استدلال کرنے والوں کا دو طرح سے ردّ کیا ہے۔

① یہ حدیث ضعیف ہے انھوں نے راشد بن داؤد کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہے۔

② دوسری طرح سے ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و من أخرى، فلوصحّ هذا الحديث، فليس فيه دلالة على جواز الذكر الجماعي، فهو صريح الدلالة على أن ذلك كان للبيعة۔أو لتجديد البيعة۔ و ليس لمجرد الذكر، لا سيما، و قد أمرهم النبي ۔ﷺ۔ برفع الأيدي فهذا للمبالغة، و لا يشترط، بل، و لا يستحب في الذكر۔" (السنن والمبتدعات فى العبادات:۳۱۱)۔

" دوسرے اعتبار سے اس طرح کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں اجتماعی ذکر پر دلالت نہیں بلکہ اس کی صریحاً دلالت اس پر ہے کہ یہ (ہاتھوں کا اٹھانا) بیعت یا تجدید بیعت کے لیے تھا نہ کہ مجرد ذکر کے لیے، نبی۔ﷺ۔ کا خاص کران کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دینا مبالغہ کے لیے تھا، اور ذکر میں ہاتھوں کا اٹھانا شرط ہے۔ اور نہ ہی مستحب ہے۔"

اوران کی اس تاویل میں بہت بُعد پایا جاتا ہے۔

❹ اُبو مسعود کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ۔ﷺ۔ جب تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے اہل طائف نے آپ کی دعوت کو ردّ کر دیا آپ وہاں سے پلٹ کر ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے:

" فصلّى ركعتين،ثمّ قال:" اللهم أشكو إليك ضعف قوّتي......" [1]

" تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھی پھر یہ دعا کی:"اللهم أشكو إليك ......" (صفحہ:۱۹)

قارئین دیکھیں کہ زیر بحث مسئلہ تو اجتماعی دعا کا مسئلہ ہے اور اس پر جو دلیل دی جا رہی ہے اس میں انفرادی دعاء کا ذکر ہے نیز اس میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نام نہاد سلفی کو سمجھ عطا فرمائے۔

---

[1] اس کو طبرانی نے " کبیر" (۱۳/۳/۷۳/۱۸۱) اور دعاء (۱۰۳۶) میں عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند محمد بن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے، اسی علت کی بناء پر اس کو طبرانی کبیر کے محقق شیخ حمدی اور شیخ اُلبانی نے " دفاع عن الحديث النبوي والسيرة" (ص:۲۷) میں ضعیف کہا ہے اور حافظ ہیثمی نے بھی اس علت کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:"رواه الطبراني و فيه ابن إسحاق و هو مدلس ثقة ، و بقية رجاله ثقات۔" (مجمع الزوائد:۶/۳۸)۔

اور طبرانی دعاء کے محقق ڈاکٹر محمد سعید بخاری نے بڑی عجیب بات کہی ہے کہ اس کی سند حسن ہے لیکن اس میں ابن اِسحاق کا عنعنہ ہے اور وہ تدلیس کرنے میں مشہور ہیں۔ اور زاد المعاد کے محققین شیخ شعیب وعبد القادر نے اس سے بھی بڑھ کر عجیب بات کہہ دی کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس میں ابن اِسحاق کی تدلیس ہے۔ ملاحظہ ہو تحقیق زاد المعاد (۱/ ۹۹)۔

جبکہ کہنا یہ چاہیے تھا کہ اس میں ابن اِسحاق کا عنعنہ ہے۔

واضح رہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ اس کی تخریج میں بیان ہوا لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ طائف دعوت وتبلیغ کے لیے نہیں گئے اور آپ کو پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ یہ واقعہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے مگر اس میں نماز پڑھنے اور مذکورہ دعاء کرنے کا ذکر نہیں۔ [1]

[3] حدیث سلمان رضی اللہ عنہ "ما رفع قوم أكفهم إلى الله تعالىٰ يسألونه شيئًا......" [2] ملاحظہ ہو: (صفحہ:۲۱، ۳۱)

"یعنی جب کوئی جماعت اپنی ہتھیلیاں اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتی ہے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس سے جو مانگے وہ اسے دے۔"

مگر یہ حدیث ان الفاظ سے شاذ بلکہ ضعیف ہے [3] اور درج ذیل الفاظ سے محفوظ ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری (۳۲۳۱) كتاب بدء الخلق باب "إذا قال أحدكم آمين......" مسلم (۱۵۵/۱۲) كتاب الجهاد والسير، باب ما لقي النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين۔

[2] اس حدیث کو طبرانی (۶/ حدیث:۶۱۴۲) اور ابن شاہین نے "الترغیب" (صفحہ:۱۸۱، حدیث:۱۴۳) میں روایت کیا ہے۔
مگر یہ حدیث ان الفاظ سے ضعیف ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

[3] اس حدیث کی سند یوں ہے: "أبو طلحة الراسبي عن الجريري عن أبي عثمان عن سلمان۔
الجریری یہ سعید بن ایاس ہیں جو آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ أبوطلحہ راسبی یہ شداد بن سعید ہیں اور یہ ان لوگوں میں نہیں ہیں کہ جنھوں نے جریری سے ان کے اختلاط سے قبل روایات سنی ہیں۔
جب کہ اس حدیث کو جریری سے حماد بن سلمہ نے اس سیاق سے روایت کیا ہے: "أجد في التوراة أنّ الله حييّ كريم......" یعنی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پایا ہے کہ اللہ حیاء والا کریم ہے......"
اور حماد بن سلمہ کا سماع جریری سے ان کے اختلاط سے پہلے ہے۔ ملاحظہ ہو: تہذیب التھذیب (۴/ ۷)۔
اسی سیاق سے اس کو أبوعثمان۔ یہ عبدالرحمٰن بن مُلّ النھدی ہیں۔ سے ثابت بنانی اور حمید الطویل نے بھی روایت کیا ہے اور اس سیاق سے اس کو بیہقی نے "الأسماء والصفات" (۱/ ۲۲۳/ ۱۵۶) میں روایت کیا ہے۔
أبوعثمان نھدی سے اس حدیث کو جعفر بن میمون اور أبومعلیٰ یحیی بن میمون نے بھی روایت کیا ہے اور انھوں نے سلمان رضی اللہ عنہ سے اس کو اس طرح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إنّ ربّكم حييّ كريم......" یعنی مرفوعًا روایت کیا ہے۔ جعفر کے طریق سے اس کو أبوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور أبومعلیٰ کے طریق سے اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۸/ ۳۱۷) میں اور بغوی نے "شرح السنة" (۵/ ۱۸۵) میں روایت کیا ہے۔
اسی طرح سے اس کو سلیمان تیمی نے بھی أبوعثمان سے روایت کیا ہے اور ان کے طریق سے اسے ابن حبان (۲/ ۱۲۰) حاکم (۱/ ۵۳۵) طبرانی نے کبیر (۶/ حدیث: ۶۱۳۰) اور دعاء (۲۰۲) میں اور ابن شاہین (حدیث:۱۴۴) نے روایت کیا ہے۔ اسے احمد (۵/ ۴۳۸) حاکم (۱/ ۴۹۷) اور بیہقی نے "الأسماء والصفات" (حدیث:۱۰۱۳) میں بھی تیمی کے طریق سے روایت کیا ہے مگر ان کے ہاں یہ روایت موقوفًا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ سیاق "ما رفع قوم أكفهم......" سے یہ حدیث غیر صحیح ہے۔

" إنّ ربّكم تبارك وتعالیٰ حييٌّ كريم......"

اور ان الفاظ سے یہ حدیث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ:۳۵)۔

④ حدیث أنس۔ رضی اللہ عنہ۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے خطبہ جمعہ میں بارش کی دعا ہاتھ اٹھا کر کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے۔

اس حدیث کی تخریج اس کتاب کے دوسرے باب (صفحہ:۹۳) میں آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

⑤ سعد بن أبي وقاص۔ رضی اللہ عنہ۔ کا قول: " أجثُّوا على الركب ثم قولوا يا ربّ يا ربّ" گھٹنوں کے بل بیٹھ کر یا رب یا رب کہو۔'' (صفحہ:۲۳)۔

اس أثر سے کیا ثابت ہوا کہ نماز کے بعد اجتماعی دعاء کی جائے اس میں قطعاً ایسی کوئی بات ہی نہیں۔

اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے لوگوں کو دعاء کے آداب سکھلاتے ہوئے یہ کہا ہے یعنی جب دعاء کرنی ہو تو اس انداز سے کرو۔ اگر اس سے اجتماعی دعاء ثابت ہوتی ہے تو پھر کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اللہ عز وجل کے اس فرمان سے بھی اجتماعی دعاء کا ثبوت ملتا ہے۔

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (المومن: ٦٠)

''اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھ سے دعاء کرو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔''

⑥ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ أثر:

"الابتهال هكذا، و بسط يديه و ظهورهما ......" [1]

''ابتہال یہ ہے کہ ہاتھوں کو (یہاں تک) پھیلا جائے کہ ان کی پشت چہرے کے برابر ہو جائے اور دعاء یہ ہے کہ ہاتھوں کو (پھیلا کر) ڈاڑھی کے نیچے رکھا جائے اور اخلاص یہ ہے کہ انگلی سے اشارہ کیا جائے۔'' ملاحظہ ہو (صفحہ:۲۳، ۲۴)۔

دیکھیں زیر بحث اجتماعی دعاء کا مسئلہ ہے اور دلیل وہ ذکر کی جا رہی ہے کہ جس میں دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ مذکور ہے یہ نام نہاد سلفی یا تو انتہائی مُغفّل انسان ہے یا پھر اسے عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے رسالے کو ضخیم کرنے کا شوق تھا بس۔

ہم ان چیزوں کو یہاں اس لیے ذکر کر رہے ہیں کہ قارئین کو اس کے رسالے کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

---

[1] اس کو عبد الرزاق (۲/۲۵۰) اسی طرح ابوداؤد (۱۴۸۹۔۱۴۹۰) نے بھی روایت کیا ہے اور اس أثر کی سند صحیح ہے۔ یہ اثر أبوداؤد کے ہاں بھی ہے مگر ہمارے موصوف نے اس کو عبد الرزاق کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ أبوداؤد (۱۴۹۱) اور بیہقی (۲/۱۳۳) میں یہ ابن عباس سے مرفوعاً بھی مروی ہے اور یہ مرفوعاً بھی صحیح ہے۔

⑦ عروہ کی مرسل روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ کا أعراب (دیہاتیوں) کی ایک قوم سے گزر ہوا جو مسلمان ہو چکے تھے اور دشمنوں نے ان کے علاقے کو خراب کردیا تھا تو رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے اپنے چہرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر ان کے لیے دعا مانگنا شروع کی تو ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ (مزید) پھیلائیں (اپنے ہاتھوں کو)۔ تو آپ نے اپنے چہرے کے برابر ہاتھ پھیلائے اور ان کو آسمان کی طرف نہیں اٹھایا۔ [1] ملاحظہ ہو (صفحہ:۲۴)۔

تنبیہ= موصوف نے عروہ۔ رضی اللہ عنہ۔ لکھا ہوا ہے جب کہ عروہ مشہور ومعروف تابعی ہیں صحابی نہیں، معلومات کا حال یہ ہے اور بیٹھ گئے اس مسئلہ پر اعتدال کے ساتھ لکھنے کے لیے۔

⑧ اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں ہے کہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے عیدین میں عورتوں کو بھی نماز عیدین کے لیے جانے کا حکم دیا تا کہ وہ بھی لوگوں کی دعاء کے ساتھ دعاء کریں اور اس دن کی برکت اور طہارت کی امید رکھیں۔ [2] ملاحظہ ہو (صفحہ:۲۵)۔

واضح رہے کہ اس حدیث سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ اس میں جس دعاء کا ذکر ہے وہ دعاء نماز کے بعد ہماری اجتماعی دعاء جیسی ہوگی کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے یہ حدیث بخاری ومسلم کے علاوہ دیگر بھی بہت سی کتبِ حدیث کے اندر ہے۔ [3] مگر کسی کتاب یا اس حدیث کی کسی روایت میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ (جیسے جمعہ کے دن) جو ہفتہ کی عید ہے خطبہ جمعہ میں دعاء کرتے تھے اسی طرح آپ خطبہ عید میں بھی دعاء کرتے ہوں گے بلکہ امام ابن خزیمہ اس حدیث سے یہی سمجھے ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی ''صحیح'' میں ''جماع أبواب صلاۃ العیدین'' میں ایک باب اس طرح قائم کیا ہے:

" باب إشارة الخاطب بالسبابة على المنبر عند الدعاء في الخطبة وتحريكه إيّاها عند الإشارة بها"(صحيح ابن خزيمة:۲/۳۵۱) ۔

اور اس باب کے تحت وہ سہل بن سعد۔ رضی اللہ عنہ۔ کی حدیث لائے ہیں جو اس رسالے کے صفحہ (۲۹) کے حاشیے

---

[1] اسے عبد الرزاق (۲/۲۵۱) نے روایت کیا ہے اور یہ مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور مرسل روایت اسے کہا جاتا ہے جسے تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے اور یہ روایت محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے۔

[2] اس حدیث کو بخاری (۹۷۱) اور مسلم (۶/۱۷۹) نے روایت کیا ہے۔

بخاری نے اس کو متعدد مقامات پر روایت کیا ہے اور مذکورہ سیاق ''کتاب العیدین"، باب "التکبیر أیام منی" کا ہے۔

[3] اس کو أبوداؤد (۱۱۳۶) ترمذی (۵۳۹) نسائی (۳/۱۸۰، ۱۸۱) ابن ماجہ (۱۳۰۸) دارمی (۱/۳۷۷) ابن خزیمہ (۱۴۶۶، ۱۴۶۷) ابن حبان (۴/۲۰۸) بیہقی نے سنن (۳/۳۰۵۔۳۰۶) اور ''معرفۃ السنن'' (۳/۵۴) میں اور أحمد (۵/۸۴، ۸۵) نے بھی روایت کیا ہے۔

میں گزر چکی ہے۔

⑨ حبیب بن مسلمہ فہری۔ رضی اللہ عنہ۔ کی حدیث:

ابن ھبیرۃ بیان کرتے ہیں کہ حبیب مستجاب الدعاء تھے انھیں فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا جب گئے اور دشمن سے سامنا ہوا تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ میں نے رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے سنا ہے کہ ''جب کوئی جماعت جمع ہو ان میں سے کوئی ایک دعا کرے اور باقی آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کرتا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور یہ دعاء کی۔

" اللهمّ احقن دماء نا، و اجعل أجورنا أجور الشهداء" [1]

''یا اللہ ہمارے خونوں کو روک دے اور ہمارے اُجر شہیدوں جیسے کر دے۔''

اس حدیث کا سیاق اس طرح سے ہے کہ حبیب بن مسلمۃ۔ رضی اللہ عنہ۔ نے میدان جنگ میں حدیث کو بیان کیا پھر دعا کی مگر ہمارے موصوف نے اسے دوسرے انداز سے ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے ان سے دعاء کی درخواست کی۔

نیز دعاء کا جو سبب تھا اسے بھی ذکر نہیں کیا شاید یہ اس لیے کہ بغیر کسی سبب کے بھی اجتماعی دعاء پر استدلال کیا جا سکے۔ ملاحظہ ہو: (صفحہ: ۲۵، ۲۶، ایضاً: ۳۰)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے استدلال کرنے سے پہلے اس کا صحیح ثابت ہونا ضروری ہے اور اس کی صحت کا دارومدار ابن ھبیرہ کا حبیب سے سماع پر ہے اگر سماع ثابت ہو تو صحیح ورنہ۔

⑩ اللہ عزوجل نے سورۃ یونس (آیت: ۸۹) میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ھارون (علیہ السلام) کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا﴾ ''یقیناً تم دونوں کی دعاء قبول کر لی گئی۔''

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دعاء کرتے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر (۴/۲۷۰) اور درمنثور (۴/۳۸۵)۔

موصوف کی اجتماعی دعا پر ایک دلیل یہ بھی ہے ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۶)۔

⑪ اِبراہیم علیہ السلام والا واقعہ جس میں ہے کہ وہ جب اِسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ علیہما السلام کو چھوڑ کر جانے لگے تو انھوں نے

---

[1] اس کو طبرانی (۴/ حدیث: ۳۵۳۶) اور حاکم (۳/ ۳۴۷) نے روایت کیا ہے۔

حبیب بن مسلمہ کی صحبت میں اختلاف ہے لیکن راجح یہ ہے کہ ان کی صحبت ہے حافظ ابن حجر نے تقریب (۱/ ۱۵۰) میں کہا ہے: "مختلف في صحبته والراجح ثبوتها۔"

ابن ھبیرۃ یہ عبداللہ بن ھبیرہ ہیں اور ثقہ ہیں مسلم اور سنن اَربعہ کے راویوں میں سے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے بشرطیکہ ابن ھبیرہ کا حبیب بن مسلمہ سے سماع ہو تو، حاکم اور اسی طرح ذہبی نے بھی اس حدیث پر سکوت کیا ہے جب کہ امام حاکم عام طور پر حدیث پر کوئی نہ کوئی حکم لگاتے ہیں۔ واللہ اَعلم بالصواب۔

ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ﴿رَبَّنَا إِنِّيْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ [1] الآیۃ (سورۃ إبراھیم: ۳۷)۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۳۰)۔

یہ ہے موصوف کے دلائل کی دوسری قسم جن میں عام حالات کی دعاء کا ذکر ہے اور موصوف کے رسالے کا عنوان ''فرض نمازوں کے بعد دعاء اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال'' ہے۔

ان دلائل کو تو اس شخص کے لیے ذکر کیا جائے جو سرے سے دعا ہی کا منکر ہو جیسا کہ بعض فلاسفہ ہیں۔

نیز موصوف کے رسالے کے عنوان میں ''اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال'' بھی محل نظر ہے کیونکہ سب اہل حدیث اس دعاء کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ (صفحہ: ۱۵) میں علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری کے حوالے سے ذکر ہوا چنانچہ تمام اہل حدیث کا اس کو مسلک قرار دینا مبنی بر جہالت ہے۔

تیسری قسم......!!

یہ قسم ان دلائل کی ہے جن میں نماز کے بعد دعاء کرنے کا ذکر ہے اب ہم ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ دیکھیں کہ یہ اس نام نہاد سلفی کے موقف کی کس حد تک تائید کرتے ہیں:

① اللہ عزوجل کا یہ فرمان:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (سورة الانشراح: ۷، ۸)۔

اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

جلیل القدر ائمہ تفسیر مثلاً ترجمان القرآن = عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امام قتادہ، امام ضحاک، امام مقاتل، امام کلبی اور امام مجاہد رحمہم اللہ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

" فإذا فرغت من الصلاة المكتوبة فانصب إلى ربك في الدعاء وارغب إليه في المسألة يعطك" معالم التنزيل مع ألباب التأويل" (جلد: ۷/ ص: ۲۲۰)۔

کہ ''جب تو فرض نماز سے فارغ ہو جائے تو اپنے رب سے دعاء مانگنے میں اپنے آپ کو محنت میں ڈال اور سوال کرنے میں اس کی طرف رغبت کر۔'' (صفحہ: ۱۵)۔

یہ ہے اس نام نہاد سلفی کی اجتماعی دعاء پر دلیلوں میں سے ایک قرآنی دلیل۔

قارئین آپ خود ہی اس نام نہاد سلفی سے پوچھیے کہ اس میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے دراصل بات یہ ہے کہ جیسے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے کہ نماز سے متعلق ہر ذکر و دعاء میں اس مدعی سلفیت کو اجتماعی دعاء ہی دکھائی دیتی ہے اس لیے کہ موصوف بہت بڑے حکیم اسلام ہیں نا۔

---

[1] اس واقعہ کو بخاری نے (حدیث: ۳۳۶۴) کتاب الأنبیاء، باب (۹) میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورین میں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ سے دیگر روایات کے مطابق اس سے نماز کے اندر دعاء کرنا مراد ہے۔

ا۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرماتے ہیں، کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے کہا ہے۔

"إذا فرغت من صلاتك و تشهدت فانصب إلى ربّك و اسأله حاجتك"

(درمنثور:۸/۵۵۱)۔

"جب اپنی نماز سے فارغ ہوجاؤ اور تشہد بیٹھو تو خوب دلجمی سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوجاؤ اور اس سے اپنی حاجت کا سوال کرو۔"

ب۔ ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی ہے:

"إذا قمت إلى الصلاة فانصب في حاجتك إلى ربّك" (تفسیر ابن جریر(۲۶۰/۱۵)۔

یعنی جب نماز کے لیے کھڑے ہوجاؤ تو اپنے رب سے اپنی حاجت طلب کرنے میں لگ جاؤ۔

فریابی، عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے ان سے درج ذیل الفاظ سے بھی روایت کی ہے:

"إذا جلست فاجتهد في الدعاء والمسألة"۔

"جب بیٹھ جاؤ (تشہد میں) تو خوب دعا اور سوال کرو۔"

اسی طرح ﴿ وَ إِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ کی ان سے یہ تفسیر بھی مروی ہے:

"اجعل رغبتك و نيّتك إلى ربك"۔

"اپنی رغبت اور نیت کو اپنے رب کے لیے خاص کرو۔"

اس تفسیر کو ابن جریر، فریابی اور عبد بن حمید وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ج: ابن جریر نے ضحاک سے اس طرح روایت کی ہے:

"من الصلاة المكتوبة قبل أن تسلّم ، فانصب"۔

"فرض نماز سے فراغت کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل دعاء میں لگ جاؤ۔"

یہی تفسیر عبداللہ بن مسعود۔ رضی اللہ عنہ۔ سے بھی مروی ہے: چنانچہ وہ ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" فراغك من الركوع والسجود" (اپنے رکوع اور سجود سے فارغ ہونے کے بعد) ﴿ وَإِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ في المسألة و أنت جالس" (اپنے بیٹھنے کی حالت میں "تشہد میں" دعا میں مصروف ہو جاؤ۔)

اس تفسیر کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے جیسا کہ سیوطی نے ذکر کیا ہے اور اس تفسیر کی تائید درج ذیل اُحادیث سے بھی ہوتی ہے:

① " ثمّ يتخيّر من الدعاء أعجبه إليه فيدعو " [1]

یعنی تشہد سے فارغ ہو جانے کے بعد نمازی کو جو دعاء پسند ہو وہ کر لے۔

② "إذا فرغ أحدكم من التشهد الآخر، فليتعوّذ بالله من أربع۔"الحديث [2]

"جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو چار چیزوں سے پناہ پکڑے: قبر اور جہنم کے عذاب سے، زندگی، موت اور مسیح دجال کے فتنے سے۔"

مذکورہ تفسیر کے علاوہ ان آیات کی تین اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ جب دشمن کے ساتھ جہاد سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں لگ جاؤ۔

یہ تفسیر حسن بصری، عبدالرحمٰن بن زید اور اسی طرح قتادہ سے بھی مروی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب دنیا کے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ یعنی قیام اللیل وغیرہ میں۔

یہ تفسیر عبداللہ بن مسعود۔رضی اللہ عنہ۔ کی ہے اور ایک روایت کے مطابق مجاہد کی بھی یہی تفسیر ہے اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب تبلیغ رسالت سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے لیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی استغفار کرو اس تفسیر کو قرطبی نے کلبی سے نقل کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن جریر (۱۵/۲۶۰۔۲۶۱) تفسیر قرطبی: (۱۰/۳۴۹) تفسیر ابن کثیر (۸/۵۶۸) اور درّ منثور (۸/۵۵۱۔۵۵۲)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت کی موصوف نے جو تفسیر ذکر کی ہے اس سے نماز کے بعد اجتماعی دعاء اور نہ ہی ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

② حدیث عرباض بن ساریہ (رضی اللہ عنہ)

" من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة" (الحديث) [3]

"جس نے فرض نماز ادا کی اس کے لیے (اللہ کے ہاں) قبول ہونے والی دعاء ہے۔" ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۶)۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے بلکہ اس حدیث کا ظاہر تو منفرد کے

---

[1] اس حدیث کو بخاری (۸۳۵) اور مسلم (۴/۱۱۷۔۱۱۸) نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مذکورہ اُلفاظ بخاری کے ہیں۔

[2] اس کو مسلم (۵/۸۷) اُبوداؤد (۹۸۳) نسائی (۳/۵۸) اور ابن ماجہ (۹۰۹) نے اُبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[3] اس کو طبرانی (۱۸/۲۵۹) نے روایت کیا ہے۔

بارے میں ہے۔نیز یہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے۔ [1]

③ حدیث أبي أمامہ (رضی اللہ عنہ)۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے سوال کیا گیا کہ کونسی دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے آپ نے فرمایا:

"جوف الليل الآخر، و دبر الصلوات المكتوبات" [2]

''رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد۔''

اس دلیل کے متعدد جوابات ہیں:

ا۔ اس میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے جیسے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے کہ کسی بھوکے آدمی سے کہا گیا دو اور دو تو اس نے فوراً کہا دو اور دو چار روٹیاں۔یہی حال اس نام نہاد سلفی کا ہے کہ اسے ہر حدیث میں اجتماعی دعاء ہی نظر آتی ہے۔

ب۔ لفظ "دُبُر" میں دونوں احتمال ہیں۔نماز کا آخری حصہ سلام سے پہلے اور سلام کے بعد، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" و لفظ دبر الصلاة قد يراد به آخر جزء من الصلاة كما يراد بدبر الشئ مؤخره، و قد يراد به ما بعد انقضائها كما في قوله تعالىٰ ﴿ وأدبٰرَ السُّجُوْدِ﴾(ق: ٤٠) و قد يراد به مجموع الأمرين" (مجموع الفتاوٰی(٥١٦/٢٢)۔

''لفظ''دبر الصلاة" سے کبھی تو نماز کا آخری حصہ مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ "دبر الشيْ" سے اس چیز کا آخری حصہ مراد لیا جاتا ہے اور کبھی اس سے۔لفظ "دبر الصلاة" سے۔نماز کے ختم ہو جانے کے بعد والا وقت مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿و أدْبٰرَ السُّجُوْدِ﴾۔

فتاویٰ میں اس طرح ہے جب کہ ابن قیم نے ان سے یوں نقل کیا ہے:

"و دبر الصلاة يحتمل قبل السلام، و بعده، و كان شيخنا يرجّح أن يكون قبل السلام، فراجعته فيه، فقال: دبر كلّ شيْ منه كدبر الحيوان" (زاد المعاد(٣٠٥/١)۔

---

[1] اس میں دو علتیں ہیں ایک یہ کہ اس کی سند میں عبد الحمید بن سلیمان خزاعی ہے جسے حافظ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (۱۷۵/۷) میں حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں ضعیف کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ''کاشف'' میں کہا ہے: "ضعفوه" یعنی محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے اور دوسری علت یہ ہے کہ اس میں طبرانی کا شیخ فضل بن ہارون بغدادی ہے جسے خطیب نے ''تاریخ بغداد'' (۳۷۳-۳۷۲/۱۲) میں ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارے میں کسی قسم کی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی۔

[2] اسے ترمذی (۳۴۹۹) نسائی نے 'عمل اليوم والليلة' (۱۰۸) میں اور ترمذی کی سند سے حافظ ابن حجر نے "نتائج الأفكار" (۲۴۷/۲) میں روایت کیا ہے۔

''دبر الصلاۃ'' میں سلام سے قبل اور بعد دونوں احتمال ہیں، ہمارے شیخ ابن تیمیہ سلام سے قبل کو ترجیح دیتے تھے، چنانچہ میں نے ان سے اس کے بارے میں بات کی تو وہ کہنے لگے کہ ہر چیز کا پچھلا حصہ حیوان کے پچھلے حصے کی طرح ہے۔''

جب کہ حافظ ابن حجر نے یہ کہا ہے کہ "دبر کل صلاۃ" سے مراد بالاجماع بعد السلام ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری (۱۱/۱۳۳)۔

ج۔ اس حدیث میں لفظ "دبر الصلوات المکتوبات" کا اضافہ شاذ ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ صحیح نہیں ہے۔[1]

④ امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا قول کہ نفل نمازوں کی نسبت فرض نمازوں کے بعد دعاء مانگنا ایسے ہی اَفضل ہے جیسے فرض نماز نفلی نماز سے اَفضل ہے۔[2] ملاحظہ ہو (صفحہ:۱۶)۔

اس قول میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے نیز یہ جعفر صادق کا قول ہے جو حجت نہیں۔

⑤ عبداللہ بن مسعود۔ رضی اللہ عنہ۔ والی حدیث جس میں ہے کہ مشرکین مکہ نے بحالت سجدہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پر اونٹ کی اوجھری رکھ دی اور آپ نے نماز سے فراغت کے بعد تین مرتبہ یہ دعا کی:"اللھم علیك بقریش ، اللھم علیك بأبی جھل......"[3]

اس حدیث میں بھی اجتماعی دعاء کا ذکر نہیں، اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی آدمی پر کوئی مصیبت آئے یا اسے کوئی پریشانی لاحق ہو یا اس کی کوئی حاجت ہو تو اس کے لیے نماز کے بعد دعا کر سکتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ ہمارا نام نہاد سلفی یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ جو نماز کے بعد اجتماعی دعاء کے قائل نہیں وہ سرے سے ہی دعاء کے منکر ہیں اور وہ کسی حالت میں بھی نماز کے بعد دعاء کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس کی کئی باتوں سے یہی پتہ چلتا ہے جب کہ یہ اس کی یا تو کم فہمی ہے یا الزام تراشی۔

⑥ ابوہریرہ۔ رضی اللہ عنہ۔ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سلام کے بعد ہاتھ اٹھا کر قبلہ رو ہو کر یہ دعا کرتے:

"اللھم خلّص الولید بن الولید، و عیاش بن أبی ربیعة......"

---

[1] اس کے علاوہ بھی اس کی سند میں دو علتیں ہیں تفصیل کے لیے ''نتائج الافکار'' للحافظ ابن حجر (۲/۲۴۷-۲۴۹) ''الفتوحات الربانیة'' لابن علان (۳/۳۰) اور "القول المقبول" (ص:۴۹۴) دیکھیں۔

[2] ان کے اس قول کو طبری نے روایت کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' (۱۱/۱۳۴) میں کہا ہے۔

[3] اس حدیث کو بخاری (۵۲۰) ''الصلاۃ''، مسلم (۱۲/۱۵۲) "الجھاد" اور نسائی نے (۱/۱۶۲) "الطھارۃ" میں روایت کیا ہے۔ اس کی بعض روایات میں ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری (۲۴۰) کتاب الوضوء کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد دعا کی۔

اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے: "كان يدعو في دبر صلاة الظهر" اللهم خلّص الوليد......" [1]
''آپ نماز ظہر کے بعد یہ دعاء کرتے'' اور اس روایت میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں۔
اس دلیل کے مختلف جوابات ہیں جن میں سے دو درج ذیل ہیں:

[1] اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہا ہے بلکہ اس میں تو اجتماعی دعاء کرنے والوں پر ردّ ہے وہ اس طرح کہ اس میں ہے کہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے سلام کے بعد دعاء کی اور ابوہریرہ۔ رضی اللہ عنہ۔ نے صرف آپ کے دعاء کرنے کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت یہ ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس دعاء میں آپ کے ساتھ شریک نہ تھے، اگر شریک ہوتے تو اُبوہریرہ یقیناً ان کا ذکر کرتے جب کہ ایسا ہرگز نہیں۔

[2] یہ حدیث اس طرح سے منکر ہے۔ [2] اور صحیح اس طرح سے ہے کہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے یہ دعاء نماز میں رکوع کے بعد کی۔

اس کی تفصیل اور دیگر جوابات کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب "القول المقبول" (ص: ۴۹۰ ـ ۴۹۱) دیکھیں۔

(۷) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز سے فراغت سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا:

" إنّ رسول الله ﷺ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته" [3]

---

[1] پہلی روایت سے اس کو ابن اُبی حاتم نے اپنی تفسیر (۳/۱۰۴۸/۵۸۷۲) میں اور دوسری روایت سے اس کو ابن جریر (۴/۲۹۰ـ۲۹۱) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند علی بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے اور یہ حدیث منکر ہے اس کی قدرے تفصیل بعد میں آ رہی ہے۔

[2] منکر حدیث دو طرح کی ہوتی ہے ایک یہ کہ اس کو بیان کرنے والا راوی ضعیف ہو اور دوسری یہ کہ اس کو بیان کرنے والا راوی ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ ثقہ راوی کی مخالفت بھی کرے اور یہ حدیث اس معنے میں منکر ہے کیونکہ سعید بن میتب سے اس طرح سے اس کو علی بن زید نے روایت کیا ہے جو ضعیف ہیں نیز انھوں نے زہری کی جو کہ ثقہ وحافظ ہیں، مخالفت بھی کی ہے کیونکہ زہری نے ابن میتب سے اس کو اس طرح سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں رکوع کے بعد یہ دعا کرتے۔

[3] اس کو طبرانی نے (۱۳/۱۲۹/۳۲۴) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں فضیل بن سلیمان نمیری ہے جس کی بہت زیادہ اغلاط ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' (۲/۱۱۲) میں کہا ہے۔
اس کے بارے میں تفصیل کے لیے ''تهذيب التهذيب" (۸/۲۶۲ـ۲۶۳) دیکھی جائے۔
نیز اس کی سند میں انقطاع کا خدشہ بھی ہے کیونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس کو محمد بن اُبی یحییٰ اُسلمی نے روایت کیا ہے اور اُسلمی کو حافظ ابن حبان نے "ثقات" (۷/۳۷۲) میں اتباع التابعین میں ذکر کیا ہے۔ جب کہ حافظ ابن حجر نے ان کو طبقہ خامسہ کا تابعی کہا ہے ملاحظہ ہو: "تقريب التهذيب" (۲/۲۱۸)۔
اور یہ طبقہ ان صغار تابعین کا ہے جنھوں نے ایک یا دو صحابہ کو دیکھا ہے اور بعض کا ان سے سماع ثابت نہیں جیسا کہ ←

”یقیناً رسول اللہ۔ ﷺ۔ نماز سے فراغت کے بعد ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔“

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے کیونکہ عبداللہ بن زبیر۔ رضی اللہ عنہ۔ نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم، بلکہ آپ نے صرف رسول اللہ۔ ﷺ۔ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ۔ ﷺ۔ کے زمانے میں اجتماعی دعاء نہ تھی لہٰذا یہ حدیث اجتماعی دعاء کے قائلین پر ردّ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے جیسا کہ حاشیہ میں تفصیل ذکر ہوئی۔

⑧ بحرین کے مرتدین کے خلاف جنگ کے لیے ابوبکر صدیق۔ رضی اللہ عنہ۔ نے علاء بن حضرمی۔ رضی اللہ عنہ۔ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا وہاں پہنچ کر انھیں پانی کے سلسلے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے نمازِ فجر کے بعد اپنے ساتھیوں سمیت گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دعاء کی تو اللہ عزوجل نے ان کے لیے پانی کا انتظام کر دیا، تفصیلِ واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو: البداية والنهاية (٦/٣٣٢۔٣٣٣)۔

اس میں اجتماعی دعاء کا ذکر ہے اسی لیے ہمارے موصوف نے اس کو ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ:٢٧، ٢٨)۔

اور اس مقام پر جو اجتماعی دعاء کی گئی تو اس لیے کہ انھیں جو مسئلہ درپیش تھا وہ سب کے لیے تھا یعنی اجتماعی مسئلہ تھا اور جب مسلمانوں کو کوئی اجتماعی مسئلہ درپیش ہو تو اجتماعی دعاء کر لینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کے لیے خطبہ جمعہ میں دعاء کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ دعاء کی جیسا کہ (صفحہ:٣٠، ٣٤) میں بھی ذکر ہوا۔

صفحہ (٣٠) میں موصوف نے لکھا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کوئی کہے تو پھر دعاء کی جائے بلکہ امام بغیر کسی کے کہے بھی دعاء مانگ سکتا ہے جس طرح حضرت علاء۔ رضی اللہ عنہ۔ کے واقعے سے ظاہر ہے۔

⟵ حافظ ابن حجر نے ”مقدمة التقريب“ میں صراحت کی ہے۔

انھوں نے ان کو طبقہ خامسہ کا تابعی اس لیے کہا ہے کہ یوسف بن عبداللہ بن سلام سے ان کی روایت ہے اور یوسف کو حافظ ابن حجر نے صحابی صغیر کہا ہے اگرچہ ان کی صحبت میں اختلاف ہے۔

حافظ مزی نے ”تهذيب الكمال“ میں اور نہ ہی حافظ ابن حجر نے ”تهذيب التهذيب“ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ترجمہ ان سے روایت کرنے والوں میں اُسلمی کا اور نہ ہی اُسلمی کے ترجمے میں ان کے شیوخ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا ہے۔

تنبیہ = اسلمی نے عبداللہ بن زبیر سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یوں کہا ہے: ”رأيت عبد الله بن الزبير“ اگر اُسلمی تک اس کی سند صحیح ہوتی تو پھر تو یہ بات واضح تھی کہ ان کی ابن زبیر سے روایت کیا ہے مگر اُسلمی تک اس کی سند صحیح نہیں کیونکہ ان سے اس کو فضیل بن سلیمان نے روایت کیا ہے جن کے بارے میں ذکر ہوا کہ ان کی بہت زیادہ اغلاط ہیں لہٰذا اس روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

قلت: اس واقعے سے جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو کوئی اجتماعی مسئلہ درپیش ہو تو امام سے کوئی دعاء کی درخواست نہ بھی کرے تو اسے از خود دعاء کرنی چاہیے کیونکہ امام قدوہ و پیشوا ہوتا ہے اسے مسلمانوں کی پریشانی و تکلیف کا احساس ہونا چاہیے لیکن اس واقعے سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بغیر کسی سبب کے مقتدیوں کو خوش کرنے کے لیے گاہے بگاہے دعاء کرتا پھرے کیونکہ ایسا رسول اللہ ﷺ اہل خیر القرون اور نہ ہی ائمہ ومحدثین وفقہاء سے ثابت ہے بلکہ کبار علماء کے اس کے خلاف فتاویٰ موجود ہیں جن میں سے بعض کا ذکر بھی ہوا۔ ملاحظہ ہو(صفحہ:۵۴ وما بعدھا)۔

مذکورہ واقعہ میں ہے کہ علاء بن حضرمی لشکر کے قائد وسپہ سالار تھے اگر سپہ سالار کو اپنی اور اپنے لشکر کی پریشانی کا احساس نہیں ہوگا تو پھر احساس کس کو ہوگا لہٰذا اس واقعہ سے یہ دلیل لینا کہ امام مقتدیوں کے کہنے کے بغیر بھی دعا کر سکتا ہے یعنی عام حالات میں تو یہ درست نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ امام کو خیر خواہی کے طور پر کبھی کبھار مقتدیوں کے کہنے کے بغیر دعا کر دینی چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون خیر خواہ ہو سکتا ہے تو کیا آپ نے کبھی ایسا کیا؟ قطعاً نہیں۔

دراصل اس قسم کی باتیں اس بدعت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے حیلوں اور بہانوں کے سوا کچھ نہیں۔

⑨ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے اپنے ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے:

"رب اغفرلي ما قدّمت......" [1]

اس دلیل کے تین جواب ہیں:

① اس میں اجتماعی دعاء کہاں سے ثابت ہوتی ہے؟

② یہ معضل روایت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کو روایت کرنے والے علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن اُمیہ ہیں اور یہ دونوں اتباع تابعین میں سے ہیں اور معضل روایت ضعیف ہوتی ہے۔ [2]

③ صحیح سند سے اس دعاء کو نماز کے بعد پڑھنا ثابت ہے لیکن صحیح سند والی روایت میں ہاتھ اٹھانے کا قطعاً ذکر نہیں لہٰذا اس معضل روایت میں ہاتھ اٹھانے کا جو ذکر ہے وہ مردود ہے۔ [3]

ہمارے اس نام نہاد سلفی کی حدیث دانی کا عالم یہ ہے کہ وہ اس معضل روایت کو مرسل روایت سمجھ بیٹھے ہیں چنانچہ

---

[1] اس کو عبداللہ بن مبارک نے ''زہد'' (۱۱۵۴) میں روایت کیا ہے۔

[2] معضل روایت اسے کہتے ہیں جس کی سند سے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہو جائیں اسی طرح تبع تابعی کی روایت کو بھی معضل کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی دو واسطے گر جاتے ہیں صحابی اور تابعی کا واسطہ۔

اور بعض علماء ہر اس روایت کو مرسل کہتے ہیں جس کی سند میں انقطاع ہو۔

[3] تفصیل کے لیے ''القول المقبول'' (ص:۴۶۴۔۴۶۵،۴۹۷) دیکھیں:

اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''یاد رہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب: مرسل روایت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل مل جائے تو وہ بالاتفاق حجت ہے۔'' (دیکھیے سبل السلام)'' ملاحظہ ہو: (صفحہ:۲۹)۔

مرسل روایت پر صحابہ کا عمل ہو تو وہ قابل حجت ہے ابن تیمیہ سے بہت پہلے یہ بات امام شافعی نے کہی ہے اور انھوں نے اس کے لیے مزید اور شروط بھی ذکر کی ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ان کی کتاب "الرسالة" (فقرہ:۱۲۶۴، ومابعدھا)۔

اور مذکورہ روایت مرسل نہیں بلکہ معضل ہے بالفرض اس روایت کو اگر مرسل تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کی تائید میں صحابہ کا کونسا عمل ہے جس میں یہ ہو کہ انھوں نے بغیر کسی سبب اور عارضہ کے نماز کے بعد اجتماعی دعا کی؟۔

⑩ أبو ہریرہ۔ رضی اللہ عنہ۔ کی طویل حدیث جس میں ہے کہ اللہ کے ولی جریج پر ناجائز بچے کی تہمت لگائی گئی تو اس میں ہے:"فقام فصلی و دعا" [1] (پس وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھی اور دعاء کی) پھر اس بچے سے کہا کہ تیرا باپ کون ہے اس نے کہا کہ میں فلاں چرواہے کا بچہ ہوں۔

اس حدیث سے بھی ہمارے نام نہاد سلفی کا مدعا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی کسی مصیبت میں پھنس جائے نماز پڑھے اور اللہ سے دعاء کرے۔ نیز اس میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے؟ اس قسم کی أحادیث کا ذکر کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔

⑪ ثوبان۔ رضی اللہ عنہ۔ کی طویل حدیث، جس میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کا امام ہو تو وہ صرف اپنے لیے ہی دعاء نہ کرے اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے اس قوم کی خیانت کی۔ [2]

موصوف اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''قابل غور بات یہ ہے اگر اس سے مراد نماز کے اندر کی دعائیں ہی مراد ہوں تو خود حضرت نبی مکرم اور صحابہ کرام "اللهم باعد بيني و بين خطاياى" إلى آخره اور بین السجدتین کی دعاء اور قبل از سلام دعائیں مثلاً: "ربّ إنّي ظلمت نفسي" بصیغہ واحد پڑھتے تھے سیدھی سی بات ہے کہ وہ اجتماعی دعاء بعد از نماز فرض یا نفل ہی ہو سکتی ہے جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ (صفحہ:۴۱)۔

---

① اس کو امام احمد نے اپنی ''مسند'' (۲/ ۳۰۷) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو بخاری (۲۴۸۲، ۳۴۳۶) کتاب المظالم والغضب، و کتاب "أحاديث الأنبياء" اور مسلم نے بھی (۶/ ۱۰۷) کتاب "البر والصلة" میں روایت کیا ہے مگر ان کے ہاں دعاء کا ذکر نہیں۔

② اس حدیث کو احمد (۵/ ۲۵۰، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۸۰) اور ابوداؤد (۹۰، ۹۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: "القول المقبول" (صفحہ:۴۹۵) اور یہ ضعیف حدیث ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

اس حدیث کے درج ذیل جوابات ہیں:

پہلا جواب:

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق نماز کے اندر کی جانے والی دعاؤں سے ہے بلکہ علماء نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے چنانچہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ایک باب یوں قائم کیا ہے:

" باب الرخصة في خصوصية الإمام نفسه بالدعاء دون المؤمنين خلاف الخبر غير الثابت المروي عن النبي-صلى الله عليه وسلم- أنّه قد خانهم إذا خصّ نفسه بالدعاء دونهم۔" (صحيح ابن خزيمة:٣/٦٣).

"یہ باب امام کو مقتدیوں کے علاوہ خاص اپنی ذات کے لیے دعا کرنے کی رخصت کے بارے میں ہے برعکس نبی۔ ﷺ۔ سے مروی اس غیر ثابت خبر کے کہ اس نے اگر خاص اپنے لیے دعا کی تو ان کی خیانت کی۔"

اور اس باب کے تحت امام ابن خزیمہ حدیث "اللهم باعد بينى، و بين خطاياي ...... لائے ہیں۔

اور ابن خزیمہ وہ محدث وفقیہ ہیں جن کے بارے میں امام ابن سریج نے کہا ہے کہ وہ موچنے سے حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے نکات نکالتے ہیں۔

تنبیہ = علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ ابن خزیمہ نے حدیث "اللهمّ باعد بيني، و بين خطاياى" ذکر کرکے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس موضوع حدیث کے ردّ پر دلیل ہے۔ اس کے بعد انھوں نے مذکورہ حدیث کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: زاد المعاد (۱/۲۶۴)۔

ابن قیم کو غالبًا مغالطہ ہوا ہے کیونکہ ابن خزیمہ نے موضوع حدیث نہیں کہا بلکہ غیر ثابت کہا ہے۔ موضوع حدیث بھی اگرچہ غیر ثابت ہوتی ہے لیکن غیر ثابت میں ضعیف حدیث بھی داخل ہے۔

دوسری تنبیہ: زاد المعاد کے محققین شعیب و عبد القادر نے کہا ہے:

" لم نجد كلام ابن خزيمة هذا في "صحيحه" عقب الحديث الذي ذكره المصنف، فلعله في مكان آخر۔"

"جس حدیث کو مصنف نے ذکر کیا ہے اس کے بعد ہمیں ابن خزیمہ کا یہ کلام ان کی "صحیح" میں نہیں ملا شاید کہ کسی دوسری جگہ ہو۔"

قلت: امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو موضوع نہیں بلکہ غیر ثابت کہا ہے۔ جیسا کہ چند سطور پہلے بھی ذکر ہوا۔ اور انھیں اس کلام کا بھی نہ ملنا قابل تعجب نہیں کیونکہ امام ابن خزیمہ نے جہاں تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی دعاؤں

کا ذکر کیا ہے وہاں اس حدیث "اللهم باعد بيني" کے بعد یہ کلام نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمة ۱۰/۲۳۷، حدیث: ٤٦٥) بلکہ انھوں نے یہ کلام بہت آگے چل کر جہاں امام کو اپنے لیے خاص دعاء کرنے کی رخصت کا باب باندھا ہے وہاں کیا ہے۔

امام ابن خزیمہ کے بعد اب دیگر علماء کے اُقوال سنیے:

① امام بغوی۔

امام بغوی وتر میں دعائے قنوت والی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" قلت: و إن كان إمامًا فيذكر بلفظ الجمع: " اللهم اهدنا ، و عافنا، و تولّنا ، وبارك لنا ، وقنا، و لا يخصّ نفسه بالدعاء"

"میں کہتا ہوں کہ اگر امام ہو تو جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کرے: "اللهم اهدنا......"

اس کے بعد انھوں نے اسی حدیث" و لا يؤمّ قومًا فيخص نفسه بالدعاء" کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: شرح السنۃ (۱۲۹/۳)۔

② شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

" سمعت شيخ الاسلام ابن تيمية يقول: هذا الحديث عندي في الدعاء الذي يدعوبه الإمام لنفسه للمأمومين ، ويشتركون فيه كدعاء القنوت و نحوه" والله أعلم۔"

(زاد المعاد: ۲۶۴/۱)۔

"میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو یہ کہتے ہوا سنا کہ میرے نزدیک یہ حدیث اس دعاء کے بارے میں ہے جو امام اپنے لیے اور مقتدیوں کے لیے کرتا ہے اور وہ اس میں شریک ہوتے ہیں جیسا کہ دعاء قنوت وغیرہ۔ واللہ اُعلم۔"

③ شافعی اور حنبلی علماء:

علامہ مبارکپوری اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اسی لیے شافعی اور حنبلی علماء نے کہا ہے کہ امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ دعائے قنوت جو حسن۔ رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے: "اللهم اهدني فيمن هديت" میں جمع کی ضمیر لائے حالانکہ روایت "اللهم اهدنی" افراد کی ضمیر کے ساتھ ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے شیخ منصور بن اِدریس حنبلی اور شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلی کے اُقوال بھی نقل کیے ہیں۔

واضح رہے کہ علامہ مبارکپوری کا اپنا مؤقف یہ ہے امام دعا "اللهم اهدني" بصیغہ افراد ہی کرے مگر نیت میں

مقتدیوں کو بھی شامل رکھے۔ ملاحظہ ہو: تحفۃ الأحوذی (۲/۳۴۲۔۳۴۳،۳۴۴)۔

۴ **عزیزی** نے کہا ہے:

" هذا في دعاء القنوت خاصة بخلاف دعاء الافتتاح، والركوع، والسجود، والجلوس بين السجدتين والتشهد"۔

''یہ دعاءِ قنوت کے بارے میں خاص ہے برعکس افتتاح، رکوع، سجود اور دو سجدوں کی دعاء کے اور تشہد کے۔''

۵ صاحب ''**توسط**'' نے کہا ہے:

" معناه تخصيص نفسه بالدعاء في الصلاة والسكوت عن المقتدين"۔

''اس کے معنے یہ ہیں کہ امام نماز میں دعاء کو اپنے لیے خاص کرے اور مقتدیوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرے۔''

یعنی ان کے لیے دعاء نہ کرے اس قول کو اور اس سے پہلے والے عزیزی کے قول کو عظیم آبادی اور مبارکپوری نے ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: تحفة الأحوذي (۲/۳۴۲۔۳۴۴) اور عون المعبود: (۱/۱۱۱)۔

۶ علامہ **عبد الرحمن** مبارکپوری۔

اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" و حديث ثوبان۔رضى الله عنه۔هذا يدل على كراهة أن يخص الإمام نفسه بالدعاء، و لا يشارك المأمومين فيه"۔ (تحفة الأحوذي:۲/۳٤۲)

''ثوبان رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس بات کی کراہت پر دلالت کرتی ہے کہ امام (نماز میں) خاص اپنے لیے دعا کرے اور مقتدیوں کو اس میں شریک نہ کرے۔''

۷ علامہ **عبید اللہ** مبارکپوری۔

انھوں نے اس حدیث کی شرح میں وہی کہا ہے جو علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری نے کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: مرعاة المفاتیح (۳/۵۱۵)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کبار أئمہ و علماء اس حدیث سے یہی سمجھے ہیں کہ اس کا تعلق نماز میں کی جانے والی دعا سے ہے نہ کہ سلام کے بعد والی دعاء سے۔

مگر عظیم آبادی کے خیال میں اس میں دونوں احتمال ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

" والدعاء بعد التسليم يحتمل كونه كالداخل و عدمه" (**عون المعبود**:۱/۱۱۱).

''احتمال ہے کہ سلام کے بعد والی دعاء اس میں داخل ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ داخل نہ ہو۔''

ان کی یہ رائے ہے کیونکہ اس میں سلام کے بعد دعاء کا احتمال بہت بعید ہے۔

نام نہاد سلفی نے کہا ہے کہ سیدھی سی بات ہے کہ وہ اجتماعی دعاء بعد از نماز فرض یا نفل ہو سکتی ہے جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

ماشاء اللہ بڑے مجتہد اور فقیہ بن بیٹھے ہیں پاک و ہند کے علماء اہل حدیث تو فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے جواز اور عدم جواز پر گفتگو کرتے رہے مگر اس نام نہاد سلفی نے نفل نماز کے بعد بھی اجتماعی دعاء کے جواز کا مسئلہ نکال لیا اور سنتوں کے بعد دعاء کرنے والے دیوبندیوں اور بریلویوں کو خوش کر دیا اور اہل حدیثوں میں سنتوں کے بعد بھی اس بدعت کا اضافہ کر دیا۔

ہم اس نام نہاد سلفی سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث سلام کے بعد دعاء کے بارے میں ہے تو کیا رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے سلام کے بعد اجتماعی دعاء کی یا نہیں اگر جواب یہ ہو کہ نہیں کی تو مسئلہ صاف ہے اگر جواب یہ ہو کہ کی ہے تو پھر ہمارا سوال یہ ہے آپ۔ ﷺ۔ نے اجتماعی طور پر جو دعائیں کیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شریک ہوئے ان میں سے چند ایک دعائیں ہمیں بھی بتا دیں تا کہ ہمیں بھی فائدہ ہو اور ہم بھی وہ دعائیں کریں اگر آپ یہ کہیں کہ ان کا ذکر تو نہیں ہے تو پھر ہم یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ۔ ﷺ۔ نے نماز کے بعد جن اذکار و دعاؤں کو انفرادی طور پر پڑھا صحابہ نے ان کو تو بیان کر دیا مگر وہ دعائیں جن میں آپ۔ ﷺ۔ نے ان کو بھی شریک کیا یا ان کو ساتھ ملا کر کیں ان کو انھوں نے بیان کیوں نہیں کیا؟ بینوا توجروا۔

ممکن ہے کہ موصوف (صفحہ:۵۸) میں مذکور نواب صاحب کے کلام کی بناء پر یہ کہہ دیں کہ چونکہ وہ دعائیں ان کے ہاں معروف تھیں کیونکہ وہ اجتماعی طور پر کی جاتی تھیں اس لیے انھوں نے ان کو بیان نہیں کیا۔

دوسرا جواب:

اس حدیث سے اجتماعی دعاء کیسے ثابت ہوتی ہے اس میں تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ امام جب کوئی دعاء کرے تو صرف اپنے لیے خاص طور پر دعاء نہ کرے بلکہ مقتدیوں کے لیے بھی دعاء کرے تو اس میں اجتماعی دعاء کہاں سے آ گئی۔

تیسرا جواب:

یہ حدیث ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم سے بھی اس کی تضعیف نقل کی ہے۔ [1]

---

[1] ابن قیم کے کلام کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۸۴) دیکھا جائے۔

شیخ البانی نے اس حدیث پر دو تین طرح سے کلام کیا ہے، تفصیل کے لیے ان کی کتاب "ضعیف أبو داؤد" (ج:۱، حدیث:۱۲۔ أصل کتاب) دیکھی جائے۔

انھوں نے اس حدیث کو "ضعیف الجامع" (٦٣٤٩) میں بھی ذکر کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔

⑭ فضل بن عباس۔ رضی اللہ عنہ۔ کی حدیث، جس میں ہے کہ نماز دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت میں تشہد بیٹھنا (یعنی سلام پھیرنا ہے) عاجزی کرنا گڑگڑانا اور مسکینی ظاہر کرنا ہے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے رب کی طرف سیدھے اٹھا کر "یا ربّ، یا ربّ" کہے اور جو ایسا نہیں کرے اس کی نماز ناقص ہوگی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص ایسا اور ایسا ہے۔

اس حدیث کی مفصل تخریج اور اس کے متعدد جوابات ہم نے "القول المقبول" (صفحہ: ٤٩١۔٤٩٣) میں دیے ہیں یہاں ہم صرف ایک دو باتیں کریں گے۔

موصوف نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

" سوچیے نفل نمازوں کے بعد جس عمل کا استحباب ہے وہ فرض نمازوں کے بعد کیونکہ بدعت ہو سکتا ہے۔ (صفحہ:۵۲)۔

اس کلام پر ہمارے درج ذیل ملاحظات ہیں:

① اس حدیث سے استحباب نہیں بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ جو مذکورہ کام نہیں کرے گا اس کی نماز ناقص ہوگی اور اس کی ایک دوسری روایت کے مطابق جو شخص یہ کام نہیں کرے گا وہ ایسا اور ایسا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حدیث میں جو کچھ ذکر ہوا اس کا کرنا ضروری ہے ورنہ اس کی نماز ناقص ہوگی یا دوسری روایت کے مطابق وہ وعید کا مستحق ٹھہرے گا۔

② یہ حدیث ضعیف ہے اس کو بخاری، ابن خزیمہ اور عقیلی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

موصوف نے اس حدیث کی بناء پر دعاء کو مستحب کہا ہے جب کہ (صفحہ:۴۷) میں انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ کلام نقل کیا ہے:

" و لم یقل أحد من الأئمة إنّه یجوز أن یجعل الشيء واجبًا، أومستحبًا بحدیث ضعیف، و من قال ھذا فقد خالف الإجماع۔"

" ائمہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث کی بناء پر کسی چیز کو واجب یا مستحب ٹھہرانا جائز ہے اور جس نے یہ بات کہی اس نے یقیناً اِجماع کی مخالفت کی۔"

آخر میں ایک بات یہ کہ اس حدیث میں اجتماعی دعاء کا ذکر کہاں ہے؟ مزید تفصیل کے لیے: القول المقبول دیکھیں۔

یہ تھی نام نہاد سلفی کی اَحادیث میں سے آخری دلیل، اوراسی پر ان کے دلائل کا جائزہ ختم ہوا۔

ایک اور بات جسے اس نام نہاد سلفی نے بڑے فخر سے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ (صفحہ:۱۰) میں ایک عنوان یوں قائم کیا ہے: ''امامِ حرم ﷾ کا دانشمندانہ طرزِ عمل''۔

اوراس عنوان کے تحت لکھا ہے:

اگر کسی شخص کی واقعی تحقیق ہو کہ نماز کے بعد دعا مانگنا صحیح نہیں تو اس کے لیے حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ امام عبداللہ بن سبیل نے تعلیم الاسلام ماموں کانجن ضلع فیصل آباد میں پانچ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تو پانچویں بار بتایا کہ یہ طریقہ (ان کے خیال میں) مسنون نہیں اگر کوئی درخواست کرے تو مانگنا جائز ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ایک دوسرے امام کعبہ کا تمسک بالسنۃ کا واقعہ بیان کریں اس نام نہاد سلفی کو یہ بتادینا چاہتے ہیں۔ بریکٹ میں آپ نے جو (ان کے خیال میں) لکھ دیا یہ صرف ان کا خیال نہیں بلکہ بڑے بڑے علماء بھی اس کو غیر مسنون سمجھتے ہیں اور بدعت کہتے ہیں جن میں سے بعض کے اَقوال بھی ہم نقل کر چکے ہیں۔ [1] وہ الگ بات ہے کہ تم اپنی ہٹ دھرمی پہ قائم رہو اور ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَ نَا عَلٰى أُمَّةٍ وَ إِنَّا عَلٰى اٰثَارِهِمْ مُقْتَدُوْنَ﴾ کے غلط اُصول کو اپنا کر اس کو ترک نہیں کرو ورنہ بات وہی درست ہے جو امام کعبہ نے کہی، ممکن ہے کہ انھوں نے یہ اسلوب اصل مسئلہ سمجھانے کی خاطر اختیار کیا ہو مگر کچھ ایسے بھی ہیں کہ وہ سمجھنے والے نہیں۔ ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ﴾۔

آیئے اب وہ واقعہ سنیے جس کی طرف اشارہ ہوا۔ آج سے تقریباً آٹھ، نو سال قبل ہمارے یہاں شارجہ میں امام کعبہ سعود بن إبراہیم شریم تشریف لائے ایک روز شارجہ کی مشہور و معروف مسجد۔ مسجد صحابہ۔ میں انھوں نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ان سے ایک سوڈانی نے کہا:

'' یاشیخ نرید منك شیئًا واحدًا أن تدعو لنا۔''

''شیخ ہم آپ سے ایک چیز چاہتے ہیں وہ یہ کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں۔''

شیخ نے جواباً کہا:

'' ندعو لك یظهر الغیب إن شاء اللّٰه۔''

''ہم إن شاء اللہ تمہارے لیے غیب (تمہاری غیر موجودگی) میں دعاء کریں گے۔''

---

[1] ملاحظہ ہو (صفحہ:۵۴ و مابعدھا)۔

اور اس وقت شیخ نے دعاء نہ کی بلکہ بعد میں دعاء کرنے کا وعدہ کیا۔

یہ تو امام کعبہ شریم کا واقعہ تھا اب ہم اس نام نہاد سلفی کو بتاتے ہیں کہ علماء حرمین شریفین کے ہاں یہ اجتماعی دعاء بدعت ہے چنانچہ مولانا صبغت اللہ صاحب کا ان کے فتاویٰ پر مشتمل درج ذیل عنوان سے ایک رسالہ ہے:

''فرائض وسنن کے بعد اجتماعی دعا کے بدعت ہونے پر علماء حرمین شریفین کا مدلل فتویٰ۔'' (عربی واردو ترجمہ مطبوع)

اس رسالے کا ذکر انھوں نے اپنے ایک انٹریو میں '' میں اہل حدیث کیسے ہوا'' کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: '' ہم اہل حدیث کیوں ہوئے۔'' (صفحہ:۲۲۴)۔

موصوف نے (صفحہ:۵۱) میں لکھا ہے کہ محمد اِسحاق قادری اور الیاس قادری کی کتب میں موضوع روایات کے انبار لگے ہوئے ہیں ان کی تخریج یا ان کا ردّ کیا جاتا۔

ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے یہ کام کیوں نہیں کیا یا کہ آپ نے گالیاں نکالنا اور بیہودہ زبان چلانا ہی سیکھا ہے اور اس کام کی آپ میں صلاحیت نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ فضول رسالہ لکھنے کی بجائے آپ یہ کام کرتے تو ہم بھی سمجھتے کہ موصوف کو ان روایات کے ردّ کرنے کی بڑی فکر ہے جن کی بناء پر یہ لوگ عوام الناس میں کفر وشرک پھیلا رہے ہیں۔

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ آپ یہ کام نہیں کریں گے کیونکہ آپ میں اور ان میں ایک چیز قدرے مشترک ہے وہ یہ کہ وہ لوگ ان روایات کو پھیلانے کے درپے ہیں جن سے شرک پھیلتا ہے اور آپ ان روایات کو پھیلا رہے جن سے بدعات جنم لیتی ہیں۔

کیا فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بالاتفاق قابل عمل ہے؟

اس پہلے باب کے اختتام سے قبل ہم اس مسئلہ پر مختصر سی روشنی ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے جب کہ اس طرح سے مطلق طور پر یہ کہنا درست نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ امام نووی وغیرہ نے ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔[1] مگر یہ دعویٰ درست نہیں بلکہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس دعویٰ کو باطل قرار دیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

" وَ أَمَّا العمل بالضعيف في فضائل الأعمال ، فدعوى الاتفاق فيه باطلة ، نعم هو مذهب الجمهور ، لكنه مشروط بأن لا يكون الحديث، ضعيفاً شديداً الضعف ، فإذا كان كذلك لم يقبل في الفضائل أيضاً"[2]

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کرنے کا دعویٰ باطل ہے ہاں یہ جمہور علماء کا مذہب ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو اگر سخت ضعیف ہو تو اس کو فضائل میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔''

لکھنوی صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر اتفاق کا دعویٰ بے بنیاد و باطل ہے ہاں یہ جمہور علماء کا مذہب ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو۔

انھوں نے صرف ایک شرط ذکر کی ہے جب کہ اس پر عمل کے لیے دو مزید شرطیں بھی ہیں جو یہ ہیں:

1. اس پر عمل اس اعتقاد سے نہ کیا جائے کہ وہ حدیث صحیح و ثابت ہے۔
2. اس پر عمل کی تشہیر نہ کی جائے یعنی عوام الناس کے سامنے اس پر عمل نہ کیا جائے۔[3]

جمہور علماء کے مقابلہ میں علماء کا ایک گروہ وہ بھی ہے جس کے نزدیک مطلق طور پر ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں جن میں امام بخاری اور مسلم وغیرہ بھی ہیں جیسا کہ (صفحہ:۶۱) میں ذکر ہوا۔

جمہور علماء نے ضعیف حدیث پر عمل کی جو شروط ذکر کی ہیں، ان کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ ضعیف حدیث پر عمل درست نہیں۔

حافظ ابن حجر ضعیف حدیث پر عمل کی شرطیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" وَ لا فرق في العمل بالحديث في الأحكام ،أو في الفضائل ، إذا الكل شرع"[4]

''ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں احکام اور فضائل میں کوئی فرق نہیں کیونکہ سب۔ احکام و فضائل۔ شرع ہیں۔''

❀○○○❀

---

[1] یہ دعویٰ انھوں نے "الترخيص بالقيام" (ص:۵۵) وغیرہ میں کیا ہے مزید تفصیل کے لیے ''مقالات عبدالرؤف'' (ص:۲۴) ملاحظہ کریں۔

[2] الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة" (ص:۸۱)

[3] ملاحظہ ہو: "شرح العمدة" لابن دقيق العيد" (۱/۱۷۱-۱۷۲) تبيين العجب بما ورد فى فضل رجب" لابن حجر (ص:۱۱-۱۲)

[4] تبيين العجب (ص:۱۲)

دوسرا باب......!

''القول المقبول'' کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے بارے میں

جیسا کہ مقدمہ میں ذکر ہوا کہ یہ باب ان بعض مخلصین کے بارے میں ہے کہ جنھوں نے ''القول المقبول'' کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا مگر بعض چیزوں کے بارے میں انھیں غلط فہمی ہوگئی اور اس باب میں اس سلسلے کی دو مثالوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

① انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں بارش کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے۔

اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے میں نے کہا ہے کہ یہ حدیث بیہقی (۳/۳۵۷) میں موصولاً اور بخاری (۲/۵۱۶، فتح) میں تعلیقاً ہے ملاحظہ ہو: القول المقبول (صفحہ: ۵۰۰) پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۳۳۷)۔

اس تخریج پر ہمارے ایک فاضل دوست کو اشکال یہ ہوا کہ خطبہ جمعہ میں بارش طلب کرنے والی حدیثِ اَنس کو بخاری نے متعدد مقامات پر موصولاً بھی روایت کیا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ بخاری میں تعلیقاً ہے درست نہیں۔

جب ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے بات کی تو میں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بخاری نے اس کو متعدد مقامات پر موصولاً روایت کیا ہے مگر اس حدیث میں میرا جو محلِ شاہد (دعا کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کا ہاتھوں کا اٹھانا) ہے وہ بخاری میں تعلیقاً ہے موصولاً نہیں۔

جس طرح اس فاضل کو یہ اشتباہ ہوا ممکن ہے کہ کسی اور فاضل کو بھی یہ اشتباہ ہوا ہو یا ہوسکتا تھا اس لیے دوسرے ایڈیشن کے حاشیے میں اس کی وضاحت کردی گئی۔

② دو سجدوں کے درمیان پڑھی جانے والی دعا: ''اللھمّ اغفرلي و ارحمني......''

یہ دعا دو سجدوں کے درمیان پڑھی جائے اس حوالے سے یہ ضعیف ہے چنانچہ ''القول المقبول'' (صفحہ: ۴۴۰، حدیث: ۳۸۲، دوسرا ایڈیشن) میں اس کو ضعیف کہا گیا ہے اس کو ضعیف کہنے کی وجہ سے تین طرح کے اعتراضات میرے

سامنے آئے اور تینوں ہی غلط فہمی پر مبنی تھے:

پہلا اعتراض:

ایک صاحب کہنے لگے کہ آپ نے دوسجدوں کے درمیان پڑھی جانے والی دعاء کی حدیث کوضعیف کہا ہے جب کہ یہ دعا "صحیح مسلم" میں بھی ہے جیسا کہ امام نووی نے "رياض الصالحين" میں اس کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ [1]

میں نے کہا کیا "صحیح مسلم" میں اس کو بین السجدتین پڑھنے کا ذکر ہے جس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ امام مسلم نے اس دعا والی حدیث کوسعد بن ابی وقاص اور طارق بن اُشیم اُشجعی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے کہا کہ مجھے پڑھنے کے لیے آپ کوئی دعا سکھلائیں آپ نے فرمایا کہ یہ پڑھو:

" لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ، اَللّٰهُ أَكۡبَرُ كَبِيۡراً وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ كَثِيۡراً سُبۡحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ، لَا حَوۡلَ ، وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ۔"

اس نے کہا کہ یہ کلمات تو میرے رب کے لیے ہیں میرے لیے کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ کہو:

" اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡلِيۡ وَارۡحَمۡنِيۡ وَاهۡدِنِيۡ وَارۡزُقۡنِيۡ "

اس حدیث کے راوی موسیٰ جہنی کہتے ہیں کہ **"عافني"** کے بارے میں مجھے وہم ہے یعنی اس دعا میں یہ لفظ بھی ہے یا کہ نہیں۔

اور طارق بن اُشیم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی اسلام قبول کرتا تو آپ اسے نماز کی تعلیم دیتے پھر اسے یہ دعا پڑھنے کا حکم دیتے:

" اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡلِيۡ وَارۡحَمۡنِيۡ وَاهۡدِنِيۡ وَ عَافِنِيۡ وَارۡزُقۡنِيۡ ۔"

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے آکر کہا کہ جب میں اپنے رب سے سوال کروں تو کیا کہوں تو آپ نے اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے اپنے انگوٹھے کے علاوہ اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ یہ کلمات تیرے لیے تیری دنیا اور آخرت کو اکٹھا کر دیتے ہیں۔ [2]

یعنی یہ دعا ایک ایسی جامع دعا ہے کہ اس میں دنیا اور آخرت دونوں ہی آجاتی ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو ریاض الصالحین کتاب الدعوات پہلا باب "فضل الدعاء"۔

[2] ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے کتاب "الذکر والدعاء (۱۷/۱۹-۲۰) میں روایت کیا ہے اور حدیث طارق رضی اللہ عنہ کو ابن ماجہ نے بھی کتاب الدعاء (حدیث:۳۸۴۵) میں روایت کیا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دونوں ہی حدیثوں میں اس دعا کو بین السجدتین پڑھنے کا ذکر نہیں بلکہ عام اوقات میں پڑھنے کا ذکر ہے۔

اس دعاء کا ذکر ایک تیسری حدیث میں بھی ہے اور وہ ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث۔ جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیام اللیل میں تکبیر تحریمہ کے بعد دس دس مرتبہ ''الله أکبر، الحمد لله ، سبحان الله، لا إله إلا الله'' اور ''استغفر الله'' کہتے اور پھر کہتے: ''اللهم اغفرلي، واهدني، وارزقني، و عافني''

اس کو ابو داؤد (۷۶۶) نسائی (۳/۲۰۹، ۸/۲۸۴) اور ابن ماجہ (۱۳۵۶) وغیرہ نے عاصم بن حمید کی سند سے روایت کیا ہے۔

اسے أحمد (۶/۱۴۳) اور نسائی نے ''عمل الیوم واللیلة'' (۸۷۰) میں ربیعہ جرشی کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس سند میں اس دعاء کو بھی دس مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ اور یہ صحیح حدیث ہے اس کی مفصل تخریج کے لیے ''القول المقبول'' (صفحہ: ۵۹۸، ۵۹۹) دیکھیں۔

دوسرا اعتراض:

کئی سال قبل ایک فاضل یہاں شارجہ آئے اور ایک مجلس میں کہنے لگے کہ آپ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے جب کہ علامہ ذہبی نے۔ جیسا کہ انھوں نے کہا۔ ''سیر أعلام النبلا'' میں ذکر کیا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا اپنے استاد سے سماع ہے۔[1]

میں نے ان کو جواب دیا کہ اس کی سند کو ضعیف اس لیے نہیں کہا کہ ان کا اپنے استاد سے سماع نہیں بلکہ اس لیے اس کو ضعیف کہا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں اور انھوں نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے اپنے استاد سے سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی اور جب مدلس راوی اپنی روایت میں تحدیث یا سماع کی صراحت نہ کرے تو اُصول حدیث کے قاعدے کے مطابق ایسے راوی کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔

اس واقعے کے تین چار روز بعد ہماری پڑوسی ریاست عجمان سے ایک صاحب نے اسی سلسلے میں مجھے فون کیا اور

---

[1] اس حدیث میں حبیب کے استاد سعید بن جبیر ہیں اور انھوں نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے ''سیر'' میں امام بخاری کے حوالے سے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حبیب کا سماع ذکر کیا ہے مگر سعید بن جبیر سے ان کے سماع کے بارے میں کوئی بات نہیں کی بلکہ حبیب کے اساتذہ میں بھی انھوں نے سعید بن جبیر کا ذکر نہیں کیا، جب کہ ''تذکرة الحفاظ'' میں انھوں نے ان کے اساتذہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ''سیر'' (۵/۲۸۹، ۲۹۱) تذکرة (۱/۱۱۶)۔

بعینہٖ وہی بات کی جو فاضل مذکور نے کہی تھی ظنِ غالب ہے کہ انھوں نے انہی فاضل سے سنا ہوگا۔ واللہ أعلم۔

ان کے اشکال یا غلط فہمی کی وجہ تدلیس کے معنے سے عدم واقفیت تھی لہٰذا یہاں اختصار کے ساتھ تدلیس کے معنے کو بیان کردینا مناسب ہے۔

تدلیس کہتے ہیں کہ کوئی راوی اپنے استاد سے یا جس سے اس کی ملاقات ہوئی ہوایسی روایت بیان کرے جو اس نے اس سے سنی نہ ہومگر وہ اس کو ایسے انداز سے بیان کرے جس سے شبہ یہ ہو کہ اس نے اس روایت کو اپنے استاد سے سنا ہے مثال کے طور پر یوں کہے: "قال فلان" فلان نے کہا یا "عن فلان" کہے۔ '' فلان سے روایت ہے'' تو اس کو تدلیس اور ایسا کام کرنے والے راوی کو مدلس کہتے ہیں۔

ایسے راوی کے بارے میں اُکثر محدثین کا اُصول یہ ہے کہ اگر یہ راوی روایت بیان کرتے ہوئے "سمعت فلانًا" میں نے فلاں سے سنا یا "حدثنی فلان" فلان نے مجھے بیان کیا'' کہے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی اگر "قال فلان" یا "عن فلان" کہے تو اس کی روایت قابل قبول نہ ہوگی۔

حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں ان کو امام ابن خزیمہ نے اپنی "صحیح" (۲/۱۹۷، حدیث: ۱۱۷۵) میں حافظ ابن حبان نے "ثقات" (۴/۱۳۷) میں اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" وغیرہ میں اور دیگر علماء نے بھی مدلس کہا ہے اور اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے انھوں نے "عن سعید بن جبیر" کہا ہے ان سے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی لہٰذا یہ روایت ضعیف ہوئی اور اس حدیث کو دیگر علماء نے بھی ضعیف کہا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

تیسرا اعتراض:

یہ سندھ سے ضلع سانگھڑ کے ایک فاضل کا اعتراض ہے۔

تقریباً ایک سال قبل انھوں نے مجھے ایک طویل خط تحریر کیا جو کہ فل اسکیپ کے چار صفحات پر مشتمل تھا جس کے شروع میں انھوں نے لکھا کہ آپ کی تحقیق مجھے بہت پسند ہے اور اس کا انداز عالمانہ ہے میں بھی تحقیق کو پسند کرتا ہوں لہٰذا میں نے بھی "التحقیق الجلیل فی بعض أحادیث صلوٰۃ الرسول" ایک کتاب لکھی ہے جو کہ ابھی تک نامکمل ہے اور اس کتاب میں میں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اس لیے کہ حبیب بن ابی ثابت کو تمام محدثین اور محققین علماء کرام نے ثقہ کہا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے حبیب بن ابی ثابت کے بارے میں علماء کی توثیق کے اُقوال کا انبار لگا دیا کہ فلان نے ان کو ثقہ کہا، فلاں نے اس نے کو ثقہ کہا، فلاں نے ثقہ کہا، فلاں نے ثقہ کہا۔

ان اُقوال کے بعد انھوں نے ذکر کیا کہ اس حدیث کو فلاں نے صحیح کہا ہے فلاں نے صحیح کہا ہے اور اس دعاء کو فلاں

نے مسنون کہا ہے شیخ ابن باز نے مسنون کہا ہے نورستانی اور کیلانی نے اس کو مسنون کہا۔الخ۔

اور آخر میں لکھا کہ اصلاحًا عرض ہے کہ آپ اپنی تحقیق پر نظر ثانی کریں یا اگر میری تحقیق میں کوئی خطا ہو تو میری اصلاح کریں۔

موصوف کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی تدلیس کے معنے نہ جاننے کی وجہ سے اِشکال ہوا یا کہ وہ یہ سمجھے کہ تدلیس ایک ایسا عیب یا جرح ہے جس کی وجہ سے ایسے راوی کی روایت قبول نہیں کی جاتی غالبًا اسی لیے انھوں نے حبیب کے بارے میں علماء کی توثیق کے اُقوال نقل کیے جب کہ تدلیس ایسا عیب نہیں کہ جس کی وجہ سے مدلس کی روایت کو بالکل ردّ کر دیا جائے اسی لیے امام شافعی فرماتے ہیں:

" و من عرفناه دلّس مرة، فقد أبان لنا عورته في روايته، وليست تلك العورة بالكذب، فنردّ بها حديثه، و لا النصيحة في الصدق فنقبل منه ما قبلنا من أهل النصيحة في الصدق، فقلنا: لا نقبل من مدلّس حديثًا حتى يقول فيه:" حدثني، أوسمعت......" (الرسالة.الفقرات(١٠٣٣-١٠٣٥) [1]

''جس کو ہم نے جان لیا کہ اس نے ایک مرتبہ تدلیس کی ہے تو اس نے ہمارے لیے اپنی روایت میں اپنے خلل کو واضح کر دیا اور یہ خلل جھوٹ بھی نہیں کہ جس کی وجہ سے ہم اس کی حدیث کو ردّ کر دیں اور نہ ہی یہ سچائی میں خیر خواہی ہے کہ ہم اس سے وہ قبول کریں جو سچائی میں خیر خواہی والوں سے قبول کرتے ہیں، اسی لیے ہم نے کہا کہ مدلّس راوی جب تک اپنی حدیث میں "حدثني" یا" سمعت" نہ کہے تو ہم اس کی حدیث کو قبول نہیں کریں گے۔''

اسی طرح ''الكفاية'' (٣٩٩) میں خطیب بغدادی کا کلام بھی ملاحظہ کریں۔

فاضل موصوف کو جوابًا لکھا گیا کہ آپ تدلیس کی تعریف سے ناواقف ہیں اگر ایسی بات نہ ہوتی تو حبیب بن ابی ثابت کے بارے میں ائمہ کی توثیق کے اُقوال ذکر نہ کرتے۔

اس جواب کے جواب میں انھوں نے پہلے سے بھی طویل خط لکھا جس میں زیادہ باتیں پہلے والی ہی تھیں یعنی حبیب بن اُبی ثابت کو فلاں نے ثقہ فلاں نے ثقہ کہا ہے۔

اور اس دعاء کو فلاں، فلاں نے صحیح اور فلاں، فلاں نے مسنون کہا ہے۔

اور یہ دونوں فہرستیں کافی طویل تھیں اور جواب میں انھوں نے جو ایک نئی بات کہی وہ یہ کہ کیا حبیب کو علی بن مدینی،

---

[1] راقم نے اس رسالہ پر تخریج وتعلیق کا کام کیا ہے اور اب یہ دار الفتح شارجہ میں زیر طبع ہے۔

بخاری، مسلم، فلاں امام اور فلاں امام نے مدلس کہا ہے۔

چنانچہ ان کے اس جواب کا تفصیلی جواب لکھا گیا جو کہ فل اسکیپ کے چھ صفحات پر مشتمل تھا۔

اس کے بعد انھوں نے مجھے ایک تیسرا خط لکھا جس کے شروع میں انھوں نے صرف اتنا لکھا کہ آپ کا ارسال کردہ جواب ملا، اوراس کے بعد اپنے ایک دوسرے مسئلے کا ذکر چھیڑ دیا اور جواب کے بارے میں بالکل خاموشی اختیار کی۔

اس دعاء کے بارے میں چونکہ کافی لوگوں کو اِشکال اور شبہ ہوا ہے اور ان کے خیال میں صرف میں نے ہی اس حدیث کوضعیف کہا ہے لہٰذا یہاں دیگر جن علماء نے اس کوضعیف کہا ہے ان کا ذکر کردینا انتہائی مناسب ہے۔

"القول المقبول" (صفحہ:۴۴۱) میں صرف بوصیری کی تضعیف کا ذکر کیا گیا ہے اب بوصیری کے علاوہ دیگر علماء کا ذکر ملاحظہ کریں۔

① امام ترمذی، انھوں نے اس حدیث کو "غریب" کہہ کر اس کی تضعیف کی ہے جیسا کہ اس کے بعد میں آنے والے نمبر۲ میں تفصیل آرہی ہے۔

② امام بغوی، انھوں نے "شرح السنة" (۱۶۳/۳) میں اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے:"هذا حديث غريب"، "یہ حدیث غریب ہے، یعنی ضعیف ہے۔"

شیخ عبدالحق دہلوی "مقدمه أصول الحديث" (ص:۷۶۔۷۷) میں لکھتے ہیں:

" والغريب قد يقع بمعنى الشاذ أي شذوذًا، هو من أقسام الطعن في الحديث، و هذا هو المراد من قول صاحب "المصابيح" من قوله: هذا حديث غريب لمّا قال بطريق الطعن۔"

"غریب کبھی شاذ کے معنے میں بھی آتا ہے اور یہ حدیث میں طعن کی اقسام میں سے ہے اور صاحب "مصابیح"۔ امام بغوی۔ جب کسی حدیث میں طعن کے طور پر "یہ حدیث غریب ہے" کہتے ہیں تو ان کے اس قول سے مراد یہی ہوتی ہے۔"

امام بغوی ہی نہیں بلکہ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کے بارے میں یہی کہا ہے:"هذا حديث غريب" ملاحظہ ہو: ترمذی (۷۷/۲)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث:"إن للشيطان لمّة بابن آدم، و للملك لمّة۔"

اس حدیث کو ترمذی (۳۳۳/۸۔تحفۃ) نے روایت کیا ہے اور کہا ہے:"هذا حديث غريب"

اس حدیث کو صاحب "مشکاة" (۲۸/۱۔تحقيق الألباني) نے ترمذی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور ان کا

مذکورہ کلام بھی نقل کیا ہے۔ ①

شیخ البانی "تحقیق المشکاة" میں لکھتے ہیں:

" أي ضعيف، و هو المراد بالغرابة عند الإطلاق ، و قد تجامع الصحة أحيانًا۔"

"یعنی غریب سے مراد ضعیف ہے اور مطلق طور پر غریب کہنے سے (ان کی) مراد یہی ہوتی ہے اور کبھی حدیث غریب ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح بھی ہوتی ہے۔"

مذکورہ دونوں حدیثوں کو امام ترمذی نے غریب کہنے کے بعد خاموشی اختیار کی ہے مگر بعض مقامات پر غرابت کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما " اذكروا محاسن موتاكم......" کو "هذا حديث غريب" کہنے کے بعد لکھتے ہیں:

"سمعت محمداً يقول : عمران بن أنس المكي منكر الحديث"

(جامع الترمذی (حدیث:۱۰۱۹) کتاب الجنائز باب:۳۴)۔

"یہ حدیث غریب ہے میں نے محمد (امام بخاری) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عمران بن انس مکی منکر الحدیث ہے۔"

اسی طرح انھوں نے اس باب سے پہلے باب والی حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا (حدیث:۱۰۱۸) اور اس باب کے بعد والے باب کی حدیثِ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (حدیث:۱۰۲۰) کے بارے میں "هذا حديث غريب" کہنے کے بعد غرابت کی وضاحت کی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ،حدیث دعاء بین السجدتین' امام ترمذی کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔

ان کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے اس حدیث کے بارے میں یہ بھی کہا ہے:

" وروى بعضهم هذا الحديث عن كامل أبي العلاء مرسلًا"۔

"بعض راویوں نے اس حدیث کو کامل ابو العلاء سے مرسلاً روایت کیا ہے" واضح رہے کہ یہ معضل روایت ہے کیونکہ کامل اتباع تابعین میں سے ہیں ان کے اس کلام میں بھی اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔

③ علامہ ابن قدامہ۔

انھوں نے بھی اس دعاء کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اس کتاب کے (صفحہ:۱۰۵) میں مذکور امام احمد بن حنبل کا قول ذکر کرنے کے بعد اس کی دلیل دیتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے: "والأصل في هذا ما روى حذيفة"۔

---

① ترمذی کے نسخوں میں اختلاف ہے بعض میں "هذا حديث حسن غريب" ہے ملاحظہ ہو (حدیث:۲۹۸۸۔ تحقیق احمد شاکر) اور "تحفة الأحوذي" میں بھی ایسے ہی ہے۔

اس کی دلیل حذیفہ کی حدیث ہے۔ جو کہ اس کتاب کے صفحہ (۱۰۵) میں مذکور ہے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

" و روي عن ابن عباس أنّه قال......"۔

''ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا۔'' اس کے بعد انھوں نے اسی دعاء " ربّ اغفرلي وارحمني ......" کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: ''مغنی: (۲/۷ ۰ ۲).

علامہ ابن قدامہ نے حدیث حذیفہ ذکر کرنے کے بعد ابن عباس کی حدیث کے بارے میں " روي عن ابن عباس" کہہ کر گویا کہ اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

④ حافظ ابن حجر۔

امام نووی نے "الأذكار" (صفحہ:۵۶) میں اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے جب کہ حافظ ابن حجر نے "نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار" (۱۲۲/۲) میں اس حدیث کے بارے میں: "هذا حديث غريب" کہا ہے اور مزید یہ کہا ہے کہ

" و قول الشيخ: و إسناده حسن، كأنّه اعتمد فيه على سكوت أبي داؤد" ملاحظہ ہو: (۲/۱۲۵)۔

''شیخ (نووی) کا یہ کہنا کہ اس کی سند حسن ہے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ حکم لگانے میں ابوداؤد کے سکوت پر اعتماد کیا ہے۔''

حافظ ابن حجر کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ وہ امام نووی کے اس قول پر مطمئن نہیں ہیں اس لیے تو انھوں نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اور ان کی "نتائج الأفكار" میں عام طور پر غریب حدیث سے مراد ضعیف حدیث ہوتی ہے کیونکہ بے شمار أحادیث ایسی ہیں کہ جنھیں وہ غریب کہہ کر ان کی اسانید میں کلام کرتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ان کے ضعف کی وضاحت کرتے ہیں۔ مثلاً:

" حديث عائشة۔رضى الله عنها۔ قالت: كان رسول اللهﷺ حين يقوم للوضوء يكفأ الاناء" (الحديث)۔

حافظ صاحب اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" هذا حديث غريب......، حارثة۔ و هو بمهملة و مثلثة مدني۔ ضعفوه۔"(۱/۲۳۰)۔

''یعنی یہ حدیث ضعیف ہے حارثہ کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔''

صرف اسی ایک مثال پر اکتفاء کیا جاتا ہے اگر اس کی مزید مثالیں درکار ہوں تو "نتائج الأفكار" کے درج ذیل مقامات دیکھیں۔(۱/۱۹۹، ۲۱۹۔۲۲۰، ۲۳۴، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۸، ۲۵۹، ۳۰۷، ۳۰۸)۔

واضح رہے کہ یہ پہلی جلد کے چند مقامات ہیں جب کہ کتاب تین جلدوں میں مطبوع ہے مگر ناقص ہے مکمل کتاب نہیں ہے۔

⑤ مبارکپوری صاحب "مرعاة " ۔"مرعاة المفاتیح" (۲۲۲/۳) میں لکھتے ہیں:

" و حبيب بن أبى ثابت ثقة ، فقيه، جليل لكنه كثير الإرسال والتدليس، و قد روى عند الجميع بالعنعنة، قال فى "الزوائد" رجاله ثقات إلا أنّ حبيب بن أبى ثابت كان يدلّس، و قد عنعنه۔"

''حبیب بن أبی ثابت ثقہ، فقیہ اور جلیل القدر ہیں مگر وہ ارسال اور تدلیس سے بہت زیادہ کام لیتے ہیں اور انھوں نے سب کے ہاں (اس کو) لفظ ''عن'' سے ہی روایت کیا ہے بوصیری نے ''زوائد'' ۔ مصباح الزجاجۃ ۔ میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر حبیب بن أبی ثابت تدلیس کرتے تھے اور انھوں نے اس کو لفظ ''عن'' سے روایت کیا ہے۔''

مبارکپوری کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ ان کا رجحان اس حدیث کی تضعیف کی طرف ہے۔

⑥، ⑦ شعیب ارناءوط و زہیر شاویش۔

انھوں نے "شرح السنة" کی تحقیق میں کہا ہے:

"وصححه الحاكم" (١/٢٦٢، ٢٧١) و وافقه الذهبى مع أنّ حبيب بن أبى ثابت مدلّس ، و قد عنعن" (تحقيق شرح السنة(٣/١٦٣)۔

''حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے جب کہ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں اور انھوں نے (اس کو) لفظ ''عن'' سے روایت کیا ہے۔''

⑧ زکریا بن غلام قادر پاکستانی۔

انھوں نے بھی "الإخبار بما لا يصحّ من أحاديث الأذكار" (صفحہ:۴۳) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

" وحبيب بن أبي ثابت لم يصرح بالسماع، و به أعلّه البوصيري فى" **مصباح الزجاجة**"(١٤٠) فقال: حبيب بن أبي ثابت كان يدلّس، و قد عنعنه" انتهى۔

''حبیب بن أبی ثابت نے سماع کی صراحت نہیں کی، اور بوصیری نے "مصباح الزجاجة" (۱۴۰) میں اس کی یہی علت بیان کی ہے چنانچہ انھوں نے کہا ہے کہ حبیب بن أبی ثابت تدلیس کرتے تھے اور انھوں

نے (اس کو) لفظ ''عن'' سے روایت کیا ہے۔''

⑨ سلیم الھلالی شاگرد شیخ البانی۔

انھوں نے اپنی ''أذکار'' کی تعلیق میں اس کو حبیب سے اَبی ثابت کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

" والحديث ضعّفه الترمذي، والبغوي وابن التركماني " (ملاحظہ ہو: (۱/۱۷۲۔۱۷۳)۔

''اور اس حدیث کو ترمذی، بغوی اور ابن ترکمانی نے ضعیف کہا ہے۔''

⑩ بدر بن عبد اللہ البدر محقق کتاب '' الدعوات الكبير '' للبيهقي۔

انھوں نے اس حدیث کے حبیب بن ابی ثابت سے راوی کامل ابو العلاء کے بارے میں ''تلخیص'' سے حافظ ابن حجر کا یہ قول ''و هو مختلف فيه'' اور '' تقريب '' سے یہ قول ''صدوق يخطئ'' نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

" قلت: و في إسناده كذلك حبيب بن أبي ثابت، و هو مدلس ، و لم يصرح بالتحديث، فالإسناد ضعيف "۔ (ملاحظہ ہو: كتاب الدعوات الكبير (۱/۶۰، حدیث: ۷۸)۔

''میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں حبیب بن اَبی ثابت بھی ہیں جو مدلس ہیں اور انھوں نے تحدیث کی صراحت نہیں لہٰذا سند ضعیف ہے۔

⑪ زبیر علی زئی۔

انھوں نے بھی ''تسهيل الوصول إلى تخريج صلوة الرسول'' (صفحہ: ۲۸۳، حدیث: ۴۴۱) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور لکھا ہے: اس کی سند حبیب بن ابی ثابت کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [1]

شیخ اَلبانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے حالانکہ انھیں یہ اعتراف ہے کہ حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں چنانچہ ''صحيح سنن أبي داؤد'' (۳/۴۳۶۔ حدیث: ۷۹۶۔ اَصل کتاب) میں لکھتے ہیں

"و إسناده حسن إن كان حبيب بن أبي ثابت سمعه من سعيد فقد وصف بالتدليس۔"

''اس کی سند حسن ہے اگر حبیب بن ابی ثابت نے اس حدیث کو سعید سے سنا ہو تو، کیونکہ انھیں مدلس کہا گیا ہے۔''

جب کہ شیخ نے ''أحاديث صحيحه'' میں کئی اَسانید پر حبیب کی وجہ سے کلام کیا ہے مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں:

" و هذا إسناد ضعيف، و حبيب بن أبي ثابت كثير التدليس "

(ملاحظہ ہو: ۱۴۳/۳، حدیث: ۱۱۵۲)۔

---

[1] درست عبارت یوں تھی: حبیب بن ابی ثابت کے عنعنہ۔ لفظ عن کے ساتھ بیان کرنے۔ کی وجہ سے ضعیف ہے اس کتاب کا (صفحہ: ۷۰) بھی ملاحظہ کریں۔

ایک اور مقام پر لکھا ہے:

" فلو لا أن حبيب بن أبي ثابت مدلس لحكمت على الإسناد بالصحة"(ملاحظہ ہو:٥/٥٦٤، حديث:٢٤٣٥)۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں مگر انہی دومثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

حبیب بن أبی ثابت کے علاوہ اس حدیث کی ایک دوسری علت بھی ہے اور وہ ہے حبیب بن أبی ثابت سے اس حدیث کا راوی کامل ابوالعلاء۔ کامل ابوالعلاء کو بعض محدثین نے تو ثقہ کہا ہے جب کہ بعض نے اس میں کلام کیا ہے اسی لیے حافظ ابن حجر "نتائج الأفكار"(۲/۱۲۳) میں لکھتے ہیں:" و هو مختلف في توثيقه" اور "تلخیص" (۱/ ۲۵۸) میں کہا ہے:"و فيه كامل أبو العلاء، و هو مختلف فيه"اس کی سند میں کامل ابوالعلاء ہے اور یہ مختلف فیہ ہے۔

اب جن علماء نے اس کامل کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے یا اس کی سند میں کلام کیا ہے ان کے أسمائے گرامی ملاحظہ کیجیے۔

۱ حافظ ابن حبان۔

انھوں نے اس کو اپنی کتاب "المجروحین"(۲/۲۲۶،۲۲۷) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے:

" كان ممن يقلب الأسانيد، و يرفع المراسيل من حيث لا يدري، فلما فحش ذلك من أفعاله بطل الاحتجاج بأخباره"۔

"یہ ان لوگوں میں سے تھا جو اسانید کو الٹ پلٹ کر دینے اور غفلت کی بناء پر مرسل روایات کو موصول بنا دینے والے تھے جب اس سے اس قسم کی أغلاط زیادہ سرزد ہوئی تو اس کی روایات سے حجت لینا باطل ٹھہرا۔"

اس کے بعد انھوں نے مذکورہ حدیث اور اس کے بعد اس کی بعض دیگر أحادیث کا ذکر بھی کیا ہے۔

۲ حافظ منذری۔

یہ "مختصر السنن" (۱/۴۰۳) میں اس حدیث کے بارے میں (صفحہ:۹۹) میں مذکور امام ترمذی کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" و كامل هو أبو العلا...... وثقة يحيى بن معين، و تكلم فيه غيره"۔

"کامل یہ ابوالعلاء ہے، ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے اور ان کے علاوہ دیگر نے اس میں کلام کیا ہے۔"

۳ ابن ترکمانی۔

یہ لکھتے ہیں:

" قلت: فی سنده كامل بن العلاء جرحه ابن حبان ذكره الذهبی، و قد اختلف عليه، فروي عنه كذلك، و ذكر الترمذي أنّ بعضهم رواه عنه مرسلاً"

(الجوهر النقی(۲/۱۲۱، ۱۲۲)۔

''میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں کامل بن علاء ہے جس پر ابن حبان نے جرح کی ہے جس کو ذہبی نے ذکر کیا ہے اور اس پر (کامل پر) اختلاف بھی ہوا ہے یہ حدیث اس سے اس طرح (موصولاً) بھی مروی ہے اور ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ بعض راویوں نے اس سے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے۔''

۴ شیخ مفلح بن سلیمان الرشیدی۔

انھوں نے جزائر سے شائع ہونے والے ''منابر الهدی'' نامی رسالے میں اس دعاء کے بارے میں ''الدعاء بين السجدتين في الصلاة'' کے نام سے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں:

" والحق أنّه حديث ضعيف، لأن مداره على كامل أبي العلاء، و هو صاحب غرائب، و مناكير فلا يحتج بحديثه ما دام أنّه لم يتابع عليه"

(منابر الهدی العدد:۳، منبر السنة :۲۴).

''حق یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کا دارو مدار کامل ابو العلاء پر ہے جو غرائب اور مناکیر بیان کرنے والا ہے چونکہ اس حدیث پر اس کی متابعت نہیں کی گئی لہٰذا اس کی اس حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔''

شیخ اَلبانی نے ''صفة الصلاة'' (۳/۸۰۹، ۸۱۰۔ اَصل کتاب) میں کہا ہے:

" فيه كامل أبو العلاء، و هو مختلف فيه، فالحق أن الحديث جيّد"

''اس کی سند میں کامل ابو العلاء ہے اور یہ مختلف فیہ ہے اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث جید ہے۔''

اسی طرح شیخ نے ''الكلم الطيّب'' (صفحہ:۹۷) کی تخریج میں بھی اس کو جید کہا ہے اور دونوں کتب میں اَثر علی رضی اللہ عنہ کو شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے۔

اَثرِ علی میں ہے کہ وہ اس دعاء کو بین السجدتین پڑھتے تھے جب کہ اس کو دو وجوہ کی بناء پر شاہد بنانا درست نہیں۔

① اس اَثر میں ان کے اپنے عمل کا ذکر ہے لہٰذا یہ مرفوع حدیث نہیں کہ مرفوع حدیث کے لیے اس کو شاہد بنایا جائے۔

تنبیہ: اس دعاء کے بارے میں بریدہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے جسے بزار (۵۲۷۔ کشف) نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے ''القول المقبول'' (صفحہ:۴۴۱) دیکھیں۔

② یہ أثر اسنادی اعتبار سے ضعیف بھی ہے۔ یہ دو سندوں سے مروی ہے۔ پہلی سند حارث اعور کی ہے اس سند سے اس کو عبدالرزاق (۲/ ۱۸۷) طحاوی نے "مشکل الآثار" (۱/ ۳۰۸) میں طبرانی نے ''دعا'' (۶۱۵) میں، بیہقی نے "معرفة السنن" (۲/ ۲۰) میں اور حافظ ابن حجر نے "نتائج الأفکار" (۲/ ۱۲۵، ۱۲۶) میں روایت کیا ہے اور یہ سند حارث کی وجہ سے ضعیف بلکہ سخت ضعیف ہے۔

دوسری سند سلیمان تیمی کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بین السجدتین "ربّ اغفرلی" کہتے تھے۔

اس کو بیہقی نے "سنن" (۲/ ۱۲۲) میں اور حافظ ابن حجر نے "نتائج الأفکار" (۲/ ۱۲۵) میں روایت کیا ہے اور یہ سند منقطع ہے ممکن ہے کہ تیمی اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان حارث أعور کا ہی واسطہ ہو اور اس کی طرف بیہقی نے بھی اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" و رواه الحارث الأعور عن عليّ"

''اس کو حارث أعور نے علی سے روایت کیا ہے۔''

یہ ہے اس أثر کی حقیقت جس کی بناء پر شیخ ألبانی اس حدیث کو جید کہہ رہے ہیں۔

واضح رہے کہ اس مقام پر پڑھنے کے لیے ایک دوسری دعا ثابت ہے جس کا ذکر حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تہجد کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" و كان يقعد فيما بين السجدتين نحواً من سجوده، و كان يقول: رب اغفرلي، ربّ اغفرلي" [1]

''آپ دو سجدوں کے درمیان تقریباً سجدے کے برابر بیٹھتے اور "ربّ اغفرلي، ربّ اغفرلي" کہتے۔''

امام احمد بن حنبل کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اس دعا کو بار بار پڑھا جائے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ نے ''مغنی'' (۲/ ۲۰۷) میں ذکر کیا ہے اور ظاہر حدیث سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔

امام طحاوی حنفی اس دعا کو روایت کرنے اور اس پر بعض محدثین کا عمل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" و هذا عندنا من قوله حسن، و استعماله إحياء لسنّة من سنن رسول الله ﷺ، و إليه نذهب، و إياه نستعمل" (مشکل الآثار: ۱/ ۳۰۸، ۳۰۹)۔

---

[1] اس حدیث کو ابوداؤد (۸۷۴) اور نسائی (۲/ ۱۹۹۔۲۰۰، ۲۳۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے "القول المقبول" (صفحہ: ۴۴۲، حدیث: ۳۸۳) دیکھی جائے۔

''ہمارے نزدیک ان کا یہ قول اچھا ہے، اس پر عمل کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت کو زندہ کرنا ہے، ہم بھی اسی کے قائل ہیں اور اسی پر ہی ہمارا عمل ہے۔''

اس دعاء کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''مسنون نماز'' دیکھی جائے۔

اسی پر یہ دوسرا باب اپنے اختتام کو پہنچا۔ والحمد للہ علی ذلك.

❁○○○❁

تیسرا باب......!

مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں

جیسا کہ مقدمہ میں ذکر ہوا کہ یہ باب ان مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں ہے جنھوں نے کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کی تخریج وتعلیق یا دوسرے لفظوں میں "القول المقبول" کے آجانے کے بعد اس کتاب پر کیچڑ اچھالنے اور اس کے خلاف غلط پروپیگنڈا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ مولوی محمد یوسف نے ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' کے نام سے ایک رسالہ ترتیب دیا اور مولوی محمد ابوبکر غازی پوری نے بنام ''حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول ﷺ کے بارے میں'' ایک رسالہ لکھا۔

یہ باب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

۞ **پہلی فصل:** یہ مقلدین کے ان بعض الزامات کے بارے میں ہے جو انھوں نے مسلک اہل حدیث پر ٹھونسے ہیں۔

۞ **دوسری فصل:** اس فصل میں مقلدین کی ان باتوں کا جواب دیا گیا جن کو لے کر انھوں نے ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔

۞ **تیسری فصل:** اس فصل میں مولوی محمد یوسف پاکستانی دیوبندی کی ان خیانتوں اور دھوکے بازیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ارتکاب انھوں نے ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر اعتراضات کرنے کی خاطر کیا ہے۔

۞ **چوتھی فصل:** یہ فصل مولوی محمد ابوبکر غازی پوری ہندوستانی دیوبندی کی بعض باتوں اور خیانتوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل

جیسا کہ ذکر ہوا کہ مولوی محمد یوسف مقلد [1] نے ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس کے شروع میں مولوی محمد امین اوکاڑوی کی تقریظ، اس کے بعد صوفی مفتی بشیر احمد کا مختصر سا مقدمہ پھر مؤلف کا پیش لفظ، پیش لفظ کے بعد پھر صوفی مفتی بشیر احمد کا ایک طویل مقدمہ ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب وفضائل کے بارے میں ہے۔

اور اس فصل میں ہم اوکاڑوی صاحب اور مفتی صاحب کی بعض باتوں کا جائزہ لیں گے۔

① اوکاڑوی صاحب:

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ انھوں نے ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' رسالے پر تقریظ لکھی ہے جس کو ان کلمات سے ذکر کیا گیا ہے:

" تقريظ سعيد و كلمات مباركه حقيقية"

مولانا حسین احمد مدنی نے ''حسام الحرمین'' کے جواب ''رجوم المذنبين على رءوس الشياطين'' المعروف ''الشهاب الثاقب'' میں بریلوی حضرات کو جو یقین دلایا ہے کہ آپ حضرات خواہ مخواہ عقیدہ کی خرابی کے عنوان سے اکابر دیوبند کو بدنام کر رہے ہیں حالانکہ دیوبندی گروہ ہر عقیدہ میں آپ کا ہم نوا ہے اگر کسی عقیدہ میں قدرے اختلاف ہے تو محض غلط فہمی یا تنگ نظری پر مبنی ہے وہ (یقین دہانی) بالکل درست ہے تفصیل کے لیے دادا رحمہ اللہ کا رسالہ ''حقیقت نما'' المعروف ''اکابر علماء دیوبند کا مذہب'' دیکھا جائے۔

اوکاڑوی صاحب بنیادی طور پر چونکہ سکول ٹیچر (پرائمری ماسٹر) تھے اور معروف معنوں میں عالم نہ تھے اس لیے ان کے مناظروں اور تقریروں میں سنجیدہ اور علمی گفتگو کی بجائے زبان درازی اور لایعنی قسم کی گفتگو غالب رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دیوبند کا سنجیدہ طبقہ انھیں پسند نہیں کرتا تھا۔

موصوف کی اس تقریظ میں بھی اسی قسم کی گفتگو کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں چنانچہ اپنی اس تقریظ میں لکھتے ہیں:

''......محمد صادق نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''صلوٰۃ الرسول'' رکھا اختلافی اُحادیث میں جن اُحادیث کے موافق خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کا عمل تھا ان کا کتاب میں اشارہ تک نہ کیا اور جو اُحادیث

[1] یہ لوگ خود کو مقلد کہنے میں ایسے ہی فخر محسوس کرتے ہیں جیسے بریلوی خود کو سگِ دربارِ غوثیہ کہنے میں۔

خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ میں متروک العمل تھیں ان کا انتخاب کر کر کے کتاب میں لکھا اور انتخاب خود کیا مگر کتاب کا نام ''صلوٰۃ الرسول'' رکھا گیا کہ یہ انتخاب رسول کا ہے جن غیر مقلدین نے واقعتاً اس انتخاب کو رسول کا انتخاب مان لیا اور حکیم صادق کو رسول مان لیا ان میں کتاب بہت مقبول ہوئی......'' (صفحہ:۴۰)

یہ ہے اوکاڑوی صاحب کا کلام نہ لفظ رسول پر درود وسلام اور نہ ہی صحابہ کے نام کے بعد (رضی اللہ عنہم) یہ تو ایک ضمناً بات تھی اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

اوکاڑی صاحب تو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لہٰذا ہم مولانا محمد یوسف اور مفتی بشیر احمد صاحبان سے اور ہر اس دیوبندی مولوی سے جو اوکاڑوی صاحب کے مذکورہ کلام سے متفق ہو پوچھتے ہیں کہ وہ کونسی اُحادیث ہیں جن کے موافق خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تھا مگر ان کو ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' میں ذکر نہیں کیا گیا نیز وہ کونسی اُحادیث ہیں جو خلفائے راشدین اور اُکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں متروک العمل تھیں اور انھیں اس کتاب میں ذکر کیا گیا، امید ہے کہ آپ صاحبان یہ وضاحت کر کے ہمیں مستفیض فرمائیں گے۔

اوکاڑی صاحب کا یہ کہنا کہ انتخاب خود کیا اور نام ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' رکھا گیا ہم پوچھتے ہیں کہ آپ لوگوں کی ''حنفی نماز''، یا ''مکمل حنفی نماز'' وغیرہ کے ناموں سے جو کتابیں ہیں کیا ان کو امام صاحب نے تألیف کر کے آپ کو دیا ہے یا کہ آپ نے ان کو خود تألیف کیا ہے اگر آپ نے ان کو خود تألیف کیا ہے تو پھر ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر یہ اعتراض کیوں؟

اوکاڑی صاحب کا یہ کہنا کہ حکیم صادق کو رسول مان لیا یہ کس قدر الزام تراشی اور بہتان بازی ہے۔

ہمارے نزدیک مولانا صادق رحمہ اللہ کا اگر یہ درجہ ہوتا تو ان کی اس کتاب کی تخریج کی جاتی اور نہ ہی اس پر تعلیق لگائی جاتی اور نہ ہی اس تخریج وتعلیق پر علماء اہل حدیث تبصرے وتقاریظ لکھتے۔

مولانا صادق صاحب رحمہ اللہ تو درکنار ہم تو اس امت میں سب سے اُفضل جو ہستی ہے یعنی اُبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو بھی رسول کا درجہ نہیں دیتے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں کسی نبی کے فرمان کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔

اس شنیع جرم کا ارتکاب تو تم لوگوں نے کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو رسول کا درجہ دے دیا ہے جو کہ ان پر سراسر زیادتی ظلم وافترا ہے اور وہ تمہارے اس شنیع فعل سے اللہ عزوجل کے ہاں بالکل بریٔ ہیں۔

قبل اس کے کہ اس پر کچھ دلائل ذکر کیے جائیں ''الإنصاف'' سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا کلام سنتے جائیں، شاہ صاحب عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' و من العجب العُجاب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعًا، و هو مع ذلك يقلده فيه، و يترك من شهد الكتاب

والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودًا على تقليد إمامه، بل يتحيّل لدفع ظاهر الكتاب، والسنة و يتأوّلهما بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالًا عن مُقَلَّده۔

و قال : "لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقليد لمذهب، و لا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب، و متعصبوها من المقلدين ، فإن أحدهم يتبع إمامه مع بُعْدِ مذهبه عن الأدلّة مقلّداً له فيما قال كأنّه نبيّ أرسل، و هذا نأي عن الحق، و بُعْدٌ عن الصواب لا يرضى به أحد من أولى الألباب"

(الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف:۹۹۔۱۰۰) [1]

''نہایت تعجب ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے بعض فقہاء کو اپنے امام کا ضعف ماخذ (دلیل کا کمزور ہونا) معلوم ہو جانے اور اس کے ضعف کا دفاع نہ کر سکنے کے باوجود وہ اس میں اس کی تقلید کرتا ہے اور اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتے ہوئے ان فقہاء کا مذہب ترک کر دیتا ہے جن کے مذہب پر کتاب وسنت اور صحیح قیاسات شاہد ہوتے ہیں بلکہ وہ کتاب وسنت کے ظاہر کو ردّ کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اختیار کرتا ہے اور اپنے مقلَّد (امام) کے دفاع کی خاطر ان کی (کتاب وسنت کی) بڑی بعید اور باطل قسم کی تاویلیں کرتا ہے۔

اور ان کا (ابن عبدالسلام کا) کہنا ہے کہ لوگ بغیر کسی مذہب کے تعیّن کے اور سائل پر کسی قسم کا اِنکار کیے بغیر علماء میں سے جس سے موقع ملتا سوال کر لیتے تھے یہاں تک کہ یہ مذاہب اور ان کے بارے میں تعصب برتنے والے مقلدین پیدا ہوئے جو اپنے امام کے مذہب کو دلائل سے بعید ہونے کے باوجود اپنے امام کی اس طرح اتباع کرتے ہیں گویا کہ وہ مرسل (بھیجا ہوا) نبی ہے، اور یہ حق اور صواب سے دوری ہے جسے عقلمندوں میں سے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔''

اب ہم بڑے بڑے چند حنفی علماء کے اَقوال نقل کرتے ہیں جن سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے اَئمہ کو کس درجے پر لا کھڑا کیا ہے۔

① **أبو الحسن کرخی** لکھتے ہیں:

" إن كل آية تخالف قول أصحابنا، فإنها تحمل على النسخ أو على الترجيح، والأولى أن تحمل على التأويل من جهة التوفيق"

(أصول الکرخی(ص:۱۸، أصل:۲۹) ضمن مجموعة قواعد الفقه مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)۔

''ہر وہ آیت جو ہمارے اَصحاب (ائمہ) کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور بہتر

---

[1] اَیضاً ملاحظہ ہو: قواعد الأحکام لابن عبد السلام "(۱۳۵/۲)۔

یہ ہے کہ اس کی کوئی ایسی تأویل کی جائے تاکہ جمع کی صورت نکل آئے'' یعنی حدیث اور ان کے قول میں بظاہر ٹکراؤ باقی نہ رہے۔

اس کے بعد لکھا ہے:

"إنّ کل خبر یجيء بخلاف قول أصحابنا، فإنّه یحمل علی النسخ، أو علی أنّه معارض بمثله"۔

''ہر وہ حدیث جو ہمارے اُصحاب کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ پر محمول کیا جائے گا یا اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اپنے ہم پلہ حدیث کے مخالف ہے۔''

کرخی کا اس کے بعد بھی کچھ کلام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے حدیث کی توجیہ کی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اصحاب کے قول کے مقابلے میں حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ کسی نہ کسی طریق سے اس حدیث کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

② صاحب ''درّ مختار'' لکھتے ہیں:

"فلعنة ربّنا أعداد رمل علی من ردّ قول أبي حنیفة" درّ مختار (۱/۶۳)

''پس ریت کے ذرّات کے برابر اس شخص پر لعنت ہو جو اَبو حنیفہ کے قول کو ردّ کرے۔''

دیکھیں کہ یہ امام صاحب کے بارے میں کس قدر غلو ہے جبکہ اُمت محمدیہ میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کے قول کو قبول کرنا ضروری اور اسے ردّ کرنا باعث لعنت ہو۔

③ شیخ الہند **محمود الحسن** صاحب مسئلہ خیار مجلس [1] پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" فالحاصل أن مسألة الخیار من مهمات المسائل، و خالف أبو حنیفة فیه الجمهور، وکثیراً من الناس من المتقدمین، والمتأخرین صنفوا رسائل فی تردید مذهبه في هذه المسألة، و رجح مولانا الشاه وليّ الله المحدث الدهلوي۔قدس سرّه۔ في رسائل مذهب الشافعي من جهة الأحادیث، والنصوص ، وکذلك قال شیخنا۔ مدظلّه۔

[1] خیار مجلس سے مراد یہ ہے بیچنے والا اور خریدنے والا جب تک دونوں اس مجلس میں رہیں جس میں ان کے درمیان کسی چیز کا سودا طے ہوا ہو تو تب تک بیچنے والے کو سودا واپس لینے اور خریدنے والے کو سودا واپس کرنے کا اختیار ہے جب کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں اور انھوں نے اس حدیث کی جس میں خیار مجلس کا ذکر ہے تأویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سودا طے ہو جانے کے بعد اگر ان کی کسی دوسرے موضوع پر گفتگو شروع ہو گی تو یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے اور ان کی یہ تأویل باطل و مردود ہے۔

بترجيح مذهبه، و قال: الحق، والإنصاف أن الترجيح للشافعي في هذه المسألة، و نحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة۔ والله أعلم" (تقرير الترمذی:٣٩)۔

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ خیار والا مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے اور اُبو حنیفہ نے اس مسئلے میں جمہور (اکثر علماء) اور بہت سے متقدمین اور متاخرین علماء کی مخالفت کی ہے اور علماء نے اس مسئلے میں ان کے مذہب کے ردّ میں رسائل تصنیف کیے ہیں۔ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ قدس سرّہ۔ نے کئی رسائل میں اُحادیث اور نصوص کی بناء پر شافعی کے مذہب کو ترجیح دی ہے اسی طرح ہمارے شیخ مدّ ظلہ نے بھی شافعی کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مسئلے میں ترجیح شافعی ہی کو ہے۔ (یعنی ان کا مذہب درست ہے) اور ہم چونکہ مقلد ہیں اس لیے ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم۔''

اس سے بڑھ کر بھی کیا کوئی جرأت ہو سکتی ہے کہ یہ جاننے کے باوجود کہ امام صاحب کا مذہب اُحادیث اور نصوص کے خلاف ہے پھر بھی انہی کے مذہب پر ڈٹے رہنا یہ ان کو رسول کے مقام پر لا کھڑا کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

تمہارا خود کا حال یہ ہے اور دوسروں پر الزام تراشیاں کرتے ہوئے شرماتے نہیں ہو۔

ایسی مذموم جرأت بلکہ حماقت سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین

شیخ الہند کے قول سے ملتا جلتا ایک قول ابن نجیم کا بھی ہے ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ (۱۹۴)

④ مفتی **تقی عثمانی** لکھتے ہیں:

''ہر حال میں تقلید واجب ہے اور اپنے امام یا مفتی کے قول سے خروج جائز نہیں خواہ اس کا کوئی قول ان کو بظاہر حدیث کے خلاف ہی معلوم ہو۔'' (درس ترمذی (۱۲۲/۱) منقول از فقہی مسلک کی حقیقت:صفحہ:۱۸۳)۔

یہ بھی کتنی عجیب بات ہے گویا کہ امام یا مفتی نبی ہے اس لیے اس کے قول سے خروج جائز نہیں۔ عثمانی صاحب اگر ساتھ یہ بھی کہہ دیتے کہ عامی کو اگر کوئی حدیث ایسی ملے جو امام یا مفتی کے قول کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے تو بات قدرے معقول ہوتی لیکن تقلید کے شکنجے کے اندر پھنسے ہوئے آدمی سے ایسی بات کیسے نکلے گی۔

آپ لوگوں نے امام صاحب کے بارے میں کس قدر غلو سے کام لیا ہے اس پر ایک غیر اہلحدیث عالم کی شہادت ملاحظہ کیجیے اور وہ ہیں مراکشی عالم شیخ احمد بن محمد صدیق غماری (متوفی:۱۳۸۰ھ) جو زاہد کوثری (متوفی ۱۳۷۱ھ) کے معتقدین کی نظر میں ایک ثقہ عالم تھے۔

موصوف نے کوثری کی تلبیسات کے رد میں ''**بيان تلبيس المفترى زاهد الكوثرى**'' کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے جس کے (صفحہ:۵۹) میں وہ رقمطراز ہیں:

" فأنتم قوم لا دين لكم في الحقيقة إلا رأي أبي حنيفة وقوله ، فهو ربكم المعبود و نبيكم المرسل و أقسم باللّٰه۔ باراً غير حانث۔ أن لو بعث الله نبيّه ۔ صلى اللّٰه عليه وسلم۔ مرّة أخرى فخاطبكم شفاهاً أنّ أبا حنيفة مخطئ لكفرتم به، و لرددتم رسالته عليه كما تردون الآن شريعته و سنته بهذا التلاعب المخزئ نسأل الله العافية۔"

''تم وہ قوم ہو جس کا حقیقی دین ابوحنیفہ کی رائے اور قول ہی ہے وہی تمہارے معبود اور رسول ہیں۔''

میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں اگر اللہ اپنے نبی ﷺ کو دوبارہ مبعوث فرمادے اور وہ تم سے مخاطب ہو کر کہیں کہ ابوحنیفہ غلطی پر تھے تو تم آپ کے ساتھ کفر کرو گے اور آپ کی رسالت کو رد کردو گے جیسا کہ اب آپ کی شریعت اور سنت کو کمینی حرکتوں سے رڈ کر رہے ہو، ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔''

کوثری کا مختصر سا تعارف اس کتاب کے (صفحہ......) میں آرہا ہے۔

⑤ نبی کو اُمتی کا اُمتی بنانے کی مذموم سعی۔

بات صرف امتیوں کو امام ابوحنیفہ کی تقلید کا پابند بنانے تک محدود نہیں رہی بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کا مقلد بنا دیا گیا قبل اس کے کہ اس کی تفصیل میں جائیں رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل حدیث ملاحظہ کرلیں۔

" وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِهِ لَیُوْشِکَنَّ أَنْ یَنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَماً مقسطاً، فَیُکْسِرُ الصَّلِیْبَ" [1]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ ابن مریم عیسیٰ علیہ السلام حکم اور عادل بن کر نازل ہوں۔ سو وہ صلیب کو توڑیں گے۔'' الحدیث۔

"حَکَمًا" سے مراد ہے:" ینزل حاکمًا بهذه الشريعة" جیسا کہ امام نووی اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے یعنی اس شریعت (شریعت محمدی) کے مطابق فیصلے کریں گے۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں جو اَحادیث ہیں وہ متواتر ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر وغیرہ نے کہا ہے اور یہ عقیدے کا ایک اہم مسئلہ ہے چنانچہ امام طحاوی ''عقیدہ طحاویہ'' میں فرماتے ہیں:

" و نؤمن بأشراط الساعة: من خروج الدجال، ونزول عسيى بن مريم۔عليه السلام۔ من السماء" (شرح عقيدة الطحاوية:٤٩٩)۔

''ہم دجال کے خروج اور عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کے بارے میں قیامت کی علامات پر ایمان رکھتے ہیں۔''

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے قبل آئیں گے اور شریعت محمدی کے مطابق فیصلے کریں گے۔

---

[1] اس کو بخاری نے (۲۲۲۲، ۳۴۴۸) کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر، کتاب أحادیث الأنبیاء" میں اور مسلم نے (۲۴۲) کتاب الإیمان " میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اب دیکھتے ہیں کہ بعض حنفی فقہاء نے کیا کہا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیں گے۔ اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون۔

ایک نبی اِمام الانبیاء کا اُمتی بن جائے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ایک نبی کو کسی اُمتی کا مقلد بنا دیا جائے اس سے بڑھ کر اس کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیں گے اس کا ذکر علامہ علاء الدین حصکفی (متوفی:۱۰۸۸ھ) نے ''درمختار'' (۱/ ۵۵، ۵۶) میں اور شیخ ٹھٹوی نے ''ذب ذبابات الدراسات'' (۱/ ۲۳۹، ۳۸۴، ۵۴، ۷۶۲، ۷۶۲) میں کیا ہے۔

ان سے پہلے یہی بات علامہ شمس الدین قہستانی (متوفی:۹۵۰ھ) نے ''جامع الرموز'' میں اور خواجہ محمد بن محمد المعروف خواجہ پارسا (متوفی:۸۲۲ھ) نے ''الفصول الستة'' میں بیان کی۔

مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں اور انہی کے حوالے سے بعض متاخرین علمائے احناف نے اسے نقل کیا بلکہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ امام صاحب کی بنائی فقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دریائے جیحون سے ملے گی۔ [1] اور اس پر وہ عمل کریں گے اس سلسلے میں جو کہانی بنائی گئی اسے نقل کرتے ہوئے قلم کو حیاء آتی ہے شائقین اس کی تفصیل طحطاوی (۱/ ۴۰، ۴۱) میں ملاحظہ فرمائیں، منقول از مسلک احناف اور مولانا عبد الحي لکھنوی لإرشاد الحق الأثری (صفحہ:۲۰-۲۱)۔

یہ ہیں اندھی تقلید کے کرشمے چنانچہ ان لوگوں کے مقابلے میں بعض متعصب شافعیوں نے یہ کہہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام شافعی رحمہ اللہ کے موافق ہوگا۔

چونکہ فریقین کے اَقوال ہی غلط اور ناقابل التفات تھے اسی لیے علماء کی ایک جماعت نے ان کا رد کیا ہے جن میں ملا علی قاری اور مولانا عبد الحی لکھنوی [2] بھی ہیں بلکہ ملا علی قاری نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے: ''المشرب الوردي فی مذهب المهدي'' ملاحظہ ہو حوالہ مذکور۔

---

[1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ موجودہ حنفی فقہ امام صاحب کی مرتب کی ہوئی نہیں یا شاید کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے لیے اس وقت کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر کوئی دوسری طرز کی فقہ مرتب کی ہو۔

[2] لکھنوی صاحب ''مقدمة الفوائد البهية'' (صفحہ:٦) میں لکھتے ہیں: '' و أمّا قول بعض المجهولين والمتعصبين أن عيسى، والمهدي يقلدان الإمام أبا حنيفة ولا يخالفانه في شئ من طريقه فهو من الأقوال السخيفة نص عليه أرباب الشريعة والحقيقة، بل هو رجم بالغيب بلا شك و لا ريب۔''

''رہا کچھ مجہول اور متعصب لوگوں کا یہ کہنا کہ عیسیٰ اور مہدی امام ابوحنیفہ کی تقلید کریں گے اور ان کے مذہب میں ان کی کسی بات میں بھی مخالفت نہیں کریں گے تو یہ گھٹیا اور سخیف قسم کے اَقوال میں سے ہے جس کی اَرباب شریعت اور حقیقت نے صراحت کی ہے بلکہ بلا شک وشبہ یہ بے تکی ہانکنا ہے۔''

امام صاحب کے کندھوں کے درمیان ختم نبوت جیسی علامت:

مذکورہ قول قابل تعجب و قابل مذمت تو ہے ہی مگر اس سے بڑھ کر ایک انوکھی بات ملاحظہ کیجیے وہ یہ کہ موفق نے ''مناقب أبوحنیفہ'' (۱/۱۶) میں نضری کی سند سے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر کے لیے وہ محمد بن سیرین کے پاس بصرہ گئے اور ان سے اپنا خواب بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ خواب آپ کا نہیں ہے یہ تو أبوحنیفہ کا خواب ہے۔ [1] انھوں نے جواب دیا کہ أبوحنیفہ میں ہی ہوں تو انھوں نے کہا کہ اپنی پیٹھ سے کپڑا اٹھایئے جب کپڑا اٹھایا تو انھیں آپ کے کندھوں کے درمیان تل نظر آیا تو امام صاحب سے کہا کہ آپ وہی أبوحنیفہ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يخرج في أمّتي رجل يقال له: أبو حنيفة بين كتفيه خال يحيي الله على يديه السنة"۔

''میری امت میں ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا جسے أبوحنیفہ کہا جائے گا اس کے کندھوں کے درمیان تل ہوگا اور اس کے ذریعے اللہ سنت کو زندہ کرے گا۔'' [2]

علامہ عبدالرحمٰن معلمی ''التنكيل'' (صفحہ:۲۰۱) میں اس حکایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"و لا يخفى ما في ذكر الخال بين الكتفين من المضارعة لخاتم النبوة۔"

''کندھوں کے درمیان تل کے ذکر کرنے میں مہر نبوت سے جو مشابہت ہے وہ مخفی نہیں۔''

دیکھیے امام صاحب کو نبی بنانے کے لیے کس قدر جھوٹ سے کام لیا گیا اور الزام ہم پر ٹھونس دیا کہ مولانا صادق صاحب کو ہم نے رسول بنا لیا ہے اس مناسبت سے درج ذیل واقعہ بھی سنتے جائیں۔

تھانوی صاحب کو رسول اللہ بننے کا شوق:

مولانا أشرف علی تھانوی صاحب سے ان کے ایک مرید نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں خواب میں کلمہ ''لا إله إلا الله محمد رسول الله'' پڑھنا چاہتا ہوں مگر میری زبان پر ''محمد رسول الله'' کی بجائے ''أشرف علی رسول الله'' آجاتا ہے جس پر تھانوی صاحب نے کہا: تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔'' [3]

اور ماہنامہ ''الامداد'' بابت صفر ۱۳۳۶ھ (ص:۳۴۔۳۵) میں ہے کہ مرید نے کہا کہ میں درود یوں پڑھتا ہوں:

"اللهم صلّ على سيّدنا، و نبيّنا مولانا أشرف على۔"

---

[1] کیا انھیں علم غیب تھا کہ یہ خواب انہی کا ہے۔

[2] واضح رہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔

[3] ماہنامہ برھان دہلی بابت ماہ فروری ۱۹۵۲ (ص:۱۰۷) منقول از ''تبلیغ نصاب'' از ارشد قادری (ص:۵۹۔۶۰) ناشر مکتبہ رضویہ۔

تھانوی صاحب نے جواب میں لکھا:

جواب: اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔

یہ ہے شخصیت پرستی میں غلو (حد سے تجاوز کر جانے) کا نتیجہ، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إيّاكم والغلوّ في الدين، فإنّما أهلك من كان قبلك الغلوّ في الدين " [1]

"خود کو دین میں غلو سے بچاؤ کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی نے ہلاک کیا تھا۔"

تھانوی صاحب کو چاہیے یہ تھا کہ اپنے اس مرید سے کہتے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اس سے فوراً توبہ کرو اور آئندہ ایسا سوچو بھی نہیں یہ کفر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمھیں بہکا دے اور تم دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاؤ مگر آپ اپنے مرید کی والہانہ محبت وعقیدت پہ خوش ہو رہے ہیں۔ انا للہ و إنا الیہ راجعون۔

حق وہی ہے جو گنگوہی صاحب کی زبان سے نکلے:

تھانوی صاحب کے مذکورہ واقعہ کے بعد ان کے پیرومرشد مولانا رشید احمد گنگوہی کی سنیے، فرماتے ہیں:

"سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔" (تذکرۃ الرشید: ۲/ ۱۷)۔

تھانوی صاحب کو تو رسول بننے کا شوق ہی تھا مگر ان کے پیرومرشد نے رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ إنّا للہ و إنّا إلیه راجعون.

کیا کسی امتی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس قدر جرأت کرے کہ حق وہی ہے جو میں کہوں اور نجات میری اتباع پر موقوف ہے اگر گنگوہی صاحب کی یہ بات درست ہے تو مرزا غلام احمد کذاب اور دجال کیوں ہے؟

گنگوہی صاحب کا یہ کلام واضح طور پر باطل ومردود ہے ہمارا موضوع چونکہ یہ نہیں اس لیے ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے یہاں صرف ایک چھوٹی سی مثال ذکر کی جاتی ہے جس سے بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی زبان سے غیر حق بھی نکلتا تھا۔

گنگوہی صاحب سے ایک بار کسی شخص نے سوال کیا کہ کسی قبر پر شرینی لے جانا اور کسی بزرگ کی فاتحہ دے کر تقسیم کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

---

[1] اس کو نسائی (۵/ ۲۶۸) نے "مناسك الحج" باب "التقاط الحصى" میں اور ابن ماجہ (۳۰۲۹) نے "المناسك"، باب "قدر حصى الرمي" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

تنبیہ = یہ ابن عباس "عبد اللہ بن عباس" نہیں ہیں بلکہ "فضل بن عباس" ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "النكت الظراف على الأطراف" (۴/ ۳۸۷/ ۵۴۲۷) میں ذکر کیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا اگر بنام خدا ہے اور ایصال ثواب ہی مقصود ہے تو کچھ قباحت نہیں اور اگر پیر کے نام ہے جیسا کہ اکثر جہال کرتے ہیں وہ حرام ہے اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایصال ثواب ہی مقصود ہو تو ہر جگہ سے ممکن ہے قبر ہی پر کون ضرورت ہے کہ کوئی چیز بھیجی جاوے آپ نے فرمایا: خیر وہاں خادم رہتے ہیں اچھا ہے ان کو ہی دے دی جائے اس میں کیا قباحت ہے؟(تذکرۃ الرشید:۲/ ۲۹۱)۔

اس کلام میں دبے الفاظ میں قبر پرستی کی دعوت نہیں تو اور کیا ہے؟ جس قبر کے آس پاس مجاور اور خادم رہتے ہوں وہاں شرینیوں کی کمی ہو گی، اور ایسی قبر وہی ہو گی جہاں غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی جاتی ہو اب رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ملاحظہ کر لیجیے اور پھر خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ گنگوہی صاحب کا یہ کلام حق ہے یا کہ باطل و مردود۔

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ [1] مقام میں اونٹ ذبح کرے گا۔

چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

" هل كان فيها وثن من أوثان الجاهلية يعبد ؟"

"وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تو نہیں جس کی پوجا پاٹ کی جاتی ہو؟"

لوگوں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

"هل كان فيها عيد من أعيادهم؟"

"وہاں جاہلیت کی عیدوں (میلوں) میں سے کوئی عید تو نہیں ہوتی؟"

لوگوں نے کہا: نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أوف بنذرك ، فإنه لا وفاء لنذر في معصية الله ، و لا فيما لايملك ابن آدم" [2]

"اپنی نذر کو پورا کر، سوا اللہ کی نافرمانی والی نذر کو پورا نہیں کرنا اور نہ ہی اس چیز والی نذر کو پورا کرنا ہے جس کا

---

[1] یہ یلملم کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، یلملم آج کل "سعدیہ" کے نام سے معروف ہے، جو مکہ سے تقریباً اسی (۸۰) کلو میٹر کے فاصلے پر ہے، پاکستان، انڈیا، یمن اور دیگر ممالک کے لیے میقات ہے۔

[2] اس حدیث کو أبوداؤد (۳۳۱۳) طبرانی (۲/ ۷۵/ ۱۳۴۱) اور بیہقی (۱۰/ ۸۳) نے روایت کیا ہے۔

اور یہ صحیح حدیث ہے اور اختصار کے ساتھ یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے جسے ابن ماجہ (۲۱۳۰) اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اس سے ملتی جلتی حدیث میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اسے أبوداؤد اور ابن ماجہ (۲۱۳۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور بوصیری نے "مصباح الزجاجة" (حدیث: ۷۵۶) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

انسان کو اختیار نہیں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ جہاں غیر اللہ کے نام کی نذر نیاز دی جاتی ہو غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہو وہاں اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر دینا معصیت اور گناہ ہے۔

یہاں اگر تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے تو بہتر ہوگا (وہ یہ کہ معلوم ہونا چاہیے) کہ حق صرف نبی ہی کی زبان سے نکلتا ہے چنانچہ اس کے بارے میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث سنیے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو چیز بھی سنتا اسے یاد کرنے کی خاطر لکھ لیتا تو قریش نے مجھے اس سے منع کر دیا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی غصے کی حالت میں بھی کلام کرتے ہیں چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا اور اس کا ذکر میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

" اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه إلا حقّ۔" [1]

"لکھو، اللہ کی قسم اس سے حق ہی نکلتا ہے۔"

امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انھوں نے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں ایک بات یہ بھی کہی:

" فإن أحسنت فأعينوني و إن أسأت فقوموني۔" [2]

"اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو تو میری اصلاح کرنا۔"

امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس امت میں سب سے افضل ہیں وہ تو یہ فرمائیں مگر گنگوہی صاحب یہ کہیں کہ ہدایت و نجات میری اتباع پر موقوف ہے۔

اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انھوں نے "کلالہ" [3] کی تفسیر کرتے ہوئے کہا:

" أقول فيها برأيي، فإن يكن صوابًا فمن الله و إن يكن خطأً فمنّي، و من الشيطان، والله و رسوله بريئان منه: الكلالة ما عدا الوالد والولد۔" [4]

"اس کے بارے میں، میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر وہ رائے درست ہو تو اس کا درست ہونا اللہ کی طرف سے ہے اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔

---

[1] اس کو ابوداود (۳۶۴۶)، دارمی (۱/۱۲۵) اور أحمد (۲/۱۶۲،۱۹۲) نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

[2] اس کو ابن اسحاق نے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو "سیرت ابن ہشام" (۲/۶۶۱)۔

[3] کلالہ کا ذکر قرآن مجید میں وراثت کے مسائل میں دو جگہ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ نساء: آیت (۱۲،۱۷۶)۔

[4] اس کو دارمی (۲/۳۶۵۔۳۶۶) وغیرہ نے شعبی کی سند سے روایت کیا ہے اور شعبی نے اُبوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا مگر عجلی نے ذکر کیا ہے کہ شعبی کی مرسل روایت صحیح ہوتی ہے۔ اس کی ایک دوسری سند بھی ہے مگر وہ بھی منقطع ہے۔

کلالہ وہ ہے جس کا باپ ہو اور نہ بیٹا۔"

أمیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک فیصلہ کیا جس کے بارے میں ان کے کاتب نے یہ لکھا:

" هذا ما أرى الله أمير المؤمنين عمر۔"

یعنی أمیر المؤمنین نے جو فیصلہ کیا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

اس پر امیر المومنین نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ایسے نہیں بلکہ یوں لکھ:

" هذا ما رأى عمر فإن كان صوابًا، فمن الله، و إن كان خطأ فمن عمر " [1]

"یہ عمر کی رائے ہے اگر یہ درست ہے تو اس کا درست ہونا اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ خطا ہے تو یہ خطا عمر کی طرف سے ہے۔"

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انھوں نے اپنی رائے سے ایک فتویٰ دینے سے قبل یہ فرمایا:

" فإن كان صوابًا فمن الله وحدهٗ لا شريك له، و إن كان خطأ فمنّي، و من الشيطان، والله و رسوله منه براء " [2]

اس قول کے معنے بھی وہی ہیں جو مذکورہ اقوال کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ تو یہ کہیں مگر گنگوہی صاحب یہ دعویٰ کریں کہ ان کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ حق ہی نکلتا ہے۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

کاشمیری صاحب کا اظہارِ افسوس:

ائمہ کے بارے میں غلو سے کام لینے والوں میں سے جن کے دل میں کچھ نہ کچھ اللہ عزوجل کا خوف ہوتا ہے تو انھیں کبھی نہ کبھی یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا یا کر رہے ہیں وہ درست نہیں اور انھیں اس پر ندامت بھی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر مولانا انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کا واقعہ سنیے یہ واقعہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "وحدت أمّت" میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

"ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی۔

قادیان (بھارت) میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیّدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ تھا، ایک صبح نمازِ فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا

---

[1] اس کو بیہقی (۱۰/۱۱۶) وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

[2] اس کو نسائی (۶/۱۲۲-۱۲۳) وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

مذکورہ تمام آثار کی مفصل تخریج میں نے "روضة الناظر" لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے جو کہ بیروت میں زیر طبع ہے۔

حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا: ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کردی۔

میں نے عرض کیا، حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی!

فرمایا میں تمھیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کردی!

میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا: ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا!

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟"

مفتی محمد شفیع وحدتِ امت (ص:۱۵) منقول از فقہی مسلک کی حقیقت۔ مولانا اَبوزکی (ص:۱۵۷۔۱۵۸)۔

مفتی صاحب نے سچ فرمایا: "اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی"

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق:۳۷)۔

اب مفتی صاحب کی اپنی بات بھی سنتے چلیے فرماتے ہیں:

"تم اپنے فقہی مذہب میں حنفی رہو کوئی حرج کی بات نہیں مگر حدیث کو حنفی بنانے سے بچنا" ملاحظہ ہو:

"تكملة فتح الملهم" از محمد تقی عثمانی (۱/۷) منقول از "الماتريديه" للشمس السلفی الأفغاني (۲/۵۳۰)۔

اوکاڑی صاحب کا یہ کہنا کہ جس حدیث کے مضمون پر فقہ حنفی نے فتویٰ دیا ہمارے نزدیک وہ صحیح ہے اور جس کو احناف نے ترک کردیا وہ ہمارے ہاں معلول ہے۔ (صفحہ:۴، ۵)۔

تو ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے اور انھوں نے جو کہا اپنے اعتقاد و مذہب کے مطابق بالکل صحیح کہا ہے کیونکہ جب ان کے بڑوں نے یہ کہہ دیا۔

" إذا سئلنا عن مذهبنا، و مذهب مخالفنا قلنا وجوبًا: مذهبنا صواب يحتمل الخطأ، و مذهب مخالفنا خطأ يحتمل الصواب" (در مختار: ۱/۴۸)۔

"جب ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف کے مذہب کے بارے میں سوال کیا جائے تو ہم لازماً یہ کہیں گے کہ ہمارا مذہب درست ہے اس میں غلطی کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب خطاً ہے اس میں درستگی کا احتمال ہے۔"

یہ تو مذہب کے بارے میں بات تھی اب سنیئے کہ عقیدے کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ لکھا ہے کہ:

" و إذا سئلنا عن معتقدنا، و معتقد خصومنا، قلنا وجوبًا: الحق ما نحن عليه، والباطل ما عليه خصومنا" (حواله مذکور)۔

''جب ہم سے ہمارے عقیدے اور مخالف کے عقیدے کے بارے میں سوال کیا جائے تو ہم لازماً یہ کہیں گے کہ جس عقیدہ پر ہم ہیں وہ حق ہے اور جس عقیدہ پر ہمارا مخالف ہے وہ باطل ہے۔''

ہم پوچھتے ہیں کہ آپ لوگوں کا عقیدہ کیا ہے سنیے آپ لوگ عقیدہ میں مختلف ہیں آپ میں جہمی، ماتریدی، معتزلی، مرجیٔ، اتحادی اور حلولی وغیرہ ہیں۔ [1]

اور ان لوگوں کے عقائد اہل سنت و جماعت یعنی صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین اور ائمہ کے عقیدہ کے خلاف ہیں چنانچہ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اہل سنت و جماعت کا عقیدہ باطل ہے یا کہ ان لوگوں کے عقائد باطل ہیں۔

بلکہ امام ابوحنیفہ، امام أبو یوسف، امام محمد اور امام طحاوی وغیرہ ﷭ کا عقیدہ بھی وہی تھا جو سلف کا عقیدہ تھا۔ [2] تو کیا ان لوگوں کا عقیدہ بھی باطل تھا؟

صاحب ''درّ مختار'' نے اپنے مذہب اور مخالف کے مذہب کے بارے میں جو کچھ کہا آپ نے ملاحظہ کرلیا۔ آیئے اب دوسروں کے مذہب کے بارے میں تھانوی صاحب کیا کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"و أما المذاهب فأهل الحق منهم أهل السنّة، والجماعة المنحصرون بإجماع من يعتد بهم في الحنفية والشافعية والمالكية والحنابلة...... "۔

(ملاحظہ ہو ''عشرۃ طروس طرس عاشر'' منقول از ''أکابر علماء دیوبند کا مذہب'' (ص:۱۹)۔)

''اور رہے مذاہب تو ان میں سے اہل حق، اہل سنت و جماعت ہیں جو باجماع معتبر علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں منحصر ہیں۔'' [3]

تھانوی صاحب چاروں مذاہب کے پیروکاروں کو اہل حق بتا رہے ہیں جب کہ صاحب ''درمختار'' خود ہی کو اہل حق سمجھ رہے ہیں اس کے باوجود یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مقلدین میں کوئی اختلاف نہیں۔ [4]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "الرفع والتكميل "لعبد الحي لكهنوى (صفحہ: ۳۸۵۔۳۸۶، تحقیق أبي غدہ) اور "الماتريديه" للشمس السلفي الأفغاني (۱/۱۷۲۔۱۷۵)۔

[2] ملاحظہ ہو: ''الماتريديه" (۱/۱۷۰۔۱۷۲)۔

[3] تھانوی صاحب کا اس کے بعد بھی کچھ کلام ہے جو انتہائی تعصب پر مبنی ہے جسے ذکر کرکے ہم اس کے ردّ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے بس یہاں ایک بات کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان چاروں مذاہب کے لوگوں سے پہلے جو لوگ تھے کیا وہ حق پر نہ تھے؟

[4] ان کا باہمی اختلاف کس حد تک پہنچا اس کی قدرے تفصیل (صفحہ: ۱۴۴ و مابعدھا) میں آ رہی ہے۔

اب ہم اوکاڑی صاحب کی اس بات ''جس حدیث کے مضمون پر فقہ حنفی نے فتویٰ دیا ہمارے نزدیک وہ صحیح ہے اور جس کو احناف نے ترک کردیا وہ ہمارے ہاں معلول ہے'' کی طرف آتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اوکاڑوی صاحب تو اس دنیا سے چل بسے اس لیے ہم مولوی محمد یوسف اور مفتی محمد بشیر سے اور اسی طرح ہر اس دیوبندی عالم سے جو اوکاڑوی کی اس بات سے متفق ہو پوچھتے ہیں کہ آپ کی معتبر کتاب ''ہدایہ'' جسے ''الهداية كالقرآن'' کہا گیا ہے اسکی کتنی ایسی اُحادیث ہیں کہ جن میں علامہ زیلعی نے ''نصب الرايه'' میں کلام کیا ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ معلول ہیں تو آپ حضرات ان اُحادیث کے بارے میں کیا کہیں گے کہ وہ واقعۃً معلول ہیں یا کہ علامہ زیلعی کا ان میں کلام بے جا اور باطل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم آپ کو آپ کے گھر ہی سے یہ ثابت کرکے دیتے ہیں کہ جن اُحادیث کو احناف نے ترک کردیا ان میں بھی صحیح اُحادیث ہیں۔ اب اس کے بارے میں اپنے چند علماء کے اقوال ملاحظہ کریں۔

(1) امام اُبوحنیفہ رحمہ اللہ۔ ان کا قول ہے:

" إذا صح الحديث فهو مذهبی۔" (1)

''صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔''

امام صاحب نے یہ نہیں کہا کہ جن اُحادیث کو میں نے ترک کردیا ہے وہ معلول ہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ جب بھی کوئی صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

ابن عابدین نے ابن شحنہ کبیر کی ''شرح الهدايه'' سے نقل کیا ہے:

" إذا صح الحديث ، و كان على خلاف المذهب عمل بالحديث، ويكون ذلك مذهبه، و لا يخرج مقلده عن كونه حنفيًا بالعمل به ، فقد صحّ عن أبی حنيفة أنّه قال: إذا صحّ الحديث فهو مذهبی" (2)

''جب کوئی صحیح حدیث مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے گا اور ان کا۔ امام صاحب۔ کا مذہب

---

(1) ملاحظہ ہو حاشیہ ابن عابدین (۱/ ۶۷-۶۸) اور " مجموعه رسائل ابن عابدين "(صفحہ:۲۴)۔
یہی قول امام شافعی کا بھی ہے ملاحظہ ہو: "معنى قول المطلبی إذا صح الحديث فهو مذهبی" للسبكی (۷۱، ۱۴۳)۔

(2) حاشیہ ابن عابدین (۱/ ۶۷-۶۸) اور مجموعہ رسائل ابن عابدین (صفحہ:۲۴)۔

(3) مولانا عبدالحی لکھنوی نے ''عصام بن یوسف'' کے ترجمے میں ذکر کیا ہے کہ وہ نماز میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے ہیں۔
یہ ذکر کرنے کے بعد انھوں نے اس سے دو چیزیں اخذ کی ہیں دوسری چیز کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ←

بھی وہی ہوگا اور ان کا مقلد اس حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے حنفیت سے خارج نہیں ہوگا۔ [2] کیونکہ ابوحنیفہ سے صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے کہا کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔''

اسی طرح امام صاحب کا ایک قول یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے اصحاب سے کہا:

" إن توجّه لكم دليل فقولوا به۔" [1]

اگر تمھیں کوئی دلیل (حدیث) مل جائے تو اس پر عمل کرو۔''

امام صاحب کے اس قول سے بھی اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ جن احادیث کے مطابق ان کا فتویٰ نہیں اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ احادیث ان کے ہاں معلول تھیں بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ احادیث ان تک پہنچی نہیں تھیں اگر انھوں نے ان احادیث کو معلول ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہوتا تو پھر وہ: ''إذا صح الحديث...... إن توجه لكم دليل" نہ کہتے بلکہ یوں کہتے کہ جس حدیث کے مطابق میرا فتویٰ نہیں وہ معلول ہے۔

[2] مولانا عبدالحی لکھنوی صحیح اَحادیث کے بارے میں متعصب مقلدین کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" و إن وجدوا حديثًا صحيحًا، أو أثراً صحيحًا على خلافه، و زعموا أنّه لو كان هذا الحديث صحيحًا لأخذ به صاحب المذهب، و لم يحكم بخلافه، و هذا جهل منهم بما روته الثقات عن أبي حنيفة من تقديم الأحاديث والآثار على

← و يعلم۔أيضًا۔ أن الحنفى لو ترك فى مسألة مذهب إمامه لقوة دليل خلافه لا يخرج به عن ربقة التقليد، بل هو عين التقليد في صورة ترك التقليد ألا ترى إلى أن عصام بن يوسف ترك مذهب أبي حنيفة فى عدم الرفع، و مع ذلك هو معدود فى الحنيفة...... و إلى الله المشتكى من جهلة زماننا حيث يطعنون على من ترك تقليد إمامه فى مسألة واحدة لقوّة دليلها و يخرجونه عن جماعة مقلّديه، و لا عجب منهم، فإنّهم من العوام ،إنّما العجب ممن يتشبه بالعلماء و يمشي مشيهم كالأنعام" (الفوائد البهية:١١٦)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حنفی اپنی امام کے مذہب کے کسی مسئلہ کو اس کے خلاف قوی دلیل ہونے کی بنا پر چھوڑ دیتا ہے تو اس سے وہ تقلید کے دائرہ سے خارج نہیں ہو جائے گا بلکہ یہ ترک تقلید کی صورت میں عین تقلید ہے عصام بن یوسف کو نہیں دیکھتے کہ انھوں نے عدم رفع یدین میں ابوحنیفہ کے مذہب کو ترک کر دیا اس کے باوجود ان کا شمار حنفیہ میں ہوتا ہے۔

''ہم اپنے زمانے کے ان جہلاء کا شکویٰ اللہ عزوجل سے کرتے ہیں جو اس شخص پر جو کسی ایک مسئلے میں اس کی دلیل قوی ہونے کی بناء پر اپنے امام کی تقلید کو ترک کر دیتا ہے طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اسے مقلدین کی جماعت سے خارج کر دیتے ہیں ان پر تعجب نہیں کیونکہ وہ تو عامی لوگ ہیں مگر تعجب ان پر ہے جو علماء کا روپ اختیار کرتے ہیں اور ان جیسی چال چلتی ہیں۔''

اس صفحہ کے نمبر۲ میں مذکور مولانا عبدالحی لکھنوی کے کلام میں بی یہی کچھ ہے۔

[1] الدرّ المختار (١/٦٧) اور مجموعه رسائل ابن عابدین (صفحہ:٢٣)۔

أقواله الشريفة، فترك ما خالف الحديث الصحيح رأي سديد، و هو عين تقليد الإمام لا ترك التقليد"(مقدمة النافع الكبير: ١/ ٤٥)۔

"اگر وہ امام کے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث یا صحیح اَثر پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو صاحب مذہب (امام صاحب) اس کو قبول کرتے اور اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے اور یہ کہنا (امام) اَبوحنیفہ کے اس قول سے لاعلمی کی بناء پر ہے جس کو ان سے ثقات نے روایت کیا ہے کہ ان کے اَقوال پر اَحادیث اور آثار کو مقدم کیا جائے چنانچہ صحیح حدیث کے خلاف چیز کو ترک کر دینا ہی صحیح رائے ہے اور یہ امام کی عین تقلید ہے، ترک تقلید نہیں۔"

اور ایک دوسرے مقام پر اَئمہ ثلاثہ، امام ابوحنیفہ، ابو یوسف و محمد ﷭ کا ان مسائل کے بارے میں جو حنفی کتب میں موجود ہیں اور صحیح اَحادیث کے خلاف ہیں دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ......بل هي من تفريعات المشايخ استنبطوها من الأصول المنقولة عن الأئمة ، فوقعت مخالفة للأحاديث الصحيحة، فلا طعن بها على الأئمة الثلاثة، بل، و لا على المشايخ۔ أيضًا۔ فإنهم لم يقرروها مع علمهم بكونها مخالفة للأحاديث الصحيحة...... بل لم يبلغهم تلك الأحاديث، و لو بلغتهم لم يقرروا على خلافها، فهم في ذلك معذورون و مأجورون۔" (حوالہ مذکور: ۱/۲۱)۔

"بلکہ وہ مسائل فقہاء کی تفریعات میں سے ہیں جن کو انھوں نے اَئمہ سے منقول اُصولوں سے مستنبط کیا ہے سو اس طرح سے وہ صحیح اَحادیث کے خلاف واقع ہو گئے ہیں، چنانچہ ان مسائل کی وجہ سے اَئمہ ثلاثہ پر بلکہ نہ ہی فقہاء پر کوئی طعن ہے کیونکہ انھوں نے باوجود یہ علم ہونے کے کہ یہ صحیح اَحادیث کے خلاف ہیں ان کا استنباط نہیں کیا بلکہ وہ صحیح اَحادیث ان تک پہنچیں نہیں، اگر وہ اَحادیث ان تک پہنچتیں تو وہ ان مسائل کو ان اَحادیث کے خلاف مستنبط نہ کرتے چنانچہ وہ اس کے بارے میں معذور اور مأجور ہیں۔"

مولانا لکھنوی کے اس کلام سے دو چیزیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ کتنی احادیث ایسی ہیں جن پر فقہ حنفی کا فتویٰ نہیں اور وہ صحیح ہیں اور دوسری یہ کہ کتنی ایسی صحیح احادیث ہیں جو اَئمہ ثلاثہ اور ان کے مقلدین فقہاء پر مخفی رہ گئی ہیں۔

مزید سنیے: امام اَبو یوسف فرماتے ہیں، کہ میں نے ابوحنیفہ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو فرض نماز میں رکوع سے سر اٹھاتا ہے تو کیا: "اللهم اغفرلي" کہے؟ انھوں نے کہا کہ "ربنا لك الحمد......" کہے اور خاموش رہے اسی طرح سجدوں کے درمیان بھی خاموش ہی رہے۔ (یعنی کوئی دعاء نہ پڑھے) ان کے اس قول کو امام محمد نے "الجامع

الصغیر" میں ذکر کیا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی" النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر (صفحہ:۸۸) میں لکھتے ہیں:

" هذا مخالف لما جاء في الأخبار الصحاح من زيادة الأدعية في القومة و بين السجدتين......"۔

" یہ ان صحیح احادیث کے خلاف ہے جن میں قومہ میں مزید دعاؤں اور دو سجدوں کے درمیان دعاؤں کا ذکر ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے بعض ان اُحادیث کا ذکر کیا ہے جن میں ان دعاؤں کا ذکر ہے۔

صفحہ (۱۰۵) میں مذکورہ امام طحاوی کا کلام بھی دیکھیں۔

۳ تھانوی صاحب اپنے استاد گنگوہی صاحب کو ایک خط میں جامد مقلدین کے طرز عمل پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: " تقلید شخصی عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً و عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارکِ تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب و سنت کے ہوں اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ، فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل و فتویٰ وجوب اس کا مؤید ہے۔"

تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں:

" اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے تو ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اوّل استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔" (ملاحظہ ہو: تذکرۃ الرشید (۱/ ۱۳۱)۔

۴ مفتی محمد شفیع صاحب۔

تھانوی صاحب نے جو کچھ کہا اس کی طرف مفتی صاحب نے بالاختصار یوں اشارہ کیا ہے:

" تم اپنے فقہی مذہب میں حنفی رہو اس میں کوئی حرج نہیں مگر حدیث کو حنفی بنانے سے بچنا" ان کا یہ کلام (صفحہ:۱۲۱) میں بحوالہ گزر چکا ہے۔ یعنی صحیح حدیث کی تاویل کر کے اس کو حنفی مذہب کے مطابق بنانے کی کوشش مت کرو۔

۵ حنفی علماء کے اُقوال ملاحظہ کر لینے کے بعد اب عبدالوہاب شعرانی شافعی کا قول بھی ملاحظہ کرتے جائیں وہ لکھتے ہیں:

" فإن قلت: فما أصنع بالأحاديث التي صحت بعد موت إمامي، و لم يأخذ بها؟

فالجواب: الذي ينبغي لك أن تعمل بها، فإن إمامك لو ظفر بها، و صحت عنده لربّما

كان أمرك بها فإن الأئمة كلهم أسرى في يد الشريعة۔ كما سيأتي بيانه في فصل تبريهم من الرأي۔ ومن فعل ذلك فقد جاز الخير بكلتا يديه، و من قال: لا أعمل بحديث إلا إن أخذ به إمامي فاته خير كثير، كما عليه كثير من المقلدين لأئمة المذاهب، وكان أولى لهم العمل بكل حديث صح بعد إمامهم تنفيذاً لوصيّة الأئمة، فإن اعتقادنا فيهم أنّهم لو عاشوا، و ظفروا بتلك الأحاديث التي صحّت بعدهم، لأخذوا بها، و عملو بما فيها، وتركوا كل قياس كانوا قاسوه، و كل قول كانوا قالوه" (الميزان الكبرى للشعرانی(١/٢٦).

''اگر تو یہ کہے کہ جو اُحادیث میرے امام کی موت کے بعد صحیح ثابت ہوئیں میں ان کے بارے میں کیا کروں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیرے لائق یہ ہے کہ تو ان اُحادیث پر عمل کرے سو اگر تیرا امام ان احادیث کو پاتا اور وہ اس کے نزدیک صحیح ہوتیں تو وہ تجھے ان پر عمل کرنے کا حکم دیتا کیونکہ تمام اَئمہ شریعت کے اُسیر (قیدی) ہیں اور جس نے ان اُحادیث پر عمل کیا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے خیر کو جمع کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ میں تو اس حدیث پر عمل کروں گا جس کو میرے امام نے لیا ہو تو وہ خیر کثیر سے محروم ہو گیا جیسا کہ اُکثر مقلدین اَئمہ مذاہب کا حال ہے حالانکہ ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ اَئمہ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ہر اس حدیث پر عمل کرتے جو ان کے امام کے بعد صحیح ثابت ہوئی۔ یقیناً ہمارا ان کے بارے میں اعتقاد یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور وہ اُحادیث جو ان کی وفات کے بعد صحیح ثابت ہوئیں ان تک پہنچتیں تو یقیناً وہ ان کو قبول کرتے اور ان پر عمل کرتے اور اپنے ہر اس قیاس کو جو انھوں نے کیا اور ہر اس قول کو جو انھوں نے کہا ترک کر دیتے۔''

اسی طرح شعرانی نے لکھا ہے:

" اعتقادنا، و اعتقاد كل منصف في أبي حنيفة أنّه لو عاش حتى دوّنت أحاديث الشريعة، و بعد رحيل الحفاظ في جمعها من البلاد، والثغور، و ظفربها، لأخذ بها، و ترك كل قياس كان قاسه، و كان القياس قلّ في مذهبه كما قلّ في مذهب غيره بالنسبة إليه لكن لمّا كانت أدلّة الشريعة مفرقة في عصره مع التابعين، و تابعي التابعين في المدائن، والقرىٰ، والثغور كثر القياس في مذهبه بالنسبة إلى غيره من الأئمة ضرورة ، لعدم وجود النص في تلك المسائل التى قاس فيها بخلاف غيره من الأئمة۔" (الميزان الكبرى:١/٦٢)۔

مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شعرانی کہتے ہیں کہ ہمارا اور ہر انصاف پسند آدمی کا امام ابوحنیفہ کے بارے

میں اعتقاد یہ ہے کہ اگر ان کے زمانے میں احادیث کتابی شکل میں جمع ہو جاتیں تو وہ ان اُحادیث پر عمل کرتے اور اپنے ہر قیاس کو ترک کر دیتے اور دوسرے مذاہب کی طرح ان کے مذہب میں بھی قیاس کم پایا جاتا۔

شعرانی صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے کثرت قیاس کا سبب ان تک بہت سی اُحادیث کا نہ پہنچنا تھا لہٰذا یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ امام صاحب نے جس حدیث پر عمل نہیں کیا وہ معلول ہے۔

شعرانی کے اس کلام کو مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی "مقدمة النافع الكبير" (صفحہ:۴۵) میں نقل کیا ہے اور اس کے بعد انھوں نے نمبر(۲) میں گزرنے والا اپنا کلام کیا ہے اسی طرح اسی مقدمہ (صفحہ:۲۲) میں لکھا ہے:

" و اعلم أنّه قد كثر النقل عن الإمام أبي حنيفة، و أصحابه، بل، و عن جميع الأئمة في الاهتداء إلى ترك آرائهم إذا وجد نص صحيح صريح مخالف لأقوالهم، كما ذكره الخطيب البغدادى والسيوطى في " تبييض الصحيفة بمناقب الإمام أبى حنيفة" و عبدالوهاب الشعراني في " الميزان" وغيرهم۔"

" معلوم ہونا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب بلکہ تمام اُئمہ سے یہ کثرت سے منقول ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح اور صریح ان کے اُقوال کے خلاف موجود ہو تو ان کے اُقوال کو ترک کر دیا جائے جیسا کہ خطیب بغدادی، سیوطی نے " تبييض الصحيفة" شعرانی نے "میزان" میں اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے۔"

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفی فقہ بلکہ دیگر مذاہب کی فقہ کا بھی جن اُحادیث پر فتویٰ نہیں ان میں بھی صحیح اُحادیث موجود ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ وہ اُحادیث معلول ہیں اپنے مذہب کے کبار علماء کے اُقوال سے بے خبری کی دلیل ہے۔

آیئے اب آپ اپنی جن اُحادیث پر ناز کرتے ہیں ان کی حقیقت بھی اپنوں ہی کی زبان سے سنتے جایئے۔

① ملا علی قاری قضائے عمری کے بارے میں ایک بے بنیاد روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" باطل قطعاً، لأنه مناقض للإجماع على أنّ شيئًا من العبادات لا يقوم مقام فائتة سنوات، ثم لا عبرة بنقل صاحب" النهاية" ولا بقيّة شراح " الهداية" فإنهم ليسوا من المحدثين، و لا أسندوا الحديث إلى أحد من المخرجين "(الموضوعات،حديث:۵۱۹)۔

" یہ قطعاً باطل (روایت) ہے کیونکہ یہ اس اجماع کے خلاف ہے کہ عبادات میں سے کوئی عبادت بھی کئی برس کی فوت شدہ عبادت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

صاحب "نہایہ" اور باقی شارحین "ہدایہ" کا اس کو اپنی کتب میں ذکر کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ محدثین میں سے نہ تھے اور نہ ہی انھوں نے اس حدیث کو حدیث کی تخریج کرنے والوں میں سے کسی ایک کی طرف

منسوب کیا ہے۔"

② مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

" فكم من كتاب معتمد اعتمد عليه أجلّة الفقهاء مملوء من الأحاديث الموضوعة ، و لاسيما الفتاوى"(مقدمة النافع الكبير(۱/۳۱)۔

"کتنی معتبر کتب ایسی ہیں جن پر جلیل القدر فقہاء نے اعتماد کیا ہے اور وہ موضوع اَحادیث سے بھری پڑی ہیں خصوصاً فتاوے۔"

اور"الأجوبة الفاضلة"(صفحہ:۲۹۔۳۰) میں لکھتے ہیں:

" ......ألا ترى إلى صاحب"الهداية" من أجلة الحنفية، و الرافعي شارح" الوجيز" من أجلّة الشافعية۔ مع كونهما ممن يشار إليه بالأنامل، و يعتمد عليه الأماجد والأماثل۔ قد ذكرا في تصانيفهما ما لا يوجد له أثر عند خبير بالحديث يستفسر، كما لا يخفى على من طالع" تخريج أحاديث الهداية" للزيلعي، و "تخريج أحاديث شرح الرافعي" لابن حجر العسقلاني۔

و إذا كان حال هؤلا الأجلّة هذا، فما بالك بغيرهم من الفقهاء الذين يتساهلون في إيراد الأخبار، ولا يتعمقون في سند الآثار"

"صاحب"ہدایہ" کی طرف نہیں دیکھتے جو جلیل القدر حنفیہ میں سے ہیں اور رافعی شارح"الوجیز" کی طرف جو جلیل القدر شافعیہ میں سے ہیں باوجود اس کے کہ یہ دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جن کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جاتے ہیں اور جن پر بڑے بڑے نامور علماء وفقہاء اعتماد کرتے ہیں۔

ان دونوں نے اپنی اپنی تصانیف میں ایسی اَحادیث ذکر کردی ہیں کہ جن کا ماہر حدیث کے ہاں کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔یعنی انھوں نے بے بنیاد اَحادیث ذکر کی ہیں۔جیسا کہ یہ بات زیلعی کی"تخريج أحاديث الهداية" اور ابن حجر عسقلانی کی"تخريج أحاديث شرح الرافعي"کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہ ہوگی۔

جب ان جلیل القدر ہستیوں کا حال یہ ہے تو پھر ان فقہاء کا حال کیا ہوگا جو اَحادیث کے ذکر کرنے میں تساہل برتتے ہیں اور احادیث کی اَسانید کے بارے میں چھان بین سے کام نہیں لیتے۔"

اس قسم کے اَقوال علامہ لکھنوی کی دیگر کتب میں بھی پائے جاتے ہیں نیز بعض دیگر حنفی علماء کی بھی اس قسم کی تصریحات ہیں جنھیں" نتائج التقليد"(صفحہ:۱۴۴۔۱۴۷) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

یہ ہے بڑی بڑی اور معتبر کتبِ فقہ کا حال کہ ان میں موضوع اور بے اَصل روایات پائی جاتی ہیں دوسری فصل میں ان روایات کی چند مثالیں بھی آئیں گی۔

اوکاڑی صاحب کی ایک اور انوکھی بات جسے بہت زیادہ اچھالا گیا کہ آپ لوگ جس حدیث کو صحیح کہتے ہیں کیا اس حدیث کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح کہا ہے؟

یہ بات اس لیے کہی گئی کہ آپ لوگ چونکہ اتباعِ کتاب وسنت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے حدیث کی صحت کو بھی کتاب وسنت سے ثابت کریں۔

پہلی بات یہ ہے کہ محدثین نے حدیث کی چھان بین اور صحت کے لیے جو اُصول وضوابط وضع کیے ہیں وہ کتاب و سنت کے عام دلائل ہی کو سامنے رکھ کر وضع کیے ہیں جن کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی یہاں گنجائش ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جیسے آپ ہم سے سوال کرتے ہو اسی طرح ہم آپ سے بھی یہ سوال کر سکتے ہیں کہ آپ چونکہ امام صاحب کے مقلد ہو تو کیا آپ لوگ جس حدیث کو صحیح کہتے ہو تو وہ اس بناء پر کہ اس حدیث کو آپ کے امام نے صحیح کہا ہوتا ہے؟

ممکن ہے کہ جواب میں یہ کہہ دیا جائے کہ ہمارے امام کا کسی حدیث پر عمل اس کی صحت کی دلیل ہے یعنی امام صاحب نے اس پر اسی لیے عمل کیا کہ وہ ان کے نزدیک صحیح تھی۔

اب ہمارا سوال یہ ہے کیا آپ اپنے امام صاحب سے بسند صحیح یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انھوں نے ان تمام اُحادیث پر عمل کیا اور ان کے مطابق فتوی دیا جن کو آپ لوگ صحیح کہتے ہو؟

دوسری بات وہ اُحادیث جن کے مطابق امام صاحب کا فتویٰ نہیں اور آپ کے علماء نے ان کو صحیح کہا ہے یا ان کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ [1] تو انھوں نے ان کو کس بناء پر صحیح کہا ہے۔

نیز آپ کے شیخ ظفر اُحمد تھانوی کی کتاب ''قواعد فی علوم الحدیث'' میں جو قواعد ذکر کیے گئے ہیں کیا وہ بھی امام صاحب ہی سے ثابت ہیں اسی طرح آپ کی کتب اُصول فقہ میں جو قواعد ہیں کیا ان کی بھی آپ کے پاس امام صاحب سے صحیح سندیں ہیں کہ ان قواعد کو انھوں نے ہی وضع کیا ہے اگر نہیں تو پھر آپ لوگ امام صاحب کے مقلد نہیں۔ بیّنوا تُوجروا جزاکم اللہ خیراً۔

واضح رہے کہ ''قواعد فی علوم الحدیث'' کی تصنیف کا مقصد اپنے مذہب سے متعلق اُحادیث کی تصحیح اور مخالفین کی اُحادیث کی تضعیف ہے اسی لیے شیخ البانی نے کہا کہ کیا ہی بہتر ہو کہ اس کے عنوان کے آخر میں ''علی

---

[1] اس سلسلے میں (صفحہ:۱۲۳۔۱۲۸) میں علماء حنفیہ کے مذکورہ اُقوال ملاحظہ کریں۔

مذهب الحنفية" کا اضافہ بھی کر دیا جائے تا کہ یہ عنوان اس کتاب کے مضمون اور حقیقت کے عین مطابق ہو۔ [1]

اسی لیے ایک صاحب نے جب اس کتاب کو پڑھا تو اس پر یہ لکھ دیا:

" حقّ هذا الكتاب أن يسمّى "مهازل في علوم الحديث" فعلوم الحديث في واد، وهؤلاء العميان في واد۔ إنّا لله و إنا إليه راجعون۔" [2]

" یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کا نام "مهازل في علوم الحديث" [3] رکھا جائے کیونکہ علوم حدیث ایک وادی میں ہیں اور یہ اندھے لوگ دوسری وادی میں۔ إنا لله و إنا إليه راجعون"۔

اس کتاب پر شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ کا ردّ ہے جو شیخ صلاح الدین مقبول اُحمد کی تحقیق سے "نقض قواعد فی علوم الحدیث" کے نام سے پہلی بار ۲۰۰۳ء میں مؤسسہ غراس کویت سے شائع ہوا۔

اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں: "صلوٰۃ الرسول" پر تحقیق کرنے والے کا فرض تھا کہ ثبوت، دلالت اور رفع تعارض تینوں پر بحث کرتا مگر دلالت اور رفع تعارض کی بحث صرف فقہاء کا حصہ ہے اور فقہ سے یہ فرقہ محروم ہے اس لیے مولوی عبدالرؤف صاحب نے صرف اس پر بحث کی کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی صحیح نہیں اس میں بھی اللہ، رسول سے کوئی بات ثابت نہیں کی، شوافع کے اصولوں پر مدار رکھا ہے اور ثابت کر دکھایا کہ اس کتاب کی اکثر اُحادیث محدثین کے ہاں بھی ضعیف ہیں۔" (صفحہ:٦)۔

یہ ہے اوکاڑی صاحب کا کلام جس پر مختصر سا تبصرہ درج ذیل ہے:

ا۔ اوکاڑی صاحب کا یہ کہنا کہ رفع تعارض کی بحث صرف فقہاء کا حصہ ہے انھوں نے سچ فرمایا مگر ان کے ہاں رفع تعارض کا جو طریقہ ہے وہ بھی ملاحظہ کیجیے۔

① جو قرآن کی آیت یا حدیث ان کے ائمہ کے مذہب کے خلاف ہو اس کو منسوخ کہہ دیا جائے تعارض ختم، تفصیل کے لیے اس کتاب کے (صفحہ:۱۱۱) میں ابوالحسن کرخی کا مذکورہ کلام دیکھیں۔

② قرآن مجید کی دو آیات کا آپس میں ٹکراؤ پیدا کر کے دونوں کو ہی نا قابل استدلال ٹھہرا دیا جائے تعارض ختم مثال کے لیے ملاحظہ ہو۔ ملاّ جیون کی کتاب "نور الأنوار" (صفحہ ۱۹۶۔۱۹۷ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)۔

③ صحیح اُحادیث کو ردّ کر دیا جائے یا ان کی بے جا اور باطل قسم کی تاویلیں کر دی جائیں بس تعارض ختم، ملاحظہ ہو اس کتاب کے صفحات (۱۱۱، ۱۱۲، ۱۲۱) میں عز بن عبدالسلام، محمود الحسن اور مفتی محمد شفیع کا مذکورہ کلام۔

---

[1] ملاحظہ ہو: مقدمة شرح العقيدة الطحاويه (صفحہ:۴۳۔ المكتب الاسلامی)۔

[2] مقدمة التحقيق لنقض "قواعد فی علوم الحديث" (صفحہ:۱۴)۔

[3] مہازل: مهزلہ کی جمع ہے جس کے معنی ہنسی ٹھٹھہ اور مذاق کے ہیں۔

ب۔ اوکاڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ مولوی عبدالرؤف صاحب نے صرف اس پر بحث کی کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی صحیح نہیں ہے یہ سراسر خلاف حقیقت بات ہے قارئین ''صلوۃ الرسول ﷺ'' کی تخریج وتعلیق کا مطالعہ کریں جس سے ان پر اوکاڑوی صاحب کی کذب بیانی واضح ہو جائے گی۔

ج۔ ان کا یہ کہنا کہ شوافع کے اصولوں پر مدار رکھا ہے یہاں سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اصول تھے جن پر مدار ہونا چاہیے تھا موصوف کو یہ بھی تو بیان کرنا چاہیے تھا، جن اصولوں کو انھوں نے شوافع کے اصول کہا ہے وہ محدثین ہی کے اصول ہیں اور اس حقیقت کا اوکاڑوی صاحب کو بھی اعتراف ہے جیسا کہ ان کے مذکورہ کلام کے بعد والے کلام سے ظاہر ہے۔ ''اور یہ ثابت کر دکھایا کہ اس کتاب کی اُکثر اُحادیث محدثین کے ہاں بھی ضعیف ہیں۔''

آیئے اب محدثین کے قواعد واُصول کی اہمیت اپنے علماء کی زبانی سنیے۔

① مولانا عبدالحیؒ لکھتے ہیں: طحاوی، ابن ہمام بھی مذہب کی خاطر تاویلات کر جاتے ہیں اور صحت میں قواعد محدثین سے نکل جاتے ہیں۔(فوائد بھیة،منقول از فتاویٰ اھل حدیث(۱/۷)۔

② دیکھیے آپ کے شیخ محمد عوامہ جو کہ متعصب حنفی ہیں، لکھتے ہیں:

" لكن أقول۔ مُتَعَجِلاً، و غير مبالغ، و لا مسرف إن شاء الله۔ لو لا نصوص ابن القطان، و ابن دقيق العيد، و ابن عبد الهادي في" نصب الراية" لفقد الكتاب نصف أهميته، و قيمته العلمية۔

و جزى الله الحافظ الزيلعي خيراً، و مثوبة على ما أفاد فى حفظ نصوص هٰذه الكتب النادرة الفذّة "(دراسة حديثيّة مقارنه:۱٦٦) ۔

''لیکن میں۔بغیر کسی مبالغے اور اسراف کے اِن شاء اللہ۔کہتا ہوں کہ'' نصب الرایہ'' میں اگر ابن قطان، ابن دقیق اور ابن عبدالهادی کے نصوص (ان کے اقوال) نہ ہوتے تو یہ کتاب اپنی آدھی اہمیت اور علمی قیمت کھو بیٹھتی۔

اللہ حافظ زیلعی کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ان نادر اور منفرد کتب کے نصوص کو محفوظ کر کے مستفید کیا۔'' [1]

---

[1] علامہ زیلعی ابن قطان کی کتاب "بيان الوهم والإيهام الواقعين في كتاب الأحكام" ابن دقیق کی کتاب ''الإمام في معرفة أحاديث الأحكام" اور ابن عبدالهادی کی کتاب "تنقيح التحقيق فی أحاديث التعليق" سے نقل کرتے ہیں اور اب یہ تینوں کتابیں چھپ چکی ہیں مگر ''الإمام" نامکمل ہے بلکہ مؤلف ہی اس کو مکمل نہیں کر سکے تھے۔

علامہ زیلعی ''نصب الرایہ'' میں اَحادیث کی اسانید کی تصحیح اور تضعیف کے بارے میں ابن قطان، ابن دقیق اور ابن عبدالھادی سے بہت نقل کرتے ہیں اور ان ائمہ نے احادیث کی تصحیح وتضعیف کے بارے میں جو کلام کیا ہے وہ محدثین کے اصول وقواعد ہی کی بناء پر کیا ہے۔

ابن قطان مسلکاً مالکی اور ابن عبدالھادی مسلکاً حنبلی ہیں، جب کہ ابن دقیق العید پہلے مالکی تھے پھر انھوں نے شافعی مذہب کو اختیار کر لیا مگر واضح رہے کہ یہ ائمہ اپنے مذہب کے بارے میں قطعاً متعصب نہ تھے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصل اعتبار محدثین کے قواعد ہی کا ہے نہ کہ آپ کے قواعد کا جن کو احادیث کے ردّ کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

د۔ اوکاڑوی صاحب کا یہ کہنا کہ اس کتاب کی اَکثر اَحادیث محدثین کے ہاں بھی ضعیف ہیں یہ سفید جھوٹ ہے قارئین کو اگر اس کا ثبوت درکار ہو تو وہ ''القول المقبول'' کا مطالعہ کر کے دیکھیں۔

❁○○○❁

۲ مفتی وصوفی بشیر احمد صاحب

یہ ہیں تو مفتی صاحب مگر ان کا حال بھی اوکاڑی صاحب سے کوئی زیادہ مختلف نہیں بلکہ ان سے بھی چند قدم آگے ہی ہیں اور ان کے مبلغ علم کا حال یہ ہے کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں مشہور عربی مقولہ ہے:''إذا فاتك الحياء فافعل ما شئت'' ملاحظہ ہو(صفحہ:۳۹)۔

مفتی صاحب یہ مشہور عربی مقولہ ہی نہیں بلکہ ''صحیح بخاری'' کی مشہور ومعروف حدیث بھی ہے جس کے الفاظ کا ذکر اس رسالے کے مقدمے میں گزر چکا۔ ملاحظہ ہو(صفحہ:۷)۔

ان مفتی صاحب نے مولوی محمد یوسف صاحب کی کتاب کے دو مقدمے لکھے ہیں پہلے مقدمے میں کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کے بارے میں مختصر سی گفتگو کی ہے اس مقدمے کے بعد مؤلف کا پیش لفظ ہے اس کے بعد پھر مفتی صاحب کا ایک طویل مقدمہ ہے جس میں زیادہ تر بحث امام ابوحنیفہ کے فضائل ومناقب پر ہے۔

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ یہ مفتی صاحب بھی اوکاڑوی صاحب سے زیادہ مختلف نہیں بلکہ زبان درازی میں ان سے بھی چند قدم آگے ہیں چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> ''...... اب دوسری طرف بے عقلوں، بدعقلوں، بیوقوفوں کا ایک مختصر گروہ ہے جو انسان ہونے اور کہلانے کے باوجود عقل والوں کے پیچھے لٹھ لے کر بھاگا پھرتا ہے کہ ہم تمہاری دین کے معاملہ میں نہیں مانیں گے۔[۱]
>
> اور قرآن مجید کی رو سے وہ﴿ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ﴾''وہ مثل چوپائیوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں'' کیونکہ وہ حیوانوں کی طرح نہ تو ترقی کرنا ہی چاہتے ہیں اور نہ ہی ترقی کرنے والے حضرات کو ماننا چاہتے ہیں۔
>
> ان کے نزدیک تو علماء وفقہاء ومجتہدین رحمہم اللہ کی تمام دینی کوششیں فضول اور بے کار ہیں اور کروڑ ہا قسم کی ہر فن میں مدوّن کی ہوئی کتب ان فاتحین بدبخت عیسائیوں کی طرح دریا برد اور زمین برد[۲] وغیرہ کر دینے

---

[۱] تم ہو کون ہم تمہاری بات کو مانیں کیا ہم نے تمہارا کلمہ پڑھ رکھا ہے کہ تمہاری بات مانیں۔
بیچارے ہیں تو مفتی صاحب مگر باتیں مفتیوں جیسی نہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔

[۲] مفتی صاحب صرف اَحادیث سے ہی ناآشنا نہیں بلکہ اردو کے محاورات کے بارے میں بھی بے خبر ہیں مفتی صاحب ''زمین برد'' نہیں بلکہ ''زمین دوز'' کہا جاتا ہے۔

کے لائق ہیں جنھوں نے اندلس کے دریائی پانی کو سیاہ اور فضاء کو کتب کے جلانے سے دھواں دار اور مکدر کردیا تھا۔ ان میں اکثر کتب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی اور فقہ حنفی کی بھی ہوں گی جیسا کہ بعض علماء کا قیاس کہتا ہے۔ اللہ أعلم۔'' (ص:۳۵۔۳۶)۔ [1]

یہ ہے حضرت مفتی صاحب کا کلام ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾۔ہم مفتی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کس معتبر عالم نے کہا ہے کہ فقہاء و مجتہدین کی تمام دینی کوششیں فضول اور بے کار ہیں ہر فن کی کتب ضائع کردینے کے لائق ہیں مفتی صاحب اس کا ثبوت چاہیے ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرة:۱۱۱)

مفتی صاحب ایسی بے بنیاد باتیں کرنا آپ کے شایان شان تو نہ تھا اپنے اس سفید جھوٹ اور الزام تراشی سے توبہ کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبر میں آپ کا منہ بھی قبلہ سے پھر جائے۔ [2]

مفتی صاحب اگر کچھ کلام ہوا ہے تو آپ کے بعض ان فقہاء کے بارے میں ہوا ہے جنھوں نے بڑے عجیب و غریب مسائل ذکر کیے ہیں یا آپ کی بعض ان کتب کے بارے میں ہوا ہے جن کے اندر ایسے ایسے مسائل ہیں کہ جنھیں ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے آیئے ہم آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سناتے ہیں جس سے بخوبی یہ اندازا ہو جائے گا کہ آپ کے اکابر کی تحریریں آپ ہی کے مفتیان صاحبان کی نظر میں کیا ہیں۔

مولانا ابو زکی صاحب نے اپنی کتاب ''فقہی مسلک کی حقیقت'' میں ''مولانا عامر عثمانی رحمہ اللہ کی شرارت'' کے عنوان کے تحت ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس حوالے سے آج سے قریباً نصف صدی پہلے کا ایک تاریخی واقعہ ہے جو افسوس ناک بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔''

---

[1] ان لوگوں کو کتاب "صلوۃ الرسول ﷺ" پر بعض اوہام کی بناء پر کیچڑ اچھالنے کا تو بڑا شوق کودا مگر ان کی اس مختصر سی کتاب ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' کا حال یہ ہے کہ اس میں دوسری اغلاط سے قطع نظر صفحات کے نمبروں میں بھی اغلاط پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ صفحہ (۳۲) کے بعد صفحہ نمبر (۳۳،۳۴،۳۵) کی بجائے (۳۵،۳۶،۳۷) اور صفحہ (۶۹) کی بجائے (۷۰) ہے اور صفحہ (۱۲۰) کے بعد چھ صفحات نمبروں سے خالی ہیں اور ان کے بعد صفحہ (۱۲۱،۱۲۲،۱۲۳) ہے اور صفحہ (۱۲۳) پر کتاب ختم ہو جاتی ہے جب یہ بیچارے اس مختصر سی کتاب کے صفحات کو صحیح ترتیب نہیں دے سکے تو کتاب ''صلوۃ الرسول ﷺ'' پر اعتراضات کرنے کے اہل کیسے ہو سکتے ہیں۔

[2] قبلہ سے منہ پھر جانے کی آگے چل کر وضاحت آئے گی ملاحظہ ہو: (صفحہ ۱۸۰)۔

دیوبند قصبے میں مولانا عامر عثمانی مرحوم [1] ماہنامہ تجلی کے ایڈیٹر ہوا کرتے تھے وہ دارالعلوم دیوبند سے باقاعدہ فارغ التحصیل اور مستند عالم دین تھے لیکن کسی سبب سے وہ دیوبند مدرسے کے اس وقت کے بعض علماء سے بوجوہ ناراض ہو گئے تھے ایک مرتبہ اچانک انھیں یہ "شرارت" سوجھی کہ انھوں نے بعض اکابر دیوبندی علماء کی کتب سے بعض قابل اعتراض تحریریں۔ جیسا کہ ہمارے بریلوی حضرات نے بھی دیوبندی علماء کی کتب سے کئی قابل اعتراض عبارتیں اپنی بعض کتابوں میں نقل کردی ہیں۔ نکال لیں۔ پھر ان تحریروں کو ان کے لکھنے والوں کے نام ظاہر کیے بغیر دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں استفتاء کے طور پر ارسال کردیا اور سوال کیا کہ جو شخص ان تحریروں اور ان عبارتوں میں درج عقائد و نظریات رکھتا ہو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جب یہ استفتاء اس وقت کے مفتی صاحب کے پاس آیا تو انھوں نے اس کے جواب میں یہ فتویٰ لکھا کہ جو شخص ایسے عقائد و نظریات رکھتا ہو جو ان عبارتوں میں ظاہر کیے گئے ہیں وہ گمراہ، ضال، مضل، بے دین، کافر اور ملحد ہے۔

اس کے بعد وہی تحریریں اور عبارتیں مولانا عامر عثمانی صاحب نے دیوبند اکابر علماء کے اصل ناموں اور ان کی اصل کتابوں کے حوالے کے ساتھ دوبارہ مفتی صاحب کے پاس بھیج دیں کہ یہ تو آپ کے اپنے اکابر کی تحریریں ہیں اور فلاں فلاں کتاب میں موجود ہیں تو اس پر وہ محترم مفتی صاحب بہت سٹپٹائے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا کیونکہ یہ ساری روئداد مولانا عامر عثمانی صاحب نے اپنے ماہنامے "تجلی" میں شائع کردی۔ جس کے نتیجے میں دارالعلوم کی بڑی سبکی ہوئی تھی۔"

(فقهي مسلك :صفحہ:۱۷۳۔۱۷۴)۔

مفتی صاحب آپ نے اپنی تحریر میں خود کو بڑا عقلمند ظاہر کیا ہے اور یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آدمی اپنی ہی تحریر سے ضال، مضل، کافر اور ملحد ٹھہرے اگر آپ لوگوں کے ہاں عقلِ سلیم ہوتی تو صحیح عقیدے کو اپناتے اور سمجھتے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں لاکھڑا نہ کرتے۔

آیئے ایک سلیمِ فطرت اور سلیم عقل بدّو کا واقعہ سنیے اور یہ واقعہ مدینہ منورہ میں دورانِ تعلیم ایک مغربی (مراکشی) دوست نے بیان کیا کہ مسجد نبوی میں مالکی مذہب سے تعلق رکھنے والے ایک عالم "موطأ امام مالک" کا درس دیا کرتے تھے چونکہ "وہ موطأ" کا درس دیتے تھے اس لیے ان کی زبان پہ بار بار یہ کلمہ آتا:

"قال مالك كذا، قال مالك كذا۔"

ہوا کیا کہ ایک روز ایک بدّو دورانِ درس ہی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

" كل يوم عندك قال مالك، قال مالك، ما عندك قال رسول الله ﷺ۔"

---

[1] موصوف نے لفظ "مرحوم" استعمال کیا ہے مگر اس قسم کے الفاظ سے گریز کرنا چاہیے تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۲۰ حاشیہ:۱) دیکھیں۔

''ہر روز آپ کے پاس یہی ہے کہ مالک نے کہا مالک نے کہا کیا آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ نے کہا۔ نہیں ہے۔''

یہ ہے عقلِ سلیم کا تقاضا، اور ہر مسلمان کا شیوہ بھی یہی ہونا چاہیے کہ اسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے فرمان سے محبت ہو اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو۔

آیئے اب اپنے بعض فقہاء کے عقل وفہم وفراست پر مبنی چند فتوے بھی سنتے جایئے۔

1 بعض اکابر فقہاء اَحناف نے شفاء کے لیے خون اور پیشاب سے قرآن مجید کو لکھنے کی اجازت دی ہے چنانچہ علامہ قاضی خان لکھتے ہیں:

" والذي رعف، فلا يرقأ دمه، فأراد أن يكتب بدمه على جبهته شيئًا من القرآن، قال أبو بكر الإسكاف ـ رحمه الله ـ يجوز، قيل: لو كتب بالبول؟ قال: لو كان فيه شفاء لا بأس به ـ "(فتاویٰ قاضی خان برحاشیه عالمگیری (٣/٤٠٤)۔

''جس کو نکسیر آئے اور وہ بند نہ ہو تو اس کے لیے اپنے خون سے اس کی پیشانی پر قرآن پاک کی کوئی آیت لکھی جائے تو اس کے بارے میں اَبوبکر اسکاف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے ان سے پوچھا گیا اگر پیشاب سے لکھے تو انھوں نے فرمایا اس میں شفاء ہو تو پیشاب سے لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔''

یہی فتوی عالمگیری (٥/٣٥٦) اور درالمختار (١/٢١٠) میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

علامہ الحموی رحمہ اللہ نے "النوازل" کے حوالہ سے بھی اسی طرح سورہ فاتحہ کو خون اور پیشاب سے لکھنے کے بارے میں "لا بأس به" کا قول نقل کیا ہے۔ (شرح الأشباه (١/١١٨) منقول از'' مسلک اَحناف اور مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ '' (صفحہ:١٤٢)۔

یہ ہے ان کی فقاہت کا حال جس پر ان کو بہت ناز ہے خون ان کے نزدیک ناپاک ہے جس کے نکلنے سے ان کے ہاں وضوء تو ٹوٹ جاتا ہے مگر اس ناپاک چیز سے جب قرآن کو لکھا جائے تو اس سے قرآن پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ ہی اس کی حرمت پامال ہوتی ہے۔ اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون۔

اور پیشاب جس سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے اور جس کے چھینٹوں سے اپنے جسم کو نہ بچانا عذاب قبر کا باعث ہے جیسا کہ صحیح اَحادیث سے یہ ثابت ہے۔ [1] مگر جب اس پیشاب سے قرآن کو لکھا جائے تو شفا حاصل ہو۔ فواعجبا۔

---

[1] ملاحظہ ہو: صحیح بخاری (٢١٨،٢١٦) کتاب الوضوء اور صحیح مسلم (٢٠٠/٣) کتاب الطهارة میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور ابن ماجہ (٣٤٨) الطهارة دارقطنی (١/١٢٨) اور مسند اَحمد (٢/ ٢٨٨، ٣٨٩) میں اَبو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

کوئی اُدنی سا مسلمان بھی یہ سننے کے لیے تیار نہ ہوگا کہ اس کی مقدس کتاب کو پیشاب سے لکھا جائے۔
مسلمانوں کو چھوڑیے آپ کسی غیر مسلم سے اس کی مقدس کتاب کے بارے میں اگر یہ بات کہیں تو وہ بھی اس کو بالکل برداشت نہیں کرے گا بلکہ آپ کے گلے پڑ جائے گا مگر ان مسلمان مفتیوں کو دیکھیں کہ شفا کے لیے پیشاب سے قران کو لکھنے کی اجازت مراحمت فرما رہے ہیں۔

یہ وہ مسلم ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

مولانا عبدالحیی لکھنوی رحمہ اللہ کے دل میں چونکہ اللہ عزوجل کا خوف تھا اس لیے کئی مسائل میں انھوں نے اپنے حنفی مسلک کی مخالفت کی ہے۔ [1] چنانچہ اس مسئلہ میں بھی انھوں نے مخالفت ہی کی ہے اور بڑے سخت الفاظ سے لکھتے ہیں:

”و لا يجوز أن يكتب شيئ من القرآن بالدم، أو غيره من النجاسات، و من حكم بجوازه أتى بما يرضى به الشيطان۔“ (**التعليق الممجد** :۳۸۲/۳۔ تحقیق ڈاکٹر تقی الدین ندوی)

”قرآن میں سے کسی چیز کو بھی خون یا دیگر ناپاک چیزوں کے ساتھ لکھنا جائز نہیں اور جس نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اس نے ایسا کام کیا کہ جس سے شیطان خوش ہو۔“

۲ امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے فضل بن ربیع نے کہا کہ میں آپ اور لؤلؤی [2] کا مناظرہ سننا چاہتا ہوں میں نے کہا کہ وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے انھوں نے کہا کہ میری یہ بہت چاہت ہے میں نے کہا کہ ٹھیک جب چاہو تو انھوں نے ایک دعوت کا انتظام کیا جس میں مجھے اور لؤلؤی کو بھی بلا لیا جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی نے جو کہ میرے ساتھ تھا لؤلؤی سے سوال کیا کہ آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو بحالتِ نماز کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگاتا ہے لؤلؤی نے جواب دیا کہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس نے کہا اس کے وضوء کا کیا حکم ہوگا تو انھوں نے کہا کہ وضوء اس کا باقی رہے گا۔

تو اس نے دوسرا سوال یہ کیا کہ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو جو نماز میں ہنس پڑے تو انھوں نے جواب دیا کہ اس کی نماز اور وضوء دونوں ہی باطل ہو گئے۔ [3] اس پر اس آدمی نے کہا کہ کیا نماز کی حالت میں پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا نماز میں ہنسنے کی نسبت چھوٹا کام ہے، یہ سن کر لؤلؤی نے اپنا جوتا اٹھایا اور چلتے بنے۔

---

[1] تفصیل کے لیے مولانا إرشاد الحق أثری کا رسالہ ”مسلک أحناف اور مولانا عبدالحیی لکھنوی“ دیکھا جائے۔

[2] ان کا نام حسن بن زیاد، کنیت ابوعلی ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کے أصحاب میں سے ہیں۔ ان کے ترجمے کے لیے تاریخ بغداد (۳۱۴/۸۷) ملاحظہ کریں۔

[3] حنفیہ ایک ضعیف روایت کی بناء پر کہتے ہیں کہ نماز میں ہنسنے یا قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس روایت کے بارے میں تفصیل کے لیے **سنن دارقطنی** (۱۷۵.۱۶۱/۱) **نصب الرایہ** (۸۴.۴۷/۱) اور **تلخیص الحبیر** (۱۱۵/۱) دیکھیں۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ میں نے فضل سے کہا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ [1]

٣ کتبِ فقہ حنفی میں ہے:

" و إذا ذبح ما لا يؤكل لحمه طهر جلده، و لحمه إلا الآدمي والخنزير" ملاحظہ ہو مختصر قدوری(صفحه:٤٩٧) هدايه (٥٠٢/٩) اور كنز الدقائق (٤٦٨/٦۔تبيين الحقائق)وغيره۔

یعنی حرام جانور کو (جیسا کہ کتا ہے)، ذبح کر لینے سے اس کی جلد اور گوشت پاک ہو جاتا ہے ما سوائے آدمی اور خنزیر کی جلد اور گوشت کے۔

اور زیلعی نے "تبیین الحقائق" (٤٦٨/٦) میں لکھا ہے:

" كما يطهر لحمه يطهر شحمه أيضًا۔"

"جیسے اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے ویسے اس کی چربی بھی پاک ہو جاتی ہے۔"

اس مہنگائی کے دور میں ممکن ہے کہ بعض لوگ اس فتوے سے فائدہ اٹھائیں۔

٤ ابن نجیم ۔ نے "البحر الرائق" (٤٩٥/١) میں لکھا ہے:

" و في عدّة الفتاوى: الكعبة إذا رفعت عن مكانها لزيارة أصحاب الكرامة ففي تلك الحالة جازت صلوٰة المتوجهين إلى أرضها۔"

"متعدد فتاوی میں ہے کہ خانہ کعبہ جب اپنی جگہ سے اصحاب کرامت کی زیارت کے لیے چلا جائے تو ایسی حالت میں اس کی (خانہ کعبہ کی) زمین کی طرف (رخ کر کے) نماز پڑھنا جائز ہے۔"

اور "البحر الرائق" کے حوالے سے یہ بات ابن عابدین نے بھی "ردّ المحتار علی درّ الْمختار" (٤٣٢/١) میں نقل کی ہے۔ اسی طرح ان کا "البحر الرائق" پر حاشیہ "منحة الخالق" (٤٩٥/١) بھی دیکھیں۔

دیکھیے آپ کے فقہاء نے کیسی انہونی بات کر دی کیا آج تک کبھی ایسا ہوا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں یا مسجد حرام میں موجود لوگوں نے بیت اللہ کو غائب پایا ہو۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو قریش نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے ساتھ صحابہ کو اس سال بغیر عمرہ کیے واپس لوٹنا پڑا۔ [2] مگر ایسا

---

[1] اس واقعہ کو ابن عدی (٧٣٢/٢) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ إرواء الغلیل (١١٧/٢) میں ہے۔ اس واقعہ کو لکھنوی صاحب نے بھی "الفوائد البهية" (صفحہ:٦١) میں لولوئی کے ترجمے میں ذکر کیا ہے۔

[2] تفصیل واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط في الجهاد، حديث: (٢٧٣١۔٢٧٣٢) اور مسند أحمد (٣٢٨/٤۔٣٣١)۔

نہیں ہوا کہ بیت اللہ اور صفا ومروہ وہاں آ گئے ہوں تا کہ آپ اور آپ کے صحابہ عمرہ کر لیں۔

کیا آپ لوگوں کے اصحاب کرامات، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی بڑھ کر ہیں کہ ان کی زیارت کے لیے تو خانہ کعبہ چلا جائے مگر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو اپنی زیارت سے محروم رکھے۔

۵ تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

مسئلہ (۳) آدھے سے زیادہ بچہ نکل آیا لیکن ابھی پورا نہیں نکلا اس وقت جو خون آوے وہ بھی نفاس ہے اگر آدھے سے کم نکلا تھا اس وقت خون آیا تو وہ استحاضہ ہے اگر ہوش وحواس باقی ہوں تو اس وقت بھی نماز پڑھے، نہیں تو گنہگار ہوگی۔ نہ ہو سکے تو اشارہ ہی سے پڑھے قضا نہ کرے۔لیکن اگر نماز پڑھنے سے بچہ کے ضائع ہو جانے کا ڈر ہو تو نماز نہ پڑھے۔'' ملاحظہ ہو بہشتی زیور دوسرا حصہ نفاس کا بیان (صفحہ:۴۳۔۴۷) ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی۔

تھانوی صاحب کے اس فتوے پر تبصرہ ہم قارئین کے لیے چھوڑتے ہیں اور انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ کیونکہ وہ حیوانوں کی طرح نہ تو ترقی کرنا ہی چاہتے ہیں اور نہ ہی ترقی کرنے والے حضرات کو ماننا چاہتے ہیں۔

مفتی صاحب کی اس قسم کی باتیں دیکھ کر ہمیں بہت تعجب ہوا کہ مفتی صاحب اور اس قسم کی اخلاق سے گری ہوئی گفتگو مگر یہ تعجب اس وقت زائل ہو گیا کہ جب ان کے پہلے مقدمے پر نظر پڑی کیونکہ اس مقدمے کے شروع میں یہ لکھا ہوا ہے:

"مقدمة از صوفي كامل مفتي بشير أحمد صاحب عطار"

اور مقدمے کے اختتام پر یہ لکھا ہوا ہے:''صوفی بشیر احمد صاحب عطار رب بھروسے عطر فروش مین بازار میاں چنوں'' ملاحظہ ہو (صفحہ:۷،۸)۔

مفتی صاحب اجتہاد کے دروازے کے بند ہو جانے کا فتوی آپ لوگوں کا اور ترقی کرنے سے ہم روکتے ہیں:

"رمتني بدائها و انسلت" الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

بعض متعصبین کا کہنا ہے کہ ائمہ اربعہ پر اجتہادِ مطلق ختم ہو گیا ہے اور حنفی مذاہب میں علامہ نسفی صاحب ''کنز'' پر اجتہاد ختم ہو چکا ہے۔

یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کا کوئی سر پیر نہیں اسی لیے علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بڑے سخت الفاظ سے ردّ کیا ہے فرماتے ہیں:

" وهذا غلط، و رجم بالغيب، فإن سئل من أين علمتم هذا؟ لا يقدرون على ابداء دليل أصلاً، ثم هو تحكم على قدرة الله ـ تعالىٰ ـ فمن أين يحصل علم أن لا يوجد

إلی یوم القیامة أحد یتفضل الله علیه مقام الاجتهاد، فاجتنب عن مثل هذه التعصبات۔"(مقدمة النافع الکبیر: ۱۵۰)۔

"یہ غلط ہے اور بے تکی ہانکنا ہے اگر ان سے یہ سوال کیا جائے کہ تمھیں اس کا علم کیسے ہوا (اجتہاد کے دروازے کے بند ہو جانے کا) تو وہ اس پر قطعاً کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں ہٹ دھرمی ہے سو یہ علم کیسے ہوگا کہ تا قیامت کوئی ایسا شخص نہیں آئے گا کہ جس کو اللہ مقام اجتہاد سے نوازے۔ اس قسم کے تعصّبات سے بچ کررہ۔"

مفتی صاحب ترقی ہم نہیں کرنے دیتے جب کہ آپ کے اکابر علماء نے لڑکیوں کو کتابت سکھانے کی ممانعت کا فتویٰ دیا ہے اور طالبان حکومت کے دور میں لڑکیوں پر تعلیم کی پابندی کسی پر مخفی نہیں۔

آپ کے جن اکابر نے لڑکیوں کو کتابت سکھانے کی ممانعت کا فتویٰ دیا ہے ان میں ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، علامہ عراق نعمان بن محمود آلوسی اور مولانا وکیل احمد سکندر پوری ہیں۔

چونکہ ان کا یہ فتویٰ صحیح حدیث کے خلاف ہے اسی لیے مولانا عبدالحی لکھتے ہیں:

"در باب جوازِ کتابت برائے زناں حدیث شفاء شافي و وافي است۔"

(مجموعه الفتاوی (۲/ ۳۸۱) منقول از مسلك أحناف (صفحہ: ۱۳۰۔۱۳۱)۔

یعنی عورتوں کے لیے کتابت کے جواز کے بارے میں شفاء رضی اللہ عنہا کی حدیث شافی اور کافی دلیل ہے۔

جس حدیثِ شفاء رضی اللہ عنہا کی طرف مولانا لکھنوی نے اشارہ کیا ہے وہ اس طرح ہے۔ ان کے پاس پہلو کی پھنسیوں کے بارے میں ایک دم تھا جسے انھوں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو سکھلایا تھا۔ بیان کرتی ہیں کہ ایک روز میں حفصہ کے پاس تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ نے فرمایا:

"ألا تعلّمین هذه رقیة النملة کما علمتیها الکتابة۔" [1]

"اس کو (حفصہ کو) پہلو کی پھنسیوں والا دم کیوں نہیں سکھلاتی ہو جس طرح کہ تم نے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔"

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے اپنے مذکورہ کلام کے بعد شیخ عبدالحق اور ملا علی قاری کا ردّ کیا ہے اور شیخ عبدالحق نے جس حدیث کی بناء پر ممانعت کا فتویٰ دیا ہے اسے انھوں نے موضوع۔ من گھڑت۔ کہا ہے۔ [2] اور تاریخی حوالوں سے بطور

---

[1] اس حدیث کو أحمد (۶/ ۳۷۲) اور أبوداؤد (۳۸۸۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "سلسلة الأحادیث الصحیحة: ۱۷۸)۔

[2] وہ حدیث یوں ہے: "لا تنزلوهن الغرف، و لا تعلّموهن الکتابة، وعلموهن المغزل و سورة النور" (انھیں۔ عورتوں کو۔ بالا خانوں میں نہیں ٹھہراؤ اور نہ ہی انھیں لکھنا سکھاؤ اور انھیں سوت کاتنا اور سورۃ النور سکھلاؤ۔"

ثبوت ان مقدس خواتین کے نام پیش کیے ہیں جو تیسری صدی ہجری سے لے کر ملا علی قاری کی صدی ہجری تک لکھنے لکھانے کا کام کرتی تھیں اور علمی سوالات کے جوابات دیتی تھیں۔ ملاحظہ ہو حوالہ مذکور۔

مفتی صاحب ترقی میں رکاوٹ بننے کا الزام ہمیں نہ دیں بلکہ اس کا سبب آپ لوگوں کا مذہبی تعصب ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف و انتشار کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے اسی تعصب ہی کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور اسی کی وجہ سے بعض غیر مسلم اسلام کو قبول کرنے سے رک گئے علامہ محمد سلطان معصومی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "هدية السلطان إلى مسلمي بلاد جابان" کے مقدمے میں ذکر کیا ہے کہ میرے پاس ٹوکیو اور جاپان کے مسلمانوں کی طرف سے سوال آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

دین اسلام کی حقیقت کیا ہے مذہب سے کیا مراد ہے؟ جو شخص دین اسلام سے مشرف ہونا چاہے کیا اس کے لیے مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کا التزام ضروری ہے کیونکہ یہاں بہت بڑا اختلاف ہوا ہے کہ چند روشن خیال جاپانیوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ٹوکیو میں جمعیۃ المسلمین کے سامنے اس رغبت کا اظہار کیا تو ہندوستان کی ایک جماعت نے کہا کہ انھیں امام ابوحنیفہ کا مذہب اختیار کرنا چاہیے کیونکہ وہ امت کے چراغ ہیں۔

اور جاوا انڈونیشیا کی ایک جماعت نے کہا کہ ان کے لیے شافعی بننا ضروری ہے۔

جب ان جاپانیوں نے ان کا یہ کلام سنا تو بہت زیادہ حیران رہ گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ یہ اختلاف ان کے اسلام لانے میں آڑے آیا۔ [1] إنا لله و إنا إليه راجعون.

کیا خیال ہے کہ یہ جاپانی لوگ قیامت کے دن اللہ عزوجل کی عدالت میں ان حنفیوں اور شافعیوں کے۔ جو ان کے قبولِ اسلام میں رکاوٹ بنے۔ خلاف دعویٰ دائر نہیں کریں گے اور یہ مجرم اللہ تعالیٰ کو وہاں کیا جواب دیں گے۔

یہ ہیں اندھی تقلید کی تباہ کاریاں جس نے امت محمدیہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔

یہاں ایک حقیقت بھی ملاحظہ کرتے جائیں کہ آج سے تقریباً چودہ پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارے شارجہ کے شہر "الذید" میں ایک روز وہاں مدیر اوقاف [2] کے دفتر میں ہم چند ساتھی بیٹھے ہوئے تھے تو اسلام کی دعوت کے

← اس حدیث کو ابن حبان نے "المجروحین" (۲/۳۰۲) میں طبرانی نے "الأوسط" (۴/ ۱۵/ ۲۰۱۸)۔ مجمع البحرین) میں حاکم (۲/۳۹۶) بیہقی نے "شعب الایمان" (۵/۳۸۸/۲۲۲۷) میں اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۱۴/۲۲۴) میں روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ موضوع ہے اور یہ موضوع ہی ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة (جلد: ۵/ حدیث: ۲۰۱۷)۔

[1] ملاحظہ ہو: "مقدمة صفة الصلاة" للألباني (ص ٦٧-٦٩)۔

[2] جو ۱۹۹۵ء میں وفات پا گئے۔ اللهم اغفر له و ارحمه۔

بارے میں بات ہوئی تو مدیر جو کہ شافعی مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے مذہب کے بارے میں متعصب بھی تھے کہنے لگے کہ اسلام کی دعوت سلفی طریق۔ مسلک اہل حدیث۔ سے ہی ہونی چاہیے۔

تقلید کی تباہ کاریوں کے سلسلے میں ایک واقعہ تو آپ نے ملاحظہ کر لیا آیئے چند مزید واقعات بھی ملاحظہ کیجیے۔

① تقلید کی وجہ سے مختلف مذاہب کے مقلدین کے درمیان اس قدر تعصب پیدا ہوا کہ ۶۶۳ء میں مصر میں ہر مذہب والوں کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کیے گئے حنفیوں کے لیے حنفی قاضی، شافعیوں کے لیے شافعی قاضی، مالکیوں کے لیے مالکی قاضی اور حنبلیوں کے لیے حنبلی قاضی۔

اور یہ خلیفہ ابوالعباس الحاکم بأمر اللہ کے دور میں ہوا۔

ان کے بعد ان کے بیٹے خلیفہ أبو الربیع سلیمان بن حاکم المستکفی بأمر اللہ کے دور میں ۷۰۴ھ میں اُمیر بیبرس جاشنکیر منصوری نے پھر از سرِ نو چار قاضی مقرر کیے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ الخلفاء للسیوطي (صفحہ: ۴۸۰، ۴۸۴۔ عربی) اور تاریخ التقلید (ص: ۱۳۰)۔

خبیۃ الاکوان میں چاروں مذاہب کے قاضی قانونی طور پر مقرر ہونے کا واقعہ اس طرح سے مذکور ہے:

جب أبو حامد اسفرائنی نے خلیفہ قادر باللہ ابوالعباس أحمد کے دربار میں رسوخ حاصل کیا تو اس سے اقرار لیا کہ ابو محمد اکفانی حنفی جو بغداد کے قاضی ہیں ان کی جگہ ابوالعباس أحمد بن محمد بازری شافعی کو قاضی مقرر کیا جائے۔

خلیفہ قادر باللہ نے ان کے کہنے سے ایسا ہی کیا پھر ابو حامد اسفرائینی نے سلطان محمود غزنوی کو لکھا کہ محکمہ قضاۃ خلیفہ نے چونکہ شافعیہ کے سپرد کر دیا ہے لہٰذا خلیفہ کی اقتداء میں تم بھی ایسا ہی کرو اس پر خراسان (حنفی ملک) میں بہت شور ہوا۔ اور ادھر بغداد کے لوگ بھی دو فریق ہو گئے (کیوں کہ ہارون الرشید کے عہد سے تا ایں دم رئیس القضاۃ چلے آ رہے تھے) آخر فتنہ شدید بپا ہونے کے خطرہ سے خلیفہ کو معزول شدہ حنفی قاضی بنانا پڑا۔

اور (۵۶۴ھ) میں شافعی مذہب کا مصر میں بہت زور ہو گیا اور کچھ مالکی مذہب کا بھی ہوا جب سلطان نور الدین محمود عماد الدین زنگی کا تسلط ہوا جو متعصب حنفی تھا اس نے ملک شام میں حنفی مذہب کو خوب فروغ دیا اور اسی اُثر کے تحت ملک مصر میں حنفی مذہب کی بھی خاصی شہرت اور ترویج ہو گئی پس انہی وجوہ کے ماتحت جب سلطان ظاہر بیبرس بندقداری کا دورِ حکومت آیا تو اس نے مصر اور قاہرہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کے الگ الگ چار قاضی مقرر کر دیے پس (۶۶۵ھ) سے یہی دستور حکومت ہو گیا حتی کہ تمام اسلامی ملکوں میں ان چاروں مذاہب کے سوا کوئی دوسرا فقہی مذہب اسلام پہچانا ہی نہیں جاتا تھا۔ (خبیۃ الأکوان في افتراق الأمم والأدیان، صفحہ: ۲۳۲۔ مطبوعہ مصر)۔

مؤرّخ اسلام (اکبر شاہ) رقمطراز ہیں کہ (۶۶۵ھ) میں مصر کے بادشاہ ظاہر بیبرس نے حنفی شافعی، مالکی، حنبلی چار

قاضی مقرر کر کے چار فقہی مذاہب کو مخصوص و متعین کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی فقہی مذاہب کی شہرت و معرفت جاتی رہی۔ [1] ورنہ اس سے پہلے اور بھی متعدد فقہی مذاہب مشہور و مروّج تھے۔ (قول حق، صفحہ:۱۱۵) منقول از **تاریخ التقلید** (صفحہ:۱۳۰۔۱۳۱)۔

② بات صرف ہر مذہب والوں کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کرنے تک ہی محدود نہ رہی بلکہ ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور حقارت نے اس قدر زور پکڑا کہ حج بیت اللہ کے لیے مختلف ممالک اور علاقوں سے آنے والوں کا آپس میں مل بیٹھنا اور ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا امر محال ہو گیا چنانچہ (۸۰۱ھ) میں فرح بن برقوق چرکسی نے جو کہ حنفی فرمانروا تھا۔ چاروں مذاہب کے لیے چار مصلے تعمیر کرواتے ہوئے چاروں مذاہب سے چار امام مقرر کر دیے۔

اور ہر مذہب والوں نے اپنے اپنے مذہب کی حقانیت پر دلائل دینے شروع کر دیے مثلاً حنفیوں نے کہا کہ ہمارا مصلی چونکہ بیت اللہ شریف کے دائیں جانب اور عین میزابِ رحمت [2] (پرنالہ بیت اللہ) کے سامنے واقع ہے

[1] مذاہب اربعہ کے علاوہ وہ ائمہ جن کے نام کے مذاہب تھے مگر بعد میں ختم ہو گئے ان میں امام لیث بن سعد، امام اوزاعی، امام داؤد ظاہری، امام سفیان ثوری وغیرہم ہیں۔

[2] واضح رہے کہ اس میزاب (پرنالے) کی فضیلت کسی معتبر حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے اس کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ''صلوا فی مصلی الأخیار، واشربوا من شراب الأبرار......'' اخیار کے مصلی میں نماز پڑھو اور نیک لوگوں کے پینے سے پیو۔'' جب ان سے اس کی وضاحت طلب کی گئی تو انھوں نے بتایا کہ اخیار کا مصلی میزاب کے نیچے ہے اور نیکوں کا پینا زمزم ہے۔

اس کو ازرقی نے '' اخبار مکہ'' (۱/۳۱۸، ۲/۵۲۔۵۳) میں روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عبداللہ خاطبی ہے جس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد عطاء بن ابی رباح کا کہنا ہے کہ جس نے میزاب کعبہ کے نیچے کھڑے ہو کر دعاء کی تو اس کی دعا قبول ہو گی اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا گویا کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے اس کو بھی ازرقی ہی نے روایت کیا ہے ایک تو یہ عطا کا قول ہے دوسرا یہ سنداً بھی قوی نہیں ہے۔

اسی طرح ازرقی (۱/۳۱۹) نے محمد بن علی بن حسین باقر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میزاب کعبہ کے سامنے آتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اللھم إنی اسألك الراحة عند الموت والعفو عند الحساب'' مگر اس کی سند ضعیف ہے ایک تو یہ مرسل ہے نیز اس میں عثمان بن ساج ہے جو قابل حجت نہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب ''مثیر العزم الساکن'' (۱/۳۷۹) میں باب ''ذکر المیزاب'' کے تحت اور تقی الدین ابوبکر جرّاعی نے ''تحفة الراکع والساجد'' (صفحہ:۴۴) میں بھی مذکورہ روایات ہی کا ذکر کیا ہے۔

➡

بنابریں ہمارا مذہب و مصلی حق ہے۔

ہندوستانی مؤرخ (اکبرشاہ) رقمطراز ہے کہ:

''فرح بن برقوق چرکسی نے (۸۰۱ھ) میں چار مصلے اور ہر مصلے کے لیے الگ الگ امام مقرر کرکے چار الگ الگ جماعتوں کا سلسلہ جاری کیا اس زمانہ کے (متدین) مسلمانوں اور ہر اسلامی ملک کے مسلم علماء (حقانی) نے اس کی سخت مخالفت کی مگر چونکہ حجاز (مقدس) اور مکہ معظّمہ پر چراکسہ کی حکومت تھی۔ لہٰذا یہ بات رفتہ رفتہ سب کو گوارا ہوگئی۔'' (قول حق ،صفحہ:115)۔

آخرکار اللہ تعالیٰ نے ان مصلوں والی بدعت کا خاتمہ امیر سعود رحمہ اللہ کے ہاتھوں کروا دیا چنانچہ انھوں نے ان کا صفایا کرکے مسلمانوں کو ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر متفق کردیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''تاریخ التقلید'' (صفحہ:۱۳۳-۱۳۴، ۱۳۶-۱۳۷، ۱۳۸)۔

④ اندھی تقلید اور تعصب سے پیدا ہونے والے فتنے چاروں مذہب کے الگ الگ قاضی اور بیت اللہ میں چاروں مذاہب کے لیے چار مصلے مقرر کرنے تک ہی محدود نہ رہے بلکہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔

علامہ رشید أحمد رضا رقمطراز ہیں:

" و قد بلغ من إيذاء بعض المتعصبين لبعض فی طرابلس الشام في آخر القرن الماضی أن ذهب بعض شيوخ الشافعية إلى المفتي۔ و هو رئيس العلماء۔ و قال له: اقسم المساجد بيننا، وبين الحنفية، فإن فلانًا من فقهائهم يعدّنا كأهل الذمّة بما ذاع في هذه الأيّام من خلافهم في تزوج الرجل الحنفي بالمرأة الشافعية، و قول بعضهم: لا يصح لأنها تشك في إيمانها ۔ يعنى أن الشافعية، وغيرهم من الأشعرية يجوزون أن يقول المسلم: أنا مؤمن إن شاء اللّٰه۔ و قول آخرين بل يصح نكاحها قياسًا على الذميّة"۔

(مقدمة المغنى لابن قدامه(۱/۱۸ .مكتبة الرياض الحديثة، أيضًا تاريخ التقليد(ص:۱۲۸) ۔

➡ خلاصہ کلام یہ ہے کہ میزاب کی فضیلت کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔ جزائی نے (صفحہ:۴۵) میں ذکر کیا ہے کہ حسن بصری نے اپنے مشہور رسالے میں ذکر کیا ہے کہ مکہ میں پندرہ مقامات میں دعا قبول ہوتی ہے اس کے بعد جزائی نے ان مقامات کا ذکر کیا ہے اور ان میں ایک مقام ''تحت المیزاب'' (پرنالے کے نیچے) بھی ہے۔

امام حسن بصری نے یہ بات کس بناء پر کہی کیا ایسی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ذکر ہو اگر کوئی حدیث ہے تو اس کی اسنادی حیثیت کیسی ہے؟

''گزشتہ صدی کے آخر میں طرابلس شام میں متعصبین کی ایک دوسرے کو ایذاء رسانی یہاں تک بڑھ گئی کہ شافعیہ کے بعض کبار علماء مفتی کے پاس گئے۔ جو کہ رئیس العلماء تھے۔ اوران سے جا کر کہا کہ ہمارے اور حنفیہ کے درمیان مساجد تقسیم کردیں کیونکہ ان کے فقہاء میں سے فلاں فقیہ ہمیں اہل ذمہ کی طرح تصور کرتے ہیں وہ یوں کہ ان دنوں ان کا (حنفی علماء کا) حنفی آدمی کی شافعی مسلک کی عورت سے نکاح کے بارے میں اختلاف شدت اختیار کرگیا ہے ان میں سے کچھ کا کہنا یہ ہے کہ شافعی مسلک کی عورت سے نکاح درست نہیں کیونکہ اسے اپنے ایمان میں شک ہوتا ہے یعنی شافعیہ اوران کے علاوہ دیگر اشعری علماء ''أنا مؤمن إن شاء اللّٰہ'' کہنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ [1] اور کچھ کا کہنا ہے کہ اسے ذمی عورت پر قیاس کرتے ہوئے اس سے نکاح درست ہے۔''

④ مذکورہ چند مثالیں تو مقلدین کی آپس میں عداوت، کدورت، بغض اور عناد کی تھیں اب دیکھیے کہ ان متعصبین نے عاملین بالسنۃ پر کیا کیا ظلم ڈھائے۔ شیخ رشید رضا ہی لکھتے ہیں:

" لا نزال نسمع بمنكرات قبيحة منه في أخرى، من ذلك أن بعض الحنفية من الأفغانيين سمع رجلاً يقرأ بفاتحة الكتاب، و هو بجانبه في الصفّ فضربه بمجموع يده على صدره ضربة وقع بها على ظهره فكاد يموت۔

و بلغني أنّ بعضهم كسر سبابة مصلّ لرفعه إيّاها في التشهد"(**مقدمة المغني**(١/١٨)۔

''ہم وقتاً فوقتاً بڑی قبیح قسم کی خبریں سنتے رہتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ کسی افغانی حنفی نے ایک آدمی کو (امام کے پیچھے) سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا تو اس نے اس کے سینے پر مُکا اس زور سے مارا کہ وہ اپنی پشت کے بل گر پڑا اور مرنے کے قریب ہوگیا۔

اور مجھے ایک یہ خبر بھی ملی ہے کہ کسی نے ایک نمازی کی شہادت کی انگلی کو تشہد میں اٹھانے کی وجہ سے توڑ دیا۔''

افغانستان اور شام ہی نہیں بلکہ خود ہندوستان کی تاریخ میں وہ کون سا ظلم وستم ہے جو غریب اہل حدیثوں پر حنفی مجاہدین نے نہیں کیا۔

① جماعت میں کھڑا ہونے سے روک دیے گئے۔

② آمین کی آواز کو کتے سور کی آواز کہا گیا۔

---

[1] کیا ایک مسلمان یوں کہہ سکتا ہے: ''أنا مؤمن إن شاء الله'' ''اِن شاء اللہ میں مومن ہوں۔'' حنفیہ کے نزدیک ایسے کہنا جائز نہیں جب کہ شافعیہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

③ بلکہ آمین کی آواز سن کر جماعت سے گھسیٹ کر نکالے گئے۔
④ شہادت کی انگلیاں تشہد میں توڑیں گئیں۔
⑤ سینہ پر باندھے ہوئے ہاتھ زبردستی کھینچ کر نیچے کرنے کی کوششیں کی گئیں۔
⑥ مساجد میں کتبے اور بورڈ لکھوا کر لگائے گئے کہ یہ احناف کی مسجد ہے کسی غیر مقلد کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔
⑦ رفع یدین اور آمین بالجہر کی عام اجازت کی غرض سے مقدمہ نے اس قدر طول کھینچا کہ انگریزی حکومت کی آخری عدالت پریوی کونسل لندن نے اعلان کیا کہ ہر مسجد میں قانوناً جائز ہے۔
⑧ دوالین یا ضالین اور التحیات میں انگشت کا اشارہ کرنے پر لٹھ چل جانا، سر پھوٹ جانا اور چاقوؤں کا نکل آنا معمولی بات ہے۔(**قول حق**: صفحہ:۱۴۳، منقول از **تاریخ التقلید**، صفحہ:۱۲۹)۔

آخر میں ابھی حکومتِ طالبان کے دور کا ایک واقعہ بھی سنتے چلیے یہ واقعہ مجھے بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ایک عالم نے بیان کیا کہ حکومت طالبان کے دور میں ایک سلفی عالم نے سنّت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی جس پر کچھ لوگ سخت آگ بگولہ ہو گئے اور ان کے لیے ایک دن متعین کیا گیا کہ فلاں دن فلاں مقام پر حاضر ہو کر لوگوں کے سامنے اپنے سلفی مذہب سے بیزاری کا اعلان کرنا مگر انھوں نے بجائے بیزاری کے اعلان کرنے کے یہ کہا کہ میں سلفی تھا سلفی ہوں اور سلفی ہی رہوں گا چنانچہ انھیں اس بات پر سخت سزا کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ ہیں مفتی صاحب آپ لوگوں کی تقلید کے کارنامے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو اسلام سے خارج کیا گیا اور امت کے اندر انتشار و اختلاف پیدا ہوا۔

اب بتائیے آپ کی وہ بے اُصل حدیث ''اختلاف أمّتي رحمة'' میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔'' جسے آپ نے اپنے مقدمے میں دو دفعہ ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ:۴۴، ۴۶) کہاں گئی کیونکہ آپ لوگوں کا اختلاف تو رحمت کی بجائے زحمت بن گیا۔

دراُصل بات یہ ہے کہ یہ حدیث جسے ہر مقلد طوطے کی طرح یاد کیے ہوئے ہے بے سند اور بے اُصل ہے جن بعض علماء نے اس کو ذکر کیا ہے بلا سند ذکر کیا ہے حتی کہ سیوطی جیسے وسیع النظر والمطالعہ آدمی کو بھی اس کی سند نہیں ملی چنانچہ انھوں نے یہ کہہ دیا:

" لعله خُرّج في بعض كتب الحفاظ التي لم تصل إلينا"

(**الفتح الكبير** (حدیث:۲۳۰، ضعيف الصغير و زيادته)۔

''شاید اس حدیث کو ان حفاظ کی بعض کتب میں تخریج کیا گیا ہو جو ہم تک نہیں پہنچیں۔''

شیخ اَلبانی سیوطی کے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اور یہ ان کے کلام کا ترجمہ ہے:

''میرے نزدیک یہ بعید بات ہے کیونکہ اس سے لازم یہ آتا ہے کہ اس امت سے رسول اللہ ﷺ کی بعض اَحادیث ضائع ہوگئیں، اور مسلمان کے لیے ایسا اعتقاد رکھنا درست نہیں اور مناوی نے سبکی سے نقل کیا ہے:

''یہ حدیث محدثین کے ہاں معروف نہیں ہے مجھے اس کی کوئی صحیح ،ضعیف اور نہ ہی موضوع سند ملی ہے۔''

شیخ اَلبانی نے اس کے بارے میں خود یہ کہا ہے:''اس کی کوئی اَصل نہیں محدثین نے اس کی سند معلوم کرنے کے لیے بہت زیادہ کوشش کی مگر انھیں اس کی سند مل نہ سکی۔''

نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث محققین علماء کے ہاں معنوی اعتبار سے بھی قابل انکار ہے۔اس کے بعد انھوں نے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے یہ اشارہ کرنے کے بعد کہ یہ حدیث نہیں ہے کہا ہے کہ یہ سب سے فاسد قول ہے کیونکہ اختلاف اگر رحمت ہوتو اتفاق زحمت ہوگا اور یہ بات کوئی مسلمان بھی نہیں کہے گا، کیونکہ یا تو اتفاق ہے یا اختلاف، یا صرف رحمت ہے یا زحمت۔'' ملاحظہ ہو ''**سلسلة الأحاديث الضعيفة**'' حدیث:٥٧)۔

مفتی صاحب آپ لوگوں نے اس حدیث کی رٹ بھی لگائی اور ایک دوسرے کو نفرت اور بغض کی نگاہ سے بھی دیکھا ایک دوسرے پر کفر کے فتوے بھی لگائے۔ مسجدیں الگ کیں، بیت اللہ میں الگ الگ مصلے بنوائے آپ لوگوں کا جب آپس میں حال یہ ہے تو متبعین کتاب وسنت کے ساتھ آپ کا سلوک قابل تعجب نہیں۔

مفتی صاحب مگر اب حالات کافی تبدیل ہو چکے ہیں اور مزید تبدیل ہو رہے ہیں لوگ حقیقت کو سمجھنے لگ گئے ہیں وہ اندھی تقلید ،تعصبِ مذہبی اور جمود سے بالا تر ہوکر کتاب وسنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ روز بروز لوگ مسلک اہل حدیث اختیار کر رہے ہیں۔

عوام الناس کو چھوڑ کر کئی دیوبندی علماء بھی اہل حدیث ہو چکے ہیں چند دن ہوئے ہمارے یہاں شارجہ میں رانا شفیق صاحب پسروری کی آمد ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ پاکستان میں اب تک تقریباً چھتیس (٣٦) جید دیوبندی علماء اہل حدیث ہو چکے ہیں۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ انھیں ثابت قدم رکھے اور انھیں کتاب وسنت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔مسلک اہل حدیث اختیار کرنے والے دیوبندی علماء میں سے چند علمائے کرام کے اَسمائے گرامی یہ ہیں:

1. مولانا عبدالسلام رستمی۔
2. مولانا عبدالعزیز نورستانی۔

۳ مولانا صبغت اللہ شیرانی۔

۴ سید عتیق الرحمٰن کاشمیری۔

۵ مولانا غلام اللہ میلسی۔

۶ مولانا عصمت اللہ ثاقب چتروڑ گڑھی۔

۷ مولانا سیف اللہ چتروڑ گڑھی۔

۸ مولانا عامر کلیم مظفر گڑھی۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ انھیں ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے اور زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ لوگ اب مسلک اہل حدیث کے پھیلنے سے ایسے ہی خائف ہیں جیسے اہل مغرب اسلام کے دن بدن پھیلنے سے خائف ہیں اور آپ کی اس پریشانی کا سوائے اس کے اور کوئی حل نہیں کہ آپ اندھی تقلید اور مذہبی تعصب سے آزاد ہو کر صحیح معنوں میں متبع کتاب وسنت بن جائیں ورنہ وہی ہوگا جیسے کسی کہنے والے نے کہا۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مفتی صاحب آپ کا یہ کہنا کہ "بے عقلوں، بدعقلوں، بیوقوفوں کا ایک مختصر گروہ ہے" تو کیا بریلویوں کے مقابلے میں آپ لوگ مختصر گروہ نہیں چنانچہ جب بریلویوں سے آپ کا تقابل کیا جائے تو آپ بھی بے عقلوں، بدعقلوں، بے وقوفوں کا مختصر گروہ ٹھہرتے ہیں إلا یہ کہ آپ اپنے مولانا حسین احمد مدنی کی طرح کہہ دیں کہ ہم اور بریلویوں میں کوئی فرق نہیں آپ خواہ مخواہ ہمیں ان سے جدا سمجھ رہے ہیں۔ [1]

مفتی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کتاب وسنت اور اقوال سلف سے کوئی واسطہ ہی نہیں ورنہ آپ ایسی جہالت کی بات نہ کرتے اب کتاب وسنت اور بعض اقوال سلف ملاحظہ کریں۔

ا۔ کتاب:

اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ [2]

---

[1] قدرے تفصیل کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۱۰۹) ملاحظہ کریں۔

[2] واضح رہے کہ جمہور علماء کے نزدیک "إن الله يقول "بے شک اللہ فرماتا ہے" کہنا جائز ہے جیسا کہ "إن الله قال" "بے شک اللہ نے فرمایا" کہنا جائز ہے۔

مگر مطرف بن عبداللہ بن شخیر تابعی کا قول ہے کہ "الله يقول "اللہ فرماتا ہے، نہ کہا جائے۔

امام نووی ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "و هذا غلط، والصواب جوازه، و قد قال الله تعالىٰ: ﴿**والله يقول الحق و هو يهدى السبيل**﴾ (الاحزاب: ٤)۔ و قد تظاهرت الأحاديث الصحيحة باستعمال ذلك و قد ⬅

﴿و إن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله﴾ (الانعام:١١٦)۔
یعنی آپ اگر اکثریت کی بات کو مانیں گے تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔

ایک اور مقام پر فرمایا:
﴿ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ (العنكبوت:٦٣)
یعنی اکثر لوگ بے عقل ہیں۔
مفتی صاحب اس آیت کی رو سے تو آپ لوگ بے عقل، بدعقل اور بے وقوف قرار پا رہے ہیں اور کہہ ہمیں رہے ہو۔

خدا[1] الٹی سمجھ کسی کو نہ دے
دے موت مگر یہ بلا کسی کو نہ دے

ایک اور مقام پر فرمایا:
﴿ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (سباء:١٣)۔
''میرے شکر گزار بندے کم ہیں۔''

۲۔سنت:

حدیثِ ثوبان رضی اللہ عنہ میں ہے:
" لا تزال طائفة من أمّتي ظاهرين على الحق۔" (الحديث) [2]
''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔''

⟵أشرت إلى طرف منها في كتاب الأذكار......" (شرح مسلم:٧/٨٤۔٨٥) كتاب الزكاة"فضل النفقة على الأقربين والزوج والأولاد"۔
''یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ ایسا کہنا جائز ہے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا﴿اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے ﴾ اور بہت ساری صحیح اُحادیث میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے جن میں سے چند کی طرف میں نے ''کتاب الأذکار'' میں اشارہ کیا ہے۔

[1] لفظ ''خدا'' کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے اور اس کی بجائے لفظ ''اللہ'' استعمال کرنا چاہیے کیونکہ لفظ ''اللہ'' کے جو معنے ہیں وہ لفظ ''خدا'' میں نہیں پائے جاتے اس کی تفصیل کے لیے استاذی محترم حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی حفظہ اللہ کا فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ(صفحہ:۱۸۳۔۱۹۰) دیکھا جائے۔

[2] اس حدیث کو مسلم نے (۱۳/۶۵) کتاب ''الإمارة'' میں روایت کیا ہے۔
اور یہ حدیث مختلف الفاظ سے بخاری و مسلم وغیرہ میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اس کی مفصل تخریج میں نے دادا جان کے رسالے ''فرقہ ناجیہ'' میں کی ہے۔

امام حاکم نے موسیٰ بن ہارون سے روایت کیا ہے کہ احمد بن حنبل (امام احمد) سے اس حدیث کے معنی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ گروہ اگر اصحاب الحدیث نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کون لوگ ہیں۔" [1]

مزید تفصیل کے لیے دادا رحمہ اللہ کے رسالے "فرقہ ناجیہ" کا مطالعہ کیا جائے۔

۳۔ اقوال سلف:

ا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

" الجماعة ما وافق الحق و إن كنت وحدك" [2]

"جماعت وہ ہے جو حق کے موافق ہو اگرچہ تو اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ جماعت وہ ہے جس کے پاس حق ہے خواہ وہ ایک آدمی ہی کیوں نہ ہو۔

ب۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے:

" الزم طرق الهدى، ولا يضرّك قلّة السالكين، و إياك و طرق الضلالة، و لا تغتر بكثرة الهالكين۔" (الاذکار للنووی (صفحہ:۱۴۵، ۲۳۸۔۲۳۹)۔

"ہدایت کے راستوں کو لازم پکڑو اور ان پر چلنے والوں کی قلت تمھیں نقصان نہ دے۔ اور گمراہی کے راستوں سے دور رہو اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت سے دھوکے میں نہیں آجاؤ۔"

یعنی حق شناسی کے لیے کثرت کو معیار نہیں بناؤ کہ فلاں کام کو چونکہ لوگوں کی اکثریت کر رہی ہے۔ لہٰذا وہ درست اور صحیح ہے اور فلاں کام کو کرنے والے چونکہ کم لوگ ہیں لہٰذا وہ صحیح نہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تعداد میں کسی گروہ یا جماعت کا زیادہ ہونا اس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ اہل حق ہمیشہ قلیل تعداد میں ہی رہے ہیں اور قرآن مجید کے مطالعہ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ انبیاء اور رسل پر ایمان لانے والے قلیل تعداد ہی میں رہے ہیں۔

مفتی صاحب نے وہ حدیث جس میں کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت ہے [3] ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ اس کے حاشیہ پر نقل کرتے ہیں:

---

[1] اس قول کو امام حاکم نے "معرفة علوم الحديث" (صفحہ:۲) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۱۳/۲۹۳) میں کہا ہے۔ صفحہ (۱۸۰) میں آنے والے ائمہ کے اقوال بھی دیکھیں۔

[2] ابن مسعود کے اس قول کو ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۴۶/۴۰۹) میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی صحیح ہے جیسا کہ شیخ البانی نے "تخريج المشكاة" (۱/۶) میں کہا ہے۔

[3] یہ حدیث بخاری (۲۳۹) اور مسلم (۳/۱۸۷) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور اسی طرح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

''ترجمہ۔ داؤد بن علی ظاہری سے حکایت کی گئی ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ ''نھی'' (روکا جانا) صرف انسان کے پیشاب سے مخصوص ہے اور پاخانہ پیشاب کے حکم میں نہیں ہے اور اس طرح جب کوئی شخص برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دے یا پانی کے قریب پیشاب کرکے [1] اور بہہ کر پانی میں چلا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ داؤد ظاہری رحمہ اللہ کا یہ مذہب اجماع کے خلاف ہے اور جمود علی الظاہر (ظاہر روایت پر عمل) کی بدترین مثال ہے (انسان کی منی کو پاک ماننے والے پاخانہ اور پیشابِ انسانی کا بھی مزہ چکھ لیں) (شرح مسلم، نووی: ۱/۱۳۸)، صفحہ: ۳۷)۔

اس کلام کے حوالے سے ہم مفتی صاحب سے چند باتیں کرنا چاہیں گے۔

۱ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ مفتی صاحب کی الزام تراشی ہے یا کم عقلی اور کم علمی ہے کہ ہمیں اہل ظاہر سمجھ رہے ہیں۔

ان لوگوں کا عجیب تناقض ہے کہ یہ صاحب تو ہمیں اہل ظاہر سمجھ رہے ہیں جب کہ مولوی امین اوکاڑی صاحب ہماری نسبت شوافع کی طرف کر رہے ہیں لکھتے ہیں کہ'' مولوی عبدالرؤف صاحب نے صرف اس پر بحث کی کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی صحیح نہیں اس میں بھی اللہ، رسول سے کوئی بات ثابت نہیں کی، شوافع کے اصولوں پر مدار رکھا ہے۔'' (صفحہ: ۶)۔

آپ پہلے اپنے گھر میں بیٹھ کر یہ فیصلہ تو کرلیں کہ ہمیں کیا کہنا ہے اگرچہ آپ ہم پر جھوٹ ہی بولیں کوئی بات نہیں لیکن بات تو ایک کریں۔

مفتی صاحب کی جہالت کی انتہاء دیکھیے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو بھی اہل ظاہر میں سے شمار کر رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، صفحہ: ۳۸)۔

یہ ہے مفتی صاحب کی معلومات کا حال۔ إنا للہ و إنّا إلیه راجعون.

مفتی صاحب جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو اس کے بارے میں خاموشی بہتر ہوا کرتی ہے۔

شاید اس قسم کی چیزیں ان کو اپنے بڑوں سے ورثہ میں ملی ہیں اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

علاء الدین محمد بن محمد العجمی البخاری (متوفی: ۸۴۱ھ) جو کہ سخت متعصب حنفی فقیہ تھے۔ جنھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہنے والوں پر کفر کا فتوی لگایا اور جن کے ردّ میں انھی کے معاصر ابن ناصر الدین دمشقی (متوفی ۸۴۲ھ) نے ''الردّ الوافر علی من زعم أن من سمّی ابن تیمیه'' شیخ الاسلام'' کافر'' کے نام سے رسالہ تألیف کیا۔

---

[1] مفتی صاحب کی عبارت ایسے ہی ہے شاید یہ طباعت کی غلطی ہو درست ''کرے'' ہے۔

امام نووی ؒ کے بارے میں انھوں نے یہ کہا ہے:

" لا يجوز النظر فی کتبه، و أنه رجل ظاهری۔"

''نووی کی کتابوں کا مطالعہ جائز نہیں اور وہ ظاہری ہیں۔'' ملاحظہ ہو ترجمہ علاء الدين لناشر " **الورد الوافر** "(صفحہ:۲۱)۔

جب کہ امام نووی معروف شافعی ہیں شافعی مذہب میں ان کی کتب ہیں مثال کے طور پر "المهذب" جو شافعی فقہ کی معتبر کتاب ہے اس کی شرح "المجموع" انہی کی ہے۔

آیئے اب شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ کا مذہب ملاحظہ کریں۔ شیخ الاسلام کو عام طور پر حنبلی کہا جاتا ہے مگر وہ اپنے مذہب میں متعصب نہ تھے بلکہ جس قول کی دلیل قوی ہوتی اسی کو اختیار کرتے۔ علامہ ابن رجب تلمیذ شیخ الاسلام علامہ ذہبی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" إذا أفتى لم يلتزم بمذهب، بل يقوم بما دليل عنده" (**ذيل طبقات الحنابله:۲/۳۸۹**)۔

''یعنی فتوی میں کسی خاص مذہب کا التزام نہ کرتے بلکہ جس کی دلیل قوی ہوتی اسی کو اختیار کرتے۔''

اور اہل حدیث کا بھی یہی مذہب ہے کہ جس کی دلیل قوی ہے اسی قول کو اپنایا جائے خواہ وہ قول امام ابوحنیفہ کا ہو مالک، شافعی، احمد یا ان کے علاوہ دیگر ائمہ ؒ میں سے کسی امام کا ہو۔ ہم رسول اللہ ﷺ۔ امام الأنبیاء، سید المرسلین کے علاوہ کسی اور کے بارے میں تعصب سے کام نہیں لیتے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر امام کی بات کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور ردّ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی بات کو ردّ کرنا کھلم کھلی گمراہی، عذاب اَلیم کو دعوت دینا اور دخول جہنم کا ذریعہ ہے۔

❷ دوسری بات مفتی صاحب آپ کی معلومات کی اصلاح کے لیے ہم آپ کو یہ بھی بتاتے جائیں کہ آپ نے اہل ظاہر کے جس مذہب کو امام نووی کے حوالے سے ذکر کیا ہے وہ ہم اہل حدیث کا مذہب نہیں اس مسئلے کے بارے میں ہمارا مذہب وہی ہے جو جمہور علماء کا ہے اب چند ایک حوالہ جات ملاحظہ کر لیں:

ا۔ مجتہد عصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی ؒ قیاس کی تعریف اور اس کی بعض شروط ذکر کرنے کے بعد قیاس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں: مثلاً: حدیث میں کھڑے پانی میں پیشاب سے نہی (ممانعت) آئی ہے اور علت اس کی نجاست ہے تو اس علت کی وجہ سے پاخانہ بطریق اَولیٰ منع ہوا۔'' (فتاویٰ اہل حدیث: صفحہ:۸)۔

ب۔ شارح ''مشکوٰۃ'' شیخ الحدیث عبید اللہ مبارکپوری ؒ لکھتے ہیں:

" والتغوط في الماء كالبول فيه، بل أقبح" (المرعاة:۲/۱۷۰)۔

''پانی میں پاخانہ کرنا اس میں پیشاب کرنے کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قبیح ہے۔''

ج۔ محدث محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ولا (فرق) بين أن يبول في الماء، أو يبول في إناء ثم يصبه فيه خلافًا للظاهرية"

(تحفة الأحوذي:۱/۲۲۳)۔

''پانی میں پیشاب کرے یا کسی برتن میں پیشاب کرکے پھر پانی میں ڈال دے ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں بخلاف اہل ظاہر کے۔''

آخر میں اس مسئلے کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مذہب بیان کرتے جائیں تاکہ مفتی صاحب کی دروغ گوئی یا جہالت واضح ہو جائے۔

شیخ الاسلام یہ بیان کرنے کے بعد کہ پانی میں نجاست کے گر جانے سے اگر اس کے اندر تبدیلی واقع ہوگئی تو وہ بالاتفاق ناپاک ہوگا، لکھتے ہیں:

" و أمّا مالم يتغيّر، ففيه أقوال معروفة:

أحدها: لا ينجس، و هو قول أهل المدينة، و رواية المدنيين عن مالك، و كثير من أهل الحديث ، و إحدى الروايات عن أحمد۔"

''اگر وہ پانی تبدیل نہیں ہوتا تو اس میں معروف اقوال ہیں:

پہلا قول: وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا، یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور مالک سے مدنیوں کی روایت ہے اور اکثر اہل حدیث کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت کے مطابق احمد کا بھی۔''

اس کے بعد چار دوسرے اُقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" السادس: قول أهل الظاهر الذين ينجسون ما بال فيه البائل دون ماألقى فيه البول۔"

''چھٹا قول: اہل ظاہر کا ہے جو اس پانی کو تو ناپاک کہتے ہیں جس میں پیشاب کیا جائے مگر جس میں پیشاب کرکے ڈالا جائے اسے وہ ناپاک نہیں کہتے۔''

اس کے بعد انھوں نے جس قول کو ترجیح دی ہے وہ پہلا قول ہے جو اہل مدینہ، امام مالک، اکثر اہل حدیث اور بعض روایات کے مطابق امام احمد بن حنبل کا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

" والصواب: هو القول الأوّل۔"

''درست پہلا قول ہی ہے۔'' ملاحظہ ہو:(مجموع الفتاوی:۲۱/۳۰، ۳۱، ۳۲) ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ بھی ظاہری نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ ظاہری ہوتے تو اہل ظاہر کے مذہب کو درست کہتے۔

یہ چند سطور اشارے کے طور پر لکھی گئی ہیں کیونکہ اس وقت موضوع گفتگو اپنے یا شیخ الاسلام کے مذہب پر بحث کرنا نہیں ہے۔

۳ مفتی صاحب نے ''شرح مسلم'' کے حوالے سے پہلے بریکٹوں میں جو یہ کہا ہے (انسان کی منی کو پاک......بھی مزہ چکھ لیں) اس سے عام قاری تو یہی سمجھے گا کہ یہ امام نووی کا کلام ہے جو انھوں نے اہل ظاہر پر تنقید کے طور پر کیا ہے جب کہ یہ امام صاحب کا کلام نہیں بلکہ یہ موصوف مفتی صاحب کا کلام ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مفتی صاحب کا کلام ہے تو اس سے دو چیزوں میں سے ایک چیز لازم آتی ہے۔

پہلی یہ کہ اس مقام پر مفتی صاحب نے اپنا کلام ذکر کر کے قارئین کو دھوکہ اور مغالطہ دیا ہے کہ یہ نووی کا کلام ہے جب کہ نووی اس جیسا اخلاق سے گرا ہوا کلام کیسے کر سکتے ہیں۔

مفتی صاحب، اگر یہ کہیں کہ میرا قطعاً یہ مقصود نہیں تو پھر دوسری جو چیز لازم آئے گی وہ یہ کہ موصوف اس قدر سیدھے سادھے اور بھولے بھالے ہیں کہ انھیں یہ سلیقہ بھی نہیں کہ اس کلام کو کہاں ذکر کرنا چاہیے تھا۔

۴ مفتی صاحب کے اس کلام (انسان کی منی کو پاک ماننے والے......) سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف مفتی کے درجہ پر تو فائز ہیں لیکن سنجیدگی اور وقار نام کی ان کے اندر کوئی چیز نہیں۔

مفتی صاحب اس قدر اخلاق سے گری ہوئی گفتگو کرتے ہوئے آپ کو ذرا بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں آخر میں مفتی ہوں میرے اس کلام سے لوگ کیا تأثر لیں گے۔

محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ کلام کرتے وقت آپ نے نہ تو لوگوں سے عار محسوس کی اور نہ ہی آپ کو ﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ (ق:۱۸) کا خوف رہا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

مفتی صاحب آپ سے کس عقلمند نے یہ کہا ہے کہ ہر پاک چیز کو کھایا بھی جاتا ہے کتنی ایسی پاک چیزیں ہیں جن کو کھایا نہیں جاتا مثلاً مٹی پاک ہے بلکہ طاہر و مطہر (پاک ہے اور پاک کرنے والی ہے) ہے اسی لیے اس سے تیمم کیا جاتا ہے اب کوئی بیوقوف آدمی ہی یہ بات کہے گا کہ جب مٹی طاہر و مطہر ہے تو آپ لوگ اسے مزے سے پھانکتے کیوں نہیں ہو۔

مفتی صاحب آپ کے حکیم الأمت تھانوی صاحب نے ''بہشتی زیور'' (نواں حصہ، فضلاتِ حیوانیہ کا بیان: صفحہ:۱۱۷) مسئلہ (۲۱) میں لکھا ہے: ''چمگاڈر کے پیشاب کو پاک کہا ہے کسی نے بوجہ عموم بلوی اور کسی نے اس وجہ سے کہ چمگاڈر کو بھی حلال مانا ہے۔''

اور فتاویٰ عالمگیری (۵/۲۹۰۔عربی) میں چمگاڈر کے بارے میں لکھا ہے:

" أمّا الخُفّاش فقد ذكر في بعض المواضع أنّه يؤكل، و في بعض المواضع أنّه لا

يؤ كل لأنّ له نابا۔"

یعنی بعض مقامات پر چمگاڈر کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو کھایا جا سکتا ہے۔ اور بعض مقامات پر ہے کہ اسے کھایا نہ جائے کیونکہ اس کا دانت ہوتا ہے۔

اور آگے چل کر مسئلہ (۲۵) میں لکھا ہے: ''انسان کا پسینہ اور میل اور آنسو اور سنک (رینٹ) اور لعاب پاک ہے۔''

تو کیا آپ لوگ چمگاڈر کے پیشاب کو مزے لے لے کر پیتے ہیں اور انسان کے پسینہ اور رینٹ وغیرہ کو لذتیں لے لے کر چاٹتے ہیں اور جب چمگاڈر کا کھانا حلال ہے تو کیا آپ لوگ بڑے شوق سے اسے فرائی کر کے کھاتے ہیں۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

اس قسم کی مزید بہت سی باتیں کہی جاسکتی ہیں مگر مفتی صاحب کی طبیعت کو درست کرنے کے لیے یہ چند باتیں ہی کافی ہیں اس قسم کی باتیں ہمارے مزاج کے خلاف ہیں مگر ان کا ذکر اس لیے ہوگیا کہ مشہور مقولہ ہے: ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔''

اور یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ چمگاڈر کا پیشاب تو پاک ہے مگر انسان کی منی ناپاک ہے۔

ہمارے حنفی بھائی اہلحدیث پر کیچڑ اچھالنے کے لیے اس مسئلے کو بہت اچھالتے ہیں لہٰذا اس کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت کر دینا مناسب ہے۔

کسی چیز پر نجاست کا حکم لگانا یہ ایک شرعی حکم ہے جس کے لیے شریعت کی واضح اور ٹھوس دلیل درکار ہوتی ہے جو کہ اس مسئلے میں مفقود ہے اسی لیے علماء کی اکثریت اس کی طہارت کی طرف گئی ہے۔

صحابہ میں سے علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، رضی اللہ عنہم۔ تابعین میں سے سعید بن المسیب اور عطاء بن ابی رباح اور ائمہ میں سے امام شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد، ابن المنذر اور محدثین اور صحیح و مشہور روایت کے مطابق امام احمد، رحمہم اللہ اس کی طہارت کی طرف گئے ہیں اور امام نووی نے شرح مسلم میں اس کو اُکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

مفتی صاحب کیا آپ ان صحابہ، تابعین اور جلیل القدر ائمہ سے بھی یہ کہیں گے کہ چونکہ آپ انسان کی منی کو پاک ماننے والے ہیں لہٰذا پیشابِ انسانی کا مزہ بھی چکھ لیں۔

مفتی صاحب جب آپ لوگوں کے نزدیک پیشاب سے قرآن کا لکھنا جائز ہے: (جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ (۱۳۸) میں ذکر ہوا) تو پھر پیشاب کے پی لینے اور اس کا مزہ چکھ لینے میں کونسی قباحت ہے بلکہ سابق بھارتی وزیراعظم مرارجی ڈیسائی کے نقش قدم پر چل کر آپ بھی پیشاب پی کر صحت و شفاء حاصل کریں۔

جو علماء اس کی طہارت کے قائل ہیں ان کے درج ذیل دلائل ہیں:

① اللہ عزوجل نے آدم کو پانی اور مٹی سے پیدا کیا جو دونوں ہی پاک چیزیں ہیں اور بنی آدم کی پیدائش کی ابتداء اچھلنے والے پانی (منی) سے کی اور آدم کی دو پاک چیزوں سے پیدائش کی ابتداء میں یہ دلیل ہے کہ ان کی اولاد کی پیدائش کی ابتداء پاک چیز سے ہو، ناپاک چیز سے نہیں۔''

یہ دلیل امام شافعی نے ''الأمّ'' (۱/۱۲۴) میں دی ہے۔ اور امام شافعی سے اسے بیہقی نے بھی ''معرفة'' (۱/۲۴۱) میں ذکر کیا ہے۔

② عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک مہمان ٹھہرا صبح انھوں نے اسے اپنا کپڑا دھوتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگیں اگر منی لگی تم دیکھ رہے تھے تو اسی جگہ کو دھو دینا کافی تھا اگر دیکھ نہیں رہے تھے تو اس کے آس پاس پانی چھڑک دینا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھی تو آپ اسی کپڑے میں نماز پڑھتے۔''

اور ان کی دوسری حدیث میں ہے کہ اگر منی خشک ہوتی تو میں اپنے ناخن سے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے کھرچ دیا کرتی تھی۔ [1]

منی کو پانی سے صاف کرنے یا دھونے کی بجائے صرف کھرچ دینے پر اکتفاء کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ منی ناپاک نہیں کیونکہ اگر ناپاک ہوتی تو اس کا دھونا ضروری ہوتا۔

③ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کپڑے کو اگر منی لگ جائے تو اسے لکڑی یا گھاس سے صاف کر دیا جائے:

''و إنّما هو بمنزلة البصاق أو المخاط'' (بے شک وہ (منی) تھوک یا رینٹ کی طرح ہے۔'' [2]

امام ابن المنذر (متوفی ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں:

'' المنيّ طاهر، و لا أعلم دلالة من كتاب، و لا سنة، و لا إجماع يوجب غسله''

(الأوسط: ۲/ ۱۶۰)۔

---

[1] ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے روایت کیا ہے ملاحظ ہو۔صحیح مسلم (۲۸۸، ۲۹۰)۔

[2] اس کو امام شافعی (۱/۱۲۵) اور ان سے بیہقی نے ''معرفه'' (۲/ ۲۴۳ . ۲۴۴) اور ''سنن'' (۲/ ۴۱۸) میں عطاء کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس سند سے اس کو عبدالرزاق نے بھی (۱/ ۳۶۷۔۳۶۸) اور ان سے ابن المنذر (۲/ ۱۵۹) نے قدرے مختلف سیاق سے روایت کیا ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے۔

دارقطنی (۱/۱۲۴) اور بیہقی نے ''سنن'' میں اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے مگر یہ مرفوعاً ان سے ثابت نہیں جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے۔

''منی پاک ہے کتاب وسنت اور نہ ہی اجماع امت سے کسی ایسی دلیل کو میں جانتا ہوں جس سے منی کو دھونے کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔'' [1]

آیئے اب منی کی نجاست و عدم نجاست کے بارے میں علامہ علی بن علی بن أبی العز حنفی کا کلام بھی سنتے جایئے وہ رقمطراز ہیں:

" و لم يثبت في المني عن رسول الله -ﷺ- شيءٌ يدلّ على نجاسته، فهو مما سكت

---

[1] منی کو دھونا تو ثابت ہے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے کو کبھی دھویا بھی کرتی تھیں۔ جب کہ وہ خشک نہ ہوتی۔ جیسا کہ صحیح بخاری (۲۲۹، ۲۳۰) اور صحیح مسلم (۲۸۹) میں ہے مگر صرف دھونے سے اس کے دھونے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"و غسل عائشة للمني من ثوبه أوفركها إيّاه لا يدلّ على وجوب ذلك ، فإنّ الثياب تغسل من الوسخ والمخاط والبصاق، والوجوب إنّما يكون بأمره لاسِيَما، و لم يأمر هو المسلمين بغسل ثيابهم من ذلك، بل ولانقل عنه أنّه أمر عائشة بذلك، بل أقرّها على ذلك، فدلّ على جوازه أوحسنه و استحبابه، و أمّا الوجوب فلا بُدّله من دليل"

(حقيقة الصيام: صفحه:۴۳. ۴۴)۔

''عائشہ کا آپ ﷺ کی منی کو آپ کے کپڑے سے دھونا یا اسے کھرچنا اس سے اس کے دھونے یا کھرچنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کپڑے کو میل کچیل، رینٹ اور تھوک سے بھی دھویا جاتا ہے اور وجوب تو آپ ﷺ کے حکم سے ثابت ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو اس سے کپڑے کو دھونے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی آپ سے یہ منقول ہے کہ آپ نے عائشہ کو دھونے کا حکم دیا ہو بلکہ آپ نے ان کو اس پر (دھونے پر) برقرار رکھا جو دھونے کے جواز یا اس کے اچھا ہونے یا مستحب ہونے پر دلالت کرتا ہے رہا وجوب تو اس کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

تنبیہ= (صفحہ ۱۵۸) میں مذکور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابن الجارود نے بھی ''المنتقٰی'' (حدیث: ۱۳۵) میں روایت کیا ہے اور اس میں ''میں منی کو کھرچ دیا کرتی تھی'' کی بجائے یہ ہے "كان رسول الله ﷺ يأمرنا بحتّه" ''رسول اللہ ہمیں اس کے کھرچنے کا حکم دیتے تھے۔''

مگر یہ روایت منکر ہے کیونکہ اس کی سند میں أبو حذیفہ موسی بن مسعود ایک راوی ہے جو کہ سئ الحفظ ہے۔

نیز جس سند سے یہ حدیث ''المنتقی'' میں ہے۔ اور وہ ہمام بن حارث کی سند ہے۔ اسی سند سے اس کو مسلم (۲۸۸) أبو عوانہ (۱/ ۲۰۵۔۲۰۶) أبوداود (۳۷۱) ترمذی (۱۱۶) نسائی (۱/ ۱۵۶) ابن ماجہ (۵۳۷، ۵۳۸) ابن خزیمہ (۲۸۸) بیہقی (۲/ ۴۱۷) أحمد (۶/ ۴۳، ۱۲۵، ۱۳۵) شافعی نے ''الأمّ'' (۱/ ۱۲۴۔ ۱۲۵) میں طحاوی نے ''شرح معاني الآثار'' (۱/ ۴۸، ۵۰) میں اور ابن جوزی نے بھی تحقیق (۱/ ۱۰۷) میں روایت کیا ہے اور ان سب کے ہاں کھرچنے کا حکم نہیں بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھرچنے کا ذکر ہے۔

اسی طرح اس حدیث کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو دیگر أسانید ہیں ان میں بھی اس کے کھرچنے ہی کا ذکر ہے اور وہ اسانید مذکورہ کتب میں موجود ہیں اور ابن خزیمہ نے ان تمام اسانید کو جمع کر دیا ہے۔

عنه، فكان عفوًا، فإنّه مما يعم به البلوى، فلو كان نجسًا لكان يجب على النبي۔ﷺ۔الأمر بإزالته كما أمر بالاستنجاء، و كما أمر الحائض بغسل دم الحيض من ثوبها، بل إصابة المنّي للنّاس أعظم من إصابة دم الحيض لثوب الحائض، فعلم أن إزالته غير واجبة، وكون عائشة۔رضى الله عنها۔ كانت تغسله تارة من ثوب رسول اللّٰه۔ﷺ۔ و تفركه تارة لا يقتضي تنجيسه، فإن الثوب يغسل من المخاط، والبصاق، والوسخ۔

وقد ورد فهم هٰذا المعنى عن ابن عباس و سعد بن أبي وقاص ۔رضى الله عنهما۔ و غيرهما حيث قالوا: " إنما هو بمنزلة المخاط والبصاق، أمطه عنك، و لو بإذخرة" إلى آخر كلامه۔ **التنبيه على مشكلات الهداية**:(۱/۴۳۴۔۴۳۵)۔

⟵ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابن جارود والی روایت منکر ہے اور اس کی نکارت یا شذوذ کی طرف حافظ ابن حجر نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تلخیص الحبیر "(۱/۳۳)۔

ایک حدیث اس طرح سے ذکر کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "إذا وجدت المني رطباً فاغسليه ، وإذا وجدتيه يابسًا فحُتِّيه" (منی کو اگر تر پاؤ تو دھو دو اور اگر خشک پاؤ تو کھرچ دو۔"

مگر یہ حدیث بے اُصل ہے علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: "ان هذا الحديث لا يعرف ، و إنما المنقول: أنّها هي كانت تفعل ذلك ، من غير أن يكون أمرها"(التحقيق:۱/۱۰۷)۔

"یہ حدیث غیر معروف ہے جو منقول ہے وہ یہ کہ وہ۔ عائشہ۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بغیر ایسا کرتی تھیں۔" یعنی تر منی کو دھو دیتیں اور خشک کو کھرچ دیتیں۔

ابن جوزی کے اس کلام کو حافظ زیلعی نے "نصب الرایہ" (۱/۲۰۹) میں اور حافظ ابن حجر نے بھی "تلخیص الحبیر" (۱/۳۳) میں ذکر کیا ہے۔

منی کے دھونے کے حکم کے بارے میں ایک حدیث عمار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پیشاب، پاخانے، منی، خون اور قے سے اپنے کپڑے کو دھویا کرو۔" اس کو ابویعلی (۱۶۱۱) بزار (حدیث: ۲۴۸۔ کشف) طبرانی نے "أوسط" (۱/۳۹۷۔۳۹۸۔مجمع البحرین) میں، ابن عدی (۲/۵۲۵) دارقطنی (۱/۱۲۷) بیہقی نے "معرفہ" (۲/۲۴۵) میں اور ابن جوزی (۱/۱۰۹) نے روایت کیا ہے مگر یہ حدیث سخت ضعیف ہے بلکہ امام بیہقی نے "سنن" (۱/۱۴) میں اسے باطل کہا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں تفصیل کے لیے ابن عدی، دارقطنی، بیہقی، ابن جوزی، "مجمع الزوائد" (۱/۲۸۸) میں حافظ ہیثمی "نصب الرايہ" (۱/۲۱۱) میں حافظ زیلعی اور " تلخيص الحبير " (۱/۳۳) میں حافظ ابن حجر کا کلام دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منی کے دھونے یا کھرچنے کا حکم کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔

”رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی چیز ثابت نہیں ہے جو منی کے ناپاک ہونے پر دلالت کرے لہٰذا یہ ان امور میں سے ہے جن کے بارے میں آپ نے خاموشی اختیار کی ہے۔ چنانچہ (نجاست کے حکم سے) خالی ہے اور عموم بلوی [1] امور میں سے ہے۔

پس اگر یہ ناپاک ہوتی تو نبی ﷺ پر واجب تھا کہ آپ اس کے ازالہ کا حکم دیتے جیسا کہ آپ نے استنجاء کے بارے میں حکم دیا ہے اور حائضہ کو اپنے کپڑے سے خون دھونے کا حکم دیا ہے بلکہ منی کا لگ جانا حائضہ عورت کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جانے سے زیادہ ہے چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ منی کا اِزالہ واجب نہیں۔

رہا عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو کبھی دھونا اور کبھی کھرچنا تو یہ اس کے ناپاک ہونے کا متقاضی نہیں کیونکہ کپڑے کو رینٹ، تھوک اور میل کچیل سے بھی دھویا جاتا ہے۔

اور یہی مطلب و مفہوم ابن عباس، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی آیا ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ یہ رینٹ اور تھوک کے مانند ہے لہٰذا اس کو اپنے سے دور کرلو اگرچہ گھاس کے ساتھ کھرچ کر ہی۔“

اس مسئلے کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام بھی ”مجموع الفتاوی“ (۲۱/ ۵۸۷۔۶۰۷) میں اور ان کے رسالے ”حقیقة الصیام“ (صفحہ:۴۱۔۴۴) میں دیکھا جائے۔

نیز علامہ ابن قیم نے اس مسئلے کے بارے میں دو آدمیوں کے درمیان جس شاندار مناظرے کا ذکر کیا ہے اسے بھی ضرور دیکھا جائے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب: ”بدائع الفوائد“ (ج:۲/جزء:۳، ص:۱۱۹۔۱۲۶)۔

شیخ ابن عثیمین نے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی کا دو عالموں کے پاس سے گزر ہوا جو آپس میں مناظرہ کر رہے تھے اس نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کا مسئلہ کیا ہے تو ایک نے جواب دیا کہ میں کوشش یہ کر رہا ہوں کہ اس کے اصل (یعنی منی) کو طاہر ثابت کروں جب کہ اس کی کوشش ہے کہ یہ اپنے اصل کو ناپاک ثابت کرے۔ ملاحظہ ہو: الشرح الممتع: ۱/۴۵۴)۔

تنبیہ= علامہ شوکانی نے ”نیل الأوطار“ (۱/ ۵۵) میں منی کی نجاست والے قول کو ترجیح دی ہے اور علامہ مبارکپوری نے ”تحفة الأحوذی (۱/ ۳۷۵) میں ان کے قول کو سراہا ہے۔

جب کہ علامہ شوکانی ”السیل الجرار“ (۱/۳۴) میں اور ”الدُّرر البهيّة“ (۱/۲۶وما بعدها۔ الدراري المضية)(۱/ ۴۰۔۴۱۔الروضة النديّة) میں اس کی طہارت کی طرف گئے ہیں۔ واضح رہے کہ علامہ کی مذکورہ دونوں کتب ”نیل الأوطار“ کے بعد کی ہیں۔

---

[1] عموم بلوی امور سے مراد وہ امور ہیں جن کی آدمی کو عام طور پر ضرورت پیش آتی ہو۔

واضح رہے کہ یہ حکم تو منی کا ہے رہی مذی اور ودي تو یہ دونوں ہی نجس (ناپاک) ہیں امام نووی نے "المجموع" (۵۵۲/۲) میں ان کی نجاست پر اجماع نقل کیا ہے۔

اور مذی اس لیس دار پانی کو کہا جاتا ہے جو شہوت یا شہوت کے خیال کے وقت خارج ہو اور پیشاب سے قبل یا بعد گاڑھے سے پانی کے جو ایک یا دو قطرے نکلتے ہیں انھیں ودی کہا جاتا ہے۔

یہ ہے اس مسئلے کے بارے میں مختصر سا کلام، طالب تفصیل درج ذیل کتب کا مراجعہ کرے: الأمّ للشافعي، الأوسط لابن المنذر، المغني لابن قدامه (۴۹۷/۲۔ ۴۹۸) شرح مسلم(۱۹۸/۳) المجموع کلاھما للنووي(۵۵۳/۲۔۵۵۴) فتح الباری(۳۳۳/۱)اور سبل السلام(۵۲/۱۔۵۳)۔

مفتی صاحب نے اپنے مذکورہ کلام کے بعد ایک حکایت کا ذکر کیا ہے جو کہ درحقیقت ان کے اپنے گھر ہی کی ہے مگر اسے ایک اہل حدیث عالم کی طرف بھتاناً وزوراً منسوب کر دیا گیا ہے وہ حکایت یہ ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حکایت ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی تھی پھر ساس پر دل آ گیا تو ایک غیر مقلد عالم کے پاس گیا اور کہا مولوی صاحب کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ ساس سے نکاح ہو جائے۔ کہا ہاں، بتلا کیا دے گا؟ اس نے کچھ سو دو سو روپے دینا چاہے کہا کہ اتنے میں یہ فتوی نہیں لکھ سکتا، کچھ تو ہو۔ واقعی ایمان فروشی بھی کرے تو دینا کچھ تو ہو۔ غرض ہزار روپے پر معاملہ طے ہوا اور فتوی لکھا گیا وہ فتوی میں نے بھی دیکھا ہے اس میں لکھا تھا کہ ساس بے شک حرام ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ساس کسے کہتے ہیں۔ ساس کہتے ہیں منکوحہ کی ماں کو اور منکوحہ وہ ہے جس سے نکاح صحیح منعقد ہوا ہو اور اس شخص کی عورت چونکہ جاہل ہے اور جاہل عورتوں کی زبان سے اکثر کلمات کفریہ نکل جاتے ہیں اس لیے ضرور ہے کہ اس کے منہ سے بھی کلمہ کفریہ نکلا ہوگا اور نکاح کے وقت اس کو کلمے پڑھائے نہیں گئے اس لیے یہ مرتدہ ہے اور مرتدہ کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوتا لہٰذا یہ عورت منکوحہ نہیں ہے تو اس کی ماں بھی ساس نہیں ہے پس اس کی ماں کے ساتھ نکاح درست ہے رہا یہ کہ وہ منکوحہ کی ماں نہیں؟ تو ماں تو ہے جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کا مسئلہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اجتہادی مسئلہ ہے جو ہم پر حجت نہیں۔" (أمثال عبرت، ص:۴۵۱ تا ۴۵۲)(غیر مقلد: ۳۷۔۳۸)۔

صدہا افسوس ہے مفتی صاحب پر اور حکیم الأمت صاحب پر بھی کہ دوسروں پر اعتراض کرنے کے لیے حکایتوں کا سہارا لے رہے ہیں جب کہ یہ حکایت اپنی زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ میں تو آپ کی اپنی ہی حکایت ہوں دوسرے کی طرف منسوب کر کے مجھ پر زیادتی نہیں کرو کیونکہ جن لوگوں کی طرف آپ مجھے منسوب کر رہے ہیں ان کے ہاں تو اس قسم کے حیلے سازیاں نہیں ہیں اس قسم کے کرتب اور حیلے سازیاں تو آپ لوگوں کا ہی حصہ ہیں۔

مفتی صاحب قبل اس کے کہ ہم آپ لوگوں کے حیلوں کی بعض مثالیں ذکر کریں جن سے یہ عیاں ہو کہ اس قسم کی حیلے سازیاں آپ لوگوں کا ہی کام ہے۔ اس حکایت کے حوالے سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں جو یہ ہیں:

1. شریعت میں بے ثبوت بات کہنے کی ممانعت ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

" إن الله كره لكم ثلاثا: قيل و قال، وإضاعة المال، و كثرة السؤال " [1]

'' تین چیزوں کو اللہ نے تمہارے لیے ناپسند کیا ہے۔ کہا گیا، اس نے کہا۔ یعنی بے ثبوت باتیں کرنا۔ مال کو ضائع کرنا اور زیادہ سوال کرنا۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

" كفىٰ بالمرء كذبًا أن يحدث بكل ما سمع " [2]

'' آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کردے۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آدمی وہ بات کہے جس کی صحت کے بارے میں اسے علم ہو اور بغیر تثبت بات کہنا مذموم ہے اور تھانوی صاحب کی حکایت اسی زمرے میں آتی ہے۔

2. یہ فتویٰ واقعتاً اگر کسی اہل حدیث عالم سے صادر ہوا ہوتا تو مقلدین اس کو بہت اچھالتے اسے محفوظ کر کے رکھتے وہ عالم کس شہر یا بستی کے تھے ان کا نام کیا تھا اور یہ فتویٰ کس سن میں صادر ہوا ان سب چیزوں کو محفوظ کر کے رکھتے کیونکہ یہ ان کے لیے اہل حدیث کے خلاف بہت بڑا ہتھیار تھا مگر ان سب چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا بھی نہ ہونا اس حکایت کے باطل اور جھوٹ ہونے کی دلیل ہے۔

ممکن ہے کہ یہ فتویٰ یا حکایت ان کی خود ساختہ ہو اور بدنام کرنے کے لیے اسے ہماری طرف منسوب کر دیا ہو کیونکہ دوسروں کی طرف غلط فتوے منسوب کرنے سے ان کے بڑوں نے بھی گریز نہیں کیا چنانچہ سرخسی نے امام بخاری کی طرف ایک بے بنیاد فتویٰ منسوب کر دیا وہ یہ کہ ان کے نزدیک بکری کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ

---

[1] اس حدیث کو بخاری (۱۴۷۷) کتاب الازکاۃ، باب (۵۳) اور مسلم (۱۲/۱۱-۱۳) كتاب الأقضية" میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
واضح رہے کہ زیادہ سوال کرنے سے مراد لایعنی اور بے فائدہ قسم کے سوالات ہیں جیسا کہ قوم موسیٰ علیہ السلام نے گائے کے بارے میں کیے مگر وہ سوال جو علم اور فائدے کے لیے ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

[2] اس حدیث کو مسلم (۱/۳-۷) وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
اس کے مرسل اور موصول ہونے میں اختلاف ہے امام حاکم اور نووی نے موصول کو ترجیح دی ہے نیز اس کے بعض شواہد بھی ہیں ملاحظہ ہو: "مقدمة القول المقبول" صفحہ: ۲۶۔

انھیں ان کے اس فتوے کی وجہ سے بخارا سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ امام سرخسی لکھتے ہیں:

" ولو أرضع الصبيان من بهيمة لم يكن ذلك رضاعًا، و كان بمنزلة طعام أكلا من إناء واحد، و محمد بن إسماعيل صاحب" الأخبار"۔رحمه الله تعالیٰ۔ يقول: يثبت به حرمة الرضاع، فإنّه دخل بخاری فی زمن الشيخ الإمام أبی حفص ۔رحمه الله تعالیٰ۔ و جعل يفتي فقال له الشيخ ۔رحمه الله تعالیٰ۔ لا تفعل فلست هناك، فأبی أن يقبل نصحه حتی استفتي عن هذه المسألة إذا أرضع صبيان بلبن شاة فأفتی بثبوت الحرمة، فاجتمعوا، و أخرجوه من بخاری بسبب هذه الفتویٰ"(المبسوط للسرخسی(۵/۱۳۹۔۱٤۰)۔

اسی طرح ملاحظہ ہو:فتح القدير و شرح العناية:(۳/۴۵۶۔۴۵۷)۔

یہ ایک ایسا بے بنیاد فتوی ہے جو امام بخاری کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیا امام بخاری جیسا مجتہد ایسا فتوی دے گا۔ [1] اور امام بخاری کے مجتہد مطلق ہونے کی صراحت یا ان کے مجتہد ہونے کا اعتراف حنفی علماء نے بھی کیا ہے چنانچہ علامہ شامی، شیخ نور الحق، اور شیخ الاسلام وغیرہ نے ان کے مجتہد مطلق ہونے کی صراحت کی ہے جیسا کہ شیخ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری نے ''سیرۃ الامام البخاری'' کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ صاحب ''الفیض''، ''انور شاہ کشمیری'' نے کہا ہے کہ بخاری مجتہد تھے اس میں کوئی شک نہیں اور جو یہ مشہور ہے کہ وہ شافعی تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے مشہور مسائل میں شافعی کی موافقت کی ہے ۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ سیرۃ الامام البخاری (صفحہ:۱۲۴)۔

مؤرخین نے امام بخاری کے بخارا سے نکلنے کا جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ کہ امیر بخارا خالد بن أحمد ذھلی نے ان سے

---

[1] اسی لیے مولانا عبد الحی لکھنوی کے نزدیک اس حکایت کا صحیح ہونا بعید ہے چنانچہ وہ"الفوائد البهية"(صفحہ:۱۸۔۱۹) میں رقمطراز ہیں:" و هي حكاية مشهورة في كتب أصحابنا ذكرها أيضًا ۔صاحب "العناية" وغيره من شراح "الهدايه" لكنی أستبعد وقوعها بالنسبة إلی جلالة قدرالبخاري، و دقّة فهمه، و سعة نظره، و غورفكره مما لا يخفی علی من انتفع بصحيحه، و علی تقدير صحتها فالبشر يخطئ"۔

یعنی یہ حکایت ہمارے احناف کی کتابوں میں مشہور ہے، صاحب ''عنایہ'' اور ''ہدایہ'' کے دیگر شارحین نے بھی اس کو ذکر کیا ہے مگر بخاری کی قدر و منزلت، دقت فہم، وسعت نظر اور ان کی فکری گہرائی کی بناء پر میں اس حکایت کی صحت کو بعید سمجھتا ہوں اگر اس کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔''

قلت: اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں یہ حکایت باطل ہی ہے۔

طلب کیا کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے آپ کی صحیح بخاری اور تاریخ کبیر سنوں۔

امام بخاری نے کہا میں علم کو ذلیل کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی اسے سلاطین کے درباروں میں لے جانا چاہتا ہوں اگر آپ کو ضرورت ہے تو میرے پاس آ جایا کرے۔

یہ تھا ان کا بخارا سے نکالے جانے کا سبب نہ کہ [1] ان کی طرف جو جھوٹا فتویٰ منسوب کیا گیا ہے وہ سبب تھا۔

دور نہیں جایئے بلکہ تھانوی صاحب ہی کی مسلک اہل حدیث پر الزام تراشیاں ملاحظہ کیجیے، موصوف رقمطراز ہیں:

''ہمارا نزاع غیر مقلدوں سے فقط بوجہ اختلاف فروع و جزئیات کے نہیں ہے اگر یہ وجہ ہوتی تو حنفیہ شافعیہ کی کبھی نہ بنتی، لڑائی دنگہ رہا کرتا، حالانکہ ہمیشہ سے صلح و اتحاد رہا ہے۔ [2] بلکہ نزاع ان لوگوں سے اصول میں ہو گیا ہے کیونکہ:

① ...... یہ لوگ سلف صالحین خصوصاً امام اُعظم رحمہ اللہ کو طعن و تشنیع کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

② ...... چار نکاح سے زیادہ کو جائز رکھتے ہیں۔

③ ...... اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درباره تراویح کے بدعتی بتلاتے ہیں۔

④ ...... مقلدوں کو مشرک سمجھ کر مقابلہ میں اپنا لقب موحد رکھتے ہیں۔

⑤ ...... تقلید ائمہ کو مثل رسم جاہلاں عرب کے کہتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے: ''وجدنا علیہ آباء نا''۔

⑥ ...... معاذ اللہ استغفر اللہ خدا تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا ہوا مانتے ہیں۔

⑦ ...... فقہ کی کتابوں کو اسباب گمراہی سمجھتے ہیں۔

⑧ ...... فقہاء کو مخالفِ سنت ٹھہراتے ہیں۔

⑨ ...... ہمیشہ جو یائے فساد رہتے ہیں۔

⑩ ...... علی ھذا القیاس بہت سے عقائد باطلہ رکھتے ہیں کہ تفصیل اس کی طویل ہے اور محتاج بیان نہیں بہت بندگان خدا پر ظاہر ہے خاص کر جو صاحب ان کی تصنیفات کو ملاحظہ فرماویں ان پر یہ امر اظہر من الشمس ہو جاوے گا۔

---

[1] تفصیل واقعہ کے لیے ملاحظہ کریں۔ تاریخ بغداد (۲/۳۳۔۳۴) سیر أعلام النبلاء: (۱۲/۴۶۴۔۴۶۵) اور ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری (صفحہ:۴۹۳)۔

[2] تھانوی صاحب کی یہ پہلی بات ہی تاریخی اعتبار سے غلط ہے تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ:۱۴۴ و ما بعدھا) دیکھیں، نیز (صفحہ:۱۸۳) میں ان لوگوں نے امام شافعی کے بارے میں جو کہا ہے وہ بھی دیکھیں۔ جب تھانوی صاحب کی یہ پہلی بات ہی غلط ہے اور تاریخ اس کی تکذیب کرتی ہے تو اس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی بعد والی باتوں میں کس حد تک صداقت ہو گی۔ نیز (صفحہ ۱۲۱) میں مذکور صاحبِ ''درّ مختار'' کا کلام بھی دیکھیں۔

⑪ ...... پھر اس پر عادت ان کی تقیہ ہے۔

⑫ ...... موقع پر چھپ جاتے ہیں۔

⑬ ...... اکثر باتوں سے مکر جاتے ہیں اور منکر ہو جاتے ہیں۔

⑭ ...... پس بوجوہ مذکورہ ان سے احتیاط سب امور دینی و دنیوی میں بہتر معلوم ہوتی ہے'' ۸ محرم الحرام ۱۳۰۱ھ امداد الفتاوی (۵۱۳/۱) منقول از نتائج التقلید (صفحہ:۲۰۵)۔

یہ ہیں تھانوی صاحب کی مسلک اہلحدیث پر بھتان بازیاں اور الزام تراشیاں اور ان سے مقصود اہل حدیث سے لوگوں کو متنفر کرنا تھا مگر اب وہ زمانہ بیت چکا۔ ①

تھانوی صاحب کی ان الزام تراشیوں کی کیا حقیقت ہے اس کے بارے میں تفصیل کی گنجائش نہیں صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم ـ والله حسيبه يوم القيامة إن شاء الله۔

جو تھانوی صاحب اس قسم کی بے بنیاد باتیں کہہ سکتے ہیں تو وہ اہل حدیث کی طرف یہ من گھڑت حکایت بھی منسوب کر سکتے ہیں یہاں تو تھانوی صاحب نے اس قدر الزام تراشیاں کیں مگر اپنے پیرومرشد گنگوہی صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''تقلید شخصی عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً و عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب وسنت ہوں اس قدر بغض ونفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ، فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے۔ ان کا یہ کلام اس رسالے کے صفحہ (۱۲۶) میں گزر چکا ہے۔ تارک تقلید کون ہیں وہ اہل حدیث ہی ہیں لہٰذا تھانوی صاحب اپنی ہی بات کی زد میں آ گئے۔

۳ مفتی صاحب آپ نے لکھا ہے کہ ''وہ فتوی میں نے بھی دیکھا ہے'' مفتی صاحب وہ فتویٰ آپ نے نیند میں دیکھا ہے یا کہ حالت بیداری میں؟

اگر حالت بیداری میں دیکھا ہے تو کیا کسی اہل حدیث عالم کی کتاب میں دیکھا ہے اگر کتاب میں دیکھا ہے تو اس کتاب کا نام بتائیے۔ اگر اس کو الگ سے چھپا ہوا دیکھا ہے تو اس کی ایک کاپی ہمیں بھی بھجوا دیں تا کہ ہم اس کے بارے میں جانچ پڑتال کر سکیں، مفتی صاحب بے بنیاد باتیں کرنے سے خاموشی اچھی ہے۔

"من كان يؤمن بالله ،واليوم الآخر، فليقل خيراً أو ليصمت" ②

''جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔''

---

① اس کتاب کے صفحہ (۱۴۹) میں جو ذکر ہوا وہ ملاحظہ کریں۔

② اس کو بخاری (۶۰۱۸، ۶۰۱۹) اور مسلم (۴۷، ۴۸) نے ابو ہریرہ اور ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

تھانوی صاحب نے بہشتی زیور (حصہ:۱۰/ص:۸۰۲، مسئلہ:۵) میں کتنی اچھی بات کہی ہے: ''سنی ہوئی **بات کا اعتبار** مت کرلیا کرو۔''

بات تو بہت اچھی کہی لیکن اس پر عمل نہیں کیا۔

۴ کہتے ہیں کہ جھوٹ کے اندر کوئی نہ کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جس سے اس کا جھوٹ ہونا ظاہر ہو جاتا ہے **پہلی بات یہ** ہے کہ اس حکایت کے انداز سے ہی پتہ چلتا ہے کہ یہ سراسر باطل ہے اور اس کے آخر میں جو یہ کہا گیا ہے'' **ماں تو** ہے جس سے حرمت مصاھرت ثابت ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت مصاھرت کا مسئلہ اُبوحنیفہ **کا** اجتہادی مسئلہ ہے جو ہم پر حجت نہیں۔''

قارئین اس کلام میں جو تضاد ہے اسے دیکھیے پہلے یہ کہا جا رہا ہے: ''ماں تو ہے جس سے حرمت مصاھرت ثابت ہو جاتی ہے'' اور بعد میں یہ کہا جا رہا کہ ''حرمت مصاھرت کا مسئلہ اُبوحنیفہ کا اجتہادی مسئلہ ہے۔''

جب یہ امام صاحب کا اجتہادی مسئلہ ہے تو پہلے یہ کیسے کہہ دیا کہ حرمت مصاھرت ثابت ہو جاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی اہل حدیث عالم ایسی بات کہہ سکتا ہے اور نہ ہی ایسا فتوی دے سکتا ہے کیونکہ حرمت مصاھرت والا مسئلہ امام صاحب کا اجتہادی نہیں۔ [1] بلکہ قرآن کی نص سے ثابت ہے فرمایا:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ......وَ أُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَ رَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِيْ حُجُوْرِكُمْ .....﴾ (النساء:۲۳)۔

﴿وَ أُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے حرمت مصاھرت کا ہی ذکر کیا ہے۔

چنانچہ کسی اہل حدیث عالم میں یہ جرأت نہیں کہ وہ دیدہ دانستہ کتاب وسنت کی مخالفت کرے یہ کام تو آپ لوگوں کا ہے۔

۵ مفتی صاحب نکاح سے قبل کلمے پڑھانے پر کیا دلیل ہے کیا امام صاحب نے ایسا کہا ہے اگر آپ لوگ کلمے اس لیے پڑھاتے ہو کہ عورتوں سے کفریہ کلمات نکل جاتے ہیں تو کیا نکاح کے وقت پڑھائے گئے کلمے نکاح کے بعد صادر ہونے والے کفریہ کلمات کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں اگر کفارہ بن جاتے ہیں تو پھر آپ ایک سوال کا جواب دیں، وہ یہ کہ ایک آدمی مسلمان ہوا اس نے کلمہ پڑھا اور کچھ دنوں بعد اس نے کفریہ کلمات کہہ دیے تو کیا اس کا اسلام باقی رہا یا جاتا رہا ظاہر ہے کہ کوئی عالم یہ نہیں کہے گا کہ اس کا اسلام باقی رہا۔ اب ہم آپ سے اس آدمی اور عورت کے کفریہ کلمات میں فرق جاننا چاہتے ہیں۔

مفتی صاحب آپ کی عورتوں میں بہت ساری جاہل عورتیں ہیں لہٰذا اپنے نکاحوں کی فکر کریں۔

---

[1] ممکن ہے کہ ان لوگوں کے خیال میں یہ امام صاحب کا اجتہادی مسئلہ ہی ہو۔

آیئے اب آپ کے حیلوں کی چند مثالیں ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کو پتہ چلے کہ ان حیلوں اور اس حکایت میں کس قدر مماثلت پائی جاتی ہے۔

① مولانا رشید گنگوہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک واعظ صاحب یہاں ۔گنگوہ۔تشریف لائے بڑے زور شور سے وعظ فرماتے رہے ان کے اہل وعیال بھی ان کے ہمراہ تھے ایک روز اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھے اور اس زور سے کہ دور تک آواز پہنچی لیکن اس کے بعد علیحدگی نہیں کی اور ساتھ رہتے رہے ایک دن میرے پاس بھی آئے میں نے پوچھا کہ طلاق دینے کے بعد جواز کی صورت آپ نے کیا اختیار کی۔ واعظ صاحب بولے میں نے تلاق (ت) سے دی ہے طلاق (ط) سے نہیں دی مجھے غصہ آ گیا میں نے کہا کہ اگر اخیر میں (خ) بھی ملا دی جائے تو کیا مفتی تمہارے موافق فیصلہ دے سکتا ہے یہ سن کر وہ حضرت گنگوہ ہی سے چلے گئے۔

(تذکرة الرشید:۲/۱۹۱)۔

یہ ہے آپ کے واعظ صاحب کا حیلہ، شاید وہ کچھ باغیرت ہوں گے اس لیے حلالے والی صورت اختیار نہیں کی، ممکن ہے کہ ان کے گنگوہ سے جانے کی وجہ یہ ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بات زیادہ پھیل جائے تو پھر مجبوراً حلالہ کی صورت کو اختیار کرنا پڑے یا پھر بیوی سے ہاتھ صاف کرنے پڑیں۔

② اب چونکہ حلالہ کی بات چل نکلی اس لیے دوسری مثال حلالہ ہی کی لیجیے۔

تھانوی صاحب نے جو حکایت ذکر کی اگر اس کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ تو ایک عالم کا اپنا ذاتی فتوی ہو گا مگر نکاحِ حلالہ والا حیلہ یہ تو آپ لوگوں کا ایک مذہبی فتوی ہے خصوصاً اس دور کے تو بہت سے مفتی فوراً حلالہ ہی کا فتوی صادر فرماتے ہیں جب کہ حلالہ ایک ملعون فعل ہے۔

ہمارا اس وقت موضوع مسئلہ حلالہ پر بحث نہیں کہ اس کے ملعون وحرام ہونے پر دلائل ذکر کیے جائیں لہٰذا آپ کے حنفی فقہ سے تعلق رکھنے والے چند علماء کے اقوال ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

ا۔ مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی فاضل دیوبند حلالہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس سے متعدد خرابیاں رونما ہوتی ہیں اگر طلاق دینے والا حنفی مسلک رکھتا ہے اور اسی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لامحالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے۔شرط باندھ کر دوسرے سے نکاح کرتا ہے کہ تم کل طلاق دے دینا اس طرح وہ شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے'' آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اب آپ غور کر کے دیکھیے کہ ہمارے معاشرہ میں کون سی شکل رائج ہے بالکل متعۃ النساء کی طرح مشروط نکاح کیا جاتا ہے اور اگلے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے اس شکل میں بعض ایسے

شرمناک اور حیا سوز قصے سننے میں آتے ہیں کہ کسی طرح شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، جب ہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ایسے لوگوں کو میں سنگسار کردوں گا۔ بسا اُوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والا طلاق ہی نہیں دیتا تو اس طرح اس قضیے میں نزاع وفساد کا ایک دوسرا قضیہ کھڑا ہو جاتا ہے۔" (مجموعہ **مقالات علمیہ** در بارہ ایک مجلس کی تین طلاق: صفحہ: ۳۲، ۳۳، ۳۴)۔

ب۔ غالباً ۱۹۷۸ کی بات ہے سرگودھا میں معروف دیوبندی عالم مولانا عبدالستار تونسوی شیعت کے خلاف دورہ کروا رہے تھے جب متعہ کی بحث شروع ہوئی تو ہمارے ایک ساتھی مولانا عبدالستار بھٹی نے سوال کیا مولانا: متعہ اور حلالہ میں کیا فرق ہے؟

تونسوی صاحب نے جواب ارشاد فرمایا: " دونوں بے غیرتی ہیں" حلالہ کی شرعی حیثیت از رانا محمد شفیق خان پسروری، صفحہ: ۱۴)۔

ج۔ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے پیر کرم شاہ بھیری ازہری اپنے مقالہ " دعوت فکر ونظر" میں رقمطراز ہیں:

ان علماء ذی شان کے بتائے ہوئے حل کو اگر کوئی بدنصیب قبول کر لیتا ہوگا تو اسلام اپنے کرم فرماؤں کی ستم ظریفی پر چیخ اٹھتا ہوگا اور دین سبز گنبد کے مکین کی دہائی دیتا ہوگا۔

اب حالات دن بدن بدتر ہو رہے ہیں جب بعض طبیعتیں اس غیر اسلامی اور غیر انسانی حل کو قبول نہیں کرتیں اور اپنے گوشۂ عافیت کی ویرانی بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی تو وہ پریشان اور سراسیمہ ہوکر ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اس وقت باطل اور گمراہ فرقے اپنا آہنی پنجہ ان کی طرف بڑھاتے ہیں اور انھیں اپنے دام تزویر میں بھی پھنسا لیتے ہیں۔ [1] اس کی بیوی تو اسے مل جاتی ہے لیکن دولت ایمان لوٹ لی جاتی ہے میرے چشم دید واقعات ہیں کہ کنبے کے کنبے مرزائی اور رافضی ہوگئے......" [2] (مجموعہ مقالات علمیہ (صفحہ: ۲۴۳) ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حلالہ کے مفاسد بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس قسم کے حیلوں کی وجہ سے کفار اور منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی ذات پر طعن کیا اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا اور پھر ایک اسلام قبول کرنے والے کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ اس نے بیان کیا کہ اسلام کی خوبیاں اور محاسن اس کے لیے واضح تھے مگر اس قسم کے حیلوں

---

[1] حلالہ کے بارے میں یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ بعض مدارس میں اس کے لیے کمرے مخصوص ہیں اور حلالہ کے ریٹ بھی مقرر کیے جاتے ہیں اور ریٹ حلالہ کرنے والے کی عمر کے اعتبار سے طے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک ہندوستانی صاحب نے ہندوستان کے حوالے سے ایک مرتبہ مجھے بیان کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2] حلالہ کے ردّ میں ان کے علاوہ دیگر حنفی علماء کے فتاوے اور اُقوال بھی ہیں جنھیں " حلالہ کی شرعی حیثیت" (صفحہ: ۶۹۔ و ما بعدھا) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سے دل مطمئن نہ تھا۔ ملاحظہ ہو مجموع الفتاویٰ (۳۹/۳۳)۔

یہ ہیں حلالہ والے حیلے کے بعض مفاسد ونقصانات، مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس ملعون فعل کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ ۲ جنوری ۱۹۹۶ء میں سندھ ہائیکورٹ کراچی کے فاضل جج جناب محمد شفیع محمدی نے حلالہ کے خلاف فیصلہ دیا اور کہا کہ اس سے بے شرمی و بے حیائی پھیلے گی تو اس پر بہت سے دیوبندی اور بریلوی مولویوں نے طوفان برپا کردیا، اور بریلویوں میں سے ایک مولوی صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حلالہ کرنے والے پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لعن الله المحلل والمحلل له۔" [1]

"حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں پر اللہ کی لعنت۔"

آخر میں حلالہ سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بھی سنیے جس سے اس کے جواز پر زور دینے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ رانا محمد شفیق پسروری رقمطراز ہیں:

ہمارے ایک بزرگ دوست نے بتلایا کہ میں ایک معروف روزنامے کے مفتی صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک بہت بڑی تاریخی مسجد کے خطیب کا فون آ گیا، مفتی صاحب نے رسیور اٹھانے کی بجائے اس کا وہ بٹن دبا دیا جس کے دبنے سے دوسرے لوگ بھی گفتگو سن سکتے ہیں چنانچہ سلام دعا کے بعد خطیب صاحب نے مفتی صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ رات انھوں نے جو حلالہ بھیجا تھا اس سے بہت لطف اٹھایا (ہوس پرستی کی انتہاء ملاحظہ فرمائیے) بلکہ انہی دونوں بزرگوں [2] کے متعلق مشہور ہے کہ ان دونوں میں ایک مجبور عورت کے باعث جھگڑا بھی ہے حلالہ کے باعث جھگڑے، اختلاف اور افسوس ناک واقعات کی اتنی بہتات ہے کہ شاید ہی کوئی محلّہ، گاؤں یا شہران میں سے کسی نہ کسی سے خالی ہو۔" (حلالہ کی شرعی حیثیت: صفحہ:۱۳)۔

③ ایک خندق ہے جس کا طول دس ہاتھ سے زیادہ ہے اور اس میں پانی ہے مگر اس کی چوڑائی دس ہاتھ سے کم ہے یعنی دہ در دہ نہیں۔ تو بعض حنفی مشایخ کے قول کے مطابق اس پانی سے وضوء کرنا درست نہیں لیکن اگر کسی کو وضوء کرنے کی ضرورت ہو تو پھر وہ کیا کرے آئیے اب حیلہ سنیے۔

---

[1] اس حدیث کو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد: (حدیث: ۲۰۷۶) ترمذی (حدیث: ۱۱۱۹۔۱۱۲۰) نسائی (ج:۶، ص:۱۴۹) اور ابن ماجہ (حدیث: ۱۹۳۴۔۱۹۳۶)۔
اور یہ صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے: إرواء الغلیل (۶/۳۰۷/۱۸۹۷) ملاحظہ کریں۔

[2] رانا صاحب سے ان بزرگوں کے نام بھی معلوم ہوئے تھے خطیب صاحب تو وفات پا چکے ہیں مفتی صاحب کے بارے میں علم نہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں یا کہ وفات پا گئے۔

وہ اس خندق کے قریب ایک چھوٹا سا گڑھا کھودے اس کے بعد خندق سے اس گڑھے تک ایک چھوٹی سی نال کھودے اور خندق کا پانی اس میں چھوڑ دے چنانچہ پانی خندق سے گڑھے کی طرف آنا شروع ہو جائے گا اور خندق کا پانی چلنے لگے گا اب اس کی مرضی ہے چاہے تو خندق سے وضوء کرلے اور اگر چاہے تو اس گڑھے سے۔ملاحظہ ہو: فتاویٰ عالمگیری (۶/۳۹۰۔عربی)۔

قلت: حیلہ اور پھر اس قدر تکلف بھی کہ وہ ایک گڑھا کھودے اور خندق اور گڑھے کے درمیان نالی بھی اور صرف وضوء کے لیے اتنا تکلف کرے۔

کیا ایسے بہتر نہیں تھا کہ یہ کہا جاتا کہ ایک آدمی بالٹی، لوٹے یا کسی اور برتن میں خندق سے پانی لے کر کھڑا ہو جائے اور وضوء کرنے والا نیچے بیٹھ جائے اور پانی والا آہستہ آہستہ پانی انڈیلنا شروع کرے اور یہ نیچے بیٹھا وضوء کرتا جائے کیونکہ اب یہ پانی بھی جاری ہی ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

دوسری بات یہ کہ اس قدر تکلف کی کیا ضرورت تھی اگر ان لوگوں کے ہاں یہ پانی ناپاک یا اس کے پاک یا ناپاک ہونے میں شبہ تھا تو سیدھا کہہ دیتے کہ وہ ایسے پانی سے وضوء نہ کرے بلکہ تیمّم کرے۔مگر ایسا سیدھا سادھا فتویٰ دینے سے فقاہت کیسے ظاہر ہوتی۔

قارئین آپ غور کریں کہ اس حیلے میں اور یہود کے اس حیلے میں جو انھوں نے ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنے کے لیے اختیار کیا تھا کیا فرق ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

"لتتبعن سنن من كان قبلكم" الحديث [2]

''یقیناً تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کو اپناؤ گے۔'' الحدیث (یعنی یہود ونصاریٰ کے طریقوں کو۔)

④ ایک آدمی فجر کی نماز کے لیے مسجد میں آتا ہے اور جماعت کھڑی ہے اب اگر وہ فجر کی سنت ادا کرے تو اسے جماعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہے اگر جماعت میں شامل ہو تو پھر حنفی فقہ کے مطابق سورج طلوع ہونے کے بعد سنت پڑھنا ہوں گی اور یہ بھی اس کے لیے مشکل ہے تو آخر اب وہ کرے تو کیا کرے، اب حیلہ اختیار کرے جو یہ ہے:

وہ سنت شروع کر کے تھوڑی دیر بعد سنت توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور جماعت سے فراغت کے بعد سنت

---

[1] اس حیلہ کی تفصیل کے لیے سورہ اعراف آیات (۱۶۳۔۱۶۶) دیکھیں۔

[2] اس حدیث کو متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں ایک صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور ان کی حدیث کو بخاری (۳۴۵۶) کتاب ''أحادیث الأنبیاء'' اور مسلم (۱۶/۲۱۹۔۲۲۰) کتاب ''العلم'' نے روایت کیا ہے۔
اس حدیث کی مفصل تخریج ہم نے دادا جان رحمہ اللہ کے رسالے ''فرقۂ ناجیہ'' کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ......)۔

پڑھ لے اور اب اس کے لیے جماعت کے بعد اور سورج کے طلوع ہونے سے قبل سنتوں کا پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ اب وہ ان کو قضا کے طور پر پڑھے گا اور اس وقت فوت شدہ نماز کی قضا جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری:٦/ ٣٩٠)۔

قارئین آپ نے ملاحظہ کیا کہ کیسے حیلہ اختیار کیا گیا، ان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ایسے معذور کو حدیث پر عمل کرتے ہوئے نمازِ فجر کے بعد سنتوں کی ادائیگی کی اجازت دے دیتے۔

5. ایک آدمی کے پاس دوسو درہم ہیں اور وہ ان کی زکوٰۃ نہیں دینا چاہتا تو کیا کرے وہ یہ کرے کہ ان پر ایک سال مکمل ہونے سے ایک دن قبل ان میں سے ایک درہم کا صدقہ کردے یا وہ ایک درہم یا تمام درہموں کو ان پر ایک سال مکمل ہونے سے ایک دن پہلے اپنے چھوٹے بیٹے کو ہبہ کردے۔" (حوالہ مذکور:٦/ ٣٩١)۔

وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو اس لیے ہبہ کرے گا کہ وہ اس کا ولی ہے لہٰذا حقیقت میں پیسہ اسی کے پاس ہی رہے گا اور اس طرح وہ زکوٰۃ سے بھی بچ جائے گا۔

صرف ایک درہم صدقہ کرنے یا اپنے چھوٹے بیٹے کو دینے کے ساتھ زکوٰۃ سے اس لیے بچ جائے گا کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا نصاب دوسو درہم ہے لہٰذا جب ایک درہم صدقہ یا ہبہ کردیا جائے گا تو نصاب سے ایک درہم کم ہوجانے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

لوگوں کو اسلام کے فرائض کی ادائیگی سے آزاد کرنے کے لیے دیکھیں کیسے کیسے حیلے ایجاد کیے گئے ہیں اب کچھ لوگ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے خود کو شیعہ ظاہر کرتے ہیں تو شاید وہ بھی اس قسم کے حیلوں کا ہی سہارا لیتے ہوں۔

6. ایک آدمی اپنے والد کے روزوں یا نماز کا فدیہ ادا کرنا چاہتا ہے مگر وہ ہے فقیر اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے تو وہ کیا کرے وہ یہ کرے کہ دو کلو گندم کسی فقیر کو دے دے پھر وہی گندم اس سے ہبہ کے طور پر لے لے پھر اس کو صدقہ کے طور پر دے دے پھر اس سے ہبہ کے طور پر لے لے، ایسے کرتا رہے حتیٰ کہ فدیہ کی مقدار کو پہنچ جائے۔ حوالہ مذکور: (٦/ ٣٩٢)۔

اگر کوئی مالدار آدمی زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کسی مسکین یا فقیر سے کہتا ہے کہ دیکھو میں تمھیں اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں مگر بات یہ ہے کہ اس زکوٰۃ کے پیسے میں سے اتنے فیصد میری بیوی اور بچوں کو ہبہ یا تحفہ کے طور پر دے دینا تو وہ فوراً تیار ہوجائے گا کیونکہ اسے کچھ نہ ملنے سے کچھ مل جانا بہتر ہے تو کیا یہ مولوی اس مالدار کو ایسا کرنے سے روک سکتے ہیں قطعاً نہیں۔

صفحہ (١٣٨) میں مذکورہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام میں ایک نئے اسلام قبول کرنے والے کا کلام گزر چکا ہے کہ اسلام کی خوبیاں اور محاسن اس پر واضح تھے مگر اس قسم کے حیلوں سے اس کا دل مطمئن نہ تھا۔

صوفی و مفتی صاحب یہ ہیں آپ کے حیلوں کی چند مثالیں جن کی وجہ سے کفار اور منافقین کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام پر طعن و تشنیع کرنے کا موقع ملا اور اس قسم کے حیلے بعض لوگوں کے اسلام قبول کرنے میں آڑے آئے۔

یہاں جو مثالیں ذکر کی گئی ہیں وہ ذرا سنجیدہ قسم کے حیلوں کی ہیں ورنہ ان لوگوں کے ہاں بڑے عجیب و غریب قسم کے حیلے بھی موجود ہیں۔

صوفی بشیر صاحب آپ لوگوں کی حقیقت یہ ہے۔اس کے باوجود بھی جھوٹی حکایتیں اور کہاوتیں اہل حدیث کی طرف منسوب کر کے ان کو بدنام کرنے اور ان سے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہو مگر اب لوگوں کو بیوقوف بنانے کا زمانہ بیت چکا ہے اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے لوگ حق کے متلاشی ہیں اور حقیقت کو سمجھنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ دن بدن لوگ مسلک اہل حدیث کو اختیار کرتے جا رہے ہیں اور یہی چیز آپ لوگوں کے لیے پریشانی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

صرف عوام الناس ہی نہیں بلکہ آپ کے علماء بھی اس مسلک کو اختیار کر رہے ہیں جیسا کہ (صفحہ:۱۴۹) میں ذکر کیا جا چکا ہے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ صوفی بشیر اور ان کے ساتھیوں کو بھی کتاب و سنت کا متبع بنائے۔آمین۔

قبل اس کے کہ ہم صوفی و مفتی صاحب کی دیگر الزام تراشیوں اور کذب بیانوں کا جائزہ لیں یہاں ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے کلام کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔موصوف حِیَل کی بعض مثالوں کا ذکر۔ جو کہ مذکورہ مثالوں کے علاوہ ہیں۔کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''حِیَل کے ان مسائل پر جن میں مبینہ طور پر یہود کی نقالی کی گئی ہے آپ اپنے لیے کون سا لقب پسند فرمائیں گے، آپ نے علماء اہل حدیث کے علمی ذخائر کو چھان مارا۔کہیں آپ کو اپنے حیل کے مذکورہ مسائل کی نظیر، یا ان سے قریب ترین کوئی مثال ان ذخائر میں نظر آئی؟ [1] جب کہ آپ نے مکر و فریب اور خیانت کے تمام وسائل کو استعمال کرنے میں پس و پیش نہیں کیا۔ پہلے آپ اپنے آئینہ میں اپنی شکل ملاحظہ کیجیے اس کے بعد اہل حدیثوں کو آئینہ دکھلانے کی زحمت اٹھایئے۔اگر آپ دینی احکام سے فرار اختیار کرنے کے لیے شرعی حِیَل کے نام سے ان تمام گُروں کی تعلیم و تعلّم کو جائز سمجھتے ہیں، بلکہ اپنی خداداد فقہی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان میں مزید اضافہ بھی کرتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے جانبداری سے دست بردار ہو کر یہ بتلایئے کہ اس کے بعد پھر ابلیس کا کیا کام باقی رہ جاتا ہے۔'' [2]

(سلفیت کا تعارف:۳۰۴۔۳۰۵)۔

---

[1] غالباً اسی لیے یہ بیچارے اہل حدیث کی طرف جھوٹی و من گھڑت حکایت منسوب کرنے پر مجبور ہوئے۔

[2] ابلیس کا باقی کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ لوگوں سے ان حیلوں پر عمل کروائے۔

صوفی مفتی صاحب نے (صفحہ:۳۹) میں علامہ شاطبی کی کتاب ''الاعتصام'' (۸۹/۲) سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ''ترکِ رائے کا نظریہ بدعت ہے جو دوسری صدی کے بعد شریعت میں ظاہر ہوئی۔''

یہ ہے صوفی مفتی کا کلام، صوفی صاحب ہم آپ کو آپ کے ملا علی قاری صاحب کا کلام سناتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

" أنَّ القول بالرأي، والعقل المجرد في الفقه، والشريعة بدعة، و ضلالة۔"

(شرح الفقه الأكبر (صفحه:۱۲).

''فقہ اور شریعت میں محض رائے اور عقل سے بات کہنا بدعت اور گمراہی ہے۔''

آپ کے امام زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" نحن لا نأخذ بالرأي ما دام الأثر، و إذا جاء الأثر تركنا الرأي" (الفوائد البهية:۷۶)۔

''جب اُثر (حدیث) موجود ہو تو ہم رائے کو نہیں لیتے او جب حدیث آ جائے تو ہم رائے کو ترک کر دیتے ہیں۔''

صوفی مفتی صاحب کاش کہ آپ لوگ بھی اپنے امام کے نقش قدم پر چل کر ایسے ہی کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔

امام زفر کے قول کے بعد مشہور و معروف تابعی امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ملاحظہ کیجیے کہتے ہیں:

"أوّل من قاس إبليس، و ما عبدت الشمس، والقمر إلا بالمقاييس" [1]

''سب سے پہلے ابلیس نے رائے سے کام لیا سورج اور چاند کی پوجا بھی رائے اور قیاس ہی کی بناء پر کی گئی۔''

امام ابن سیرین کے قول کے بعد اُمیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول بھی ملاحظہ کرلیں فرماتے ہیں:

" إيّاكم، وأصحاب الرأى، فإنّهم أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يحفظوها، فقالوا بالرأي، فضلوا وأضلوا۔" [2]

''لوگوں اہل رائے سے بچو کیونکہ وہ اُحادیث کے دشمن ہیں، اُحادیث کا حفظ کرنا ان پر بھاری گزرا تو انھوں نے رائے سے کام لیا جس کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔''

رائے کی مذمت کے بارے میں دیگر سلف کے اُقوال بھی ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر انہی چند اُقوال پر اکتفا

[1] اس کو دارمی (۶۵/۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

[2] اسے دارقطنی (۱۴۶/۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ اُثر اپنی مختلف سندوں کی بناء پر حسن درجے کا ہے۔

اس اُثر اور اس سے پہلے اُثر کی مفصل تخریج میں نے ''روضة الناظر'' لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے جو کہ بیروت میں زیر طبع ہے۔

کرتے ہیں۔ [1]

واضح رہے کہ سلف اور ائمہ نے جس رائے کی مذمت کی ہے تو اس سے وہ رائے مراد ہے جو کہ نص یا حدیث کے مقابلے میں اختیار کی جائے مگر وہ رائے جو کسی نص کے خلاف نہ ہو بلکہ صحیح قیاس پر مبنی ہو تو وہ مذموم نہیں تفصیل کے لیے: "روضة الناظر" لابن قدامة (صفحہ:۱۴۹) اور "إعلام الموقعين" لابن القيم (۱/۵۳۔ و ما بعدھا) دیکھی جائے۔

مفتی صاحب آپ نے علامہ شاطبی کا قول تو ذکر کر دیا تو کیا آپ یہ بتائیں گے کہ آپ کی تقلید کس صدی کی پیداوار ہے دوسری صدی سے پہلے کی یا کہ اس سے بعد کی۔

اگر ترکِ رائے کا نظریہ دوسری صدی میں ظاہر ہونے کی وجہ سے بدعت ہے تو آپ کی تقلید شخصی چوتھی صدی ہجری میں بلکہ اس کے بعد ظاہر ہونے کی وجہ سے بدعت کیوں نہیں کیونکہ تقلید کی ابتداء چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئی جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اور الإنصاف في بيان أسباب الإختلاف" میں ذکر کیا ہے۔

اس قسم کی صراحت آپ کے تھانوی صاحب نے بھی اپنے ایک طویل فتوی میں کی ہے۔

تقلید کی ابتداء کی تفصیل کے لیے دادا جان رحمہ اللہ کی کتاب "تاريخ التقليد" (صفحہ:۱۱۳ و ما بعدھا) دیکھی جائے اسی طرح اس کتاب کے صفحہ (۱۱۱) میں مذکور عز الدین بن عبد السلام کا کلام بھی دیکھیں جو شاہ ولی اللہ کے حوالے سے ذکر ہوا ہے۔

مفتی صاحب نے آگے چل کر ایک مقام پر لکھا ہے:

> ''ان غیر مقلدین میں ضد اور ہٹ دھرمی ایسی سخت ہے کہ اوّل تو یہ حضرات حنفیہ کی نماز کو خلاف سنت سمجھتے ہیں۔ دوسرے حضرت سیدنا امام الأعظم رضی اللہ عنہ ہی کی نماز کو بھی معاذ اللہ سنت کے مطابق نہیں مانتے۔'' (صفحہ:۵۴)۔

مفتی صاحب کے اس کلام سے ایک بڑی نئی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ ہم سمجھتے تھے کہ حنفیہ کی نماز وہی ہے جو نماز ان کے امام صاحب پڑھتے تھے مگر مفتی صاحب کے اس کلام سے پتہ چلا کہ حنفیہ اور امام صاحب کی نماز میں فرق ہے۔

مفتی صاحب آپ لوگ قرآن مجید کی آیات اور اُحادیث کے اندر تحریف کریں ان کی بے جا تاویل کریں، امام صاحب کی تقلید کی خاطر صحیح اُحادیث کو رد کریں۔ امام صاحب کے قول کو ردّ کرنے والے پر ریت کے ذرات کے برابر لعنت بھیجیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو امام صاحب کا مقلد بنائیں اپنے مذہب کی خاطر بڑے بڑے ائمہ بلکہ صحابہ تک پر طعن کریں۔ اپنے مذہب کو حق اور دوسرے مذاہب کو باطل قرار دیں۔

---

[1] طالب تفصیل "إعلام الموقعين" (۱/۵۳ و ما بعدھا) دیکھے۔

بیت اللہ میں چار الگ الگ مصلے مقرر کریں، عاملین بالسنہ پر ظلم و ستم کریں [1] مگر ضدی اور ہٹ دھرم ہم۔''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔''

صفحہ(۱۲۶) میں تھانوی صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب کے کلام سے آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی اور ضد بیان ہو چکی آیئے اب امام عبداللہ بن مبارک۔ رحمہ اللہ [2] کے کلام سے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے بارے میں سن لیجیے۔

امام بخاری نے اپنے استاد زکریا بن عدی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک کوفہ آئے تو محدثین اور کوفی علماء کی ان کے سامنے کئی مسائل پر گفتگو ہوئی حتی کہ شراب کا مسئلہ زیر بحث آیا تو ابن مبارک نے (شراب کی حرمت پر) رسول اللہ ﷺ کی اَحادیث اور اَصحابِ رسول ﷺ میں سے مہاجرین اور اَنصار کے اَقوال بطور حجت ذکر کیے تو کوفی علماء نے کہا کہ نہیں یہ اَحادیث اور اَقوال نہیں بلکہ ہمیں ہمارے ائمہ کے اقوال پیش کریں تو ابن مبارک نے اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا یہ قول پیش کیا:

" كانوا يقولون إذا سكر من شراب لم يحل له أن يعود فيه أبدًا۔"

''اصحاب عبداللہ بن مسعود کا کہنا ہے [3] کہ جس چیز کے پینے سے آدمی کو نشہ آجائے تو اس کے لیے اس کا کبھی بھی استعمال جائز نہیں۔''

یہ سن کر انھوں نے اپنے سر نیچے کر لیے ابن مبارک نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا کہ ان لوگوں سے

---

[1] مذکورہ باتوں میں سے اَکثر کا ذکر باحوالہ گزر چکا ہے ملاحظہ ہو اس کتاب کے صفحات (۱۳۱ و ما بعدھا، ۱۴۴ و ما بعدھا) کبار اَئمہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کی مثالیں عنقریب آرہی ہیں۔ اور قرآنی آیات و اَحادیث کے اندر تحریف کے بارے میں بعض مثالیں (صفحہ:۱۹۴ و ما بعدھا) میں آرہی ہیں۔

[2] مولانا عبدالحی لکھنوی نے "الفوائد البهية في تراجم الحنفية" (صفحہ:۱۰۳) میں لکھا ہے: "صاحب أبا حنيفة وأخذ عنه" یعنی ابن مبارک نے ابوحنیفہ سے علم اَخذ کیا ہے مگر یہ بات محل نظر ہے اس کے بارے میں "تنکیل" (۲۸۳۔۲۸۴) میں معلّمی صاحب کا کلام دیکھیں۔

[3] امام ابراہیم نخعی جب "كانوا يكرهون"، "كانوا يقولون" وغیرہ کہیں تو اس سے ان کی مراد اَصحاب عبد اللہ بن مسعود۔علقمہ، اَسود، اَبووائل وغیرہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حفاظ حدیث عراقی وغیرہ نے صراحت کی ہے ملاحظہ ہو "تيسير العزيز الحميد في شرح كتاب التوحيد (صفحہ:۱۴۳)۔

تنبیہ= حافظ ابن حجر اور شیخ البانی، ابراہیم نخعی کے اس جیسے قول سے یہ سمجھے ہیں کہ ان کی مراد صحابہ اور تابعین ہوتی ہے جب کہ ایسے نہیں اور ان کی اس بات پر "روضة الناظر" لابن قدامه کی تعلیق میں بھی میں نے تنبیہ کی ہے اور یہ کتاب لبنان میں زیر طبع ہے۔

بڑھ کر بھی کوئی عجیب آدمی دیکھا ہے میں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی اُحادیث، آپ کے صحابہ اور تابعین کے اُقوال پیش کیے مگر انھوں نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی مگر جب اِبراہیم کا قول پیش کیا تو انھوں نے اپنے سر نیچے کر لیے۔"

اس قصہ کو امام بیہقی نے (۸/ ۲۹۸۔۲۹۹) نے روایت کیا ہے۔اس سے بڑھ کر بھی دنیا کے اندر ہٹ دھرمی کی کوئی مثال مل سکتی ہے مفتی صاحب ہمارا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ بات کرنے سے پہلے ذرا اپنے گریبان میں جھانک لیا کریں تو بہتر ہے۔

اپنی ہٹ دھرمی کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے: مولانا عبدالرحمٰن فاضل دیوبند (فیصل آبادی)۔ جو کہ پہلے دیوبندی تھے بعد میں اہل حدیث ہو گئے۔ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے مولانا سرفراز گکھڑوی سے بیس رکعت تراویح والی حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا اس کے راوی ابوشیبہ کو امام بخاری نے ضعیف قرار نہیں دیا اور دلیل یہ دی کہ علامہ ذہبی نے "میزان" میں کہا ہے "سکت عنہ البخاری" اس سے مراد یہ ہے بخاری نے اس کو ضعیف قرار نہیں دیا۔

مولانا کہتے ہیں کہ مجھے جب یہ علم ہوا کہ یہ کہہ کر امام بخاری نے اس پر بہت سخت جرح کی ہے تو میں نے اس کے بارے میں ان کو خط لکھا جس کا انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ عرصہ بعد ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ ان کلمات سے امام بخاری کی مراد وہ نہیں جو آپ نے بیان کی تھی بلکہ یہ تو ان کی طرف سے اس پر سخت جرح ہے تو وہ کہنے لگے:

" مولوی صاحب ایسے اختلافی مسائل میں حقیقت یہ ہے کہ احادیث حنفیوں کے خلاف ہیں اور ایسے ضعیف سہاروں سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔" ملاحظہ ہو" ہم اہل حدیث کیوں ہوئے۔" (صفحہ:۲۴۸)۔

اور یہ کس قدر ہٹ دھرمی ہے کہ اپنے مذہب کے خلاف احادیث پر عمل نہ کیا جائے بلکہ ان کو کسی نہ کسی طریقے سے ردّ کیا جائے۔

ہٹ دھرمی کی ایک اور مثال بھی ملاحظہ کریں آپ کی کتابوں کے اندر یہ بات موجود ہے کہ "حنفی شافعی ہو جائے تو تعزیر دی جائے گی۔" (اردو ترجمہ درّ مختار جلد:۲/ص:۴۲۳) نیز عالمگیری اردو ترجمہ جلد:۲/ص:۲۰۷، مطبوعہ نولکشور طبع دوم ۱۸۹۹ء۔منقول از تاریخ التقلید (ص:۱۳۳)۔

اسی مناسبت سے ایک واقعہ بھی سنیے غالباً ۱۹۸۲ء یا ۱۹۸۳ء کی بات ہے کہ حج سے چند دن پہلے حرم مکی میں چند ساتھی بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ فاصلے پر سرحد سے تعلق رکھنے والے ایک عالم تقلید کے موضوع پر کچھ گفتگو کر رہے تھے جب میں نے ان کی گفتگو سنی تو ان کے پاس جا کر سوال کیا کہ مذہب تو چار ہیں تو کس مذہب کی تقلید کی جائے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولے کہ دیکھیں ہمارا حنفی مذہب ہندوستان میں ایک ہزار سال پرانا ہے۔لہٰذا حنفی مذہب اختیار کرنا چاہیے میں نے کہا کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ حنفی مذہب کے علاوہ دوسرا کوئی مذہب کیوں اختیار نہیں کرنا چاہیے

کہنے لگے کہ دیکھیں مالکی، شافعی اور حنبلی، حنفی تو بن سکتا ہے لیکن حنفی، مالکی، شافعی، یا حنبلی نہیں بن سکتا۔

اس پر میں نے کہا کہ اس کے معنے یہ ہوئے کہ امام صاحب کی تقلید کا پٹہ جو آپ کے گلے میں ہے اسے نہیں نکال سکتے کہنے لگے کہ بالکل نہیں۔ میں نے کہا اگر چہ گلا دب جائے یہ سن کر وہ کچھ شرمندہ سا ہو گئے اور مسکراتے ہوئے بولے کہ اس سے گلا نہیں دبتا۔

اس کے بعد علامہ عبید اللہ صاحب سندھی کا کلام بھی سنتے جایئے۔

موصوف کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ ''ہندوستان کے سنی مسلمان چونکہ حنفی مذہب کے مقلد و پابند چلے آرہے ہیں اس لیے اس وسیع تر اور قدیم برادری کے خلاف عمل کرنے والے کو کوئی حق نہیں کہ ہندوستان میں رہ سکے۔'' (منقول از تاریخ التقلید، صفحہ:۱۵۲)۔

مفتی صاحب یہ ہیں آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی کی چند مثالیں اور انھیں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مفتی صاحب (صفحہ:۴۰) میں لکھتے ہیں:

''حنفی فقہ کی مخالفت کی آڑ میں (عبارت ایسے ہی ہے) کروڑ ہا اولیائے کاملین۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ کتاب میں ایسے ہی ہے جب کہ ''علیہم'' ہونا چاہیے۔ سے عداوت و دشمنی مول لینا اپنے ایمان کی خیر منانا ہے حدیثِ قدسی ہے اس کے بعد اس حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ جو میرے ولی سے عداوت رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ [1]

مفتی صاحب آپ نے یہ حدیث تو ذکر کر دی لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اللہ۔ عزوجل۔ کا ولی کون ہے حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" المراد بوليّ الله العالم بالله المواظب على طاعته المخلص في عبادته۔"

(فتح الباری ۱۱/۳۴۲)۔

'' اللہ کے ولی سے مراد ہے اللہ کی ذات کے بارے میں علم رکھنے والا اس کی اطاعت پر ہمیشگی کرنے والا اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنے والا۔''

سب سے پہلی بات یہ ہے آپ میں سے اکثریت کا اللہ عزوجل کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں جو عقیدہ ہے وہ کتاب و سنت سے ہٹ کر اور صحابہ، تابعین بلکہ امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد کے عقیدے کے بھی خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ سلف کے عقیدہ پر ہی تھے جیسا کہ (صفحہ:۱۲۲) میں ذکر ہوا چنانچہ آپ لوگوں نے صحیح معنوں میں اللہ عزوجل کو پہچانا ہی نہیں۔

---

[1] اس حدیث کو بخاری (۶۵۰۲) نے " کتاب الرقاق " میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کیا ہے۔

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مسئلہ ہے تو وہ بھی آپ لوگوں میں مفقود ہی نظر آتی ہے کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)۔

''جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی طویل حدیث کے آخر میں ہے:

" فمن أطاع محمداً فقد أطاع الله، و من عصى محمداً فقد عصى الله۔" [۱]

''سو جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی یقیناً اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

اور آپ لوگوں کے اندر کس قدر اطاعتِ رسول ﷺ کا جذبہ ہے اس کا ذکر ہم آپ کے کبار علماء کے حوالے سے کر چکے ہیں لہٰذا پچھلے صفحات پر نظر ڈال لیجیے۔

اور اب عبادت کے اندر اخلاص کی بات سن لیجیے عبادت یا نیک عمل کی قبولیت کے لیے تین شرطیں ہیں جو یہ ہیں:

۱. ایمان

۲. اس عمل کا سنت کے مطابق ہونا۔

۳. اس کا دکھلاوے اور ریاکاری سے پاک ہونا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر: ۲۶۰/۵۔ تفسیر سورة الكهف: ۱۱۰، أضواء البيان للشنقيطي: ۱۸۹/۲ .تفسیر سورة النحل: ۹۷)۔

اور اسلام کے اندر سب سے اہم عبادت نماز ہے اور آپ لوگوں کی نماز کی ابتداء ہی ایک ایسے عمل سے ہوتی ہے جو کہ بدعت ہے اور وہ ہے زبان کے ساتھ نماز کی نیت کرنا۔ [۲] جب نماز کی ابتداء ہی غلط طریقے سے ہوئی تو آگے چل کر کیا ہوگا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا خود کو اولیاء کاملین سمجھنا محض خوش فہمی میں مبتلا ہونے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہے۔

---

[۱] اس کو بخاری (۷۲۸۱) نے کتاب "الاعتصام بالكتاب والسنة" میں روایت کیا ہے۔

[۲] زبان سے نیت کرنا اس کا کتاب و سنت، صحابہ، تابعین اور نہ ہی ائمہ سے کوئی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ محققین علماء نے اس کی صراحت کی ہے جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، امام ابن ہمام، جلال الدین سیوطی، مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ عبدالحی لکھنوی بھی ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مجموع الفتاوىٰ" (۲۲/ ۲۱۷۔۲۵۷)، زاد المعاد (۲۰۱/۱)، فتح القدير (۲۶۶/۱۔۲۶۷)، الامر بالاتباع والنهي عن الابتداع (صفحہ: ۱۹۸) مجدد الف ثانی، محدث دہلوی اور لکھنوی کے اقوال کے لیے فتاویٰ علماء حدیث (۸۶/۳۔۸۷،۸۹۔۹۰) دیکھیں۔ اسی طرح اس کتاب کا (صفحہ: ۳۷۴ و ما بعدها) بھی ملاحظہ کریں۔

آپ لوگ اگر صحیح معنوں میں ولی اللہ بننا چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ اندھی تقلید اور تعصب مذہبی سے آزاد ہو کر صحیح معنوں میں متبع کتاب وسنت بن جائیے۔

امام خلیل بن اُحمد اُزدی صاحب علم العروض (متوفی:۱۷۵ھ) کا قول ہے:

"إن لم يكن أهل القرآن، والحديث أولياء الله، فليس في الأرض وليّ"۔

''عاملین کتاب وسنت اگر اللہ کے ولی نہیں تو پھر دنیا کے اندر کوئی ولی نہیں۔''

امام سفیان ثوری کا قول ہے:

"إذا لم يكن أصحاب الحديث هم الأبدال، فلا أدرى من الأبدال......"۔

'' اصحاب الحدیث اگر ولی نہیں تو میں نہیں جانتا کہ ولی کونسے ہیں''۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

"إن لم يكن أصحاب الحديث هم الأبدال فمن يكون؟"۔

اس کے معنی بھی وہی ہیں جو سفیان ثوری کے قول کے ہیں اور ان تمام اُقوال کو خطیب بغدادی نے ''شرف اُصحاب الحدیث'' (صفحہ:۵۰) میں روایت کیا ہے۔

اسی طرح صفحہ:۱۵۲ میں بھی مذکور امام اُحمد بن حنبل کے قول کو دیکھیے۔

مفتی صاحب نے (صفحہ:۴۰، ۴۱) میں دو واقعات ذکر کیے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ ایک طالب علم نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کو پندرہ حدیثیں یاد تھیں مجھے ان سے زیادہ اُحادیث یاد ہیں اور ایک مسجد کے امام نے کہا کہ انھیں صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں مجھے ان سے کہیں زیادہ یاد ہیں اور ایک ہفتہ نہ گزرا کہ یہ دونوں مرتد ہو گئے اور آگے چل کر (صفحہ:۵۸) میں لکھا ہے کہ:

حضرت حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب [1] رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مولوی عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جس کا جی چاہے قبر کھول کر دیکھ لے مولوی...... کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہوگا، اس پر مولوی ابو الحسن صاحب نے عرض کیا کہ میں نے یہ بات حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خود سنی ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ لفظ تھے جو کوئی اُئمہ پر طعن کرتا ہے اس کا منہ قبر میں قبلہ سے پھر جاتا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ منہ قبلہ سے پھر گیا یہ اس وقت فرمایا تھا جس وقت کہ مولوی...... صاحب کے انتقال کی خبر آئی۔ (قصص الاکابر حصہ اُوّل، ص:۱۲۸)۔

---

[1] بہتر تھا کہ یہاں بھی ''تھانوی صاحب'' کی بجائے ''حضرت تھانوی صاحب'' ہی لکھا جاتا۔

گنگوہی صاحب کا یہ کلام "تذکرۃ الرشید" (۲/۲۸۲) میں بھی ہے۔

ان لوگوں کی باتوں کو سنیے کہ خود کو کیسے اولیاء اللہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں پر الزام تراشیاں کرتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے "سن لو حق وہی ہے جو میری زبان سے نکلتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میری اتباع پر" [1] اس کا قبر میں کیا حشر ہوا ہوگا اس کا صرف منہ ہی نہیں پھرا ہوگا بلکہ کچھ آگے بھی ہوا ہوگا جس کا جی چاہے قبر کھول کر دیکھ لے۔

جو دوسروں پر جھوٹ اور افتراء باندھے کہ ان کے نزدیک چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو بدعتی بتلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا ہوا مانتے ہیں وغیرہ وغیرہ [2] تو اس کا قبر میں کیا حشر ہوا ہوگا۔

جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی توہین کرے اس کا تو قبر میں منہ قبلہ سے پھر جائے مگر جو کبار علماء وائمہ، امام شافعی وغیرہ کی توہین کرے کیا اس کا منہ نہیں پھرتا۔

جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرے کیا اس کا منہ نہیں پھرتا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی توہین کرے، قرآن اور حدیث میں تحریف کرے صحیح اُحادیث کو ردّ کرے اور اپنے مذہب کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولے کیا اس کا منہ نہیں پھرتا یا کہ یہ تمام جرائم تم لوگوں کو معاف ہیں جیسے چاہیں کریں کیونکہ تم اللہ عزوجل کے بڑے محبوب ہو۔

مذکورہ بالا سطور میں جو ذکر ہوا اب اس کی مختصر مثالیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ کبار علماء وائمہ کی توہین:

۱۔ امام ابن حزم، داؤد، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، اور شوکانی کی توہین۔

مولانا محمد حسن سنبھلی دیوبندی شارح مسند امام ابو حنیفہ و محشی ہدایہ **"حاشیہ شرح عقائد نسفی"** میں رقمطراز ہیں:

" وخلفاء هذه الملّة أربعة: ابن تيمية، و ابن القيّم، والشوكاني، يقولون: ﴿ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾، و إذا انضم إليهم ابن حزم، وداؤد الظاهريّان صاروا ستّة، ويقولون: ﴿خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ﴾، وخاتم المكلبين ﴿مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾۔"

(نظم الفوائد حاشية شرح عقائد نسفي،منقول از تاريخ التقليد(صفحه:۲۶۰).

"امت غیر مقلدین کے چار خلیفہ ہیں: ابن تیمیہ، ابن قیم اور شوکانی جو آیت شریف ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلَاثَةٌ

[1] ملاحظہ اس کتاب کا صفحہ (۱۱۷)

[2] ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ (۱۶۵)۔

﴿رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ کا مصداق اور عملی تفسیر ہیں اور اگر ان کے ساتھ ابن حزم اور داؤد ظاہری کو ملا دیا جائے تو پھر یہ چھ ہوگئے اور آیت شریفہ ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ﴾ کا صحیح مصداق وتفسیر ہوگئے اور خاتم المکلبین آیت شریفہ ﴿مَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾ [1] کا مصداق وتفسیر ہوئے۔ ملاحظہ ہو: نتائج التقلید۔ (صفحہ:۲۶۰)۔

مولانا قاسم نانوتوی صاحب کے خلیفۂ اکبر اور مدرسہ دیوبند کے مہتمم مولوی حبیب الرحمان صاحب نے ''تفسیر جلالین'' کے حاشیے میں طلاق کے مسئلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو ضال (گمراہ) اور مضل (گمراہ کرنے والا) لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ جلالین (صفحہ:۳۳، مطبوعہ مجتبائی۔ دہلی۔) منقول از نتائج التقلید (صفحہ:۲۵۹)۔

ب۔ أئمہ ثلاثہ مالک، شافعی اور أحمد رحمہم اللہ کی توہین:

① امام مالک رحمہ اللہ کی توہین:

محمد زاہد کوثری اس دور کے بہت بڑے متعصب حنفی عالم ہوئے ہیں جنھیں وکیل أحناف کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور حنفیہ کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام ہے ان کے بارے میں ''أنوار الباری شرح صحیح البخاری'' کے مؤلف نے جو کہا ہے وہ ملاحظہ کریں:

''قریبی دور میں مصر میں علامہ کوثریہ [2] کی جلیل القدر شخصیت گزری ہے جنھوں نے اس سلسلے میں گرانقدر تألیفات کیں اور مصری رسائل میں لاتعداد تحقیقی مضامین شائع کیے جن سے اہل علم کبھی مستغنی نہیں ہوسکتے۔ ان کی کتابوں سے معاندین کے حوصلے پست ہوگئے ہیں اور جب تک ان کی اشاعت ہوتی رہے گی، ان کے مطالعہ واستفادہ کی وجہ سے علمائے حق معاندین مذہب حنفی پر غالب رہیں گے۔''

(مقدمہ أنواری (۱/۱۲۳۔۱۲۴) منقول از: ''اللمحات إلی ما في أنوار الباری من الظلمات.'' (۱/۲۱)۔

انھوں نے امام مالک کے بارے میں کہا ہے کہ ان کے پاس سوائے اس میزہ (امتیاز) کے وہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور کیا ہے۔ المقابلة بين الهدى والضلال حول ترحيب الكوثری بنقد تأنيبه للعلامة عبد الرزاق حمزة۔ (صفحہ:۱۲۲۔ التنکیل)۔

اسی طرح انھوں نے امام مالک کو عرب خاندان کی بجائے موالی [3] سے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک

---

[1] یہ آیت سورۃ اعراف کی آیت (۱۷۶) اور اس سے پہلے والی آیت سورہ کہف کی آیت (۲۲) ہے۔

[2] یہ أصلاً ترکیا سے تھے۔

[3] موالی۔ مولی کی جمع ہے اور لفظ مولی کے مختلف معنے ہیں مگر یہاں مراد جو عرب نہ ہوں۔

بے ثبوت حکایت کی بناء پر امام مالک کی فصاحت پر کلام بھی کیا ہے۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ انھوں نے ستر سے زیادہ اَحادیث جن کو صحیح ترین اَسانید سے مؤطا میں روایت کیا ہے اور ان پر عمل نہیں کیا بلکہ انھیں محض اپنی رائے سے ردّ کردیا ہے جب کہ یہ بھی بے بنیاد بات ہے تفصیل کے لیے: "التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الأباطیل" (صفحہ:۶۰۷ و ما بعدھا) دیکھیں۔

❷ امام شافعی رحمہ اللہ کی توہین:

ان لوگوں نے امام شافعی کی مذمت کے بارے میں بعض اَحادیث بھی وضع کی ہیں مثلاً:

" يكون في أمّتي رجل يقال له: محمد بن إدريس الشافعي، وهو أضرّ على أمّتي من إبليس، و يكون في أمّتي رجل يقال له۔ النعمان بن ثابت أبو حنيفة هو سراج أمّتي۔"

"میری امت میں ایک ایسا آدمی ہوگا جسے محمد بن اِدریس شافعی کہا جائے گا اور وہ میری اُمت کے لیے شیطان سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوگا اور میری امت میں ایک ایسا آدمی ہوگا جس کو نعمان بن ثابت اَبو حنیفہ کہا جائے گا وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔"

اس کو موفق نے "مناقب اَبي حنیفہ (صفحہ:۱۰ تا ۲۰)، خوارزمی نے "جامع المسانید" (۱/۱۲۔۲۰) میں اور دیگر حنفی علماء نے ذکر کیا ہے اور یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے تفصیل کے لیے "اللمحات إلى ما في أنواري الباري من الظلمات" (صفحہ:۹۱۔۹۳)، "التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الاباطیل" (صفحہ:۲۰۰۔۲۰۱) دیکھی جائے۔ نیز اس کے بارے میں حاشیہ ابن عابدین (۱/۵۳) بھی دیکھیں۔

یہ ہے امام شافعی کی توہین وتنقیص کی مثال اور اَئمہ کے گستاخ ہونے کا طعنہ دوسروں کو دیتے ہیں اس سے بڑھ کر امام شافعی کی توہین اور کیا ہوسکتی ہے کہ انھیں شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ثابت کیا جائے۔ إنّا لله و إنا إليه راجعون.

امام شافعی کی اس حد تک توہین جب کہ امام اَبو حنیفہ کی فضیلت کے بارے میں کئی روایات ان لوگوں نے وضع کی ہیں جن کی تفصیل کے لیے "اللمحات" (صفحہ:۹۴۔۹۹) دیکھیے۔

کوثری صاحب جن کا کچھ دیر پہلے ذکر ہوا انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں کئی طرح سے کلام کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

① شافعی قریش خاندان سے نہیں جب کہ امام شافعی قریشی ہیں۔

② ان کی فصاحت میں کلام، جب کہ امام شافعی لغت میں امام اور حجت ہیں۔

③ ان کی ثقاہت پر کلام۔

④ ان کی فقاہت پر کلام۔

⑤ امام شافعی کا جو علم ہے وہ انھوں نے امام محمد بن حسن شیبانی سے لیا ہے۔

ان تمام اتہامات کی تفصیل اور ردّ کے لیے "التنکیل" (صفحہ:۶۱۸۔۶۵۶) ملاحظہ کریں۔

◆ امام احمد بن حنبل۔ رحمہ اللہ کی توہین:

ان کے بارے میں بھی کوثری صاحب نے تین چار طرح سے طعن کیا ہے۔

[۱] "ان کے پاس احادیث تو بہت زیادہ تھیں لیکن جب حدیث کے بارے میں چھان بین اور تحقیق سے کام نہ لیا جائے تو ان سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔"

جب کہ امام صاحب اور امام إسحاق بن راھویہ ان دونوں کا قول ہے:

" إن العالم إذا لم يعرف الصحيح من السقيم، والناسخ من المنسوخ من الحديث لايسمّى عالمًا" (معرفة علوم الحديث للحاكم (صفحہ:۶۰)۔

"جس عالم کو ضعیف حدیث سے صحیح حدیث اور منسوخ سے ناسخ حدیث کا علم نہ ہو اسے عالم نہیں کہا جا سکتا۔"

[۲] ان کے فقیہ ہونے پر بھی طعن کیا ہے کہ وہ فقیہ نہ تھے جب کہ امام شافعی جو ان کے استاد ہیں فرماتے ہیں:

" خرجت من بغداد، و ما خلفت بها أفقه، و لا أزهد، و لا أورع، و لا أعلم من أحمد بن حنبل۔"

"جب میں بغداد سے نکلا ہوں تو میں نے بغداد میں احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ، زاہد اور ان سے بڑا عالم کوئی نہیں چھوڑا۔"

اسی طرح ان کے استاد امام عبد الرزاق فرماتے ہیں:

" ما رأيت أفقه منه و لا أورع۔"

"میں نے ان سے بڑھ کر فقیہ اور زاہد نہیں دیکھا۔"

[۳] کوثری صاحب نے دوسرے ائمہ۔ مالک اور شافعی۔ کی طرح امام احمد کی فصاحت میں بھی طعن کیا ہے۔

ان الزامات اور ان کے ردّ کے لیے ملاحظہ ہو: "التنکیل" (صفحہ:۳۶۶۔۳۷۲)۔

ان ائمہ کے علاوہ کتنے ایسے کبار ائمہ اور رواۃِ حدیث ہیں جن کو کوثری صاحب نے محض تعصب مذہبی کی بناء پر مطعون کیا ہے اور ان کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے تفصیل کے لیے "التنکیل" (صفحہ:۲۷۷ و مابعدھا) دیکھیں۔

۲۔صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین:

① مؤذن رسول ﷺ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی توہین:

اذان میں ترجیع جسے عرف میں دوہری اذان کہا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ پہلے دو دو دفعہ "أشهد أن لا إله إلا الله" اور "أشهد أنّ محمداً رسول الله" کو ذرا پست آواز سے کہا جائے پھر دوبارہ شہادتین کو اونچی آواز سے کہا جائے اور اس اذان کا ذکر ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں:

" أنّ نبی الله۔صلی الله علیه وسلم۔ علّمه هذا الأذان"۔

''نبی ﷺ نے ان کو یہ اذان سکھلائی۔''

اور ایک روایت میں ہے:

" ألقی عليّ رسول الله۔ صلی الله علیه وسلم۔ التأذین بنفسه"۔

''رسول اللہ ﷺ نے خود ان کو اذان سکھلائی۔''

اور تیسری روایت میں ہے:

" أنّ النبيّ۔صلی الله علیه وسلم۔ أقعده فألقی علیه الأذان حرفًا حرفًا......"۔

''نبی ﷺ نے انھیں بٹھایا اور حرف حرف کر کے اذان سکھلائی۔'' [1]

حنفیہ کے ہاں چونکہ دوہری اذان نہیں چنانچہ انھوں نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے:

" و کان ما رواه تعليماً فظنّه ترجیعًا۔"

(الهداية:۱/ ۲۴۱ .فتح القدير)أيضاً شرح معانی الآثار(۱/۱۳۲)۔

یعنی یہ اذان تعلیم کی بناء پر تھی جسے ابومحذورہ نے دوہری اذان سمجھ لیا۔

ان لوگوں کے ہاں ابن تیمیہ، ابن قیم اور محمد بن عبدالوہاب ہی ناقص العقل نہیں ہیں بلکہ صحابہ بھی ایسے تھے۔نعوذ باللہ۔

امام ابن أبي العز نے صاحب ''ہدایہ'' کے اس کلام پر یوں تعلیق لگائی ہے:

" و لا يظنّ بأبي محذورة الغلط، و لو كان على وجه الغلط لبيّن له، و لما كان الصحابة۔ رضی الله عنهم۔ يسمعونه، ويقررونه على الغلط ، بل ذلك يؤدي إلى تغليط كل من سمعه من الصحابة" (التنبيه على مشكلات الهداية(۱/ ۴۸۹)۔

''ابومحذور کے بارے میں غلطی کا گمان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ اذان اگر غلطی کی بناء پر ہوتی تو نبی ﷺ ان

---

[1] اس حدیث کو مسلم (۴/ ۸۰۔۸۱) أبوداؤد (۵۰۳۔۵۰۵) اور نسائی (۲/ ۴۔۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

کے لیے بیان کردیتے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو اذان دیتے سنتے اور انھیں غلطی پر برقرار رکھتے بلکہ اس تأویل سے ان تمام صحابہ کی بھی تغلیط ہوتی ہے۔ جنھوں نے اس اذان کو سنا۔"

اس کے بعد انھوں نے اس حدیث کے وہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں جن سے اس تأویل کی تردید ہوتی ہے جو یہ ہیں:

" تقول: الله أكبر، الله أكبر ، الله أكبر، الله أكبر: ترفع بها صوتك،ثمّ تقول: أشهد أ ن لا إله إلا الله ، أشهد أن لا إله إلا الله ، أشهد أنّ محمدا رسول الله ، أشهد انّ محمدا رسول اللّٰه: تخفض بها صوتك ۔ ثم ترفع صوتك بالشهادة: أشهد أن لا إله إلا الله ، أشهد أن لا إله إلا الله ، أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمدا رسول الله"

اور یہ ابوداؤد کی ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے اُبومحذورہ سے فرمایا کہ چار دفعہ "اللہ اکبر" اونچی آواز سے کہو پھر شہادتین کا ذکر کیا اور فرمایا کہ کچھ پست آواز سے کہو، اس کے بعد فرمایا کہ پھر تم شہادت کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرو، یعنی اونچی آواز سے شہادتین کہو۔"

یہ روایت ذکر کرنے کے بعد ابن اُبی العز لکھتے ہیں:

" فهذا يدلّ على أنّه فعله بأمر رسول الله ﷺ له به، فانتفى أن يكون فعله ذلك بظنه۔"

" پس یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ ابومحذورہ نے اس طرح سے اذان رسول اللہ ﷺ کے حکم سے دی چنانچہ اس سے اس تأویل کی نفی ہوگئی کہ انھوں نے اپنے خیال سے اس طرح اذان دی تھی۔"

مذکورہ روایت سے امام طحاوی کی تأویل بھی ردّ ہوگئی کہ اُبومحذورہ نے آواز کو اس طرح سے نہیں کھینچا تھا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے اس لیے آپ نے اس سے فرمایا کہ واپس لوٹ اور آواز کو کھینچ ۔ ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار (۱۳۲/۱)۔

② اُمیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی توہین:

صاحب "ہدایہ" رقمطراز ہیں:

"و عن عثمان ـ رضى الله عنه ـ أنّه قال: "الحمد للّٰه فارتج عليه فنزل و صلّى۔"

(فتح القدير. ٦٠.٥٩/٢).

"عثمان رضی اللہ عنہ نے "الحمدللہ" کہا ان پر کپکپی طاری ہوگئی چنانچہ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔"

اور ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے:" وقع في الاختلاط......" (١٤٩/١)۔

''یعنی ان پر ایسا اختلاط غالب ہوا کہ سوائے ''الحمدللہ'' کے کچھ اور کہہ ہی نہ سکے عیاذاً باللہ۔'' منقول از نتائج التقلید (ص:۱۴۰)۔

یہ اشارہ ہے اس بے بنیاد قصہ کی طرف جسے بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو پہلے خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو ''الحمدللہ'' کہنے کے بعد ان پر کپکپی طاری ہوگئی تو فرمانے لگے کہ ابوبکر اور عمر تو خطبہ کی تیاری کر کے آتے تھے اور تم کو فعال امام کی قوال (زیادہ بولنے والا) امام کی نسبت زیادہ ضرورت ہے اور آئندہ تمھیں خطبے دیے جائیں گے اس کے بعد "استغفر الله لي و لكم" کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے اور نماز پڑھادی۔

مگر یہ بے بنیاد قصہ ہے اسی لیے امام ابن ہمام اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

" فإنها لم تعرف في كتب الحديث ، بل في كتب الفقه"۔ (فتح القدیر:۲/۶۰).

یعنی یہ قصہ کتب الحدیث میں نہیں بلکہ کتب الفقہ میں پایا جاتا ہے۔

علامہ ابن العربی نے "عارضة الأحوذی" (۲/۲۹۶) میں کہا ہے:

"حكى المؤرخون عن عثمان كذبة عظيمة"۔

''مؤرخین نے عثمان کے بارے میں بہت بڑا جھوٹ ذکر کیا ہے'' اس کے بعد انھوں نے اس قصہ کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن أبي العز کہتے ہیں:

" أنكره ابن العربي، وغيره من أهل الأثر" (التنبیه علی مشكلات الهدایه(۲/۷۴۶).

''اس قصہ کا ابن العربی اور دیگر اہل أثر نے انکار کیا ہے۔''

اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

" لم أجده مسنداً، و ذكره قاسم بن ثابت في الدلائل بغير إسناد" (الدراية:۱/۲۱۵).

''یہ قصہ سند کے ساتھ مجھے نہیں ملا اس کو قاسم بن ثابت نے ''دلائل'' میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔''

عینی لکھتے ہیں:

" هذا غريب، و لكن قد اشتهر في كتب الفقه أن عثمان......" (البنایة:۳/۷۱).

''یہ غریب ہے مگر فقہ کی کتب میں مشہور ہے۔''

صاحب ''ہدایہ'' نے اس قصہ کو امام ابوحنیفہ کے اس قول کہ ''صرف ذکر اللہ کر لینے سے خطبہ ہو جائے گا'' کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے لیکن یہ خیال نہیں کیا کہ ایک تو یہ قصہ بے بنیاد ہے نیز اس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی اہانت بھی ہے کہ وہ خلیفہ تو بن گئے مگر خطبہ نہیں دے سکے یا بغیر کسی تیاری کے وہ منبر پر چڑھ گئے بس اپنی بات کی دلیل چاہیے، چاہے کسی

صحابی پر حرف آئے تو کوئی بات نہیں۔

③ خادم رسول ﷺ أنس رضی اللہ عنہ کی توہین:

بعض حنفیہ نے أنس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کلام تو کیا ہی ہے کہ وہ فقیہ نہ تھے۔ ملاحظہ ہو: أصول البزدوی (۲/۷۰۲. کشف الأسرار) اور أصول الشاشي (صفحہ:۲۷۵)۔

مگر کوثری صاحب نے ایک دوسرے ناحیے سے ان میں کلام کیا ہے جس کی وجہ ان کی روایت کردہ بعض وہ اُحادیث ہیں جو حنفی مذہب کے خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی یہ حدیث کہ ایک یہودی نے ایک بچی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا وہ یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے سر کو بھی دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے۔ [1]

یہ حدیث حنفی مذہب کے اس لیے خلاف ہے کہ ان کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے ہے یعنی قاتل نے مقتول کو جس طرح بھی قتل کیا ہو لیکن قاتل کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے۔

اور کوثری نے اس حدیث کو اس لیے بھی رڈ کیا ہے کہ اس میں قاتل کو مقتول کے قول کی بناء پر قتل کرنا ہے کیونکہ اس حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ وہ بچی ابھی زندہ تھی تو یہودی کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ یہ تمہارا قاتل ہے اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔

اور اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کا بڑھاپے کی وجہ سے حافظہ خراب ہو گیا تھا اس لیے انھوں نے غلطی سے اس حدیث کو بیان کر دیا ہے لہٰذا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نعوذ باللہ۔

جب کہ یہ کوثری صاحب کا اُنس رضی اللہ عنہ پر اتہام ہے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کی تا حیات صحت بھی اچھی تھی اور ان کا حافظہ بھی ٹھیک رہا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''التنکیل'' (۶۰۔۶۲) وأیضاً (۴۱۸۔۴۲۰)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہودی نے قتل کا اعتراف کر لیا تھا لہٰذا اسے اس کے اعتراف کی بناء پر قتل کیا گیا تھا نہ کہ صرف اس بچی کے قول کی بناء پر۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ قاتل کو صرف مجروح (زخمی) کے قول کی بناء پر قتل کیا جا سکتا ہے اور ان کا استدلال اس حدیث کی ایک روایت سے ہے امام نووی ان کے استدلال کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و هذا تعلق باطل، لأنّ اليهودی اعترف كما صرح به مسلم فی أحد رواياته التی

---

[1] اس حدیث کو بخاری (۲۴۱۳، ۲۷۴۶، ۶۸۷۶، ۶۸۷۷، ۶۸۸۴) اور مسلم (۱۱/۱۵۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج میں نے ''روضة الناظر'' لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے جو کہ زیر طبع ہے۔

ذكرناها، فإنما قتل باعترافه، الله أعلم" (شرح مسلم(١١/١٥٩).

''اس حدیث سے دلیل لینا باطل ہے کیونکہ یہودی نے اعتراف کر لیا تھا جیسا کہ مسلم نے اپنی روایات میں سے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے ایک روایت میں صراحت کی ہے کہ اسے اس کے اعتراف کی بناء پر قتل کیا گیا۔ واللہ اعلم''

قلت: یہ صراحت ''صحیح بخاری'' میں بھی ہے یہ جواب اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ''تنکیل'' میں یہ جواب نہیں شاید کہ ان پر اعتراف والی روایت مخفی رہی ہو۔

④ مفسر قرآن ابن عمّ رسول ﷺ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی توہین:

حنفیہ کے نزدیک چونکہ ایک وتر نہیں ہے جب کہ صحیح اَحادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایک وتر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے جن میں معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک وتر پڑھا تو اس کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

" دعه، فإنه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم۔" [1]

''ان پر اعتراض نہیں کرو۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہیں'' مقصد یہ ہے کہ انھوں نے ایسا بغیر دلیل کے نہیں کیا۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''إنّه فقيه'' [2] ''وہ فقیہ ہیں۔''

یہ واقعہ عطاء بن ابی رباح بھی بیان کرتے ہیں اور ان کی روایت کے الفاظ ہیں: ''أصاب السنّة......'' انھوں نے سنت پر عمل کیا ہے۔'' [3]

اور کریب مولی ابن عباس کی روایت میں ''أصاب'' کے بعد یہ اضافہ بھی ہے کہ ہم میں معاویہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے وتر ایک، پانچ، سات اور اس سے بھی زیادہ ہیں آدمی جتنے چاہے وتر پڑھے۔'' [4]

آیئے اب سنیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اَثر کا کوثری صاحب نے کیا جواب دیا ہے انھوں نے اپنی کتاب ''النکت'' (صفحہ:۱۹۷) میں لکھا ہے:

" فلو صح عن ابن عباس هذا لحمل على التقيه ، لانّه كان حاربه تحت راية عليّ۔

---

[1] بخاری (۳۷۶۴) کتاب فضائل الصحابة باب "ذكر معاوية" اور سنن کبریٰ بیہقی (۳/۲۷)۔

[2] بخاری (۳۷۶۵)، سنن کبریٰ (۳/۲۷)۔

[3] مصنف ابن اَبی شیبہ (۲/۸۸۔ دار التاج)۔

[4] مسند الشافعی (٨٦)، سنن کبریٰ (٣/٢٦) اور معرفه السنن للبیہقی (٢/٣١٥)۔

كرم الله وجهه۔ فلا مانع من أن يحسب حسابه في مجالسه العامّة دون مجلسه الخاص۔"

''اگر یہ ابن عباس سے صحیح ثابت [1] ہو تو اسے تقیہ پر محمول کیا جائے گا کیونکہ انھوں نے علی کرم ۔اللہ وجہہ۔'' [2] کے ساتھ مل کر معاویہ سے جنگ کی تھی لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ (معاویہ کو خوش کرنے کے لیے) اپنی عام مجلسوں میں ایسی بات کہیں۔''

شیخ أحمد بن محمد بن صدیق غُماری مغربی (مراکشی) متوفی (۱۳۸۰ھ) جنھیں کوثری صاحب کے اکثر معتقدین عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، انھوں نے کوثری صاحب کا مذکورہ کلام نقل کرنے کے بعد درج ذیل الفاظ سے ردّ کیا ہے:

" أي فيكذب على رسول الله ـصلى الله عليه وسلم۔ و على شريعته ودينه، و يقول: إن معاوية أصاب السنّة، و هو لا يعتقد ذلك ، بل يعتقد أن السنة خلاف ذلك ، و هى ما رآه أبو حنيفة من الإيتار بثلاث، فيرشد الناس إلى خلاف ما يعلم، ويروى عن رسول الله ـﷺ۔ و ينسب إليه ما لم يفعل!

فانظر إلى هذا المجرم القليل الدين، كيف يستهين بصاحب رسول الله ـﷺ۔ و ابن عمه، و ينسب إليه ما لا يرضاه لنفسه مسلم غيور على دينه، و لم يراع فيه حرمة الصحبة، و لا حرمة القرابة، و لا جلالته فى العلم، و لا مكانته فى الورع والتقوى الخ" (**بيان تلبيس المفترى محمد زاهد الكوثرى**"(صفحه:٦٢-٦٣)۔

''یعنی ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کی شریعت و دین پر جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ معاویہ نے سنت پر عمل کیا جب کہ وہ اس عمل کو خود سنت نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کے خلاف عمل کو سنت سمجھتے تھے اور وہ ہے تین وتر جیسا کہ ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور جس چیز کو وہ جانتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے اس کے خلاف لوگوں کی رہنمائی کریں۔ اور آپ کی طرف ایسا کام منسوب کریں جو

---

[1] بلاشبہ یہ ان سے صحیح بات ہے۔

[2] بعض علماء بلکہ کتب کے اکثر نساخ۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دیگر صحابہ کے علاوہ ''کرم اللہ وجہہ'' یا ''علیہ السلام'' استعمال کرتے ہیں حافظ ابن کثیر قمطراز ہیں:" و هذا و إن كان معناه صحيحًا، لكن ينبغي أن يسوّى بين الصحابة في ذلك ، فإن هذا من باب التعظيم، والتكريم ، فالشيخان، و أمير المومنين عثمان أولى بذلك منه۔ رضى الله عنهم أجمعين۔(تفسير ابن كثير(٦/٦٣٣۔ الأحزاب:٥٦) ''اس کے معنے اگرچہ صحیح ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ تمام صحابہ میں برابری کی جائے کیونکہ یہ تعظیم اور تکریم کے باب میں سے ہے چنانچہ شیخین (ابوبکر وعمر) اور عثمان رضی اللہ عنہم تعظیم اور تکریم میں ان سے اُولیٰ ہیں۔

آپ نے نہیں کیا۔

اس کمزور دین والے مجرم کو دیکھو کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور آپ کے چچا زاد بھائی کی کس طرح اہانت کی ہے اور ان کی طرف ایک ایسی چیز منسوب کی ہے جو ایک غیور مسلمان اپنے بارے میں بھی پسند نہیں کرتا۔

اس آدمی نے نہ تو صحبت اور قرابت کی حرمت کا، اور نہ ہی علم میں ان کے مقام کا اور زہد وتقویٰ میں ان کے مرتبہ کا خیال رکھا۔" (1)

قلت: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تقیہ سے کام لیا یہ بات صرف کوثری صاحب ہی کی نہیں بلکہ اس میں ان کے قدوہ۔پیشوا۔ ہیں امام طحاوی، ملاحظہ ہو ان کی کتاب " شرح معاني الآثار" (۱/۲۸۹) اور امام طحاوی کا امام بیہقی نے بڑے اچھے انداز میں ردّ کیا ہے ملاحظہ ہو:"معرفة السنن والآثار" (۲/۳۱۵۔۳۱۶)۔

تنبیہ= عکرمہ سے ایک روایت یوں آئی ہے کہ میں معاویہ کے پاس بیٹھا ابن عباس سے گفتگو کر رہا تھا حتی کہ رات کا تہائی یا چوتھائی حصہ بیت گیا تو معاویہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے ایک رکعت ادا کی تو ابن عباس نے کہا کہ دیکھو اس گدھے نے یہ ایک رکعت کہاں سے لی ہے اس کو طحاوی نے "شرح معاني الآثار" (۱/۲۸۹) میں روایت کیا ہے اور یہ روایت باطل و مردود ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالوہاب بن مجاہد ہے جو متروک ہے بلکہ ثوری نے اسے کذاب کہا ہے۔ نیز ابن عباس سے جو صحیح روایات ہیں یہ ان کے خلاف بھی ہیں۔

⑤ حافظِ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ

"لا يمنع جار جاره أن يغرز خشبه في جداره" (2)

"کوئی پڑوسی اپنے پڑسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے نہ روکے۔" (3)

اب علماء میں اختلاف ہے کہ پڑوسی کے لیے یہ جو حکم ہے یہ واجب ہے یعنی اسے لازماً لکڑی گاڑنے دینا ہوگی یا کہ مستحب ہے یعنی اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔

جن علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم مستحب ہے ان میں سے حنفی فقہاء بھی ہیں جب کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد

---

(1) اس کے بعد ان کا جو کلام ہے وہ انتہائی سخت ہے جو یہ ہے:"كل ذلك من أجل أبي حنيفة حتى لا يسقط له قول ، و لا يردّ له رأي، و لهذا قلنا: إنّه على استعداد تام لأن يكفر بالنبي ـصلى الله عليه وسلمـ إذا شافهه بخطأ أبي حنيفة۔"

(2) بخاری(٢٤٦٣) ، مسلم(١٦٠٩)۔

(3) مثال کے طور پر اسے مکان کی چھت کے گاڈر وغیرہ رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو انداز اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

" مالی أراكم عنها معرضين، والله لأرمين بها بين أكتافكم"

کوثری صاحب نے اپنی کتاب "النکت" (صفحہ:۱۵۰) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ وہ مدینہ پر مروان کی طرف سے نائب تھے اس لیے انھوں نے مروان کی خاطر یہ کہا تھا۔

اس پر بھی غماری صاحب نے کوثری صاحب کا بڑے سخت انداز سے ردّ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے معنے یہ ہوئے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کی جو آپ نے نہیں کہی اور آپ پر جھوٹ بولا جب کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے:"من كذب عليّ......"جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے۔" ملاحظہ ہو:"بيان تلبيس المفترى"(صفحہ۶۳۔۶۴)۔

یہ تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس دور میں توہین کی مثال تھی آیئے اب پہلے دور میں ان کی توہین کی مثال ملاحظہ کیجیے۔

وہ یہ ہے کئی حنفی علماء نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ فقیہ نہ تھے مثال کے طور پر دیکھیں: أصول السرخسی (۳۴۱/۱) اسی طرح "نور الأنوار" (صفحہ:۱۷۹، مطبوعہ مجتبائی دہلی)۔ جیسا کہ "نتائج التقليد" (صفحہ: ۲۲۳۔۲۲۴) میں ہے۔ وغیرہ میں بھی ان کو غیر فقیہ کہا گیا ہے۔

اور سب سے پہلے یہ بات ابراہیم نخعی نے کہی جب کہ ان کو غیر فقیہ کہنا ان کی اہانت ہے کیونکہ وہ فقیہ تھے اسی لیے علماء احناف کی ایک جماعت نے ان کے فقیہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ جن میں امام ابن ہمام، علاء الدین بخاری، اَمیر بادشاہ اور عبدالعلی انصاری بھی ہیں بلکہ علاء الدین بخاری نے کہا ہے:

" على أنّا لا نسلم أنّ أبا هريرة۔ رضي الله عنه۔ لم يكن فقيهاً، بل كان فقيهاً۔"

"ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہ تھے بلکہ وہ فقیہ تھے۔"

ان سب کے اَقوال کو تفصیل سے میں نے "روضة الناظر" لابن قدامه کی تعلیق میں ذکر کیا ہے جو بیروت میں زیر طبع ہے۔

ایک عبرت ناک واقعہ:

قاضی ابوطیب بیان کرتے ہیں کہ ہم جامع منصور میں ایک علمی مجلس میں تھے کہ ایک خراسانی نوجوان آیا اور مصرّاہ [1] کے مسئلے کے بارے میں سوال کیا اور دلیل طلب کی اور دلیل میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی۔

---

[1] مُصَرّاۃ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کو فروخت کرنے کی غرض سے دو، تین روز کے لیے نکالا نہ جائے تاکہ خریدنے والا زیادہ دودھ دیکھ کر زیادہ قیمت دے اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے اور جو شخص ایسا جانور خرید لیتا ہے تو اسے ⟵

وہ حنفی تھا اس نے کہا کہ ابو ہریرہ کی حدیث قابل قبول نہیں اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ مسجد کی چھت سے ایک بڑا سانپ گرا اور اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا وہ آگے آگے دوڑا جا رہا ہے اور سانپ اس کے پیچھے پیچھے تو لوگوں نے اس سے کہا کہ توبہ کر جب اس نے توبہ کی تو سانپ غائب ہو گیا۔

اس واقعہ کو علامہ ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء" (۲/۶۱۸۔۶۱۹) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند کے راوی بڑے بڑے امام ہیں۔اس کو مولانا انور شاہ کشمیری نے بھی "العرف الشذّی" (۱/۱۴۸) میں ذکر کیا ہے۔

مفتی صاحب کو نصیحت:

مفتی صاحب آپ کا تعلق اگر آپ کے اس گروہ سے ہے جو أبو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ نہیں مانتا اور ان کی روایات کو رڈ کرتا ہے تو "الدين النصيحة" کے پیش نظر ہم آپ سے کہیں گے کہ آپ اس عقیدے سے فوراً توبہ کر لیں جیسا کہ اس نوجوان نے کی اگر بغیر توبہ کیے مر گئے تو قبر میں اگر سانپ نکل آیا تو پھر بہت مشکل پیش آئے گی۔

مذکورہ صحابہ کے علاوہ کچھ دیگر صحابہ بھی ایسے ہیں جن پر بعض حنفی علماء نے طعن کیا ہے تفصیل کے لیے "نتائج التقليد" (صفحہ:۲۲۶۔۲۲۸) ملاحظہ کریں۔

اسی طرح بعض تابعین اور تبع تابعین کی بھی توہین کی گئی ہے تفصیل کے لیے مذکورہ کتاب دیکھیں۔

۳۔رسول اللہ ﷺ کی توہین:

رسول اللہ ﷺ کی توہین نا قابل معافی جرم ہے اور اس کی سزا قتل ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے جس کا نام ہے:"**الصارم المسلول على شاتم الرسول** ﷺ" یہ کتاب علمی تحقیق کے ساتھ پہلی مرتبہ ۱۹۹۷ء میں دار ابن حزم بیروت سے تین جلدوں میں شائع ہوئی اس سے پہلے یہ ۱۳۲۲ھ میں ہندوستان سے اور ۱۳۷۹ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔

اب رسول اللہ ﷺ کی توہین کی مثال سنیے صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

" و من امتنع من الجزية، أو قتل مسلماً، أو سبّ النبي ـعليه الصلاة والسلام ـ أوزنى بمسلمة لم ينتقض عهده" (**بداية المبتدي**:٦/٦٢ .**فتح القدير**).

⬅ تین دن کے اندر اسے واپس کرنے کا اختیار ہے اگر وہ واپس کرے تو ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے اور یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے حنفیہ کا اس حدیث پر عمل نہیں اس لیے کہ ان کے خیال میں یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ اگر جانور واپس کرنا ہے تو دودھ جو نکالا گیا اس کی قیمت واپس کی جائے نہ کہ ایک صاع کھجور۔

''جو (ذمی) [1] جزیہ دینے سے انکار کرے یا کسی مسلمان کو قتل کردے یا نبی ﷺ کو گالی دے یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹتا۔''

جب کہ دوسرے أئمہ اور فقہائے حدیث کے ہاں اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل بھی کیا جائے گا۔

ابن نجیم ان کے مذہب کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "نعم نفس المؤمن تميل إلى قول المخالف في مسئلة السبّ، لكن اتباعنا للمذهب واجب" (البحر الرائق: ۱۹۵/۵) ''ہاں مؤمن کا دل سبّ کے مسئلے میں مخالف کے قول کی طرف ہی مائل ہوتا ہے لیکن ہمارے لیے اپنے مذہب کی اتباع کرنا واجب ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے عہد ٹوٹ جانے اور اس کے قتل پر کتاب وسنت کے کئی دلائل دیے ہیں اور اسی طرح اس مسئلہ پر صحابہ اور تابعین کا اجماع بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (۳۲/۲۔ و ما بعدھا)۔

ڈنمارک وغیرہ کے لوگوں کو اس حنفی مذہب کا شاید علم نہ ہوگا ورنہ وہ اس سے حجت پکڑتے کہ آپ خواہ مخواہ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں کیونکہ ہم تو اپنے ملکوں میں ہیں جب کہ آپ کے ہاں آپ کے ملک میں رہ کر بھی ہمارے ذمی کا عہد نہیں ٹوٹتا لہذا آپ ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟

یہ تو رسول اللہ ﷺ کی ذات کی بات ہے لیکن اگر امام صاحب کی ذات کی بات ہو تو شاید ایسے آدمی کو یہ ایک لحہ برابر بھی برداشت نہ کریں۔ صرف رسول اللہ ﷺ کی توہین پر ہی اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ تمام أنبیاء علیہم السلام کی توہین کی گئی۔

چنانچہ بانی دیوبند قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں: ''انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بہت وقتوں میں بظاہر اُمتی مساوی و برابر ہو جاتے ہیں بلکہ اُمتی نبیوں سے عمل میں بڑھ جاتے ہیں۔'' (تحذیر الناس، ص: ۵، مطبوعہ دیوبند منقول از وہابی مذہب (۲۶۰/۱)۔

۴۔ قرآن کریم کی توہین:

اس کتاب کے (صفحہ: ۱۳۸) میں فتاویٰ قاضیخاں وغیرہ کے حوالے سے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ شفاء کی خاطر قرآن کو پیشاب سے لکھنا جائز ہے۔ اب آپ خود ہی بتائیے کہ اس میں قرآن مجید کا ادب واحترام ہے یا کہ توہین۔

۵۔ قرآن وحدیث میں تحریف:

ا۔ قرآن مجید میں تحریف:

① شیخ الہند صاحب نے تقلید کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی سورہ نساء کی آیت (نمبر: ۵۹) میں ﴿ فَرُدُّوهُ

[1] ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یہود ونصاریٰ میں سے دار الاسلام میں جزیہ ادا کر کے رہتا ہو جزیہ ایک مخصوص رقم ہے جو اسے سالانہ ادا کرنی ہوتی ہے اور اس کے عوض میں مسلمان حکومت پر اس کی جان اور مال کی حفاظت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

﴿إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کے بعد ﴿وَ أُولِي الْأَمْرِ﴾ کا اضافہ کردیا۔ ملاحظہ ہو إیضاح الأدلّہ (صفحہ: ۹۷، مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند باہتمام مولانا حبیب الرحمٰن) اور (صفحہ:۱۰۳، مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی، ومطبوعہ مراد آبادی یوپی، ہند)، منقول از نتائج التقلید (صفحہ:۱۸۵) و الطوام المرعشہ (صفحہ:۵۴)۔

اس تحریف کا علماء اہل حدیث کی طرف سے تعاقب کیا گیا جن میں سے مولانا محمد جوناگڑھی بھی ہیں انھوں نے اپنے اخبار محمدی میں اس پر تعاقب کیا لیکن اس کے باوجود اس کی اصلاح نہیں کی گئی۔

اس کتاب کے دسیوں ایڈیشن اس کتاب میں اسی اضافے کے ساتھ چھپتے رہے مگر چند سال قبل پاکستان میں اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا جس میں اس تحریف کی اصلاح کردی گئی اور حاشیے میں لکھ دیا گیا کہ طباعت کی غلطی سے ایسا ہوا۔

اگر طباعت کی غلطی سے ایسا ہوا تھا تو علماء اہل حدیث کے تعاقب کرنے پر موصوف نے اس کی وضاحت کیوں نہیں کی تھی کہ یہ طباعت کی غلطی سے ایسا ہوگیا ہے لہٰذا معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کردی جائے گی۔

وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کیونکہ انھوں نے دیدہ دانستہ طور پر یہ اضافہ کیا تھا تاکہ اس سے تقلید کا اثبات کیا جاسکے اور سید محمد اَحسن امروہی صاحب کی کتاب "مصباح الأدلّہ" کی دلیل: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ ......﴾ الایۃ۔ کا جواب دیا جاسکے چنانچہ انھوں نے ان کو جواب دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ آپ نے آیت ﴿فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تلک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔ منقول از نتائج التقلید: صفحہ:۱۸۵)۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

مؤلف تو اس صراحت اور وثوق سے یہ اضافہ کریں اور یہ ان کی طرف سے دفاع کریں کہ کتابت کی غلطی سے ایسا ہوا۔ ایک مشہور مقولہ ہے: عذرِ گناہ بدتر از گناہ"۔

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے تقریباً تیس سال بعد سید اصغر حسین دیوبندی کی کوشش سے ربیع الثانی (۱۳۳۰ھ) میں اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا اور اس میں بھی مذکورہ اضافہ (صفحہ:۲۷) میں موجود ہے اور کسی دیوبندی عالم نے اس پر انکار نہیں کیا جیسا کہ شاہ بدیع الدین رحمہ اللہ نے "الطوام المرعشہ" (صفحہ:۵۵) میں ذکر کیا ہے۔

دادا رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "إیضاح الأدلّہ" اور "سیرۃ النعمان" بارہا چھپ چکی ہیں۔ [1] اور نئے نئے حواشی صحت

[1] "سیرۃ النعمان" میں جو تحریف ہے عنقریب اس کا ذکر آرہا ہے۔

اور ترجمے سے چھپ چکی ہیں مگر سبھی ''بڑوں نے کی چھوٹوں نے نبھائی'' کا مصداق ہو رہے ہیں۔ ''نتائج التقلید (صفحہ:۱۸۶)۔

۲ شبلی نعمانی صاحب نے سورہ تغابن کی آیت نمبر:۹﴿ وَ مَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا﴾ میں ﴿ویعمل﴾ کی بجائے ''فیعمل'' کردیا تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو، سیرۃ النعمان (صفحہ:۴۷، مطبوعہ کریمی لاہور)۔

چند سال قبل اس کتاب کو کراچی سے شائع کیا گیا تو اس تحریف شدہ آیت کو نکال دیا گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ نتائج التقلید (صفحہ:۱۸۴)، الطوام المرعشة فی بیان تحریفات أهل الرأي المدهشة لبديع الدين الراشدي (صفحہ:۵۴۔۵۹) اور ''تحريف النصوص'' للدكتور بكر أبو زيد (صفحہ۱۶۲۔۱۶۵)۔

۳ قرآن مجید کی معنوی تحریف:

مذکورہ دو مثالیں تھیں لفظی تحریف کی اور اب ایک معنوی تحریف کی مثال بھی ملاحظہ کرلیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے ''التعلیق الممجد'' (۱/۴۰۰) میں فائدہ کے عنوان کے تحت صاحب ''الکنز المدفون، والفلك المشحون'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حنفی مشائخ میں سے کسی شیخ کی کتاب دیکھی جس میں انھوں نے اختلافی مسائل کو ذکر کیا ہے اور اس میں عجیب باتوں میں سے ایک عجیب بات یہ بھی کہ رفع یدین کے ترک پر اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ وَ أَقِيْمُوا الصَّلَاةَ﴾ (النساء: ۷۷) سے بھی استدلال کیا ہے اور یہ بات میں اپنے اصحاب سے تعجب کے طور پر ذکر کرتا تھا حتی کہ میں نے ''تفسیر ثعلبی'' میں اس سے بھی تعجب خیز بات دیکھی وہ یہ کہ انھوں نے (ثعلبی نے) سورہ اعراف کی تفسیر میں تنوخی قاضی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۳۱) سے مراد نماز میں رفع یدین کرنا ہے۔ یہ صاحب ایک طرف اور وہ صاحب دوسری طرف۔

۴ قرآن مجید میں کمی اور اضافہ:

مذکورہ مثالیں تو قرآن مجید کے اندر لفظی اور معنوی تحریف کی تھیں اب قرآن مجید میں ایک نقص اور ایک نئی آیت کے اضافے کی مثال بھی ملاحظہ کریں۔

نقص کی مثال:

شاہ بدیع الدین رحمہ اللہ نے تاریخ دمشق (مخطوط، ص:۱۷۶۔۱۷۷) [1] کے حوالے سے ابوبکر بن حرب۔ جو اپنے

[1] ملاحظہ ہو: تاریخ دمشق (۳۶/ ۲۵۷۔۲۵۸۔ مطبوع)۔

علاقے میں اہل رائی (اَحناف) کے شیخ تھے۔ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں عام طور پر اپنے شہر میں اپنے اُصحاب (حنفیہ) کو دیکھتا ہوں کہ وہ اہل حدیث پر ظلم کرتے ہیں ایک دفعہ میں حاتم عفکی کے پاس تھا کہ ان کے پاس ہمارے اُصحاب میں سے ایک شیخ آئے اور کہنے لگے کہ تم وہی ہو جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہو کہ آپ نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے انھوں نے کہا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے ان کا یہ قول صحیح ثابت ہے:"لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب"تو اس شیخ نے ان سے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ فاتحہ الکتاب تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی نہیں بلکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ نازل ہوئی۔ ملاحظہ ہو :**الطوام المرعشة** (صفحہ:۵۳)۔

یہ اچھی بات ہے کہ قرآن مجید سے فاتحہ کو نکال ہی دیا جائے تا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والا مسئلہ ہی ختم ہو جائے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

نئی آیت کے اضافے کی مثال:

ڈاکٹر ضیاء الحسن انصاری گنگوھی اپنے فاتحہ کے مسئلے میں تألیف شدہ رسالے کے صفحہ اُوّل میں لکھتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:"من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين۔" [1]

''جس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کے اندر فقاہت عطا فرمادیتا ہے۔''

جب کہ یہ قرآن مجید کی آیت نہیں بلکہ حدیث ہے۔ شاہ صاحب اس کو قرآن مجید کی آیت کہنے کا سبب لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”و إنّما حمله على ذلك لأن الخبر الواحد عندهم ظنّي، و لهذا جعله من القرآن، فيكون دليلًا قطعيًّا على فضيلة الفقه المروّج الذي عليه التعويل عندهم۔“

(**الطوام المرعشة**،ص:۶۰).

''اس کو آیت کہنے کا سبب یہ ہے کہ خبر واحد ان کے ہاں ظنّی ہے لہٰذا اس کو قرآن مجید کی آیت بنا دیا تا کہ مروّج فقہ جس پر ان کا اعتماد ہے اس کی فضیلت پر قطعی دلیل بن سکے۔''

قلت: اگر یہ سبب نہ بھی ہو بلکہ غلطی سے ایسے ہوا ہو تب بھی یہ چیز قابل مؤاخذہ ہے کہ ایک ڈاکٹر ہو کر قرآن اور

---

[1] اس حدیث کو بخاری نے (۷۱) کتاب العلم اور مسلم نے (۱۰۳۷) کتاب الزکاۃ، باب "النهي عن المسألة" میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ترمذی نے (۲۶۴۵) "کتاب العلم" میں اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن ماجہ نے (۲۲۰)، المقدمۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

حدیث میں تمیز نہ کر پائے [1] اور بغیر تحقیق کیے کسی چیز کو لکھ دے۔

ب: حدیث میں تحریف:

حدیث میں تحریف کی کئی مثالیں ہیں مگر ہم اختصار کے طور پر صرف تین مثالوں پر اکتفاء کریں گے۔

① أبوداود (۱۴۲۹) کتاب الصلوة ، باب "القنوت فی الوتر" میں حسن بصری سے روایت ہے۔ "أنّ عمر بن الخطاب جمع الناس علی أبيّ بن کعب فکان یصلي لهم عشرین لیلة......"۔

''عمر بن خطاب نے اُبی بن کعب کو لوگوں کے لیے (تراویح کا) امام مقرر کیا تو وہ ان کو بیس رات تک تراویح پڑھاتے......''

حدیث میں "عشرین لیلة" ہے مگر جب سنن ابی داوٗد مطبوعہ مجتبائی سے شیخ الہند محمود الحسن صاحب کی تصحیح کے ساتھ چھپی تو انھوں نے حاشیے میں یہ لکھ دیا: "رکعة کذا في نسخة مقروءة علی الشیخ المولانا محمد إسحاق رحمه الله تعالیٰ۔"

مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب نے اُبوداوٗد کی شرح لکھتے وقت اسی نسخہ کو اختیار کیا اور شیخ الھند صاحب نے جو کہا اس کو برقرار رکھا۔

ان کے بعد مولوی فخر الحسن گنگوھی اور فیض الحسن گنگوہی دونوں باپ بیٹے نے ابوداوٗد مطبوعہ مجیدی کانپور ۱۳۴۵ھ کی تصحیح وحواشی کرتے ہوئے ''رکعة'' کو متنِ حدیث میں لکھ کر اس پر ''نسخہ'' کا نشان دیتے ہوئے حاشیہ میں "لیلة" کو نسخہ قرار دے دیا۔

ان کے بعد ایک تیسرے دیوبندی مولوی نے اُبوداوٗد مطبوعہ نولکشور کی تصحیح کرتے ہوئے متن میں لیلۃ اور رکعۃ کو ایک ساتھ ذکر کر دیا یعنی یوں لکھ دیا "عشرین لیلة رکعة" ملاحظہ ہو۔ **نتائج التقلید** (۱۸۹۔۱۹۰)۔

اس حدیث میں " لیلة" کی بجائے "رکعة" کا ذکر باطل ہے اور اس کے بطلان پر مزید دلائل کے لیے مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ کا رسالہ " نعم الشھود علی تحریف الغالین في سنن أبوداؤد" اور "الطوام المرعشه" (صفحہ: ۸۹۔۹۲) دیکھیں۔

② ابن ماجہ کی ایک حدیث کی سند میں اضافہ۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

---

[1] حدیث کے بارے میں ان لوگوں کا یہی حال ہے کہ کہیں حدیث کو قرآن بنا دیں اور کہیں ایک چیز کے بارے میں حدیث موجود ہے اور اس کے بارے میں صرف عربی مقولہ ہی ذکر کر دیں جیسا کہ مفتی صاحب نے کیا ہے ملاحظہ ہو اس رسالے کا صفحہ (۱۳۵)۔

" من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة"۔

''جس کا امام ہوتو امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے'' اس کو ابن ماجہ (۸۵۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔اس حدیث کی سند اس طرح ہے:

"عن جابر عن أبي الزبير عن جابر۔"

اس کو ابوزبیر سے روایت کرنے والا جابر بن یزید جعفی ہے جو ضعیف ہے بلکہ متہم ہے لہٰذا اس کی سند سخت ضعیف ہے چونکہ یہ حدیث حنفی مذہب کی دلیل ہے اس لیے اس کو صحیح بنانے کی کوشش کی گئی وہ اس طرح کہ ''جابر عن أبي الزبير'' کی بجائے'' جابر و أبي الزبير'' کر دیا گیا اس کے معنے یہ ہو گئے کہ اس حدیث کو جابر جعفی بیان کرنے میں متفرد نہیں بلکہ ابوالزبیر نے اس کی متابعت کی ہے جب کہ جابر جعفی نے اس حدیث کو ابوالزبیر سے بیان کیا ہے۔

اور یہ عظیم الشان کارنامہ۔یعنی ''عن'' کی بجائے ''و'' کا ذکر۔مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی نے ابن ماجہ مطبوعہ فاروقی دہلی کی تصحیح کرتے ہوئے سرانجام دیا۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:''نتائج التقليد (صفحہ:۱۹۵۔۱۹۶) اور الطوام المرعشه (صفحہ:۹۳۔۹۴)۔

③ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تحریف:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے:

" كان رسول الله صلى الله عليه سلم يوتر بثلاث لا يقعد إلا في آخرهن"۔

''رسول اللہ ﷺ تین وتر پڑھتے اور صرف آخری رکعت میں قعدہ کرتے۔''

اس حدیث کو حاکم نے (۱/۳۰۴) اور ان سے بیہقی (۳/۲۸) نے روایت کیا ہے اس کو حافظ ابن حجر نے بھی ''فتح الباری (۲/۴۸۱) اور ''تلخيص الحبير'' (۲/۱۵) میں حاکم کی طرف منسوب کیا ہے۔اسی طرح بعض دیگر علماء نے بھی،مگر مستدرک حاکم کے مطبوعہ نسخے میں یہ حدیث مذکورہ الفاظ کی بجائے ان الفاظ سے ہے:

" لا يسلم في الركعتين الأوليين من الوتر"۔

''آپ ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔''

یعنی ایک سلام سے ہی تین وتر پڑھتے۔اور اس حدیث میں یہ الفاظ ''مستدرک حاکم'' میں تحریف کا نتیجہ ہیں کیونکہ یہی حدیث مستدرک کی ''**تلخيص ذهبی**'' میں ''لا يقعد إلا في آخرهن'' کے الفاظ سے ہے اور انہی الفاظ سے اس کو امام بیہقی نے حاکم کی سند سے روایت کیا ہے اور ''مستدرک'' کے مطبوعہ نسخے میں یہ تحریف ایک حنفی عالم کی ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو''**التعليق المغنى على سنن الدارقطني**'' (۲/۲۶۔۲۷) وأيضاً ''**الطوام**

المرعشة'' (۹۴۔۱۰۱)۔

انہی تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں مزید مثالوں کے لیے ''نتائج التقلید'' اور ''الطوام المرعشة'' دیکھیں۔

۶۔صحیح اَحادیث کو ردّ کرنا:

یہاں اس کی مثالیں دے کر ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے چنانچہ اختصار کے پیش نظر اس کتاب میں بعض جو مثالیں اور اس سلسلے میں بعض علماء کے جو اُقوال ذکر ہو چکے ان کی طرف احالہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے لہٰذا اس کتاب کے درج ذیل صفحات میں امام ابوالحسن کرخی، شیخ الہند محمود الحسن، مولانا تقی عثانی، مفتی محمد شفیع، شیخ عبدالوھاب شعرانی، مولانا لکھنوی، مولانا تھانوی، اور ابن مبارک کے اُقوال ملاحظہ کرلیں۔(صفحہ:۱۱۱۔۱۱۳، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۷۶)۔

۷۔مذہب کی خاطر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ:

اس کی بعض مثالیں اس کے بعد آنے والی فصل دوم میں آرہی ہیں اور اس کی ایک مثال اس کتاب کے (صفحہ:۱۸۳) میں بھی گزر چکی ہے اسے بھی ملاحظہ کیجیے۔

اب ہم مفتی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ مفتی صاحب رسول اللہ ﷺ کی توہین، آپ پر جھوٹ بولنا، قرآن مجید کی توہین، احادیث کے اندر تحریف، صحیح اَحادیث کو ردّ کردینا، صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع، اَئمہ ثلاثہ۔ مالک، شافعی و احمد۔اور دیگر کبار اَئمہ وعلماء پر طعن یہ زیادہ بڑے جرم ہیں یا کہ امام ابوحنیفہ پر طعن بڑا جرم ہے اگر آپ یہ کہیں کہ امام ابوحنیفہ پر طعن زیادہ بڑا جرم ہے تو پھر آپ سے بات کرنا ہی فضول ہے اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں رسول اللہ ﷺ کی توہین قرآن مجید کی توہین وغیرہ یہ بڑے جرم ہیں تو ہم آپ سے پوچھیں گے کہ جن لوگوں نے ان جرائم کا ارتکاب کیا ہے ان کا قبر میں کیا حشر ہوا ہوگا آپ خود ہی بتائیں

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

مفتی صاحب سے ہم ایک بات یہ بھی پوچھنا چاہیں گے کہ مفتی صاحب یہ جو جرائم ہیں ان سے اللہ تعالیٰ، خوش ہوا یا کہ ناراض، یقیناً ناراض ہوا تو پھر مَتْ تو آپ لوگوں کی ماری گئی لہٰذا (صفحہ:۳۹) میں آپ نے پنجابی کی جو یہ کہاوت ''رب رُسّے تے مت کھسّے'' ذکر کی ہے یہ تو آپ لوگوں پر صادق آرہی ہے۔

مفتی صاحب! آپ نے اپنی مذکورہ بات کے بعد لکھا ہے کہ ''باتیں تو بہت ہیں ذہن وقلب میں گھوم رہی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ جناب مولوی محمد یوسف صاحب رحمانی کی دوسری کتاب کے شروع میں مقدمہ کی صورت میں تحریر کروں گا جو عنقریب شائع ہوگی جس کا نام...... ہے۔(صفحہ:۵۸)۔

جس کتاب کی طرف مفتی صاحب نے اشارہ کیا ہے اس کے بارے میں تا حال ہمیں علم نہیں کہ وہ چھپ چکی ہے یا کہ نہیں اگر نہیں چھپی تو مفتی صاحب سے اتنا ضرور کہیں گے کہ مفتی صاحب ہوش کے ناخن لے کر اور تھذیب و اخلاق کے دائرے کے اندر رہ کر بات کرنا ورنہ آپ کے ذہن وقلب میں گھومنے والی باتوں کو ایسا نکالیں گے کہ وہ تا زندگی آپ کو یاد نہیں آئیں گی۔ ان شاء اللہ

مفتی صاحب نے (صفحہ:۵۷) میں لکھا ہے کہ" حسد اور ضد ہی کے کرشمے ہیں کہ آج تک یہ لوگ حضرت امام الأعظم۔ رحمہ اللہ۔ کے مقابلے میں نہ کوئی دین کا کوئی معیاری کام کر سکے اور نہ ہی کوئی مستند کتاب شرعی مسائل کی متفقہ ان سے ظہور میں آئی ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ان لوگوں کے لیے کھلا چیلنج ہے اگر دیدہ بصیرت و بصارت ہو:﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡأَبۡصَارُ وَلَٰكِن تَعۡمَى الۡقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾۔

مفتی صاحب سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امام صاحب نے دین کا جو معیاری کام کیا اس کا دین کو فائدہ کیا ہوا کیونکہ آپ نے (صفحہ:۳۶) میں لکھا ہے کہ عیسائی فاتحین نے اندلس کے دریائی پانی کو سیاہ اور فضاء کو کتب کے جلانے سے دھواں دار اور مکدر کر دیا تھا ان میں اکثر کتب حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی اور فقہ حنفی کی بھی ہوں گی جیسا کہ بعض علماء کا قیاس کہتا ہے۔ واللہ اعلم۔ لہٰذا امام صاحب نے دین کا جو معیاری کام کیا تھا وہ بقول آپ کے ضائع ہو گیا۔

مفتی صاحب دوسری بات یہ ہے کہ وہ کونسی کتب ہیں جو امام صاحب نے تألیف کی ہیں ذرا ان کی فہرست پیش کریں گے امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ جسے آپ لوگ بہت فخر سے بیان کرتے ہیں اور شبلی نعمانی صاحب نے بھی اس کو بڑے زور وشور سے ذکر کیا ہے ہم اپ کو اس کی حقیقت بیان کر دیتے ہیں۔

اس مجلس کی جو لمبی چوڑی کہانی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب نے ۱۲۰ھ میں ایک مجلسِ تدوینِ فقہ قائم کی اس مجلسِ تدوین فقہ میں امام صاحب کے تقریباً چالیس تلامذہ نے شرکت کی جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

١ یحییٰ بن أبی زائدہ ٢ قاضی أبو یوسف ٣ حفص بن غیاث
٤ امام زفر ٥ امام محمد ٦ ابو عاصم
٧ امام عبدالرزاق

مفتی صاحب اس مجلس نے جو مجموعہ تیار کیا تھا وہ کہاں گیا شاید اندلس کے فاتحین نے دوسری کتب کے ساتھ اس کو بھی جلا دیا یا دریا برد کر دیا ہوگا۔

جب کہ مجلس تدوین فقہ والی یہ کہانی سراسر بے بنیاد اور سفید جھوٹ ہے اور اس کے بے بنیاد اور بے اُصل ہونے پر جو دلائل ہیں ان میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس مجلس تدوین فقہ کو ۱۲۰ھ یا ۱۲۱ھ میں قائم کیا گیا اور امام صاحب کے

جن شاگردوں نے اس مجلس میں شرکت کی ان میں سے بعض کے اُسماء گرامی ذکر ہوئے اب ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں سنیے اور پھر اس تاریخ کا مجلس تدوین فقہ کی تاریخ سے تقابل کیجیے تو حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی۔

1. یحییٰ ابن اُبی زائدۃ پیدائش ۱۲۰ھ...... (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)
2. قاضی اُبو یوسف پیدائش: ۱۲۲ یا ۱۱۷ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)
3. حفص بن غیاث پیدائش: ۱۱۷ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)
4. امام زفر بن ھذیل پیدائش۔ ۱۱۰ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)
5. ابو عاصم ضحاک بن مخلد پیدائش ۱۲۲ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)
6. امام عبدالرزاق بن ھمام پیدائش: ۱۲۶ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)
7. امام محمد بن حسن شیبانی پیدائش: ۱۳۲ھ (تاریخ مجلس تدوین فقہ ۱۲۰ھ)

ابھی آپ خود ہی اندازہ لگایئے کہ اس مجلسِ تدوینِ فقہ کی حقیقت کیا ہے اس مجلس کے اراکین میں سے کسی کی پیدائش اسی سال ہے جس سال اس مجلس کا قیام عمل میں لایا گیا کسی کی پیدائش اس کے قیام کے دو سال بعد، کسی کی چھ سال کے بعد اور کسی کی بارہ سال کے بعد پیدائش ہے۔

اور اس کے اراکین میں سے کسی کی عمر اس وقت سات یا تین سال اور کسی کی عمر دس سال تھی۔

دوسری دلیل:

اس مجلس کے بطلان پر یہ ہے کہ چالیس کے قریب کبار علماء نے اس میں شرکت کی اور تیس سال کی انتھک محنت سے فقہ کا ایک عالیشان مجموعہ تیار کیا گیا اور اس مجموعے نے امام صاحب کی زندگی ہی میں وہ حسنِ قبول حاصل کیا کہ جس قدر اس کے اجزاء تیار ہوتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اس کی اشاعت ہوتی جاتی تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس مجموعے کے اجزاء میں سے کوئی جزء بھی محفوظ نہ رہا یہ مجموعہ دریا میں غرق ہونے یا آگ میں جلنے کے لیے اندلس تو پہنچ گیا مگر کوفہ میں اس کا کوئی نسخہ بھی باقی نہ بچا۔

تیسری دلیل:

اس مجموعے کی ترتیب والی حکایت کے بطلان پر یہ ہے کہ اس دور کی دوسری تصنیف شدہ کتب تو محفوظ ہیں اور وہ مجموعہ جس کا اسی زمانہ میں بہت زیادہ چرچا ہو گیا تھا وہ غیر محفوظ ہو گیا دادا جان رحمہ اللہ اس مجموعے پر کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مذکورہ حقائق سے قطع نظر ''تدوینِ فقہ'' کے زمانہ کو دیکھا جائے کہ اس عہد نے تصنیفاتِ امام مالک رحمہ اللہ

کو عزت و احترام کے ساتھ محفوظ رکھا۔ قاضی أبو یوسف رحمہ اللہ کی تصنیفات کو بھی باقی رکھا۔ امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیفات بھی موجود ہیں مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تیس سالہ محنت اور چالیس دیگر ارکان کی دماغ سوزی کو ضائع کرنے کا الزام اس زمانہ پر عائد کرنا مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔'' (تاریخ التقلید بصفحہ: ۶۰).

مفتی صاحب کیا ان سب باتوں میں آپ لوگوں کے لیے اللہ عزوجل کی طرف سے کھلا چیلنج نہیں ہے کہ مجلس تدوین فقہ والی حکایت باطل ہے اگر سچے ہو تو اس پر دلیل پیش کرو ﴿ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ ...... ﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهٰى﴾

مفتی صاحب آپ نے یہ آیت تو فوراً لکھ دی

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾

جب کہ یہ آیت تو آپ پر صادق آ رہی ہے وہ یوں کہ آپ لوگ جب اپنی بصارت سے اس حکایت کو کتب میں لکھی ہوئی دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے کاش کہ اگر تھوڑی بہت ہی بصیرت ہوتی تو کم از کم یہ تو سوچتے کہ اتنا اہم مجموعہ غائب کیسے ہو گیا اور اس کا دنیا کے اندر نام و نشان بھی نہ رہا جب کہ اس دور کے دوسرے أئمہ کی کتب بالکل محفوظ ہیں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ تقلید اور بصیرت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں اسی لیے عربی کے ایک شاعر نے کہا ہے:

إن کان للضلال أمّ فالتقلید أُمُّه

فلا جرم إنّ الجاهل یؤمّه

''گمراہی کی اگر کوئی أصل ہو سکتی ہے تو وہ تقلید ہے اور یقیناً جاہل ہی تقلید کو اختیار کرتا ہے۔''

مفتی صاحب اگر بالفرض ہمارے پاس شرعی مسائل کی کوئی مستند کتاب نہیں تو آپ کے پاس کونسی مستند کتاب ہے آپ کے مجموعہ کا حال تو ہم نے بیان کر دیا۔

رہیں آپ کی فقہ کی موجودہ کتب تو وہ امام صاحب رحمہ اللہ سے صدیوں بعد تصنیف کی گئی ہیں اور ان میں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کی امام صاحب تک آپ کے پاس کوئی سند نہیں اور آپ لوگ مقلد ہیں امام صاحب کے، ان مسائل والے فقہاء کے مقلد نہیں ہیں۔ لہٰذا کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو امام صاحب سے مستند ذرائع سے ثابت ہو۔ اب ان کتب کے بارے میں بعض حنفی علماء کے ہی أقوال ملاحظہ کریں۔

۱۔ مولانا ولایت علی نے اپنے رسالے ''عمل بالحدیث'' (صفحہ:۱۹) میں جو لکھا ہے، اس میں سے بعض أقوال ملاحظہ کیجیے۔

① أحادیث مستند بستند، وأقوال مجتہدین غیر مستند۔"

"احادیث تو مستند ہیں (ان کی سندیں ہیں) اور أقوال مجتہدین غیر مستند ہیں یعنی ان کی سندیں نہیں ہیں۔"

② بر واقفا کتب (فقہ) پوشیدہ نیست کہ از امام أعظم کتابے منقول نیست کہ براد بنائے مذہب شان نمودہ آید۔"

"جو لوگ کتب فقہ حنفی سے واقفیت رکھتے ہیں ان پر ظاہر ہے کہ امام اعظم سے کوئی ایک کتاب بھی منقول نہیں کہ جس پر ان کے مذہب کی بنیاد رکھی جائے۔ (مأخوذ از تاریخ التقلید: صفحہ: ۶۵)۔

شیخ الهند محمود الحسن صاحب لکھتے ہیں:

"...... بلکہ خود فقہ حنفی کو دیکھ لیجیے کہ نقل مذہب امام و صاحبین میں مواقع متعددہ میں اختلاف ہوگا اور بعض مواضع میں ناقلین کی غلطی محقق ہو چکی ہے۔"

إيضاح الأدلّه (صفحہ: ۱۰۲، مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی) مأخوذ از تاریخ التقلید (صفحہ: ۶۴)۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"یہ فقہ اگرچہ عام طور پر فقہ حنفی (امام صاحب کی) کہلاتی ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابوحنیفہ، زفر، قاضی ابو یوسف، امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے قاضی ابو یوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔"

سیرة النعمان (۲/۶۵.۶۶) مأخوذ از نتائج التقلید (صفحہ: ۶۱)۔

یہ بات تو تھی کتب فقہ سے متعلق اب کتب اُصول فقہ کے بارے میں بھی سنیے نعمانی صاحب ہی لکھتے ہیں:

"لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُصول فقہ کی کتابوں میں بہت سے اصول مذکور ہیں ان سب کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے اُقوال ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس پر نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اُقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیح امام صاحب سے ثابت ہیں۔" حاشیه سیرة النعمان (۲/۷۶) از تاریخ التقلید (۶۱.۶۲)۔

آخر لے دے کر آپ کے پاس امام صاحب کی تصنیف، "فقہ اُکبر" ہی رہ جاتی ہے مگر اس کے بارے میں بھی آپ لوگوں کا اتفاق نہیں کہ وہ واقعتاً امام صاحب ہی کی تصنیف ہے۔

فخر اسلام بزدوی اور ملا علی قاری نے اس کو امام صاحب کی تصنیف سمجھ کر اس کی شرحیں لکھیں۔ [1] جب کہ شبلی

[1] مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی کے ہاں بھی یہ امام صاحب کی کتاب ہے چنانچہ لکھتے ہیں:" إنّ كتب الإمام أبي حنيفة كـ"الفقه الأكبر" و " كتاب الوصية"، تنادى بأعلى النداء......" (الرفع والتنكيل (صفحه: ۳۷۶)۔

صاحب اور کاشمیری صاحب اس کو امام صاحب کی تصنیف تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ملاحظہ ہو:سیرة النعمان (۲/٤ـ٥) فیض الباری شرح صحیح البخاری(۱/۵۹) از تاریخ التقلید(صفحہ: ٦٠ـ٦١)۔

ان کے انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کتاب میں جو عقائد بیان ہوئے ہیں ان میں سے اُکثر و بیشتر عقائد ایسے ہیں جو سلف کے عقائد کے عین مطابق ہیں جب کہ حنفیہ کی اُکثریت سلف کے عقائد پر نہیں بلکہ ان میں ماتریدی اور معتزلی وغیرہ ہیں اس لیے مولانا عبدالحی لکھنوی نے حنفیہ کی دو قسمیں ذکر کی ہیں:

1. حنفیہ کاملہ: یعنی وہ حنفیہ جو اُصول اور فروع میں امام صاحب کی پیروی کرتے ہیں۔
2. عقیدے کی نسبت کے اعتبار سے حنفی۔ یعنی اگر عقیدے میں معتزلی ہے تو اسے حنفی معتزلی کہا جائے گا یا زیدی ہے تو اسے حنفی زیدی کہا جائے گا اگر مرجئ ہے تو اسے حنفی مرجئ کہا جائے گا یا دوسرے لفظوں میں ان کو حنفیہ ناقصہ کہا جاسکتا ہے۔

اب لکھنوی صاحب کی عبارت ملاحظہ کرلیں:

" إنّ الحنيفة عبارة عن فرقة تقلد الإمام أبا حنيفة في المسائل الفرعية، و تسلك مسلكه في الأعمال الشرعية سواء وافقته في أصول العقائد أم خالفته، فإن وافقته يقال لها: " الحنفية الكاملة" و إن لم توافقه يقال لها: "الحنفية" مع قيد يوضح مسلكه في العقائد الكلامية، فكم من حنفي حنفي في الفروع معتزلي عقيدة كالزمخشری جار الله مؤلّف" الكشاف" وغيره......

و كم من حنفي حنفي فرعًا مرجئ أو زيدي أصلاً، و بالجملة فالحنفية لها فروع باعتبار اختلاف العقيدة فمنهم : الشيعة، و منهم : المعتزلة ، ومنهم : المرجئة"۔

(الوفع والتكميل:(۳۸۵،۳۸٦)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ لوگ اگر بالاتفاق ''فقہ اُکبر'' کو امام صاحب کی کتاب تسلیم کربھی لیں تب بھی یہ ان کے لیے مفید ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں جو عقائد بیان ہوئے ہیں ان میں سے اُکثر عقائد کو یہ لوگ تسلیم نہیں کرتے۔

اور یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ہم اگر فروعی مسائل میں امام صاحب کی باتوں کو نہ لیں تو ہم امام صاحب کے گستاخ اور منکر، اور اگر یہ اصول میں امام صاحب کی باتوں کو ٹھکرا دیں تو پھر بھی امام صاحب کے باادب اور مقلد ہی رہیں۔ یہاں ان کے پاس صاحب ''درمختار'' کے اس قول کا کیا جواب ہے کہ جو امام ابوحنیفہ کے قول کو ردّ کرتا ہے اس پر

ریت کے ذرات برابر لعنت۔ [1]

یہ لوگ اس بات کو بہت اچھالتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس مسائل کی کوئی کتاب نہیں ہے اگر یہ بات واقعتاً قابل اعتراض وطعن ہے تو پھر یہ لوگ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہیں گے جو ان کی اور ان کی کتب کی پیدائش سے پہلے گزر چکے ہیں کیا وہ صحیح دین پر کاربند اور عمل کرنے والے نہ تھے؟

اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے ہمارے پاس وہ کتب ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا:

" ياأيها الناس إنّي قد تركت فيكم ما اعتصم به، فلن تضلوا أبداً كتاب الله و سُنَّة نبيّه۔" [2]

''اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے، کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت۔''

اور ان کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم کے مستند آثار بھی موجود ہیں۔ حدیث ''افتراق الامم'' کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرقہ ناجیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"ما أنا عليه وأصحابي" [3]

''جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہو گا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین اور اتباع تابعین کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

" خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم ، ثم الذين يلونهم" [4]

''لوگوں میں سے بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کے بعد آنے والوں۔ تابعین۔ کا پھر ان کے بعد آنے والوں۔ اتباع تابعین۔ کا۔''

ہمارے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تابعی تابعین رحمہم اللہ کے آثار کی مستند کتب موجود ہیں جیسا کہ مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ ہیں۔

---

[1] یہ قول (صفحہ:۱۱۲) میں گزر چکا ہے۔

[2] اس حدیث کو مروزی نے "السُّنة" میں اور امام حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''مقالات عبد الروف'' (صفحہ......)۔

تنبیہ= عام طور پر اس حدیث کو ''موطأ'' کے حوالے سے ذکر کیا جاتا ہے جو درست نہیں کیونکہ اس میں یہ حدیث بلا سند ہے۔

[3] یہ بھی صحیح حدیث ہے اس کی مفصل تخریج دادا جان رحمہ اللہ کے رسالہ ''فرقہ ناجیہ'' میں کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ......)۔

[4] یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ سے مروی ہے حدیثِ ابن مسعود کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی اور دیگر اَحادیث کی مفصل تخریج ہم نے ''روضة الناظر'' لابن قدامه کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو: حدیث نمبر:٦١۔

اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں، صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین کے ہاں نہ ملے تو پھر اجتہاد بھی ہے جس پر یہاں دلائل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

مفتی صاحب نے کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' میں جو بعض اوہام ہیں ان کی بناء پر کہا ہے کہ ''بہرحال اب ان متعصب غیر مقلدین کو چاہیے کہ وہ مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کو دفن درگور کردیں۔'' (صفحہ: ۵۸)۔

مفتی صاحب آپ کی اس بات کا جواب اس کے بعد آنے والی فصل میں آرہا ہے ہم وہاں یہ بتائیں گے کہ کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' دفن درگور کے لائق ہے یا کہ آپ کی معتبر کتب اس لائق ہیں کہ ان کو دفن درگور کردیا جائے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۷۳)۔

کیا امام صاحب متفق علیہ تابعی ہیں؟

''صوفی مفتی صاحب نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہ امام بخاری اور دوسرے محدثین نہ تو صحابہ، تابعین اور نہ ہی خیر القرون کے زمانوں میں ہوئے ہیں امام ابوحنیفہ کو تابعی ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ ''دیکھیے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو حنفیہ کے نہایت مخالفین میں سے ہیں نقل فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور سے عیسیٰ بن موسیٰ نے کہا کہ یہ (امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آج دنیا کے عالم ہیں (منصور نے) پوچھا نعمان علم کس سے حاصل کیا (حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) جواب دیا اُصحاب عمر سے عمر کا اُصحاب علی سے علی کا اُصحاب عبداللہ سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان سے بڑھ کر عالم روئے زمین پر نہ تھا (تاریخ بغداد، ص:) جب حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ تابعی متفق علیہ ہیں تو جب اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انھوں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا علم حاصل کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے علم حضورؐ [1] سے حاصل کیا تو علم کی سند پختہ ہوگئی۔'' (صفحہ: ۵۴)۔

قارئین کرام یہ مفتی صاحب کی عبارت ہے جسے من وعن نقل کیا گیا ہے جس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اصحاب عمر سے علم حاصل کیا اور عمر نے اصحاب علی سے اور علی نے اصحاب عبداللہ سے علم سیکھا۔

یہ ہے مفتی صاحب کی علمی قابلیت کا حال یہ موصوف خود کو اگر صوفی کی حد تک ہی رہنے دیتے تو پھر ہمیں افسوس نہ ہوتا مگر افسوس اس لیے ہے کہ موصوف خود کو مفتی سمجھتے ہیں اور اس قابل بھی کہ وہ محدثین کے علم کو غیر پختہ اور امام صاحب کے علم کو پختہ ثابت کریں۔

اس وقت ہمارا مقصود اس موضوع پر بحث کرنا نہیں کہ علم کن کا پختہ اور کن کا علم غیر پختہ ہے کیونکہ یہ ایک دوسرا

[1] اس سے قبل (رضی اللہ عنہم) تو مکمل لکھا ہوا ہے جب کہ یہاں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی بجائے (ؐ) ہی لکھا ہوا ہے۔

موضوع ہے [1] یہاں صرف مفتی صاحب کی غلط بیانی یا جہالت بیان کرنا مقصود ہے:

سب سے پہلی بات یہ ہے مفتی صاحب نے امام صاحب کا جو قول نقل کیا ہے وہ اس طرح ہے:

" عن أصحاب عمر عن عمر ، و عن أصحاب عليّ عن عليّ، و عن أصحاب عبد الله عن عبد الله، و ما كان في وقت ابن عباس على وجه الأرض أعلم منه"

(تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۴) [2]

" اُصحاب عمر سے انھوں نے عمر سے، اُصحاب علی سے انھوں نے علی سے اور اُصحاب عبداللہ (عبداللہ بن مسعود) سے انھوں نے عبداللہ سے، اور ابن عباس کے زمانہ میں روئے زمین پر عبداللہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔"

یہ ہے امام صاحب کا اُصل قول جسے مفتی صاحب نے کس طرح سے ادھورا سا نقل کیا ہے۔ قارئین اب آپ مفتی صاحب کی غفلت یا جہالت ملاحظہ کریں وہ یہ کہ انھوں نے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد یہ کہا ہے:

'' جب حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ تابعی متفق علیہ ہیں۔''

جن لوگوں نے عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا وہ کون ہوئے وہ تابعین ہوئے اور تابعین سے علم حاصل کرنے والا تبع تابعی ہوگا یا کہ تابعی متفق علیہ ہوگا اور یہ فیصلہ قارئین خود ہی کرلیں۔

مفتی صاحب کی غفلت یا جہالت کو ملاحظہ کر لینے کے بعد اب امام صاحب کے مذکورہ قول کی جسے مفتی صاحب نے بڑے فخر سے ذکر کیا ہے حقیقت بھی سنتے جایئے۔

---

[1] قارئین کے لیے ہم یہاں شاہ ولی اللہ کا ایک قول ذکر کر دیتے ہیں جس سے اس مسئلے کی قدرے وضاحت ہو جائے گی شاہ صاحب لکھتے ہیں: " آں۔ ابوحنیفه۔ یك شخصے است که روس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم وترمذی و ابوداؤد و نسائی وابن ماجه و دارمی یك حدیث از وے در کتابهائے خود روایت نه کرده اند۔" (مصفی مع مسوی شرح موطأ، صفحه: ٦) "امام ابوحنیفہ ہی ایسے امام ہیں کہ محدثین مثل امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ، ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی تصنیفات میں ایک روایت بھی ان سے ذکر نہیں کی۔'' منقول از نتائج التقلید (صفحہ: ٦٥۔٦٦)۔

[2] مفتی صاحب کے ہاں تاریخ بغداد کے بعد صرف ''ص'' لکھا ہوا ہے کونسا صفحہ ہے اس کا ذکر نہیں اسی طرح جلد نمبر کا ذکر بھی نہیں کیونکہ تاریخ بغداد صرف ایک جلد کی کتاب نہیں بلکہ یہ ۱۴ جلدوں میں ہے اور اپنی ذیل یعنی ذیل تاریخ بغداد اور تاریخ وذیل کی فہرستوں کے ساتھ بیس جلدوں میں ہے۔

اسی طرح مفتی صاحب کے ہاں امام صاحب کا جو قول ہے وہ بھی ادھورا نقل ہوا ہے ان مسکینوں کی اس چھوٹی سی کتاب میں غفلت کا عالم یہ ہے اور یہ بیٹھ گئے ہیں کتاب '' صلوٰۃ الرسول ﷺ '' پر اعتراضات کرنے کے لیے ان کی اس قسم کی دیگر غفلتوں کے لیے اس کتاب۔ جو قارئین کے سامنے ہے۔ کے صفحات (۱۳۶، ۳۰۰، ۳۰۳) بھی دیکھیں۔

یہ من گھڑت حکایت ہے اس میں ایک راوی أحمد بن عطیہ ہے اور احمد سے اس کو مکرم بن احمد قاضی نے روایت کیا ہے اس احمد بن عطیہ کو ''أحمد بن أبي الصلت بن المغلسّ'' بھی کہا جاتا ہے خطیب بغداد نے اس کو غیر ثقہ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: (۱۳/۴۲۰)۔

اور خطیب نے ایک مقام پر۔ ملاحظہ ہو (۲۰۹/٤، ترجمه أحمد بن الصلت)۔ امام دارقطنی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان سے ان روایات کے بارے میں جو مکرم بن أحمد نے فضائل ابوحنیفہ کے بارے میں جمع کی ہیں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

"موضوع كله كذب وضعه أحمد بن المغلس الحمّاني"۔

''یہ تمام روایات من گھڑت ہیں ان کو احمد بن مغلس نے گھڑ لیا ہے۔''

اس احمد کو ابن ابي الفوارس اور ذہبی وغیرہ نے کذاب، ھالک اور وضاع کہا ہے ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال (۱/۱۰۵) لسان المیزان (۱/۲۰۰،۲۹۵) اور دیوان الضعفاء للذهبی (۱/۲۸).

دوسری بات یہ ہے کہ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ امام صاحب متفق علیہ تابعی ہیں یہ کہہ کر انھوں نے یا تو غلط بیانی سے کام لیا ہے یا پھر اپنی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ امام صاحب کے تابعی ہونے پر اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے اس اختلاف کی طرف مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے بھی اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

" و أمّا طبقته، فقيل: إنّه من أتباع التابعين ، و أنّه أدرك زمان الصحابة لكنّه لم يلق أحداً منهم۔" (مقدمة النافع الكبير (صفحه:۱۴) .

''رہی یہ بات کہ آپ کا کس طبقے سے تعلق ہے تو کہا گیا ہے کہ وہ اتباع تابعین میں سے ہیں اور انھوں نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے لیکن کسی ایک سے بھی ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔''

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: ''درعصر تابعین نہ بودند مگر ابوحنیفہ و مالک'' (شرح موطأ امام مالك) .

''مشہور ائمہ مذاہب سے صرف ابوحنیفہ اور مالک ہی ایسے دو امام ہیں کہ جن کو بالاتفاق اتباع تابعین کے زمانہ میں ہونے کا شرف وسعادت میسر ہے۔'' (منقول از تاریخ التقليد (صفحہ:۵۵)۔

شاہ صاحب کے اس قول سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک کی طرح اتباع تابعین میں سے ہیں:

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے:

" فظهر من كلام هولاء العلماء المحققين المعتبرين أن الإمام أبوحنيفة لم يلق أحداً من الصحابة، و لا أخذ عن أحد منهم" (مقدمة تحفة الأحوذي (۱/۱۷۱)۔

"محققین اور معتبر علماء کے کلام سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات کی ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے روایت لی ہے۔"

اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث مولانا محمد رئیس صاحب ندوی نے کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ امام صاحب کی کسی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "اللمحات إلى مافي أنوار الباري من الظلمات" (ج: ۱/ص: ۴۲۔۴۳، ج: ۲/۲۴۳، و مابعدھا)۔

اسی طرح اس کے بارے میں "التنكيل بما فی تأنيب الكوثری من الأباطيل" (صفحہ ۳۷۹ و مابعدھا) بھی دیکھی جائے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحب بالاتفاق تابعی نہیں ہیں بلکہ ان کے تابعی ہونے میں اختلاف ہے چنانچہ مفتی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ "تابعی متفق علیہ ہیں" غلط بیانی ہے یا پھر ان کا یہ کہنا جہالت پر مبنی ہے اور مفتی صاحب کے بارے میں ہم اپنی گفتگو کا اختتام اسی پر کرتے ہیں۔

دوسری فصل

جیسا کہ اس باب کے شروع میں۔ ملاحظہ ہو(صفحہ:۱۰۷)۔ذکر ہوا کہ اس فصل میں مقلدین کی ان باتوں کا جواب دیا گیا ہے جن کی بناء پر انھوں نے کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی کتاب کے علاوہ کسی کتاب کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے اندر کوئی غلطی یا وہم نہیں ہے کیونکہ انسان غلطی سے مبرّا نہیں ہے اسی لیے کسی نے کہا ہے:" أبى الله إلا أن يصح كتابه" [1] یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علاوہ، کوئی دوسری کتاب صحیح نہیں ہو سکتی۔''

اور امام شافعی فرماتے ہیں:

" لقد ألّفت هذه الكتب، ولم آل جهداً فيها، و لا بدّ أن يوجد فيها الخطأ لأنّ الله۔ تعالىٰ۔ يقول﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيْهِ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾

(ملاحظہ ہو:المقاصد الحسنة (ص:۱۵)اور كشف الخفاء(حدیث:۵۹)۔

''میں نے ان کتب کو تألیف کیا ہے اور ان کی تألیف میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی لیکن اس کے باوجود ان کے اندر غلطی کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے بعد انھوں نے مذکورہ آیت ذکر کی جو بمعہ ترجمہ حاشیے میں بھی مذکور ہے۔''

اور حافظ منذری "الترغيب والترهيب" (۴/۵۶۵۔۵۶۶) کے آخر میں لکھتے ہیں:

" و نستغفر الله۔سبحانه۔ مما زلّ به اللسان، أو داخله ذهول، أو غلب عليه نسيان ،

---

[1] بعض لوگ اس کو حدیث سمجھتے ہیں مگر یہ حدیث نہیں ہے اسی لیے حافظ سخاوی نے اس کے بارے میں "المقاصد الحسنة" (صفحہ:۱۵) میں کہا ہے:" لا أعرفه" (میں اس کو نہیں جانتا) یعنی حدیث ہونے کی حیثیت سے۔

حافظ سخاوی کی اس بات کو ملا علی قاری نے بھی "الموضوعات" (حدیث:۵، الأسرار المرفوعه) میں اور شوکانی نے "الفوائد المجموعة" (حدیث:۹۵۷) میں نقل کیا ہے۔ حافظ سخاوی نے اپنے مذکورہ کلام کے بعد یہ بھی کہا ہے:ولكن قد قال الله تعالىٰ ﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْراً ﴾ (النساء:۸۲) لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اگر ہوتا (یعنی قرآن) اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے تو لوگ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

فإن كل مصنف مع التؤدة والتأنی' و إمعان النظر، وطول الفكر قلّ أن ينفك عن شيء من ذلك"۔

''ہم زبان کی لغزش اور بھول چوک سے اللہ سبحانہ سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ ہر مصنف اچھی طرح غور و فکر کرنے کے باوجود ان چیزوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔''

اور کسی شاعر نے کہا ہے:

کم من کتاب قد تصفّحته
و قلت في نفسي أصلحته
حتی إذا طالعته ثانیًا
وجدت تصحيفًا فصححته [1]

''کتنی ایسی کتب ہیں جن کو تأمل اور غور سے دیکھا اور اپنے جی میں کہا کہ میں نے ان کی اصلاح کر دی ہے مگر جب دوبارہ ان کو پڑھا تو غلطی پائی اور اس کی تصحیح کی۔''

آپ کے علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

" و لا غرو فإنّ النسيان من خصائص الإنسانية، والخطأ، والزلل من شعائر الآدمية" ۔

''تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نسیان انسانیت کے خصائص میں سے، خطاً اور لغزش آدمیت کی علامات میں سے ہے۔''

آگے چل کر لکھتے ہیں:

" و یأبی الله العصمة لكتاب غير كتابه، والمنصف من اغتفر قليل خطأ المرء في كثير من صوابه"۔

''اللہ صرف اپنی کتاب کے لیے عصمت چاہتا ہے اور منصف وہ ہے جو آدمی کی کثرتِ صواب کے مقابلے میں اس کی تھوڑی اغلاط سے صرف نظر کرے۔'' ملاحظہ ہو: دُرّ مختار (۱/۲۱، ۲۷۔ حاشیہ ابن عابدین)۔

شیخ محمد عوامہ حنفی ''نصب الرایہ'' پر اپنے استدراکات یا دوسرے لفظوں میں حافظ زیلعی کے اَوہام ذکر کرنے سے قبل لکھتے ہیں:

" و أحبّ أن أقول قبل الدخول في البحث: إن الجهد البشری مهما تسامی لا يخلو

[1] المقاصد الحسنة (صفحہ: ۱۵)۔

من ضعف، ولا يسلم إحكام الناس لعملهم مهما أتقن من خلل...... و لم يتكفل الله۔ تعالیٰ۔ بعصمة أحد من الخطأ، و الزّلل إلا ما سبق منه ۔ تعالیٰ۔ لأنبيائه، و رسله عليهم الصلاة والسلام" دراسة حديثية مقارنة لنصب الرايه و فتح القدير و منية الألمعي (صفحه: ۲۰۰)۔

''بحث میں داخل ہونے سے پہلے ایک بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ انسانی کوشش جس قدر بھی بلند ہو وہ کمزوری سے خالی نہیں ہوتی اور لوگ اپنے کام کو جس قدر بھی خوبصورتی سے انجام دیں وہ خلل سے محفوظ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل علیہم السلام کے علاوہ کسی کے لیے بھی خطأ اور لغزش سے عصمت کی ضمانت نہیں لی۔''

اور ''فتح القدیر'' پر اپنے استدراکات ذکر کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

" قلت في مطلع حديثي عن ما يُستَدرَك على "نصب الرايه" إن الجهد البشري لا يخلو من ضعف، و خلل مهما أتقن و أحكم، و إن هذه الاستدراكات على هولاء الأئمة إنما هي علامة على بشريتهم، و على عمومية فضل الله تعالىٰ و عدم انحصاره في أزمان و أشخاص ......" (صفحه: ۲۷۷)۔

''میں نے ''نصب الرایہ'' پر استدراکات کے بارے میں اپنے کلام کے شروع میں کہا تھا کہ انسانی عمل کو جس قدر بھی خوبصورت اور عمدہ انداز سے انجام دیا جائے وہ کمزوری اور خلل سے پاک نہیں ہوتا۔

ان ائمہ پر یہ استدراکات ان کی بشریت پر اور اس بات پر علامت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل مخصوص زمانوں اور مخصوص افراد پر منحصر نہیں ہے۔''

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ انسان سے غلطی اور وہم کا ہو جانا اس کا فطری تقاضا ہے جس سے کوئی بشر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا خواہ وہ کس قدر بھی بڑا عالم و فاضل ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا کسی عالم کی أغلاط اور اوہام کو لے کر اچھالنا اس کا سبب یا تو نادانی یا پھر عناد، بغض، حسد اور عداوت ہی ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ از راہ نصیحت کسی عالم کے اوہام یا اغلاط کو بیان کرنا بعض دفعہ نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ دین کی خاطر واجب بھی ہوتا ہے جب کہ مقصد نصیحت ہو اس پر کیچڑ اچھالنا مقصود نہ ہو۔

مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے چند مولویوں نے کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' میں مؤلف رحمہ اللہ سے جو اُوھام ہوئے ہیں ان کو لے کر بڑا عجیب رنگ دیا اور ''غیر مقلد بنام غیر مقلد''

کتاب لکھ ماری اور ایک دوسرے مولوی نے ''حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوۃ الرسول کے بارے میں'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا۔

اور صوفی مفتی بشیر احمد عطار نے ''غیر مقلد کے مقدمہ میں لکھ دیا کہ "الدين النصيحة"(الحدیث) کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔(صفحہ:۸)۔

صوفی ومفتی صاحب کیا نصیحت کے لیے جھوٹ اور افتراء بھی کیا جاتا ہے اور بدزبانی سے بھی کام لیا جاتا ہے اور جسے نصیحت کی جارہی ہو اسے بدعقل بیوقوف اور جانوروں سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے شاید آپ لوگوں کی لغت میں نصیحت کے یہی معنے ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب'' صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کی تخریج اور تعلیق میں جب ان اوھام کی نشاندہی کردی گئی تو پھر آپ لوگوں کو اس نصیحت کی کیا ضرورت پیش آئی تھی دراصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں جو بغض، تعصب اور کدورت تھی اسے اگلا گیا ہے﴿يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ﴾ [1]

ان لوگوں نے کتاب'' صلوٰۃ الرسول ﷺ'' میں واقع جن اُوھام کو لے کر اس کتاب پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

1. موصول روایت کو مرسل اور مرسل کو موصول بیان کیا گیا ہے۔(غیر مقلد (صفحہ:۷،۱۳،۵۳)۔
2. اُحادیث کی نسبت میں اُوھام یعنی حدیث کسی کتاب کے اندر ہے اور اسے منسوب کسی دوسری کتاب کی طرف کیا گیا ہے۔(صفحہ:۷۰،۵۳)۔
3. دومختلف حدیثوں کو ایک حدیث اور ایک کو دومختلف حدیثیں ظاہر کیا گیا ہے۔(صفحہ:۷،۵۳،۹۰)۔
4. حدیث کے ترجمے اور اختصار میں تساہل۔(صفحہ:۷)۔
5. تابعی کا نام ذکر کر کے صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کا مغالطہ دینا۔(صفحہ:۱۳)۔
6. بعض اُحادیث کی تخریج میں کوتاہی۔(صفحہ:۷)۔
7. ضعیف اُحادیث کے نقل کرنے کے بعد ان کا ضعف بیان نہیں کیا گیا۔(صفحہ:۷)۔

یہ وہ اوہام ہیں جن کی بناء پر ان لوگوں نے کتاب''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے جب کہ یہ کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ جیسا کہ ہم نے تمہید میں ذکر کیا ہاں اس قسم کے اوہام قابل اعتراض تب ہوتے ہیں جب کہ وہ کثرت سے پائے جائیں کیونکہ اس صورت میں مؤلفِ کتاب ناقابل اعتماد ٹھہرتا ہے اسی لیے وہ راوی

---

[1] ﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾۔

جس سے کثرت سے أغلاط سرزد ہوں محدثین اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے مگر وہ راوی جس سے کبھی کبھار غلطی ہو وہ قابل حجت ہوتا ہے اور کتاب ''صلوۃ الرسول ﷺ'' کے اوہام اتنے زیادہ نہیں ہیں کہ مؤلف کو طعن کا نشانہ بنایا جائے۔

آیئے اب ہم یہی اوہام جن کا ذکر ہوا ان کی بڑی معتبر کتب سے ان کے سامنے رکھتے ہیں:

''ہدایہ'' جسے ''کالقرآن'' کہا گیا اور جو فقہ حنفی کی چوٹی کی کتب میں سے ہے، اس کی طرف آتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بعض دیگر معتبر حنفی کتب کے أوھام پر بھی تنبیہ ہوگی اور یہ واضح رہے کہ ان اوہام کے ذکر کرنے سے ان کی کتب پر طعن مقصود نہیں بلکہ ان نادانوں کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ علماء سے اس قسم کے أوہام ہو ہی جاتے ہیں لیکن ان اوہام کے ذکر کے بعد چند ان چیزوں کا ذکر بھی کیا جائے گا جو ان کی کتب میں حدیث کے حوالے سے قابل اعتراض ہیں جس کی محض وجہ ان لوگوں کی نازیبا باتیں اور خیانتیں ہیں:

ا۔ موصول روایت کو مرسل اور مرسل کو موصول ذکر کرنا:

أ۔ موصول کو مرسل:

صاحب ''ہدایہ'' نے کتاب الأذان (۱/۲۵۴۔ فتح القدیر) میں کہا ہے: "لقوله۔ عليه الصلاة والسلم۔ لا بني أبي مليكة۔ رضى الله عنهما۔ " إذا سافرتما فأذّنا و أقيما" [1]

''صاحب ''ہدایہ'' کو یہاں دو وہم ہوئے ہیں:

1. اس حدیث کے راوی ابنا أبي ملیکۃ نہیں ہیں بلکہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں۔''
2. ابنا أبي ملیکہ یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اسی لیے علامہ ابن ابی العزّ الحنفی لکھتے ہیں:

" و قد اشتبه على المصنف اسم من قال له النبي۔ ﷺ۔: أذّنا فأقيما......الحديث" فنسبه إلى ابني أبي مليكة، و ابنا أبي مليكة تابعيان: أحدهما: عبد الله بن عبيد الله بن أبي مليكة القرشي، مشهور...... و أخوه أبوبكر" (التنبيه على مشكلات الهداية: (۱/۵۰۳۔۵۰۴).

''مصنف کو اس صحابی کے نام کے بارے میں جس سے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا "أذّنا و أقيما" اشتباہ ہو گیا ہے چنانچہ انھوں نے اس حدیث کو ابنی ابی ملیکۃ (ابو ملیکہ کے دو بیٹوں) کی طرف منسوب کر دیا ہے اور أبو ملیکہ کے دونوں بیٹے تابعی ہیں:

ان دونوں میں سے ایک عبداللہ بن عبید اللہ بن أبي ملیکہ قرشی ہے جو مشہور ہے اور دوسرا ان کا بھائی أبوبکر ہے۔''

---

[1] اس حدیث کو بخاری (۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۵۸، ۶۸۵، ۸۱۹) کتاب الأذان، اور مسلم (۶۷۴) نے کتاب المساجد میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور اس سے پہلے صاحب "ہدایہ" نے یہ کہا ہے:

" إنّما قال النبي ـصلى الله عليه وسلمـ ذلك لمالك بن الحويرث و لا بن عم له، أو صاحب له." (١/٥٠٢).

"رسول اللہ ﷺ نے یہ مالک بن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی یا ان کے ساتھی سے یہ فرمایا تھا۔"

حافظ زیلعی نے بڑے سخت الفاظ سے صاحب "ہدایہ" کا اس پر تعاقب کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

" و قول المصنف فيه: لابني أبي مليكة" غلط، و صوابه : مالك بن الحويرث، وصاحب له، أو وابن عم له، أو وابن عمر على الروايات الثلاث".

(نصب الرايه(١/٢٩٠).

"اس حدیث میں مصنف کا "ابنا ابی ملیکہ" کہنا غلط ہے درست مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی یا ان کے چچازاد بھائی یا ابن عمر ہے جیسا کہ تین مختلف روایات میں ہے۔"

اسی طرح امام ابن ہمام نے بھی صاحب "ہدایہ" کا تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے:

" قوله: لابني أبي مليكة" الصواب مالك بن الحويرث، و ابن عمّ له". (فتح القدير: ١/٢٥٤).

"ان کا ابنا ابی ملیکہ کہنا (غلط ہے)، جب کہ درست مالک بن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی ہے۔"

اور بابرتی نے "العناية شرح الهدايه" (۱/۳۵۴ـ حاشیہ فتح القدیر) میں لکھا ہے:

" قال في النهاية: ذكر هذا الحديث في المبسوط بخطاب غيرهما، وقال :روي عن النبي ـﷺـ أنه قال لمالك بن الحويرث و ابن عمه له......" .

"صاحب "نہایہ" نے کہا ہے کہ صاحب "مبسوط" نے اس حدیث کو (ابنا أبی ملیکہ سے خطاب کی بجائے) دوسروں کے خطاب سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے مالک بن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی سے کہا۔" یعنی یہ بات آپ ﷺ نے مالک بن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی سے کہی نہ کہ ابوملیکہ کے دو بیٹوں سے۔"

تنبیہ= علامہ مرغینانی صاحب "ہدایہ" کے أوہام ملاحظہ کرنے کے بعد اسی حدیث سے متعلق حافظ زیلعی کے اوہام بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

① زیلعی کا یہ کہنا: "و صاحب له، أو و ابن عم، أو وابن عمر على الروايات الثلاث" محل نظر ہے

کیونکہ اس حدیث کی دو ہی روایتیں ہیں۔

ایک روایت میں ''وصاحب لی'' ہےاور دوسری روایت میں ''وصاحب لی'' کی بجائے ''وابن عمّ لی'' ہے۔ ①

اور تیسری روایت ''و ابن عمر'' والی جس کی طرف حافظ زیلعی نے اشارہ کیا ہے انھوں نے اس کو نسائی کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

" عن مالك بن الحويرث قال: أتيت النبي-صلى الله عليه وسلم- أنا، و صاحب لی،

وفي رواية: و ابن عم لي و في رواية للنسائي: و ابن عمر"(نصب الراية:۱/ ۲۹۰) ۔

''جب کہ نسائی کی کسی روایت میں ''وابن عمر'' نہیں امام نسائی نے اس حدیث کو''سنن صغریٰ'' میں دوجگہ اور ''سنن کبریٰ'' میں تین جگہ روایت کیا ہے۔

سنن صغریٰ (۲/ ۲۱) ''الأذان'' اور کبریٰ (۱/ ۵۰۸/ ۱۶۳۳) میں" و صاحب لي" ہے اور صغریٰ (۲/ ۷۷) "الإمامة" میں:" و ابن عم لي" ہے اور کبریٰ میں دو مقامات پر یوں ہے:" انا و ابن عم لي " و قال مرة: "أنا وصاحب لي" ہے۔ ملاحظہ ہو (۱/ ۲۸۰، ۲۸۹/ حدیث: ۸۵۶، ۱۵۹۸)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نسائی کے ہاں دوسری کتب کی طرح دو ہی روایتیں ہیں تیسری روایت نہیں ہے شاید جلدی کی وجہ سے حافظ زیلعی نے "وابن عم" کو "و ابن عمر" پڑھ لیا ہو۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' (۲/ ۱۲) میں لکھا ہے:

" و لم أر في شيء من طرقه تسمية صاحبه"

''مجھے اس حدیث کے کسی طریق میں بھی مالک بن حویرث کے ساتھی کا نام نہیں ملا۔''

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نسائی کے ہاں ''وابن عمر'' نہیں کیونکہ ان کے ہاں اگر ایسے ہوتا تو حافظ ابن حجر پر غالباً یہ مخفی نہ رہتا۔

اور ''درایہ'' (۱/ ۱۲۱/ ۱۲۵) میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے:

"قال ذلك لمالك بن الحويرث، وابن عمه"

''آپ ﷺ نے یہ مالک بن حویرث اور ان کے چچازاد بھائی سے کہا۔''

---

① پہلی روایت ''وصاحب لي'' بخاری (۲۸۴۸) کتاب الجهاد، مسلم (۶۷۴/ ۲۹۳)، أبوداؤد (۵۸۹) اور ابن ماجہ (۹۷۹) میں ہے اور دوسری روایت " و ابن عم لي " ترمذی (۲۰۵) میں ہے اور نسائی کے ہاں یہ دونوں روایتیں ہی ہیں جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

''درایہ'' کا أصل ''نصب الرایہ'' ہے لیکن حافظ ابن حجر نے ''وابن عمر'' کا ذکر نہیں کیا جس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ زیلعی کی ذکر کردہ اس تیسری روایت کے موافق نہیں۔

نصب الرایہ کے محشي مولانا عبدالعزیز دیوبندی پنجابی نے لکھا ہے:

" لم أقف عليه في النسائي۔ والله أعلم......"

''یہ روایت مجھے نسائی میں نہیں ملی۔'' واللہ اعلم

② حافظ زیلعی نے مرغینانی کے وہم پر تنبیہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

" و ذكره في "كتاب الصرف" على الصواب، فقال في "مسألة السيف المحلى" لأن الاثنين قد يراد بهما الواحد، قال الله تعالىٰ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (الرحمن:٢٢) والمراد أحدهما، و قال ـعليه السلام۔ لمالك بن الحويرث وابن عمر: " إذا سافرتما فأذّنا و أقيما" والمراد أحدهما،انتهى لفظه" (نصب الرايه:١/٢٩٠).

''مصنف نے ''کتاب الصرف'' میں اس حدیث کو صحیح طور پر ذکر کیا ہے چنانچہ انھوں نے ''سیف محلی'' (وہ تلوار جسے سونے یا چاندی سے مزین کیا گیا ہو) کے مسئلے میں کہا ہے کیونکہ دو سے مراد ایک بھی لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ اور مراد دونوں میں سے ایک سمندر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مالک بن حویرث اور ابن عمر سے فرمایا: ''جب تم دونوں سفر میں ہو تو اذان دو اور اقامت کہو، اور مراد دونوں میں سے ایک ہیں۔''

اس کے بعد علامہ زیلعی نے ''کتاب الصرف'' میں جا کر اس میں مذکورہ أحادیث کی تخریج کرتے ہوئے آخری حدیث کو اس طرح ذکر کیا ہے:

" الحديث الرابع: قال ـعليه السلام۔: لمالك بن الحويرث، وابن عمر:"فإذا سافرتما فأذنا و أقيما۔"

قلت: أخرجه الأئمة الستّة في كتبهم مطولًا، ومختصراً عن مالك بن الحويرث قال: أتيت النبي۔صلى الله عليه وسلم۔ أنا وصاحب لي، و في رواية: "وابن عمّ لي"، و في رواية للنسائي : وابن عمر......والمصنف ذكر الحديث على الصواب، ووهم فيه في "باب الأذان" فقال لقوله۔عليه السلام۔ لابني أبي مليكة: "إذا سافرتما" الحديث، و قد بيّناه هناك"(نصب الرايه:٤/٥٧).

''یہاں بھی حافظ زیلعی نے صاحب ''ہدایہ'' کے حوالے سے حدیث کو ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مالک بن حویرث اور ابن عمر سے کہا اس کے بعد حدیث کو ذکر کیا اور اس کی تخریج کی اور کہا کہ مصنف نے حدیث کو صحیح طور پر ذکر کیا ہے اور ''باب الأذان'' میں اس کے بارے میں ان کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابنا ابی ملیکہ سے کہا اور اس وہم کو ہم نے وہاں بیان کیا ہے۔''

تنبیہ= حافظ زیلعی نے یہاں بھی صاحب ''ہدایہ'' کے حوالے سے اور نسائی کی روایت کے حوالے سے ''ابن عمر'' ہی ذکر کیا ہے جب کہ یہ ان کا وہم ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔

حافظ زیلعی کی طرح امام ابن ہمام نے بھی '' کتاب الأذان'' میں کہا ہے:

"و قد ذكره المصنف فى الصرف على الصواب" (فتح القدير: ۱/۲۵۴).

''مصنف نے ''کتاب الصرف'' میں اس حدیث کو صحیح طور پر ذکر کیا ہے۔''

اور ''کتاب الصرف'' میں امام ابن ہمام نے ''ہدایہ'' سے نقل کرتے ہوئے اس حدیث کو یوں ذکر کیا ہے:

" (و قال ﷺ في) قصة (مالك بن الحويرث و ابن عم له: " إذا سافرتما فأذنا فأقيما" و إنما أراد أن يؤذن أحدهما۔) (فتح القدير: ۷/۱۴۲).

جب کہ ''ہدایہ'' کتاب الصرف میں یہ حدیث نہیں ہے اسی لیے محقق ''نصب الرایہ'' نے کتاب ''الأذان'' میں کہا ہے:

"فإن الحديث ليس له فى " كتاب الصرف" أثر، و لا أثارة" والله أعلم۔

''اس حدیث کا کتاب الصرف میں نام ونشان بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔''

اور ''نصب الرایہ'' کے دوسرے محشی مولانا محمد یوسف کیمل پوری نے ''کتاب الصرف'' میں یہ کہنے پر اکتفاء کیا ہے:

" قد مرّ تخريجه في "أحاديث الأذان"۔

''أحاديث الأذان'' میں اس کی تخریج گزر چکی ہے۔''

مذکورہ بالا سطور لکھنے کے ایک سال سے زائد عرصہ بعد مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کی ''درایت محمدی'' دیکھنے کا اتفاق ہوا اس میں مولانا، زیلعی اور ابن ہمام نے اس حدیث کو: کتاب الصرف'' کی طرف جو منسوب کیا ہے اس کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''لیکن جو نسخہ ''ہدایہ'' کا میرے ہاتھوں میں ہے۔ مطبوعہ فاروقی۔ اس میں ''کتاب الصرف'' میں یہ عبارت نہیں اگر در اصل نہ ہو'' ملاحظہ ہو (صفحہ: ۲۲۔۲۳)۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہے حدیث مالک بن حویرث کے بارے میں دو وہم صاحب ''ہدایہ'' اور دو ہی وہم حافظ

زیلعی کو ہوئے ہیں اور ایک وہم ابن ہمام کو ہوا ہے، صاحب "ہدایہ" کے وہم یہ ہیں:

① انھوں نے اس حدیث کو ابنا ابی ملیکہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے جب کہ یہ حدیث مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ہے۔

② ابنا ابی ملیکہ تابعی ہیں چنانچہ یہ حدیث موصول کی بجائے مرسل ہوگئی۔

ان کا ایک تیسرا وہم بھی ہے وہ یہ کہ انھوں نے ابنا ملیکہ کو صحابی سمجھا ہے جب کہ یہ دونوں تابعی ہیں۔

اور حافظ زیلعی کے وہم یہ ہیں:

① انھوں نے ذکر کیا ہے کہ نسائی کی روایت میں مالک بن حویرث کے ساتھ "ابن عمرؓ" کا ذکر ہے جب کہ ان کا ذکر نہ تو نسائی کی روایت میں اور نہ ہی کسی دوسری کتاب کی روایت میں ہے۔

② ان کا یہ کہنا کہ مصنف نے اس حدیث کو "کتاب الصرف" میں صحیح طور پر ذکر کیا ہے درست نہیں کیونکہ "کتاب الصرف" میں اس کا ذکر تک نہیں۔

اور امام ابن ہمام کا وہم یہ ہے کہ انھوں نے بھی حافظ زیلعی کی طرح کہا ہے کہ مصنف نے اس حدیث کو "کتاب الصرف" میں صحیح طور پر ذکر کیا ہے غالباً انھوں نے یہ بات علامہ زیلعی کی اتباع میں کہی ہے۔

ب۔ مرسل روایت کو موصول ذکر کرنا۔

امام ابن ہمام نے "فتح القدیر" (۲/۴۷۶) میں ایک حدیث یوں ذکر کی ہے:

" وفي موطأ مالك عن طلحة بن عبيد الله أن رسول الله ـﷺـ قال: ما رُئي الشيطان يومًا أصغر، و لا أدحر، و لا أغيظ منه في يوم عرفة" إلى آخر الحديث۔

اب سنیے اس حدیث کے بارے میں شیخ محمد عوامہ حنفی کیا لکھتے ہیں:

" والذي يسبق إلى الذهن من قوله: " طلحه بن عبيد الله ، أنه الصحابي المشهور المشهود له بالجنة رضى الله عنه۔

مع أنّه هنا: طلحة بن عبيد الله بن كَرِيز أحد التابعين، فحديثه مرسل لا مسند۔

و لعل هذا "ايهام" ناشئ من قصور العبارة لا "وهم" والله أعلم۔

(دراسة حديثيّة مقارنة (صفحه: ٢٧٩).

"ابن ہمام کے قول "طلحه بن عبيد الله " سے جو متبادر إلی الذھن چیز آتی ہے وہ یہ کہ یہ طلحہ بن عبید اللہ مشہور صحابی جنھیں جنت کی بشارت دی گئی وہ ہیں جب کہ یہاں طلحہ بن عبید اللہ بن کریز (جو تابعین میں

سے ہیں) وہ ہیں چنانچہ ان کی یہ حدیث مرسل ہے موصول نہیں۔''

شاید یہاں جو وہم ہو رہا ہے اس کا سبب عبارت میں قصور ہو نہ کہ حقیقت میں وہم، واللہ أعلم۔

قلت: موطأ (۲۵۴/۴۲۲/۱۰) میں اسی طرح ''تمہید'' (۱۱۵/۱) اور ''تجريد التمهيد'' (ص:۱۱۲) میں بھی ''طلحہ بن عبید اللہ بن کریز'' ہے ابن ہمام اگر پورا نام ذکر کر دیتے تو پھر یہ وہم نہ ہوتا۔

اس کے بعد اب علامہ مرغینانی کا بھی ایک صحابی راوی کے بارے میں اسی قسم کا وہم ملاحظہ کر لیجیے۔

مرغینانی نے کتاب ''الحج'' باب ''الإحرام'' میں کہا ہے:

'' حتى روي في حديث ابن عباس ـ رضي الله عنهما ـ فاستجيب له دعاؤ ه لأمته حتى الدماء والمظالم'' [1] (فتح القدير. ۴۸۲/۲)۔

ان کے ''في حديث ابن عباس'' کہنے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جب کہ یہ ان کی حدیث میں نہیں بلکہ یہ کنانہ کی اپنے بیٹے عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے اسی لیے علامہ زیلعی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

''هذا وهم، و إنّما روي هذا في حديث ابن عباس بن مرداس۔'' [2]

''یہ وہم ہے کیونکہ یہ ابن عباس بن مرداس کی حدیث میں ہے۔''

اسی طرح حافظ عبد القادر قرشی نے ''الجواهر المضية'' میں ان کا تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے:

'' إذا أطلق ابن عباس لا يراد به إلا عبد الله بن عباس الصحابي''۔

''جب مطلق طور پر ابن عباس کہا جائے تو اس سے مراد صحابی عبد اللہ بن عباس ہی ہوتے ہیں۔''

اس کے بعد مرغینانی کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''فهذا الإطلاق ليس بجيّد، فإنه ليس بابن عباس الصحابي، وإنّما هو كنانة بن عباس بن مرداس......'' (دراسة حديثيه مقارنه بصفحه:۱۹۸)۔

''یعنی اس طرح سے مطلق طور پر ابن عباس کہہ دینا اچھا نہیں کیونکہ یہ ابن عباس صحابی نہیں بلکہ یہ کنانہ بن

---

[1] یہ ایک طویل حدیث ہے جسے ابن ماجہ (۳۰۱۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے تفصیل کے لیے نصب الرایہ (۶۴/۳-۶۵) اور ''درایہ'' (۲۱/۲) دیکھیں۔

[2] نصب الرایہ کے مطبوع نسخے میں ایسے ہی ہے اصل میں شاید ''ابن عباس'' کی بجائے صرف ''عباس'' ہو، عنقریب آنے والے حافظ زیلعی کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عباس بن مرداس ہیں'' اور یہ کنانہ تابعی ہیں۔

بعض علماء نے صاحب ''ہدایہ'' کی طرف سے معذرت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کی ''ابن عباس'' سے مراد ''کنانہ بن عباس بن مرداس'' ہے۔

حافظ زیلعی نے یہ معذرت کرنے والے کو جاہل کے نام سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دو وجوہ کی بناء پر خطأ ہے۔

"أحدهما: أن ابن عباس إذا أطلق، فلا يراد به إلا عبد الله بن عباس، فلو أراد كنانة لقيّده۔

الثاني: أن المصنف ليس من عادته أن يذكر التابعي دون الصحابي عند ذكر الحديث، و لا يليق به ذلك۔ والله أعلم۔"

''پہلی وجہ یہ ہے کہ جب مطلق طور پر ابن عباس کہا جائے تو اس سے مراد عبداللہ بن عباس ہوتے ہیں پس مصنف کی مراد اگر کنانہ بن عباس ہوتے تو وہ اسے مقید ذکر کرتے یعنی کنانہ بن عباس کہتے۔''

دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنف کی عادت نہیں کہ وہ حدیث کو ذکر کرتے وقت صحابی کو چھوڑ کر تابعی کا ذکر کریں۔ [1] اور نہ ہی یہ ان کے لائق ہے۔ واللہ اعلم''

اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

" و أمّا ما أشار إليه من حديث ابن عباس فوهم، وإنما هو في حديث عباس بن مرداس المذكور قريباً، و اعتذر بعضهم بأن المصنف أراد بقوله ابن عباس: كنانه بن عباس، و هو خطأ من أوجه" (الدراية:۲/۲۳)۔

''مصنف نے جس حدیثِ ابن عباس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ وہم ہے کیونکہ یہ عباس بن مرداس کی عنقریب گزرنے والی حدیث میں ہے، اور بعض نے مصنف کی طرف سے یہ عذر پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کی مراد ''ابن عباس'' سے ''کنانہ بن عباس'' ہے اور یہ کئی اعتبار سے غلط ہے۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ حدیث، عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر مرغینانی نے وہم کی بناء پر اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کردیا ہے۔

اس قسم کے مرغینانی کے دیگر اوہام بھی ہیں چنانچہ ایک مثال اور ملاحظہ کیجیے۔

انھوں نے ایک حدیث، ابوذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کی ہے اور لکھا ہے:

---

[1] یہ حدیث عباس بن مرداس سے مروی ہے اور ان سے اس کو ان کے بیٹے، کنانہ بن عباس'' نے روایت کیا ہے اسی لیے حافظ زیلعی یہ بات کہہ رہے ہیں۔

" لقول أبی ذر ـرضی الله عنه۔ نهانی خلیلی عن ثلاث: أن أنقر نقر الدیك"
الحدیث۔(۱/۰ ۲۱ .فتح القدیر).
اس حدیث کے بارے میں حافظ زیلعی نے کہا ہے:
"قلت: غریب من حدیث أبي ذر، و أخرجه أحمد فی مسنده عن أبی هریرة" إلی آخره۔ (نصب الرایه(۹۲/۲).
''میں کہتا ہوں کہ ابوذر کے حوالے سے یہ حدیث غریب ہے، احمد نے اس کو اپنی ''مسند'' میں اُبوہریرہ سے روایت کیا ہے۔''
اور حافظ زیلعی لفظ''غریب'' اس حدیث کے بارے میں بولتے ہیں جو انھیں نہ ملے یا جس طرح سے مؤلف نے اس کو ذکر کیا ہو اس طرح سے نہ ملے [1] جیسا کہ یہ حدیث ہے کہ صاحب ''ہدایہ'' نے اس کو ابوذر کے حوالے سے ذکر کیا ہے مگر زیلعی کو ان کے حوالے سے یہ حدیث نہیں ملی چنانچہ انھوں نے یہ کہہ دیا کہ ابوذر کے حوالے سے یہ حدیث غریب ہے۔
امام ابن ہمام نے بھی اس حدیث کے بارے میں وہی کہا ہے جو حافظ زیلعی نے کہا ہے۔ملاحظہ ہو :"فتح القدیر" ۱/۰ ۱/۰ ۴۱۰).
اور ان کی بھی اس لفظ سے مراد وہی ہوتی ہے جو حافظ زیلعی کی ہوتی ہے۔ [2] اور حافظ ابن حجر نے "درایہ" (۱۸۴/۱) میں کہا ہے:
" لم أجد من حدیث أبي ذر، و إنّما عند أحمد عن أبی هریرة......"
''مجھے یہ حدیث ابوذر کے حوالے سے نہیں ملی، اور اُحمد کے ہاں یہ ابوہریرہ کی حدیث ہے۔''
محقق ''نصب الرایہ'' مولوی عبدالعزیز دیوبندی پنجابی نے حاشیہ میں حافظ ابن حجر کے کلام کو ہی نقل کیا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو :دراسة حدیثیة مقارنة لمحمد عوامه (صفحه:١٦٠) و منیة الألمعی للحافظ قاسم بن قطلوبغا (صفحه:٣٥٩ـ٣٦٠)۔
اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ زیلعی نے حدیث:ألامن أکل فلا یأکل بقیة یومه......" کے بارے میں کہا ہے:" قلت: حدیث غریب ، و ذکره ابن الجوزی في "التحقیق" و قال : إن هذا حدیث لا یعرف". (نصب الرایه: ٤٣٥/٢) ''میں کہتا ہوں یہ حدیث غریب ہے اسے ابن جوزی نے ''تحقیق'' میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غیر معروف ہے۔''
[2] ملاحظہ ہو:''دراسة حدیثیة مقارنة:(صفحه: ١٦٠، ٢٤٥)۔

اس کے علاوہ اور أحادیث بھی اس قسم کی ہیں جن کی تعداد بارہ ہے جیسا شیخ محمد عوامہ حنفی نے کہا ہے ملاحظہ ہو: حاشیہ دراسة حديثية مقارنة: صفحہ:۱۶۱)۔

مگر تتبع کیا جائے تو اس قسم کی اور احادیث بھی مل سکتی ہیں۔

۲۔احادیث کی نسبت کرنے میں اَوہام

یعنی حدیث کسی کتاب کی ہے مگر اسے کسی اور کتاب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یہ اوہام صرف کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' ہی کے نہیں بلکہ آپ کے بڑے بڑے علماء سے بھی یہی اوہام ہوئے ہیں مثال کے طور پر یہاں چند اوہام کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ مثالیں آپ ہی کے علماء کی زبان سے ہیں:

(۱) علاء الدین علی بن عثمان ماردینی معروف ''ابن ترکمانی'' (متوفی:۷۴۵ھ) صاحب "الجوهر النقی" یہ حافظ زیلعی حنفی صاحب "نصب الرايه" کے استاد ہیں انھوں نے بھی "هدايه" کی تخریج کی ہے جس کا نام ہے: ''الكفاية في معرفة أحاديث الهداية" اور ان کی اس تخریج میں کئی اوہام واقع ہوئے ہیں جن کا ذکر حافظ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں مختلف مقامات پر کیا ہے اب چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

① حدیثِ حذیفہ رضی اللہ عنہ۔"أتى النبي۔ﷺ سباطة قوم فبال قائمًا ، ثم دعا بماء فجئته بماء فتوضأ" بخاری(٢٢٤) كتاب الوضوء"۔

''نبی ﷺ ایک قوم کے کوڑا خانہ کے پاس آئے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ [1] پھر پانی طلب کیا میں آپ کے پاس پانی لے کر آیا تو آپ نے وضوء کیا۔''

صحیح مسلم میں اس حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے:"فمسح على خفيه" "آپ نے اپنے موزوں پر مسح کیا۔" (مسلم بحدیث:۲۷۳).

اور ابن ترکمانی نے اس طرح سے پوری حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے حافظ زیلعی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ووقع لشيخنا العلامة علاء الدين في هذا الحديث وهم من وجهين: أحدهما: أنه قال في حديث حذيفة بعد أن حكاه بلفظ البخارى، و زيادة مسلم: أخرجاه، و قد بيّنا أن مسلمًا انفرد فيه بالمسح على الخفين......"(نصب الرايه:۱/۲) ۔

''ہمارے شیخ علامہ علاء الدین کو اس حدیث میں دو طرح سے وہم ہوا ہے ایک اس طرح سے کہ انھوں نے

---

① اس حدیث کے بارے میں مرغینانی اور سروجی کو بھی وہم ہوا ہے جیسا کہ (صفحہ:۲۳۴۔۲۳۵) میں تفصیل آ رہی ہے۔

اس حدیث کو بخاری کے لفظ اور مسلم کے اضافے کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اور ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ مسح کا ذکر کرنے میں مسلم متفرد ہیں۔'' [1]

(۲) نبیذ سے وضوء کرنے والی حدیثِ ابن مسعود کو أبوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جب کہ ابن ترکمانی نے اس کو ''سنن أربعۃ'' کی طرف منسوب کیا ہے حافظ زیلعی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ووهم شيخنا علاء الدين فعزاه للأربعة، والنسائي لم يروه أصلاً، والله أعلم"

(نصب الرایہ:۱/۱۳۸)۔

''ہمارے شیخ علاء الدین کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے اس کو ''سنن اربعہ'' کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ نسائی نے اس کو سرے سے روایت ہی نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔''

(۳) استحاضہ [2] والی حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں ہے کہ آپ نے فاطمہ بنت أبی حبیش سے فرمایا تھا:

"ثم اغتسلي، ثم توضَّئُ لكل صلاة وصلّي"

ان الفاظ سے اس کو أبوداود (۲۹۸) نے روایت کیا ہے اور یہ دوسرے سیاق و الفاظ سے بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی وغیرہ میں بھی ہے اس کی مفصل تخریج میں نے "روضة الناظر" لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ابن ماجہ (۶۲۴) کے ہاں یہ اضافہ بھی ہے:" و إن قطر الدم على الحصير" یعنی جب حیض سے پاک ہو جاؤ غسل کرو، ہر نماز کے لیے وضوء کرو اور نماز پڑھو اگر چہ خون چٹائی پر ہی کیوں نہ گر رہا ہو یعنی استحاضہ کا خون جس قدر بھی زیادہ ہو نماز پڑھنا ہوگی۔

ابن ترکمانی نے اس اضافے کے ساتھ اس حدیث کو أبوداود کی طرف منسوب کیا ہے اس پر زیلعی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ووهم شيخنا علاء الدين في عزوه هذا الحديث لأبي داؤد مقلّداً لغيره في ذلك، و أبوداؤد۔ و إن كان أخرجه ۔ ولكن لم يقل فيه: " و إن قطر الدم على الحصير" فليس هو حديث الكتاب"۔

''ہمارے شیخ علاء الدین سے دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے اس حدیث کو أبوداود کی طرف منسوب کرنے میں وہم ہوا ہے اس کو اگر چہ ابوداود نے روایت کیا ہے لیکن اس میں انھوں نے ''اگر چہ خون چٹائی پر گر رہا

---

(۱) دوسرے وہم کا ذکر اس کتاب کے (صفحہ:۲۳۶) میں آ رہا ہے۔

(۲) استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو حیض کے خون کے علاوہ کسی بیماری کی وجہ سے آئے اور اس خون میں عورت کو نماز پڑھنا ہوگی۔

ہو" ذکر نہیں کیا لہٰذا یہ حدیث کتاب (ہدایہ) کی حدیث نہیں۔"

④ عبد اللہ بن معقل روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف کی نماز جنازہ پڑھائی اور چھ تکبیریں کہیں پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ یہ بدری صحابی ہیں۔

اس اُثر کو عبد الرزاق (۳/۴۸۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی تفصیلی تخریج کے لیے "القول المقبول" (صفحہ: ۷۱۱) دیکھی جائے۔

ابن ترکمانی نے اس اُثر کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ ترمذی بلکہ دوسری سنن۔ سنن ثلاثہ۔ میں بھی نہیں ہے۔ اسی لیے حافظ زیلعی نے ابن ترکمانی کا ان الفاظ سے تعاقب کیا ہے۔

" ووهم شيخنا علاء الدين مقلّداً لغيره، فعزاه للترمذي"

"ہمارے شیخ علاء الدین کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے دوسروں کی تقلید میں اس کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔"

⑤ عائشہ۔ رضی اللہ عنہا۔ کی تلبیہ سے متعلق حدیث کو بخاری (۱۵۵۰) نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح مسلم میں نہیں جب کہ ابن ترکمانی نے اس کو دونوں۔ بخاری و مسلم۔ کی طرف منسوب کیا اسی لیے حافظ زیلعی رقمطراز ہیں:

" و وهم شيخنا علاء الدين في عزوه للشيخين، فإن مسلماً لم يخرج حديث عائشة أصلاً۔" (نصب الرایہ:۳/۲۴).

"ہمارے شیخ علاء الدین کو اسے بخاری و مسلم کی طرف منسوب کرنے میں وہم ہوا ہے کیونکہ مسلم نے عائشہ کی حدیث کو سرے سے روایت ہی نہیں کیا......"

⑥ حدیث " لا ضرر و لا ضرار......" نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ ہی نقصان پہنچاؤ۔"

یہ حدیث متعدد صحابہ۔ رضی اللہ عنہم۔ سے مروی ہے۔ [1] جن میں اُبو سعید خدری۔ رضی اللہ عنہ۔ بھی ہیں ان کی حدیث کو دار قطنی (۴/ ۲۲۸/ ۸۵) اور حاکم (۲/ ۵۷۔۵۸) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اور ابن ماجہ (۲۳۴۰،۲۳۴۱) میں یہ حدیث عبادہ بن صامت اور عبد اللہ بن عباس۔ رضی اللہ عنہم۔ سے مروی ہے مگر حدیثِ ابو سعید خدری ابن ماجہ میں نہیں جب کہ ابن ترکمانی نے اس کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے اسی لیے زیلعی (۴/۳۸۵) نے لکھا ہے:

" ووهم شيخ علاء الدين مقلداً لغيره فعزاه لابن ماجه من حديث الخدری"۔

---

[1] اور ان مختلف حدیثوں کو ایک دوسرے سے ملا لینے سے یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے تفصیل کے لیے "سلسلة الأحاديث الصحيحة" (حدیث: ۲۵۰) دیکھیں۔

'' ہمارے شیخ علاء الدین کو وہم ہوا ہے کہ انھوں نے دوسروں کی تقلید میں خدری کی حدیث کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔''

ان کے علاوہ اور بھی کئی ایسی اُحادیث ہیں جن میں ابن ترکمانی کو اس قسم کے اوہام ہوئے ہیں اور علامہ زیلعی نے ان پر ان کا تعاقب کیا ہے بلکہ شیخ محمد عوامہ حنفی نے ذکر کیا ہے کہ زیلعی نے اپنے شیخ علاء الدین کا اپنی کتاب میں ساٹھ مرتبہ سے زیادہ ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو: "دراسة حديثية مقارنة" (صفحہ:۱۹۵)۔

ابن ترکمانی کے اوہام کی ایک دو مثالیں آ گے بھی آ رہی ہیں۔

ب: حافظ زیلعی کے اوہام:

ابن ترکمانی کے اوہام اور ان پر زیلعی کا تعاقب مُلاحظہ کر لینے کے بعد اب حافظ زیلعی کے اپنے بعض اوہام بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

① عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتروں کی پہلی رکعت میں سورہ ''الأعلیٰ'' دوسری میں سورہ ''الکافرون'' اور تیسری رکعت میں سورہ ''اخلاص'' اور ''معوّذتین'' پڑھتے۔

اس حدیث کو اُبوداؤد (۱۴۲۴) ترمذی (۴۶۳) اور ابن ماجہ (۱۱۷۳) نے روایت کیا ہے۔ حافظ زیلعی نے اس کی تخریج یوں کی ہے:

"رواه أصحاب السنن الأربعة" **نصب الرايه** (۱۱۹/۲)۔

جب کہ یہ حدیث نسائی میں نہیں ہے اسی لیے علامہ عبدالعزیز پنجابی نے ''نصب الرایہ'' کے حاشیے میں یہ کہا ہے:

"لم أجد في "النسائي" وعزاه المنذري إلى الثلاثة فقط والله أعلم۔"

'' یہ حدیث مجھے نسائی میں نہیں ملی، اور منذری نے اس کو صرف ''سنن ثلاثہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ واللہ اُعلم۔''

منذری کی طرح حافظ مزی نے بھی اس کو سنن ثلاثہ۔ اُبوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: "**مختصر سنن أبي داؤد**" للمنذري (۱۲۵/۲) اور "**تحفة الأشراف**" **للمزی** (۴۷۸/۱۱)۔

② صلح حدیبیہ کے قصے والی طویل حدیث جسے مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم نے بیان کیا ہے اور اس حدیث کو بخاری نے (۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۲۷۳۱، ۲۷۳۲) کتاب الحج، باب "من أشعر و قلّد بذي الحليفة، ثم أحرم" كتاب الشروط باب "الشروط فى الجهاد" میں روایت کیا ہے اور اس کا ابتدائی ایک چھوٹا سا ٹکڑا ابوداؤد نے بھی (۱۷۵۴) کتاب الحج باب "فى الإشعار" میں اور نسائی نے بھی سنن کبریٰ (۵/ حدیث: ۸۵۸۱،

۸۸۴۰،۸۵۸۲) میں اس کے کچھ حصے کو روایت کیا ہے۔

اور حافظ زیلعی نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

" قلت: أخرجه البخاري و مسلم......" (نصب الرايه:۳/۱۲۹)۔

جب کہ یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے اسی لیے حافظ قاسم بن قطلوبغا نے حافظ زیلعی کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے۔

"قلت: لم يخرجه مسلم، وإنّما رواه البخاري، و أبوداؤد والنسائي"

(منية الألمعي،صفحه:۳۹۰)۔

'' میں کہتا ہوں کہ مسلم نے اس حدیث کی تخریج نہیں کی، بلکہ اس کو بخاری أبوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔''

عجیب بات ہے کہ حافظ زیلعی نے چند صفحات پہلے اس حدیث کو صرف بخاری کی طرف منسوب کیا ہے فسبحان من لا یسھو۔ ملاحظہ ہو۔(۳/۱۱۷)۔

تنبیہ = مولوی عبدالعزیز دیوبندی پنجابی نے ''نصب الرایہ'' (۳/۱۲۹) کے حاشیے میں اس حدیث کی تخریج یوں کی ہے:

" عند البخاري في "باب الشروط في الجهاد و المصالحة مع أهل الحرب۔" (۱/۳۷۸)۔

''ان کی اس تخریج پر دو مؤاخذات ہیں:

أ۔ انھوں نے باب کا تو ذکر کیا ہے مگر کتاب کا ذکر نہیں کیا اور باب سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ''کتاب الجہاد'' میں روایت کیا ہوگا جب کہ انھوں نے اسے ''کتاب الشروط'' میں روایت کیا ہے۔

ب۔ حافظ زیلعی نے اس کا جو پہلا ٹکڑا ذکر کیا ہے وہ ''کتاب الشروط'' میں نہیں بلکہ "کتاب الحج" میں ہے لہٰذا اس کی کتاب الحج سے بھی تخریج ہونی چاہیے تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الحج میں اس کا ہونا ان پہ مخفی رہا اسی لیے چند صفحات پہلے حافظ زیلعی نے جب اس ٹکڑے کو ذکر کیا تو وہاں انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

۳ اس تیسری مثال میں حافظ زیلعی کے وہم کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کا دفاع بھی ہے اور یہ مثال ہے حدیث اُمّ ھانی رضی اللہ عنہا کی جو ان الفاظ سے ہے:

" الصائم المتطوع أمير نفسه، إن شاء صام، وإن شاء أفطر" [1]

''نفلی روزے والا خود مختار ہے چاہے تو وہ روزہ مکمل کرلے اگر چاہے تو افطار کردے''

[1] اس کو ترمذی (۷۳۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ ملاحظہ ہو: تحقيق المشكاة ، للألباني (۱/۶۴۲)۔

حافظ زیلعی نے اس کی تخریج یوں کی ہے:

" رواه أبوداؤد والترمذي و النسائی......" (نصب الرایہ:۲/ ۴۶۹) ۔

مولوی عبدالعزیز نے ''نصب الرایہ'' کے حاشیے میں لکھا ہے:

" و لم أجد الحديث في أبي داؤد، و لا في النسائی، والله أعلم"۔

''یہ حدیث مجھے أبوداؤد اور نہ ہی نسائی میں ملی ہے۔''

محمد عوامہ نے ان کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

" قلت: و كذلك لم أجد الحديث فيهما و قد رجعت إلى "ذخائر المواريث" فلم يعزه لغير الترمذي ثم رجعت إلى " المعجم المفهرس" فلم يعزه لغير الترمذي والمسند "دراسة حديثية مقارنه" (۲۱۰)۔

''میں کہتا ہوں کہ مجھے بھی یہ حدیث ان دونوں کتب میں نہیں ملی، میں نے ''ذخائر المواریث'' دیکھی اس میں مؤلف نے اس کو ترمذی ہی کی طرف منسوب کیا ہے پھر "المعجم المفهرس" دیکھی اس میں بھی مؤلف نے اس کو ترمذی اور احمد کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔''

قلت: حافظ زیلعی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد یہ کہا ہے:

" و فی سنده اختلاف ، و فی لفظه اختلاف ، رواه أبوداؤد......"

''اس کی سند اور اس کے لفظ میں بھی اختلاف ہے۔''

اور ابوداؤد نے اس حدیث کو دوسرے لفظ سے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو: حدیث(۲۴۵۶) کتاب الصیام باب "الرخصة فی ذلك"، بعد باب "النيّة في الصيام" اسی طرح ترمذی (حدیث ۷۲۱)۔

رہی ''سنن نسائی'' تو اس میں یہ حدیث نہیں ہے ہاں اس کو نسائی نے ''سنن کبریٰ'' (۲/ ۲۴۹، ۲۵۱) میں روایت کیا ہے لیکن جب مطلق طور پر نسائی بولا جائے تو اس سے ''سنن صغریٰ'' مراد ہوتی ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر حافظ زیلعی سے بھی آگے چلے گئے وہ ''درایہ'' (۱/ ۲۸۴) میں کہتے ہیں:"و في السنن عن أم هانی مرفوعاً "، ''سنن میں اُم ھانی سے مرفوع روایت ہے۔'' انھوں نے اس کے بارے میں "وفی السنن" اس طرح سے مطلق کہہ کہ اس کو ''سنن اُربعہ'' کی طرف منسوب کر دیا۔

انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ج: امام ابن ہمام کے اُوہام:

1. صفحہ (۲۲۵) میں گزرنے والی حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابن ہمام، ابن ماجہ کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں؟

" و أخرجه أبوداؤد، و فی سندیهما حبیب بن أبي ثابت...... و هو في البخاري من حدیث أبي معاویة عن هشام بن عروة عن أبیه، و لیس فیه زیادة: و إن قطر الدم علی الحصیر۔"(فتح القدیر (۱/۱۷۶)۔

''اس کو ابوداؤد نے۔بھی۔ روایت کیا ہے اور ان دونوں (ابن ماجہ و ابوداؤد) کی سند میں حبیب بن اَبی ثابت ہیں اور یہ حدیث ''اُبومعاویہ عن ہشام بن عروہ عن اُبیہ'' کی سند سے بخاری میں بھی ہے لیکن اس میں ''خون اگرچہ چٹائی پر ہی کیوں نہ گر رہا ہو'' کا اضافہ نہیں ہے۔''

قلت: یہ اضافہ تو اُبوداؤد میں بھی نہیں ہے لہٰذا اس اضافے کے ساتھ اس کو اُبوداؤد کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

۲ تلبیہ اونچی آواز سے کہا جائے اس سے متعلق احادیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و فی الکتب الستّة أنّه ۔علیه الصلاة والسلام۔ قال: " أتاني جبریل۔علیه السلام۔ فأمرني أن آمر أصحابی، و من معي أن یرفعوا أصواتهم بالإهلال، أو قال: بالتلبیة"

(فتح القدیر (۲/۴۴۶)۔

''کتب ستہ میں ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ''میرے پاس جبریل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ کو بآواز بلند تلبیہ کہنے کا حکم دوں۔''

انھوں نے اس حدیث کو کتب ستہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں نہیں ہے بلکہ ''سنن اُربعۂ'' ہی میں ہے اور نہ ہی منذری نے ''مختصر السنن'' (۲/۳۴۱) میں اور مزی نے ''تحفۃ الأشراف'' (۳/۲۵۵) میں اسے بخاری و مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ [1]

۳ حدیثِ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: "إذا نکح العبد بغیر إذن مولاه فنکاحه باطل" أخرجه أبوداؤد (۲۰۷۹) ''جب غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے۔''

اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے جب کہ ابن ہمام اس حدیث کو ذکر کرنے سے پہلے کہتے ہیں:

" و فی الحدیث ۔أیضًا۔في " السنن" عن ابن عمر عنه۔ﷺ۔ قال"

اس کے بعد انھوں نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ملاحظہ ہو:''فتح القدیر'' (۳/۳۹۰).

[1] اس حدیث کو اُبوداؤد (۱۸۱۴) ترمذی، (۸۲۹) نسائی (۵/۱۶۲) اور ابن ماجہ (۲۹۲۲) نے سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے اس کی مفصل تخریج میں نے فاضل دوست مولانا محمد منیر سیالکوٹی کی کتاب ''سوئے حرم'' کی تخریج میں کی ہے ملاحظہ ہو: صفحہ: ۱۶۱۔۱۶۲) دوسرا ایڈیشن۔

جب کہ ان الفاظ سے یہ حدیث صرف ابوداؤد میں ہے دیگر ''سنن' میں نہیں، حافظ مزی نے بھی "تحفة الأشراف"(٦/ ١٠٧ـ١٠٨) میں اس کوصرف ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس حدیث کو کچھ لفظی فرق سے ابن ماجہ(١٩٥٩،١٩٦٠) نے بھی روایت کیا ہے مگر اس میں ''فنكاحه باطل" کی بجائے ایک روایت میں "كان عاهراً "اور دوسری میں "فهو زان" ہے دونوں روایتوں کے معنے یہ ہیں کہ وہ زانی ہوگا۔

محمد عوامہ نے امام ابن ہمام کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

" و معلوم أن "السنن" إذا أطلقت انصرفت إلى "السنن الأربعة" المعروفة مع أن هذا الحديث لم يرو إلا في أبي داؤد وابن ماجه كما تقدم"۔

(دراسة حديثية مقارنه(صفحه:٢٧٨).

'' یہ معلوم ہے کہ جب مطلق طور پر ''سنن'' کہا جائے تو اس سے معروف جو ''سنن أربعہ'' ہیں وہ مراد ہوتی ہیں جب کہ یہ حدیث أبوداؤد اور ابن ماجہ ہی میں مروی ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔''

واضح رہے کہ ''ابن ماجہ'' میں اس طرح سے یہ پوری حدیث نہیں ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔

د۔ امام ابن ابی العزّ (متوفی:٧٩٢ھ) کے أوھام:

امام ابن أبي العزّ حنفی نے ''التنبيه على مشكلات الهداية'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جو مکتبہ الرشد ریاض سے پہلی بار:٢٠٠٣ء میں پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے جس میں انھوں نے ''ہدایہ'' کے کئی مسائل اور اس کی أحادیث پر بھی تعاقب کیا ہے۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد امام ابن أبي العزّ سے اس کتاب میں أحادیث کی نسبت کے اعتبار سے جو أوہام ہوئے ہیں ان کی چند مثالیں بھی ملاحظہ کریں۔

① حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا۔

"قالت: كان رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ يصلى من الليل ثلاث عشرة ركعة ، يوتر من ذلك بخمس، لا يجلس في شئ إلا في آخرها" (أخرجه مسلم:٧٣٧/١٢٣).

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے جب کہ ابن أبي العزّ نے اس کو "التنبيه" (٢/٦٥٠ـ٦٥١) میں بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ بخاری میں نہیں اور نہ ہی حافظ مزی نے "تحفة الأشراف"(١٢/١٦٤/١٦٩٨١) میں اس کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ مسلم اور ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔

② حدیث۔"إذا أقيمت الصلاة، فلا صلوٰة إلا المكتوبة ، أخرجه مسلم(٧١٠)۔

اس حدیث کو مسلم اور أبوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے ابن ابی العزّ نے اس کو بھی بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ اس کو ذکر کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:" و فی "الصحیحین" عن النبي ـصلى الله عليه وسلم۔ أنّه قال......" (التنبیه:(۲/۱۹۱) ۔

جب کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے امام بخاری نے ان الفاظ سے صرف باب قائم کیا ہے:

باب "إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة"

حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' (۲/۱۴۹) میں لکھتے ہیں:

" هذه الترجمة لفظ حديث أخرجه مسلم، وأصحاب السنن......"

''یہ باب اس حدیث کا لفظ ہے جسے مسلم اور اصحاب ''سنن'' نے روایت کیا ہے۔''

۳ صاحب ''ہدایہ'' نے ''باب الاحرام'' میں درج ذیل حدیث ذکر کی ہے:

" لاترموا جمرة العقبة إلا مصبحين" و يروى "حتى تطلع الشمس" (۲/۵۰۰.فتح القدير).

ابن ابی العزّ لکھتے ہیں:

" و قد ثبت فی "الصحيح" قوله:"حتى تطلع الشمس" واللفظ الآخر لم يثبت ، بل فيه كلام۔" (۳/۱۰۵۱۔۱۰۵۲)۔

''یعنی لفظ ''حتى تطلع الشمس" صحیح میں ثابت ہے اور دوسرا لفظ "إلا مصبحين" ثابت نہیں بلکہ اس میں کلام ہے۔

صحیح سے مراد بخاری یا مسلم ہوتی ہے جب کہ یہ لفظ بلکہ مکمل حدیث "حتى تطلع الشمس" کے الفاظ سے نہ تو بخاری اور نہ ہی مسلم میں ہے بلکہ اس کو أبوداؤد (۱۹۴۰) ترمذی (۸۹۳) نسائی (۵/۲۷۱۔۲۷۲) اور ابن ماجہ (۳۰۲۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حافظ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' (۳/۸۶/حدیث:۴۳۶۰) میں اور امام ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' (۲/۵۰۰) میں اس کو ''سنن أربعہ'' کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے طرق کی بناء پر اس حدیث کو حسن کہا ہے اور امام ترمذی اور حافظ ابن حبان سے اس کی صحت نقل کی ہے اور اسے أبوداؤد، ترمذی، نسائی، طحاوی اور ابن حبان کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری (۳/۵۲۸)۔

اور لفظ "إلا مصبحين" سے اس کو طحاوی نے "شرح معانی الآثار" (۲/۲۱۶) میں روایت کیا ہے اور ان کے ہاں ایک روایت میں: ''حتى تصبحوا'' بھی ہے۔

تنبیہ= یہ حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے شروع میں ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے جن کمزوروں کو۔ مزدلفہ سے رات کے آخری حصے میں منی بھیج دیا تھا۔ ان میں میں بھی تھا۔

اور اس حدیث کا یہ ٹکڑا بخاری (۱۶۷۸) اور مسلم (۱۲۹۲) میں بھی ہے مگر اس کے بعد "لاترموا" کا جو اضافہ ہے یہ ان دونوں کے ہاں نہیں بلکہ ''سنن أربعۃ'' میں ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا مگر محمد فؤاد عبدالباقی نے اس طرح سے پوری حدیث کو بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ انھوں نے تخریج میں یہ وضاحت نہیں کی کہ "لا ترموا......" یہ ان کتب میں نہیں ملاحظہ ہو ان کی ترمذی کی تخریج (۲۴۰/۳، حدیث: ۸۹۳)۔

۶۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کے اوہام:

لکھنوی صاحب لکھتے ہیں:

" ...... لما أخرجه البخاري و مسلم من حديث أنس ، و مسلم من حديث أبي هريرة مرفوعاً: " من رغب عن سنّتي فليس منّي" (التعليق الممجد(۱۹۲/۱)۔

انھوں نے اپنے اس کلام میں حدیث "من رغب......" جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں'' کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو بخاری اور مسلم نے اَنس سے اور مسلم نے ابوہریرہ سے بھی روایت کیا ہے جب کہ مسلم میں ابوہریرہ کی حدیث نہیں ہے بلکہ مجھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ کسی دوسری کتاب میں بھی نہیں ملی ہے اس کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے مگر ان میں ابوہریرہ نہیں ہیں اب ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی اور ساتھ ہی ان کی حدیث کن کتب میں ہے کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

1. انس رضی اللہ عنہ، ان کی حدیث کو بخاری (۵۰۶۳) مسلم (۱۷۵/۹۔۱۷۶) نسائی (۶۰/۶) سب نے ''کتاب النکاح'' میں أحمد (۲۴۱/۳، ۲۵۹، ۲۸۵) اور ابن ابی عاصم نے ''سنۃ'' (حدیث: ۶۱) میں روایت کیا ہے۔
2. عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، ان کی حدیث کو احمد (۱۵۸/۲) ابن خزیمہ (۱۹۷) اور ابن ابی عاصم (۶۲) نے روایت کیا ہے۔
3. سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ان کی حدیث کو دارمی (۱۳۳/۲) نے روایت کیا ہے۔
4. ایک نامعلوم انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث۔ جسے احمد (۴۰۹/۵) نے روایت کیا ہے۔
5. ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، ان کی حدیث کو ابوشیخ نے '' أخلاق النبی ﷺ'' (صفحہ: ۱۰۶) میں اور سہمی نے ''تاریخ جرجان'' (صفحہ: ۳۵۸) میں روایت کیا ہے۔

نیز یہ حدیث حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی مرسلاً مروی ہے ان کی اس مرسل حدیث کو ابن سعد نے ''طبقات'' (۳۷۲/۱) میں روایت کیا ہے۔

پہلی مذکورہ چار احادیث میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا عبادت کے سلسلے میں حد سے تجاوز کر جانے کا واقعہ مذکورہ ہے جب کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گدھے پر سواری کرنے اور بعض دیگر چیزوں کا ذکر ہے۔

۳۔دو مختلف حدیثوں کو ایک اور ایک حدیث کو دو مختلف حدیثیں ظاہر کرنا:

کتاب ''صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ مؤلف نے بعض مقامات پر دو حدیثوں کو ایک اور ایک حدیث کو دو مختلف حدیثیں بنادیا ہے یا ظاہر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمۃ صوفی بشیر احمد غیر مقلد (صفحہ:۷،۵۳)۔

آیئے اب یہی وہم "الهداية كالقرآن" میں دیکھیے۔

① علامہ مرغینانی نے ''ہدایہ'' میں سب سے پہلی جو حدیث ذکر کی ہے وہ یہ ہے:

" روى المغيرة بن شعبة أن النبي ﷺ أتى سُباطة قوم، فبال، وتوضّأ، و مسح على ناصيته و خُفَّيه" (۱/۱۷ .فتح القدير)۔

''مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑا خانے پر آئے پس پیشاب کیا، وضوء کیا اور اپنی پیشانی اور موزوں پر مسح کیا۔''

حافظ زیلعی اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" قلت: هذا حديث مركب من حديثين رواهما المغيرة بن شعبة، جعلهما المصنف حديثاً واحدًا ، فحديث المسح على الناصية، والخفين أخرجه مسلم عن عروة بن المغيرة عن أبيه المغيرة بن شعبة: " أن النبي ـصلى الله عليه وسلمـ توضأ، ومسح بناصيته، و على العمامة، و على الخفين۔" [1]

و حديث السباطة ، والبول قائماً رواه ابن ماجة في "سننه" حدثنا إسحاق بن منصور ثنا أبوداؤد ثنا شعبة عن عاصم عن أبي وائل عن المغيرة بن شعبة أنّ رسول اللهـصلى الله عليه وسلمـ أتى سُباطة قوم فبال قائماً" [2] (نصب الرايه:۱/۱)

''میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث دو حدیثوں سے مرکب ہے جن کو مغیرہ بن شعبہ نے روایت کیا ہے مؤلف نے

---

① مسلم(۸۳/۲۷۴) كتاب الطهارة، باب المسح على الناصية و العمامة۔

② ابن ماجہ(۳۰۶) كتاب الطهارة باب ما جاء في البول قائماً۔

ان کو ایک حدیث بنا دیا ہے پیشانی اور موزوں پر مسح کرنے والی حدیث کو مسلم نے عروہ بن مغیرہ کی سند سے مغیرہ سے روایت کیا ہے۔

اور کوڑا خانہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والی حدیث کو ابن ماجہ نے ابووائل شقیق بن سلمہ کی سند سے ان سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی "دراية" (۱/۱۱) میں یہ کہا ہے: "و هذا منتزع من حديثين..........." یہ دو حدیثوں سے کشید کی گئی ہے۔"

اسی طرح ابن أبي العزّ نے بھی صاحب "ہدایہ" کا تعاقب کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

" والحديث روي كله عن المغيرة لكن من طريقين ، وظاهر كلام المصنف أنّه من طريق واحدة" (التنبيه على مشكلات الهداية(۱/۲۴۶)۔

"یہ پوری حدیث مغیرہ سے مروی ہے لیکن دو سندوں کے ساتھ اور مصنف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی سند سے ہے۔"

اور یہ وہم درأصل قدوری کا ہے [1] اسی لیے سروجی نے "ہدایہ" کی شرح میں لکھا ہے:

" فهذا الذی ذکر القدوري مركب من حديثين،فقد جعلهما حديثًا واحداً و نسبه إلى المغيرة" (حوالہ مذکور)۔

"قدوری نے جو حدیث ذکر کی ہے وہ دو حدیثوں سے مرکب ہے اور انھوں نے ان کو ایک ہی حدیث بنا دیا ہے اور مغیرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔"

اور اس حدیث کے بارے میں سروجی کو بھی وہم ہوا ہے کیونکہ انھوں نے یہ کہا ہے:

" وفي أكثر طرقه: المسح على الخفين دون الناصية، و ليس فيه "سباطة قوم" (حوالہ مذکور)۔

یعنی حدیث مغیرہ کے اُکثر طرق میں پیشانی کی بجائے موزوں پر مسح کرنے کا ذکر ہے اور اس میں ایک قوم کے کوڑے خانے کا ذکر نہیں۔ جب کہ اس حدیث کے ایک طریق میں اس کا ذکر بھی ہے جیسا کہ ذکر ہوا۔

اس حدیث کے بارے میں علاء الدین ابن ترکمانی کو صاحب "ہدایہ" سے بھی بڑھ کر وہم ہوا ہے۔

حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں ان کے دو وہم میں سے ایک وہم کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ [2]

---

[1] ملاحظہ ہو: "مختصر القدوري" (صفحہ:۳۹۔۴۰)۔

[2] پہلے وہم کا ذکر اس کتاب کے (صفحہ:۲۲۴) میں گزر چکا ہے۔

" الوهم الثاني: أنّه جعل حديث الكتاب مركبًا من حديث المغيرة أنّه۔عليه السلام۔ مسح بناصيته وخفيه، و من حديث حذيفة فى السباطة، والبول قائمًا، وهذا عجب منه، لأن المصنف جعلهما من رواية المغيرة......"(نصب الراية:١/٢) ۔

"دوسرا وہم یہ کہ انھوں نے کتاب کی حدیث کو حدیثِ مغیرہ "آپ علیہ السلام نے پیشانی اور موزوں پر مسح کیا۔" اور کوڑا خانہ پر کھڑا ہو کر پیشاب کرنے والی حدیثِ حذیفہ [1] سے مرکب بنالیا ہے اور ان سے ایسا ہونا بڑے تعجب کی بات ہے کیونکہ مصنف (صاحب ہدایہ) نے تو ان دونوں حدیثوں کو ایک حدیثِ مغیرہ ہی کی دو مختلف حدیثوں سے بنایا ہے۔

② صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

" أن النبي۔عليه الصلاة والسلام۔ توضأ مرة مرة، و قال : هذا وضوء لا يقبل الله ۔تعالىٰ۔الصلاة إلا به، و توضأ مرتين مرتين وقال: " هذا وضوء من يضاعف الله له الأجر مرتين، وتوضأ ثلاثًا ثلاثًا، وقال : " هذا وضوئى، و وضوء الأنبياء من قبلي فمن زاد على هذا، أو نقص فقد تعدّى وظلم" (الهداية:١/ ٣١.فتح القدير) ۔

"نبی علیہ السلام نے ایک ایک مرتبہ وضوء کیا (یعنی اعضاء کو صرف ایک ایک دفعہ دھویا) اور فرمایا کہ "اس وضوء کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا۔ اور دو دو مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا" یہ اس شخص کا وضوء ہے جس کے لیے اللہ اجر کو دوگنا کرتا ہے۔" اور تین تین مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا:" یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضوء ہے پس جو شخص اس پر زیادہ یا اس سے کم کرے (تین دفعہ سے زیادہ یا کم أعضاء کو دھوئے) تو یقیناً وہ حد سے تجاوز کر گیا اور اس نے ظلم کیا۔"

یہ دو مختلف حدیثیں ہیں جن کو صاحب "ہدایہ" نے ایک حدیث ظاہر کیا ہے پہلی حدیث "ایک ایک مرتبہ وضوء کیا" سے لے کر "اور مجھ سے پہلے أنبیاء کا وضوء ہے" تک ہے اور اس کے بعد "پس جو شخص" آخر تک یہ دوسری حدیث ہے۔

حافظ زیلعی صاحبِ "ہدایہ" کی مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:"غريب بجميع هذا اللفظ" اس پورے لفظ کے ساتھ یہ حدیث غریب ہے۔ [2] اس کے بعد پہلی حدیث کو جن صحابہ نے روایت کیا ہے ان کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] حدیث حذیفہ کو بخاری (٢٢٤، ٢٢٥، ٢٢٦) اور مسلم (٢٧٣) نے روایت کیا ہے۔

[2] لفظ "غریب" سے حافظ زیلعی کی مراد کیا ہوتی ہے اس کے بارے میں صفحہ: (٢٢٣) میں وضاحت کی جا چکی ہے لہٰذا وہاں دیکھ لیں۔

" وليس فيه:" فمن زاد على هذا، أو نقص فقد تعدى و ظلم" ولكنه مذكور في حديث آخر سنذكره بعد ذكر هذه الأحاديث"۔

یعنی ان کی حدیث میں" فمن زاد على هذا......"نہیں ہے بلکہ یہ دوسری حدیث میں مذکور ہے جس کو ہم ان اُحادیث کے بعد ذکر کریں گے۔ ملاحظہ ہو۔(نصب الرایہ(۱/۲۷).

حافظ ابن حجر نے "الدرایہ" (۱/۲۵) میں اور شمس الدین سروجی شارح "ہدایہ" نے۔ ملاحظہ ہو"التنبیہ علی مشکلات الھدایہ" (۱/۲۶۵۔۲۶۷)۔ کہا ہے:"هو مركب من حديثين ......" یہ دو حدیثوں سے مرکب ہے۔"

اور امام ابن ہمام نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان مجموعی الفاظ کے ساتھ غیر معروف ہے بلکہ اس کا پہلا حصہ (پہلی حدیث) متعدد صحابہ سے مروی ہے اور اس کا دوسرا حصہ عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے۔ [1] (فتح القدیر(۱/۳۱۔۳۲)

③ صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

" روي أنّ النبي ـعليه الصلاة والسلامـ نهى النساء عن الحلق وأمرهنّ بالتقصير۔"
(فتح القدير. ۲/۵۱۴).

"نبی علیہ السلام نے عورتوں کو بال منڈوانے سے منع کیا ہے اور انھیں بال کٹوانے کا حکم دیا ہے۔"

حافظ زیلعی اس کی تخریج میں لکھتے ہیں:

" قلت: غريب بهذا اللفظ ، و كأنّه حديث مركب، فنهي النساء عن الحلق فيه أحاديث : منها:

وأمّا أمرهنّ بالتقصير فأخرجه أبوداؤد......" (نصب الرايه(۳/۹۵، ۹۶)۔

"میں کہتا ہوں کہ اس لفظ سے یہ حدیث غریب ہے گویا کہ یہ مرکب حدیث ہے عورتوں کو بال کٹانے کی ممانعت کے بارے میں کئی اُحادیث ہیں"اس کے بعد انھوں نے تین اُحادیث کا ذکر کیا ہے جن میں پہلی حدیث، علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنا سر منڈوانے سے منع کیا ہے۔ [2]

---

[1] اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو تین تین مرتبہ اُعضاء دھو کر وضوء کر کے دکھایا اور اس کے بعد فرمایا "وضوء اس طرح سے ہے پس جو اس پر زیادہ کرے......" اس کو ابوداؤد(۱۳۵) نسائی(۱/۸۸) اور ابن ماجہ(۴۲۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے یہ صحیح حدیث ہے مگر اس میں " أو نقص......" یا کم کرے" کا اضافہ صحیح نہیں ہے اور یہ اضافہ ابوداؤد کے ہاں ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری(۱/۲۳۳) اور "القول المقبول"(صفحہ:۱۸۱،حدیث:۹۴)۔

[2] اس حدیث کو ترمذی (۹۱۴) "الحج" اور نسائی(۸/۱۳۰)"الزينة" نے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے تفصیل کے لیے "نصب الرايه" اور "سلسلة الأحاديث الضعيفة" (حديث: ٦٧٨) دیکھیں۔

اور ان اَحادیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رہا ان کو بال کٹوانے کا حکم تو اس حدیث کو اَبوداؤد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

" قال رسول اللّٰه ـصلى اللّٰه عليه وسلمـ ليس على النساء حلق ، إنّما على النساء التقصير۔" [1]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں پر بال منڈوانا نہیں بلکہ ان پر بال کٹوانا ہے۔''

یعنی حج یا عمرہ میں مردوں کی طرح وہ اپنے بالوں کو منڈوائیں نہیں بلکہ کٹوائیں۔

اسی طرح اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر نے بھی یہی کہا ہے: "كأنه مركب" (درايه: ۳۲/۲)

''معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرکب ہے۔'' یعنی دو مختلف حدیثوں سے ایک حدیث بنائی گئی ہے۔

۴۔ حدیث کے ترجمے اور اختصار میں تساہل:

کتاب '' صلوٰۃ الرسول ﷺ '' پر ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ مؤلف سے حدیث کے ترجمے اور اختصار میں بھی تساہل ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو'' مقدمہ غیر مقلد'' (ص:۷)۔

انسان جس قدر بھی کمال کو پہنچا ہو اس سے غلطی اور وہم ہو ہی جاتا ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں آپ لوگوں کے نزدیک اگر یہ چیزیں قابل اعتراض ہیں تو پھر آیئے اپنے چند بڑوں کی مثالیں ملاحظہ کر لیجیے کہ ان سے حدیث کے مفہوم سمجھنے اور عبارت کے سمجھنے یا تعبیر کرنے میں کیسے غلطیاں ہوئیں ہیں۔

ا: امام طحاوی مشہور و معروف حنفی امام ہیں۔ ''شرح معانی الآثار، مشکل الآثار'' اور ''عقیدہ طحاویۃ'' ان کی مشہور و معروف کتب ہیں اور بعض اوقات یہ حنفی مذہب کی تائید کی خاطر اَحادیث کی تاویلات بلکہ دعویٰ نسخ تک سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں جیسا کہ ان کی کتاب ''شرح معانی الآثار'' کے مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہ ہوگی۔ [2]

---

[1] اس حدیث کو اَبوداؤد (۱۹۸۴، ۱۹۸۵) اور دارمی (۶۴/۲) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسے بخاری اور ابو حاتم نے قوی اور ابن حجر نے حسن کہا ہے اور اس کی مفصل تخریج میں نے ''سوئے حرم'' تالیف مولانا محمد منیر قمر کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۴۲۸)۔

[2] ان کے بارے میں "مقدمة معرفة السنن والآثار" (۱۲۹/۱۔۱۳۰) میں امام بیہقی '' منهاج السنة'' (۱۹۵/۸) میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، "شرح علل الترمذی (صفحہ: ۴۱۔ تحقیق صبحی) میں حافظ ابن رجب اور ''فتح الباری'' (۴۸۷/۹) میں حافظ ابن حجر کا کلام ملاحظہ کریں۔

اب ان کی غلط فہمی کی ایک عجیب مثال ملاحظہ کریں۔ طحاوی تعویذ لٹکانے کے مسئلے پر کلام کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" و قد جاء ت عن رسول اللّٰه ﷺ آثار تنهى عن التمائم"۔

"یقیناً رسول اللہ ﷺ سے ایسی اَحادیث آئی ہیں جو تعویذوں سے منع کرتی ہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے سب سے پہلے اُم قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں:

" دخلت على رسول الله ـ ﷺ ـ بابن لي، و قد علقت عليه من العُذرة"

"و قد أعلقت عليه " [1] کے معنے بیان کرتے ہوئے امام نووی نے لکھا ہے:

"معناه عالجت وجع لهاته بأصبعي" (شرح مسلم(۴۵۸/۷)۔

"اس کے معنے یہ ہیں کہ میں نے انگلی سے اپنے بچے کے کوّے کو ٹھیک کیا تھا۔" [2]

ان کے مذکور کلام کے معنے یہ ہوئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اس حال میں کہ میں نے اپنے بچے کے کوّے کو انگلی سے ٹھیک کیا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا:

" على ما تَدْغَرْنَ أولادكنّ بهذا العِلَاق؟ عليكن بهذا العود الهندي، فإنّ فيه سبعة أشفية ، منها ذات الجنب......" [3]

یعنی تم عورتیں اس طرح سے اپنے بچوں کے کوّے کا علاج کیوں کرتی ہو تم عود ھندی سے اس کا علاج کیا کرو کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے جن میں ایک ذات الجنب (پہلو کا درد) بھی ہے۔

یہ ہے اس حدیث کی تفسیر مگر امام طحاوی اس حدیث سے تعویذ لٹکانے کی ممانعت سمجھ بیٹھے چنانچہ اس حدیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" فقد يحتمل أن يكون ذلك العلاق كان مكروهاً في نفسه، لأنّه كتب فيه ما لا يحلّ كتابته، فكرهه رسول الله ـ ﷺ ـ لذلك لالغيره" (شرح معاني الآثار:٣٢٥/٤)۔

"یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ وہ لٹکائی ہوئی چیز فی نفسہ مکروہ ہو کہ اس میں کوئی ایسی چیز لکھی گئی ہو جس کا لکھنا جائز نہ ہو تو اس بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اسے مکروہ سمجھا ہو۔"

---

[1] شرح المعانی میں "علقت " ہے جب کہ دوسری کتب۔ جن کا عنقریب ذکر آرہا ہے۔ میں "أعلقت " ہے۔

[2] مزید تفصیل کے لیے :"شرح مسلم" کے ساتھ ساتھ "النهاية" لابن الأثير(۱۲۳/۲، ۳/ ۱۹۸، ۲۸۸) اور" فتح الباری"(۱۶۸/۱۰) بھی دیکھیں۔

[3] اس حدیث کو طحاوی کی طرح بخاری (۵۷۱۳، ۵۷۱۵) کتاب الطب، مسلم(۲۲۱۴) کتاب السلام، ابوداؤد(۳۸۷۷) کتاب الطب اور ابن ماجہ(۳۴۶۲) کتاب الطب" نے بھی روایت کیا ہے۔

انھوں نے اس حدیث کی تفسیر یہ کی ہے جب کہ یہ تفسیر بالکل غلط ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔

ب: أبوالحسين أحمد بن محمد قدوري (متوفی: ۴۲۸ھ)۔

انھوں نے اپنی کتاب ''مختصر القدوری'' (۱۴۷) میں کہا ہے:

" فإذا طلعت الشمس أفاض الإمام، والناس معه حتى يأتوا منى"

یعنی جب سورج طلوع ہو جائے تو امام اور اس کے ساتھ لوگ بھی مزدلفہ سے منی کے لیے روانہ ہو جائیں۔

ان کا یہ کہنا ہے جب کہ مسنون طریقہ یہ ہے نمازِ فجر کے بعد اچھی طرح روشنی پھیل جانے اور سورج کے طلوع ہو جانے سے قبل مزدلفہ سے منی کے لیے نکلنا ہے اسی لیے علامہ مرغینانی قدوری کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" هٰكذا وقع في نسخ المختصر ، وهذا غلط ، والصحيح أنه إذا أسفر أفاض الإمام، والناس، لأن النبي ـعليه الصلاة والسلام- دفع قبل طلوع الشمس" ۔

''مختصر کے نسخوں ـمختصر قدوری کے نسخوں۔ میں ایسے ہی ہے اور یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ جب اچھی طرح روشنی ہو جائے تو امام اور لوگ مزدلفہ سے نکل پڑیں کیونکہ نبی ﷺ سورج کے طلوع ہونے سے قبل نکلے تھے۔''

امام ابن ہمام صاحب ''ہدایہ'' کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(قوله : و هذا غلط) هو كما قال: و قد تقدم في غير حديث"أنه- عليه الصلاة والسلام-أفاض حين أسفر قبل طلوع الشمس، كحديث جابر الطويل وغيره-"

فتح القدير شرح الهداية(۲/ ۴۸۴).

''ان کا یہ قول: اور یہ غلط ہے'' بالکل درست ہے کیونکہ کئی ایک اُحادیث میں یہ گزر چکا ہے کہ آپ علیہ السلام اچھی طرح روشنی پھیل جانے اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے نکلے، جیسا کہ جابر کی طویل حدیث اور دیگر صحابہ کی اُحادیث میں ہے۔'' [1]

مرغینانی اور ابن ہمام نے تو اس قدر سختی سے قدوری کے مذکورہ قول کو ردّ کیا ہے جب کہ بابرتی نے ''شرح العناية على الهداية'' میں قدوری کے قول کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ لکھا ہے:

---

[1] جس حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی طرف امام ابن ہمام نے اشارہ کیا ہے یہ بہت لمبی حدیث ہے جس میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کو مسلم (۸/ ۱۷۰-۱۹۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس کی مفصل تخریج میں نے ''سوئے حرم'' کی تخریج میں کی ہے اور شیخ رحمہ اللہ کا اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہے " حجة النبي ﷺ كما رواها عنه جابرٌ-

" و أقول: معنی قوله: " وإذا طلعت الشمس، إذا قربت إلى الطلوع، وفعل ذلك اعتمادًا على ظهور المسألة" (العناية:۲/۴۸۴.هامش فتح القدير).

'' اور میں کہتا ہوں کہ ان کے اس قول '' اور جب سورج طلوع ہو جائے'' سے مراد یہ ہے کہ جب سورج طلوع ہونے کے قریب ہو اور انھوں نے ایسا اسلوب مسئلے کے واضح ہونے کی بناء پر اختیار کیا''۔ فواعجبا۔

مرغینانی اور ابن ہمام کی بات کو لیا جائے تو اس کے معنے یا تو یہ ہوں گے کہ قدوری کو حدیث کے معنے سمجھنے میں مغالطہ ہو گیا یا یہ کہ اس مسئلے میں ان کو سنت کا علم نہ تھا۔

اور اگر بر باتی کی بات کو لیا جائے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ان کی تعبیر صحیح نہیں آگے اس کی جو توجیہ بھی کر دی جائے۔

ج: حافظ جمال الدین زیلعی صاحب ''نصب الرایہ''۔

صاحب ''ہدایہ'' نے باب العدّۃ میں کہا ہے:

" و قد صحّ أنّ النبي۔عليه الصلاة والسلام۔ لم يأذن للمعتدة في الاكتحال، والدهن لا يعرى عن نوع طيب و فيه زينة الشعر......" (۴/۳۳۹.فتح القدير).

'' نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے عدت گزارنے والی عورت کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی۔ اور تیل بھی ایک قسم کی خوشبو ہے اس میں بالوں کے لیے زینت ہے۔''

حافظ زیلعی ''والدھن'' کا ماقبل سے تعلق سمجھ بیٹھے چنانچہ وہ سرمہ کی ممانعت والی حدیث کی اس طرح سے تخریج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" أما الاكتحال، فأخرجه الأئمة الستة في كتبهم"

إلى أن قال: " وأمّا الدهن فغريب" (نصب الرايه(۳/۲۶۲).

اکتحال۔ سرمے کی ممانعت۔ کی حدیث کو ائمہ ستہ نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے حدیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''رہا تیل کا ذکر تو یہ غریب ہے۔''

یہاں لفظ ''غریب'' سے ان کی مراد یہ ہے کہ انھیں تیل کی ممانعت والی حدیث نہیں ملی اور ان کی اس مراد کے بارے میں (صفحہ:۲۲۳) میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ جب کہ ''و أمّا الدهن'' کا تعلق ماقبل سے نہیں بلکہ یہ صاحب ''ہدایہ'' کا اپنا کلام ہے انھوں نے اس کو حدیث کے طور پر ذکر نہیں کیا، اسی لیے امام ابن ہمام زیلعی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و قد وقع للزيلعي مخرج الأحاديث هنا وهم، و ذاك أنه جعل لفظة " الدهن" عطفًا على الاكتحال، فقال عن المصنف أنّه ـصلى الله عليه وسلمـ لم يأذن للمعتدة في

الاكتحال والدهن" فخرج حديث منعه الاكتحال، ثم قال : " وأمّا الدهن فغريب" وهو سهو، فإنّ الدهن مبتدأ، خبره قوله" لا يعرى عن نوع طيب فألحقه إلحاقًا"
(فتح القدير (۳۳۹/۴).

" زیلعی مخرج اُحادیث کو یہاں وہم ہوا ہے وہ یہ کہ انھوں نے لفظ "دھن" کا اکتحال پر عطف کردیا ہے اور مؤلف سے عبارت کو یوں ذکر کیا ہے:أنهﷺ لم يأذن للمعتدة في الاكتحال والدهن" چنانچہ انھوں نے سرمہ کی ممانعت کی حدیث کی تخریج کرنے کے بعد کہا ہے "رہا تیل تو یہ غریب ہے" اور یہ سہو ہے کیونکہ "الدھن" مبتداء ہے اس کی خبر صاحب "ہدایہ" کا قول" لا يعرى عن نوع طيب" ہے مگر انھوں نے اس کو پہلی عبارت کے ساتھ ملا دیا۔"

دیکھیں حافظ زیلعی صاحب "ہدایہ" کی عبارت کو سمجھنے میں کس طرح غلطی کر گئے۔

ایک دوسری قسم کی مثال بھی ملاحظہ کیجیے: صاحب "ہدایہ" باب المهر" میں لکھتے ہیں:

"...... لقول ابن مسعود:" لها مهر مثل نسائه لاوكس فيه ولا شطط"(۳/۳٦٧)۔

صاحب "ہدایہ" نے تو ابن مسعود کا قول ذکر کیا ہے جب کہ زیلعی اس کو مرفوع حدیث سمجھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:" قال۔عليه السلام: لها مهر مثل نسائها"۔قلت :أخرجه الأئمة الأربعة في سننهم......" (نصب الرایہ ۳/ ۲۰۱).

۵: امام ابن ہمام۔

امام ابن ہمام کے زیلعی کے تعاقب کو ملاحظہ کرلینے کے بعد اب ان کا اپنا عجیب وہم ملاحظہ کیجیے۔

بیت اللہ کے طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا مسنون ہے مگر سعی کے بعد ان دو رکعتوں کا کوئی ثبوت نہیں مگر بعض علماء نے طواف پر قیاس کرتے ہوئے سعی کے بعد بھی دو رکعت پڑھنے کو مستحب کہا ہے جب کہ ان کا یہ قول بے دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ [1]

مگر امام ابن ہمام بڑے فخر سے لکھتے ہیں:

" ولا حاجة إلى هذا القياس إذ فيه نص، و هو ما روى المطَّلِبُ بن أبي ودَاعَة قال: "رأيت رسول الله۔ﷺ۔ حين فرغ من سعيه جاء حتى إذا حاذى الركن فصلى

---

[1] اس کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے مجموع النووی(۷۲/۸) اور"القواعد النورانية الفقهية"لشیخ الاسلام ابن تیمیہ پر ہماری تعلیق (صفحہ:۱۶۰۔۱۶۱) دیکھی جائے۔

رکعتین في حاشية المطاف، و ليس بينه، و بين الطائفين أحد“
(رواه أحمد و ابن ماجه و ابن حبان [1] فتح القدير(۲/ ۴۶۰).

”اس قیاس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے بارے میں نص موجود ہے اور وہ ہے مطلب بن أبي وداعہ کی روایت، فرماتے ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب اپنی سعی سے فارغ ہوئے حجر أسود کے پاس آئے اور حاشیۃ المطاف (طواف کی جگہ کے کنارے) میں دو رکعتیں پڑھیں، آپ اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی نہ تھا، اس کو أحمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔“

یہ ہے امام ابن ہمام کی دلیل اور یہ دلیل اس طرح بنی کہ انھوں نے ”سُبُعه“ کو ”سعیه“ پڑھ لیا لہٰذا بات کہاں سے کہاں چلی گئی کسی نے سچ کہا ہے۔

ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے
ایک نقطے نے فقط محرم سے مجرم کردیا

یہاں بھی یہی بات ہے ”سبعه“ میں ایک نقطے کے اضافے سے ”سعیه“ بن گیا۔

اس حدیث میں ”سُبُعه“ سین اور باء کے پیش کے ساتھ ہے اور اس سے مراد ”سبع الطواف“ طواف کے سات چکر ہیں جیسا کہ ابوالحسن سندھی نے حاشیہ النسائی (۵/ ۲۳۵) میں کہا ہے۔

اور یہ لفظ ”سبعه“ نسائی اور ابن ماجہ کے ہاں ہے۔

اور اس حدیث میں طواف کے سات چکر ہی مراد ہیں چنانچہ نسائی (۲/ ۶۷) کی ایک روایت میں یہ ہے:

” طاف بالبيت سبعاً ثم صلّ ر كعتين“۔

”آپ نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے پھر دو رکعت نماز پڑھی“۔

اور مسند احمد میں ”سبعه“ کی بجائے ”أسبوعه“ ہے مراد طواف کے سات چکر ہی ہیں اور ابن خزیمہ اور ابن حبان کے ہاں ”سبعه“ کی بجائے ”طوافه“ ہے یعنی جب رسول اللہ ﷺ اپنے طواف سے فارغ ہوئے تو دو رکعت نماز ادا کی۔

نیز اس حدیث کا سیاق وسباق بھی یہ بتلا رہا ہے کہ یہ دو رکعت طواف ہی کی تھیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ”سبعه“ با کے ساتھ ہے ”سعیه“ یا کے ساتھ نہیں جیسا کہ ابن ہمام سمجھے ہیں۔

---

[1] اس کو أحمد (۶/ ۳۹۹) ابن ماجہ (۲۹۵۸) ابن حبان (۴/ ۴۵) اسی طرح نسائی (۲/ ۶۷، ۵/ ۲۳۵) كتاب القبلة و كتاب الحج“ اور طبرانی (۲۰/ ۲۸۹/ حدیث: ۶۸۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

تنبیه= اس حدیث میں طبرانی کے طبع شدہ نسخے میں "سیعه" ہے اور یہ کتابت وغیرہ کی غلطی ہے عین ممکن ہے کہ ابن ماجہ کا ابن ہمام کا ہاں جونسخہ ہو اس میں بھی کتابت کی غلطی کی وجہ سے "سعیه" بن گیا ہو کیونکہ انھوں نے اس کے لیے جن کتب کا حوالہ دیا ہے ان میں سے صرف ابن ماجہ کے ہاں "سبعه" ہے جب کہ مسند أحمد میں "أسبوعه" اور ابن حبان کے یہاں "طوافه" ہے۔

اگر واقعتاً ایسی بات تھی کہ ان کے نسخے میں "سعیه" تھا تو ان کو دوسری کتب کے الفاظ کو بھی تو سامنے رکھنا چاہیے تھا نیز اس حدیث کے سیاق وسباق پر بھی تو غور کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ایک نئی دلیل پیش کر رہے تھے جس کا کسی اور نے ذکر نہیں کیا تو انھیں ہر طرح سے سوچنا چاہیے تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ جب غلطی کی وجہ سے انھوں نے "سبعه" کو "سعیه" پڑھ لیا یا کتابت کی غلطی کی وجہ سے جب ان کو "سبعه" کی بجائے "سعیه" نظر آیا تو وہ فرطِ مسرت سے پھولے نہیں سمائے چنانچہ ان کا ذہن کچھ اور سوچنے کی طرف گیا ہی نہیں۔

۶۔ مولوی زکریا صاحب کاندھلوی۔

امام ابن ہمام کا حج سے متعلق ایک مسئلے کے بارے میں وہم ملاحظہ کر لینے کے بعد کاندھلوی صاحب کا بھی حج ہی سے متعلق مسئلے کے بارے میں وہم ملاحظہ کیجیے۔

وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طواف افاضہ سے قبل سعی کر لیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے أکثر علماء کے نزدیک اس کی سعی نہ ہوگی بلکہ اسے طواف افاضہ کے بعد دوبارہ سعی کرنا ہوگی جب کہ اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے حج کے موقع پر یہ سوال کیا: "یا رسول الله سعیت قبل أن أطوف" میں نے طواف سے قبل سعی کر لی ہے اور کسی نے کہا کہ میں نے فلاں کام کو پہلے کر لیا ہے اور کسی نے کہا کہ میں نے فلاں کام کو بعد میں کیا ہے تو آپ ﷺ نے سب کو یہی جواب دیا: "لاحرج لاحرج" کوئی حرج نہیں کوئی حرج نہیں۔" [1]

أکثر علماء کے نزدیک چونکہ طواف سے قبل سعی جائز نہیں لہٰذا انھوں نے اس حدیث کی تأویل کی ہے۔ [2]

کاندھلوی صاحب نے "بذل المجهود" (۹/۳۵۱) کے حاشیہ میں اس مسئلہ پر یوں تعلیق لگائی ہے یا اس حدیث کا جواب اس طرح سے ذکر کیا ہے۔

" و استدل بذلك في "المستصفى"، على أن هذا الترخيص منه -ﷺ- كان في أوّل

[1] اس حدیث کو ابوداؤد (۲۰۱۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح حدیث ہے۔

[2] درست یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے طواف سے قبل سعی کرے تو اس حدیث کی بناء پر اس کی سعی درست ہوگی اور یہاں اس مسئلے کے بارے میں تفصیل کی گنجائش بھی نہیں اور نہ ہی ضرورت ہے۔

الإسلام إذ لم يستقر شرائع الحج أمّا اليوم فلا يفتى بتقديم السعي قبل الطواف إلى آخر ما في النهاية"۔

صاحبِ "مستصفی نے اس سے اس پر دلیل لی ہے کہ یہ رخصت شروع اسلام میں تھی جب کہ حج کے مسائل میں استقرار نہیں تھا۔(یعنی تبدیلیوں کا امکان تھا) مگر آج طواف سے قبل سعی کرنے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔"

یہ بات ذکر کرنا کس قدر غفلت کی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے حج کے موقع پر یہ مسائل پوچھے گئے اور آپ نے ۱۰ھ میں حج کیا اور حج کے تین ماہ بعد وفات پا گئے۔

مفتی بشیر احمد صاحب یہ ہیں آپ کے کبار ائمہ کہ جن سے احادیث کے معنی و مفہوم سمجھنے میں کس قدر غلطیاں ہوئیں۔ [1] تو مولانا صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ سے اگر کہیں ترجمے یا اختصار میں تساہل ہو گیا تو کونسی قیامت برپا ہو گئی کہ آپ لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ یھدیکم اللہ۔

یہاں پھر یہ وضاحت کر دینا مناسب ہے کہ ان ائمہ کی جن اغلاط کو یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سے ان پر طعن و تشنیع کرنا مقصود نہیں بلکہ ان نادانوں کو یہ بات سمجھانے کے لیے کہ بتقاضائے بشریت علماء سے اس قسم کی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ [2]

۵۔ تابعی کا نام ذکر کر کے صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کا مغالطہ دینا۔

یہ بات مؤلفِ کتاب "غیر مقلد بنام غیر مقلد" مولانا محمد یوسف صاحب کی ہے۔

مولانا صاحب وہم کو اگر آپ مغالطہ سے تعبیر کرتے ہیں تو پھر یہ مغالطات آپ کے علامہ مرغینانی اور امام ابن ہمام نے بھی دیے ہیں جن کی تفصیل نمبر ا میں ملاحظہ کر لیں، صرف نمبر ا ایک ہی نہیں بلکہ نمبر ا کے بعد اب تک جو تحریر کیا جا چکا ہے اس کو بھی دیکھیں تو ان شاء اللہ آپ کی طبیعت درست ہو جائے گی اور اگر پھر بھی کوئی کمی رہ گئی تو وہ اس وقت پوری ہو جائے گی جب ہم آپ کے سامنے آپ کی خیانتوں کا ذکر کریں گے۔

۶۔ بعض احادیث کی تخریج میں کوتاہی:

یہ بات بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ بڑے بڑے علماء سے اس قسم کی تقصیر و کوتاہی ہو ہی جاتی ہے اب اپنے ہی کبار کی چند مثالیں ملاحظہ کر لیں۔

---

[1] اس کتاب کی چوتھی فصل جو کہ آخری فصل ہے اس میں آپ لوگوں کے مقلد مولوی ابو بکر غازی پوری کی جو غلط فہمیاں ذکر ہوئی ہیں ذرا ان پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے ملاحظہ ہو درج ذیل صفحات (۳۱۹ و ما بعدھا)

[2] اس سے قبل ہم یہ وضاحت اس کتاب کے (صفحہ ۲۱۱ و ما بعدھا) میں بھی کر چکے ہیں۔

⑪ علاء الدین ابن ترکمانی شیخ الزیلعی۔

ا۔ انھوں نے حدیث: "تھادوا تحابوا" "ایک دوسرے کو ہدیہ دو تمھاری آپس میں محبت پیدا ہوگی۔"

اس حدیث کو ابن ترکمانی نے "الفردوس" ① کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ حدیث بخاری کی "أدب مفرد" (۵۹۴) اور مسند أبو یعلی (۶۱۴۸) وغیرہ میں بھی ② ہے۔ اسی لیے حافظ زیلعی ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قلت: تكلف شيخنا علاء الدين مقلداً لغيرہ فعزاہ للفردوس دون غيرہ، و هذا عجز، فقد أخرجه أصحاب الكتب المشهورة من حديث أبي هريرة، و من حديث ابن عمرو، ومن حديث ابن عمر، و من حديث عائشة۔" (نصب الرایہ: ۴/۱۲۰)۔

"میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ علاء الدین نے دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے تکلف سے کام لیا ہے چنانچہ انھوں نے اس حدیث کو دوسروں کی بجائے "فردوس" کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ عجز (تقصیر) ہے کیونکہ اس حدیث کو مشہور کتب کے مصنفین نے ابو ہریرہ، ابن عمرو، ابن عمر اور عائشہ سے روایت کیا ہے۔"

ب۔ حدیث: "من وجد سعة فلم يضح فلا يقربَنَّ مصلانا......" یعنی جو شخص استطاعت کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ ③

اس حدیث کو أحمد (۲/۳۲۱) ابن ماجہ (۳۱۲۳) اور دارقطنی (۴/۲۸۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

جب کہ ابن ترکمانی نے اس کو صرف دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی لیے زیلعی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و ذهل شيخنا علاء الدين مقلداً لغيرہ فعزا هذا الحديث للدارقطني فقط"

(نصب الرایہ: ۴/۲۰۷)۔

"ہمارے شیخ علاء الدین دوسروں کی تقلید میں غفلت کا شکار ہو گئے چنانچہ انھوں نے اس حدیث کو صرف دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے۔"

جب ایک حدیث "کتب ستہ" یا "سنن أربعہ" میں ہو تو پھر ان کتب کو چھوڑ کر دوسری کتب سے حدیث کی تخریج کرنا بہت بڑا عیب ہے اسی لیے حافظ زیلعی ایک مُخَرِّج۔ جس نے دوائی کی خاطر مینڈک کو مارنے کی ممانعت والی

---

① ملاحظہ ہو "الفردوس" (۲/۶۷/۲۰۸۷)۔

② یہ حسن درجے کی حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "إرواء الغليل" (۶/۴۴/ حدیث: ۱۶۰۱)۔

③ ہمارے نزدیک اس حدیث کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ أبو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے ان سے مرفوعاً ثابت نہیں۔

حدیث کو ابوداؤد اور نسائی کی بجائے بیہقی کی طرف منسوب کیا۔ کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و جهل من عزا هذا الحديث للبيهقي، وترك سنن أبي داؤد والنسائي"

(نصب الرايه:۴/ ۲۰۱).

''اس شخص نے جہل سے کام لیا ہے جس نے اس حدیث کو بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور سنن ابوداؤد، وسنن نسائی کو چھوڑ دیا ہے۔'' [1]

بس انھیں دو مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں اور اب ایک حدیث کے بارے میں حافظ زیلعی کا ابن ترکمانی کے تعاقب پر تعاقب بھی ملاحظہ کرتے جائیں:

صاحب ''ہدایہ'' نے اُنس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ذکر کی ہے جو یہ ہے:

" أنّ أنسًا۔رضي الله عنه۔ توضأ ثلاثًا ثلاثًا،و مسح رأسه مرة واحدة، وقال: هذا وضوء رسول الله صلى الله عليه و سلم۔" (۱/۳۳.فتح القدير).

'' اُنس رضی اللہ عنہ نے تین تین مرتبہ وضوء کیا یعنی اُعضاء کو تین تین دفعہ دھویا اور ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء ہے۔''

حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

" غريب من حديث أنس...... و عزا شيخنا علاء الدين مقلّداً لغيره إلى كتاب "الإمام" للشيخ تقى الدين بن دقيق العيد أنّه قال: رواه الطبراني في "معجمه الوسط" من حديث أنس...... وهذا لم أجده لا في "الإمام" و لا في "معجم الطبراني الوسط"۔

(نصب الرايه:۱/ ۳۰).

''اُنس کی حدیث کے حوالے سے یہ غریب ہے [2] ہمارے شیخ علاء الدین نے دوسروں کی تقلید میں ابن دقیق العید کی کتاب ''الامام'' کی طرف منسوب کیا ہے کہ انھوں نے اس میں کہا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے اپنی ''معجم اُوسط'' میں روایت کیا ہے مگر یہ حدیث مجھے "الإمام" میں اور نہ ہی "معجم طبراني أوسط" میں ملی ہے۔''

امام ابن ہمام حافظ زیلعی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] اس کو اُبوداؤد (۳۸۷۱،۵۲۶۹) کتاب الطب والأدب، اور نسائی نے (۲۱۰/۷) کتاب "الصيد والذبائح" میں عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اُلبانی نے "صحيح أبوداؤد" (حدیث:۳۲۷۹) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

[2] غریب سے حافظ زیلعی کی مراد کیا ہوتی ہے اس کی (صفحہ:۲۲۳) میں وضاحت کی جا چکی ہے۔

" و قول الزيلعي في المعزوّ إلى " معجم الطبراني" لم أجده فيه سهو عنه، أو كان ساقطًا في نسخته، و إلا فقد وجد في "الأوسط" من مسند إبراهيم البغوی"

(فتح القدير: ۱/ ۳۴).

''زیلعی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث مجھے ''معجم طبرانی'' میں نہیں ملی ان کی طرف سے سہو ہے یا کہ ان کے نسخے میں یہ حدیث ساقط ہوگی کیونکہ یہ حدیث ''اُوسط'' میں ابراہیم بغوی کی مسند میں موجود ہے۔''

قلت: جیسے یہ حدیث '' اُوسط طبرانی'' میں ہے اسی طرح یہ کتاب "الإمام" میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو: أوسط طبرانی (حدیث:۲۹۰۵)، (۱/۳۳۲/حدیث:۴۰۹۔ مجمع البحرین) اور "الإمام" (۱/۴۴۲۔۴۴۳)۔

۲ حافظ زیلعی۔

ابن ترکمانی پر حافظ زیلعی کا تعاقب اور ایک حدیث میں ان کے تعاقب پر تعاقب ملاحظہ کر لینے کے بعد اب حافظ زیلعی کی بعض اُحادیث کی تخریج میں تقصیر (کوتاہی) ملاحظہ کرتے جایئے۔

ا۔ صاحب ''ہدایہ'' نے ''كتاب الطهارة، فصل في الغسل" میں درج ذیل حدیث ذکر کی ہے:

" إذا التقى الختانان، و توارت الحشفة وجب الغسل أنزل، أولم ينزل"

(۱/ ۶۳. فتح القدير).

یعنی جب مرد اور عورت کی شرمگاہیں مل جائیں اور حشفہ (آدمی کے عضو تناسل کی سپاری) چھپ جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔'' [1]

یہ حدیث عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حافظ زیلعی نے اس کی تخریج ابن وھب کی '' مسند'' اور طبرانی کی "معجم أوسط" سے کی ہے۔ ملاحظہ ہو: "نصب الرایہ" (۱/ ۸۴. ۸۵)۔

جب کہ یہی حدیث ان کتب سے اُعلی درجے کی کتب میں ہے جیسا کہ کتب ستہ میں سے ابن ماجہ (۶۱۱) میں ہے اسی طرح یہ مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۸۶) اور مسند اُحمد (۲/۱۷۸) میں بھی ہے مگر ان میں "أنزل أو لم ينزل" کے الفاظ نہیں۔

حافظ زیلعی نے اگر ان الفاظ کی بناء پر ان کتب سے اس کی تخریج کی ہے اور انھیں یہ علم تھا کہ یہ ان الفاظ کے بغیر ابن ماجہ وغیرہ میں بھی ہے تو اس کی وضاحت ضروری تھی۔

بہر حال اس حدیث کی تخریج میں ان سے واضح تقصیر ہوئی ہے اسی لیے مولانا عبد العزیز پنجابی دیوبندی نے

---

[1] یہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے لیکن اس حدیث میں جو مسئلہ بیان ہوا اس کی تائید صحیح اُحادیث سے ہوتی ہے۔

''نصب الرایہ'' کے حاشیے میں لکھا ہے:

"قلت: و رواه ابن ماجه......" میں کہتا ہوں کہ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس حدیث کی تخریج میں امام ابن ہمام سے بھی تقصیر ہوئی ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

ب۔ اَوس بن اَوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے جوتوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

اس حدیث کو حافظ زیلعی نے ''صحیح ابن حبان'' کی طرف منسوب کیا ہے۔[1] ملاحظہ ہو: نصب الرایہ (۱/۱۸۹)۔

جب کہ یہ حدیث کتب ستہ میں سے ''سنن اَبوداوٗد (۱۶۰) میں بھی ہے۔

واضح رہے کہ جوتوں پر مسح کرنے کی جو اَحادیث ہیں ان کے علماء نے تین جواب دیے ہیں:

1. یہ مسح نفلی وضوء میں تھا فرض وضوء میں نہیں۔
2. مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے پاؤں کو جوتوں کے اندر ہی دھویا اور ہوائی چپل کی قسم کے جوتے میں ایسا ممکن ہے۔
3. آپ نے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا تو جوتوں پر مسح کرنا ایک اضافی کام تھا وضوء کے لیے شرط نہ تھا۔ ان جوابات کی تفصیل کے لیے ''نصب الرایہ'' (۱/۱۸۸۔۱۸۹) دیکھیں۔

ج۔ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ۔ " كان رسول الله۔ﷺ۔ يصلّي ركعتين دبر كل صلوٰة إلا الفجر والعصر"۔

رسول اللہ ﷺ فجر اور عصر کے علاوہ ہر نماز کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے۔''

اس حدیث کو حافظ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' (۱/۲۵۰) میں ذکر کیا ہے۔''

اور اسحاق بن راھویہ کی ''مسند'' اور بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ حدیث ''سنن اَبوداوٗد'' (۱۲۷۵) میں بھی ہے اسی لیے مولانا عبدالعزیز نے ''نصب الرایہ'' کے حاشیے میں لکھا ہے: ''وأبو داؤد في السنن......''

شیخ محمد عوامہ حنفی لکھتے ہیں:

" قال فضيلة الشيخ الفنجابي عاطفًا على قوله: "روى إسحاق" : و أبوداؤد، والطحاوي، و أحمد" و لاشك أن العزو إلى "المسند" و "أبي داؤد" أقرب، و أولى من العزو إلى "سنن البيهقي" و "مسند ابن راهويه" (دراسة حديثية ،صفحہ:۲۰۹۔۲۱۰)

یعنی شیخ پنجابی۔عبدالعزیز۔ نے زیلعی کے اس قول پر کہ اسے اسحاق بن راھویہ نے روایت کیا ہے حاشیہ

---

[1] ملاحظہ ہو صحیح ابن حبان (۲/۳۱۴/ حدیث:۱۳۳۶)۔

لگاتے ہوئے کہا ہے "اس کو ابوداؤد، طحاوی اور أحمد نے بھی روایت کیا ہے۔" [1] اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسند احمد اور أبوداؤد کی طرف منسوب کرنا، سنن بیہقی اور مسند ابن راہویہ کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

د۔ أنس رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک دیہاتی آدمی آیا اور اس نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنا شروع کر دیا، لوگوں نے اس کو ڈانٹا تو آپ نے فرمایا "اسے ڈانٹو نہیں" جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا اور اس جگہ پر جہاں اس نے پیشاب کیا تھا گرا دینے کا حکم دیا۔"

اس حدیث کو زیلعی نے مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نصب الرایہ (۱/۲۱۲)۔

جب کہ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو: کتاب الوضوء حدیث (۲۱۹، ۲۲۱) اور مسلم كتاب الطهارة، حدیث (۲۸۴-۲۸۵)۔

صحیح بخاری کو چھوڑ کر صحیح مسلم سے حدیث کی تخریج کرنے میں واضح تقصیر ہے اسی لیے مولانا عبدالعزیز دیوبندی نے "نصب الرایہ" کے حاشیے میں کہا ہے: "والبخاري أيضاً" اس کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز یہی حدیث بخاری (۲۲۰) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

ہ۔ أبوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "أسرعوا بالجنازة"۔ جنازے کو لے جانے میں جلدی کرو۔"

اس حدیث کے بارے میں شیخ محمد عوامہ نے حافظ زیلعی کی جس تقصیر کا ذکر کیا ہے وہ ملاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں:

" و قال الزيلعي- أيضًا- " أخرج الأربعة عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ "أسرعوا بالجنازة......"۔

وخرّجه الشيخ الفنجابي عن "السنن الأربعة" ثم قال:" هذا الحديث أخرجه الشيخان أيضًا...... ولا أدري لم أغفلهما الحافظ المخرج-رحمه الله تعالىٰ-"

و هذا التقصير في عزوالأحاديث إلى ما اشتهر و تُدووِل من كتب السنّة، أو إلى ما هو أولى، و أقرب :يُعَدّ عيبًا عند علماء الصناعة" (دراسة حديثيّة : ۲۱۰)۔

"زیلعی نے یہ بھی کہا ہے کہ چاروں نے (اصحاب السنن الأربعة نے) ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول

---

[1] أبوداؤد (۱۲۷۵) شرح معانی الآثار (۱/۳۰۳) اور مسند أحمد (۱/۱۴۴،۱۲۴) اور یہ حدیث ضعیف ہے ملاحظہ ہو: ضعیف أبي داؤد (حدیث: ۲۳۶- اصل ضعيف ابي داؤد)۔

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنازے کو جلدی لے کر جاؤ۔''

شیخ پنجابی نے اس کی ''سنن اُربعہ'' سے تخریج کرنے کے بعد کہا ہے: ''اس حدیث کو شیخین (بخاری و مسلم) نے بھی روایت کیا ہے...... میں نہیں جانتا کہ حافظ مخرج (زیلعی رحمہ اللہ) نے ان کے (شیخین کے) ذکر کو کیسے چھوڑ دیا ہے۔''

اُحادیث کو ان کتب کی طرف جو کہ حدیث کی مشہور اور متداول کتب ہیں یا ان کتب کی طرف جو اُعلیٰ ہیں منسوب نہ کرنا اہل فن کے ہاں عیب تصور کیا جاتا ہے۔''

یعنی ایک حدیث اگر بخاری و مسلم میں ہے یا بخاری و مسلم کے ساتھ ساتھ ''سنن اُربعہ'' میں بھی ہے تو اسے صرف مسلم کی طرف منسوب کردیا جائے یا بخاری اور مسلم دونوں کو چھوڑ کر ''سنن اُربعہ'' کی طرف منسوب کردیا جائے۔ یا ایک حدیث ''سنن اُربعہ'' یا ان میں سے بعض ''سنن'' میں ہو تو اسے طبرانی یا بیہقی کی طرف منسوب کردیا جائے تو یہ اہل فن کے ہاں عیب ہے۔

تنبیہ = شیخ محمد عوامہ نے مذکورہ حدیث کے بارے میں حافظ زیلعی کی جس تقصیر کا ذکر کیا ہے اس کے لیے انھوں نے حاشیے میں اس طرح حوالہ دیا ہے: نصب الرایہ (۲/۲۸۹)۔

لیکن آپ جب ''نصب الرایہ'' کا وہ نسخہ دیکھیں گے جو ''دارالقبلہ'' اور ''مؤسسۃ الریان'' سے چھ جلدوں میں چھپا ہے آخری جلد ''نصب الرایہ'' کی مختلف فہارس پر مشتمل ہے اور پہلی ایک مقدمہ کے طور پر ہے جو درج ذیل مقالات یا کتب پر مشتمل ہے۔

① فقه أهل العراق، و حديثهم لمحمد زاهد الكوثري۔

② دراسة حديثية مقارنة لنصب الرايه و فتح القدير و منية الألمعي لمحمد عوامة۔

③ منية الألمعي لابن قطلوبغا۔

تو اس نسخہ میں ''نصب الرایہ'' کے مذکورہ مقام پر آپ حافظ زیلعی کی تخریج اس طرح پائیں گے: "أخرج الأئمة الستّة......" یعنی اس میں "أخرج الأربعة" کی بجائے "أخرج الأئمة الستة" ہے۔

اور حاشیے میں شیخ پنجابی کی تخریج اس طرح پائیں گے:

"البخاری۔ أبوداؤد۔ والترمذی۔ والنسائی۔ وابن ماجه۔ والطحاوی"۔

مگر جب آپ پرانے نسخہ کا مراجعہ کریں گے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے تو اس میں ''أخرج الأربعة'' ہی پائیں گے اور حاشیہ میں شیخ پنجابی کا وہ کلام بھی ملے گا جس کا محمد عوامہ نے ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیں دار إحیاء التراث والانسخہ (۲/۲۸۹)۔

معلوم یہ ہوا کہ اس نئے نسخے میں تبدیلی کی گئی ہے متن اور حاشیہ کے خط سے بھی یہ تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔

تبدیلی کے باوجود اس میں ایک کمی ابھی بھی رہ گئی ہے وہ یہ کہ حاشیے میں صحیح مسلم سے اس حدیث کی تخریج نہیں کی گئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث کی تخریج میں حافظ زیلعی سے تقصیر یہ ہوئی کہ یہ حدیث چونکہ بخاری و مسلم میں بھی ہے لیکن انھوں نے اس کی تخریج صرف ''سنن أربعۃ'' سے کی ہے۔

۳ امام ابن ہمام۔

ابن ترکمانی اور زیلعی کے بعد ابن ہمام کی بھی أحادیث کی تخریج میں تقصیر کی بعض مثالیں ملاحظہ کرلیں۔

ا۔ صفحہ(۲۴۸) میں ذکر ہوا کہ علامہ مرغینانی نے ''ہدایہ'' میں یہ حدیث ذکر کی ہے:"اذا التقی الختانان و توارت الحشفة......"۔

ابن ہمام اس حدیث کی ''ہدایہ'' کے لفظ کے ساتھ تخریج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وفي مصنف ابن أبي شيبة "إذا التقى الختان، وتوارت الحشفة فقد وجب الغسل"(فتح القدير(١/٦٤)۔

انھوں نے اس حدیث کو ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ کتب ستہ میں سے ''سنن ابن ماجہ'' میں اور اسی طرح مسند أحمد میں بھی ہے جیسا کہ (صفحہ:۲۴۸) میں ذکر ہوا۔

ب۔ صف بندی کی أحادیث کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہمام لکھتے ہیں:

" ففي صحيح ابن خزيمة عن البراء: كان ﷺ يأتي ناحية الصفّ فيسوى بين صدور القوم و مناكبهم......"(فتح القدير:۱/۳۵۹)۔

انھوں نے اس حدیث کو ''صحیح ابن خزیمہ'' کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ حدیث ''کتب ستہ'' میں سے أبوداود (۶۶۴) اور نسائی (۲/۹۰) میں بھی ہے اور یہ صحیح حدیث ہے اس کی مفصل تخریج کے لیے "القول المقبول" (صفحہ:۵۳۰،حدیث:۴۷۱) دیکھی جائے۔

۴ مولانا عبدالحی لکھنوی:

انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث:"ستّة لعنتهم:الزائد فى كتاب الله......"کو ذکر کرنے سے قبل لکھا ہے:

" و أخرج الطبراني فى "المعجم الكبير" وابن حبان، والحاكم عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ "(التعليق الممجد (۱/۱۹۲)۔

انھوں نے اپنے اس کلام میں اس حدیث کو طبرانی، ابن حبان اور حاکم کی طرف منسوب کیا ہے۔ [1] جب کہ اصول ستہ (معروف صحاح ستہ) میں سے یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ جامع ترمذی (حدیث:۲۱۵۴) کتاب القدر باب(۱۷)۔

اور یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ ضعیف الجامع (۳۲۴۸) میں ہے۔

جب ایک حدیث ''اُصول ستہ'' میں یا ان میں سے بعض کتب میں یا کسی ایک کتاب میں ہو تو پھر اس حدیث کو ''اُصول ستہ'' کی طرف یا ان میں سے جس کتاب میں وہ حدیث ہو اس کی طرف منسوب کرنے کی بجائے دوسری کتب کی طرف منسوب کرنا اہل فن کے نزدیک عیب کہلاتا ہے۔ [2]

بس انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں اور عقلمندوں کو یہ بات سمجھانے کے لیے کہ علماء سے اس قسم کی تقصیر ہو جاتی ہے یہ مثالیں کافی ہیں ﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِأُولِي النُّهٰى﴾ (طٰه:۱۲۸)

۷۔ بعض احادیث کا ضعف بیان نہ کرنا:

بعض ضعیف اُحادیث کو نقل کرنے کے بعد ان کے ضعف کو بیان نہیں کیا اور بعض وہ احادیث ہیں کہ جن کتب سے

---

[1] ملاحظہ ہو المعجم الکبیر"(۳/۱۳۶/۲۸۸۳) صحیح ابن حبان (۷/حدیث:۵۷۱۹) اور مستدرک حاکم (۱/۳۶،۲/۵۲۵،۴/۹۰)۔

طبرانی نے اس کو اُوسط (۵/حدیث:۵۔۳۲۷۔مجمع البحرین) میں بھی روایت کیا ہے۔

[2] اس حدیث کی نسبت یا تخریج میں صاحب ''مشکوٰۃ'' سے بھی تقصیر ہوئی ہے چنانچہ انھوں نے اس کو "المدخل" للبیھقی اور رزین کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو(۱/۳۸۔۳۹) کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر فصل ثانی۔ ترمذی کو چھوڑ کر اس کو مدخل اور رزین کی طرف منسوب کرنا اس میں واضح تقصیر ہے۔

لکھنوی اور خطیب تبریزی کی اسے ترمذی کی طرف منسوب نہ کرنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں یہ حدیث نہیں ہے مثال کے طور پر ترمذی کے جس نسخے پر شرح تحفۃ الأحوذی ہے اس میں یہ حدیث نہیں ہے لہٰذا ممکن ہے لکھنوی اور تبریزی کے پاس ترمذی کا جو نسخہ ہو اس میں یہ حدیث نہ ہو۔ واللہ اُعلم۔

اور حافظ ہیثمی کی اس کو مجمع الزوائد(۱/۱۸۱۔۷/۲۰۸) اور ''مجمع البحرین'' (۵/۳۹۸) میں ذکر کرنے کی بھی یہی وجہ ہو۔

تنبیہ= واضح رہے کہ رزین کی کتاب کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ جس میں انھوں نے احادیث کو اسانید کے ساتھ روایت کیا ہو بلکہ انھوں نے ''اصول ستہ'' کی احادیث کو ایک مستقل کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی تھی اور ان کی اس کتاب میں بعض ایسی احادیث بھی درج ہوگئی ہیں جو کہ اصول ستہ میں نہیں ہیں بلکہ بعض احادیث ایسی بھی ہیں جو کہ حدیث کی کسی کتاب میں بھی نہیں پائی جاتیں اسی لیے علامہ شوکانی نے ''السیل الجرار"(۱/۷۷۔۷۸) میں ان پر بڑے سخت الفاظ سے تنقید کی ہے۔

ان کو نقل کیا گیا ان میں ان کے ضعف کی صراحت موجود ہے لیکن ان کو نقل کرتے وقت ان کے ضعف کو نقل نہیں کیا گیا۔

ا۔ جہاں تک ضعیف اُحادیث کے ضعف کو بیان نہ کرنے والا مسئلہ ہے تو دراُصل اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مؤلف جس ماحول میں تھے اس میں اس طرف کوئی زیادہ توجہ نہ دی جاتی تھی اور دوسری وجہ جو پہلی سے اہم ہے وہ یہ کہ اس وقت علماء کے پاس کتابوں کا ذخیرہ بہت کم تھا اُکثر علماء کے پاس مشکوٰۃ، بلوغ المرام، اور ترغیب وترہیب وغیرہ ہی ہوتی تھیں اور وہ انھیں کتب پر اعتماد کرتے تھے اس لیے اُحادیث کی تحقیق ان کے بس کی بات نہ تھی۔

اب حافظ زیلعی کی سنیے کہ جو حدیث کے بارے میں وسیع معلومات رکھتے تھے اور ان کے پاس کتب کا ذخیرہ بھی تھا اس کے باوجود انھوں نے بہت سی اُحادیث کا درجہ بیان نہیں کیا چنانچہ شیخ محمد عوامہ حنفی ''نصب الرایہ'' میں حافظ زیلعی پر اپنے مؤاخذات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

٦۔ وآخر ما يذكر مأخذاً على الحافظ الزيلعي: عدم التزامه بيان رتبة جميع الأحاديث التي يخرجها، و قد بيّن۔رحمه الله۔ حكم كثير من الأحاديث التي فيه، ولكن بقي عليه كثير أيضًا، وكان بإمكانه أن يكفينا هذه المؤونة، ويفيدنا هذه الفائدة، لسعة اطلاعه، ووفرة مصادره و لكن هذا ما حصل له۔"

(دراسة حديثية ،صفحه:٢١٣).

''حافظ زیلعی پر سب سے آخری مؤاخذہ یہ ہے کہ انھوں نے جن اُحادیث کی تخریج کی ہے ان تمام کے درجے کو بیان کرنے کا التزام نہیں کیا۔

ہاں انھوں نے بہت سی اُحادیث کا حکم بیان کیا ہے لیکن بہت سی اُحادیث ایسی بھی ہیں کہ جن کا حکم بیان نہیں کیا، حالانکہ ان کے لیے ایسا کرنا ممکن تھا کہ ہم سے یہ بوجھ اٹھا لیتے اور ہمیں مستفید کرتے کیونکہ ان کی نظر بہت وسیع تھی اور ان کے پاس کتب کا ذخیرہ بھی تھا مگر ان سے ایسا ہو نہیں سکا۔''

جب حافظ زیلعی جیسی شخصیت سے ایسا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے بہت سی اُحادیث کا درجہ بیان نہیں کیا جب کہ تخریج سے اُصل مقصد حدیث کا درجہ بیان کرنا ہی ہوتا ہے۔ تو مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ سے ایسا ہو جانا مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر قابل مؤاخذہ وقابل اعتراض نہیں، ہاں ان کا یہ عمل قابل اصلاح ضرور تھا چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر اس کتاب کی اُحادیث کی تخریج کی گئی۔

ب۔ بعض اُحادیث ایسی ہیں کہ جن کتب سے ان کو نقل کیا گیا ہے ان میں ان کے ضعیف ہونے کی صراحت موجود ہے مگر مؤلف نے ان کے ضعف کو ذکر نہیں کیا۔

یہ چیز واقعتاً قابل مؤاخذہ ہے لیکن یہ خیال رہے کہ ایسی احادیث بہت کم ہیں کتاب کی تمام اُحادیث میں سے جن کی تعداد تقریباً ۷۴۳ ہے ایسی اُحادیث صرف نو یا دس ہیں۔

اور یہ واضح رہے کہ ایسا صرف ہمارے مولانا صادق صاحب رحمہ اللہ سے ہی نہیں ہوا بلکہ آپ کے علماء سے بھی ایسا ہوا ہے اب اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

آپ کے حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے رسالے ''الاقتصاد'' میں۔ جیسا کہ فتاویٰ اہل حدیث (۱/۴۶۱) میں ہے۔لکھا ہے:

''قیام میں ہاتھ زیر ناف باندھے، اُبوداؤد نسخہ الأعرابی جلد اُوّل (صفحہ:۱۱۷) میں ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھا جائے اور ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ کا پکڑنا ہاتھ سے نماز کے اندر ناف کے نیچے ہے (روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو ابوداؤد نے)۔

ان دونوں حدیثوں کو تھانوی صاحب نے ابوداؤد کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد خاموشی اختیار کی ہے جب کہ ان دونوں ہی حدیثوں کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اِسحاق کوفی ہیں جن کے بارے میں امام ابوداؤد نے حدیثِ ابوہریرہ کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے:

" سمعت أحمد بن حنبل يضعف عبد الرحمن بن اسحاق الكوفي" ملاحظہ ہو سنن أبوداؤد كتاب الصلوة باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة، حديث:(۷۵۸)۔

'' میں نے احمد بن حنبل (امام احمد) کو عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی کی تضعیف کرتے ہوئے سنا ہے'' یعنی انھوں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

عبدالرحمٰن بن اِسحاق کوفی جنھیں واسطی بھی کہا جاتا ہے یہ صرف امام احمد کے نزدیک ہی ضعیف نہیں ہیں بلکہ ان کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے چنانچہ امام ابن ہمام اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" قال النووي: اتفقوا على تضعيفه، لأنه من رواية عبدالرحمن بن إسحاق الواسطي مجمع على ضعفه" (فتح القدير (۱/۲۸۷)۔

'' نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تضعیف پر علماء کا اتفاق ہے کیونکہ یہ عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی کی روایت سے ہے جس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔''

اور حافظ زیلعی لکھتے ہیں:

"و قال النووي فی " الخلاصة" و في شرح مسلم: هو حديث متفق على تضعيفه ، فإن

عبد الرحمن بن إسحاق ضعيف بالاتفاق" (نصب الرایه ۱۰/۱/۳۱۴)۔

''نووی نے ''خلاصہ'' اور ''شرح مسلم'' [1] میں کہا ہے کہ اس حدیث کی تضعیف پر اتفاق ہے کیونکہ عبد الرحمٰن بن اسحاق بالاتفاق ضعیف ہے۔''

قارئین آپ نے دیکھا کہ تھانوی صاحب نے ان دونوں حدیثوں کو ابوداؤد سے نقل کیا ہے مگر ان کے بارے میں ان کی تضعیف سے متعلق جو کلام تھا اسے نقل نہیں کیا اور نہ ہی انھوں نے اس بات کی کوئی پرواہ کی کہ جب ہمارے کبار علماء نے ان حدیثوں پر کلام کیا ہے تو کم از کم میں ان کے ضعف کی طرف اشارہ تو کردوں مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ مولانا صادق صاحب سے اس کے بارے میں جو تساہل ہوا سو ہوا لیکن آپ کے مولانا زکریا صاحب کاندھلوی جو شیخ الحدیث کے لقب سے ملقب کیے جاتے ہیں انھوں نے کیا کیا انھوں نے یہ کیا کہ اپنی کتاب ''تبلیغی نصاب'' اور ''فضائل الصدقات والحج'' میں حدیث کے متن کے آخر میں عربی میں تو یہ لکھ دیا کہ ''ضعیف''، یا ''ضعیف جداً'' لیکن اردو میں حدیث کے ترجمے کے ساتھ ان الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا، یہ کیوں، یہ کتابیں تو اردو دان طبقہ کے لیے لکھی گئی ہیں عربی دانوں کے لیے تو نہیں۔

اس قسم کی اُحادیث کی مثالیں بیان کر کے ہم زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتے اگر ہماری بات میں کچھ شک ہو تو ان کتب کا مطالعہ کر لیجیے۔

یہاں صرف ایک مثال بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب نے ترک نماز پر وعید کے بارے میں ایک حدیث ذکر کی ہے جو یہ ہے:

" من ترك الصلاة حتى مضى وقتها ثم قضى عذّب في النّار حقباً ، والحقب ثمانون سنة، والسنة ثلاث مائة و ستون يومًا كل يوم مقدار ألف سنة۔"

''جس شخص نے نماز کو ترک کردیا حتی کہ اس کا وقت ختم ہوگیا پھر اس کی قضا کی تو اسے جہنم میں کئی حُقُب تک عذاب دیا جائے گا اور ایک حقب اسّی سال کا ہوگا اور سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔''

شیخ الحدیث صاحب اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] ملاحظہ ہو'' خلاصة الأحكام (۱/۳۵۸) اور''شرح مسلم''(۴/۱۱۵) امام نووی نے یہ بات اپنی کتاب''مجموع شرح مهذب''(۳/۳۱۳) میں بھی کہی ہے۔

" كذا في "مجالس الأبرار" قلت: لم أجده فيما عندي من كتب الحديث إلا أن "مجالس الأبرار" مدحه شيخ مشائخنا الشاه عبد العزيز الدهلوي" ملاحظہ ہو " تبلیغی نصاب" (ص:۲۳۱۔فضائل نماز)۔

شیخ الحدیث صاحب نے اس عربی عبارت کا ترجمہ نہیں کیا اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

''یہ حدیث "مجالس الأبرار" میں ہے، میں کہتا ہوں کہ میرے پاس حدیث کی جو کتابیں ہیں ان میں مجھے یہ حدیث نہیں ملی مگر "مجالس الأبرار" کی ہمارے اساتذہ کے استاذ شاہ عبد العزیز دھلوی نے تعریف کی ہے۔''

یہ ہے ان کی اس عربی عبارت کا ترجمہ جس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ بے اصل حدیث ہے مگر اردو دان طبقے کو کس قدر دھوکا میں رکھا گیا۔

جب کتاب اردو میں تھی تو عربی میں یہ بات کیوں کہی گئی یہ کسی مُحدِّث کی بات نہیں کہ جو عربی میں تھی اور اسے نقل کر دیا گیا بلکہ یہ کاندھلوی صاحب کی اپنی بات ہے جسے انھوں نے بجائے اردو میں کہنے کے عربی میں کہہ دیا اس سے مقصود اگر عوام الناس کو دھوکے میں رکھنا نہیں تو اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

اس سے بڑھ کر سنیے کہ شیخ الحدیث صاحب ہی کی جماعت کے کسی آدمی نے ان سے کہا کہ بعض علماء نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے لہٰذا مناسب نہیں کہ اس حدیث کو اس کتاب میں ذکر کیا جائے بلکہ اس کا حذف کر دینا ہی بہتر ہے اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

موصوف نے جواب دیا کہ اس عاجز نے اگر اس حدیث کو اپنی طرف سے ذکر کیا ہوتا تو اس کا حذف کر دینا ممکن تھا مگر چونکہ یہ حدیث معتبر کتاب ''مجالس الأبرار'' سے نقل کی گئی ہے اس لیے لوگوں کی تحذیر (ڈرانے) کے لیے اس کے ذکر کر دینے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ یہ ضعیف ہے۔

اس واقعہ کو ڈاکٹر طالب الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب "جماعة التبليغ" (صفحہ:۳۶۱۔۳۶۲) میں ذکر کیا ہے۔ [1]

عجیب منطق ہے کہ لوگوں کی تحذیر کے لیے بے اصل و من گھڑت روایات ذکر کی جائیں اور لوگوں کے لیے تو من گھڑت اَحادیث تحذیر کا سبب بن جائیں لیکن ایک شیخ الحدیث کے لیے رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل صحیح اَحادیث بھی تحذیر کے لیے کافی نہ ہوں۔

① "كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع۔"

[1] اس حدیث کا ذکر (صفحہ:۳۹۸) میں بھی آ رہا ہے اور وہاں تبلیغی نصاب کی کچھ خرافات کا ذکر بھی آئے گا۔

" هذا الحديث بهذا اللفظ غريب لم يرد هكذا......"

''یہ حدیث اس لفظ سے غریب ہے اس طرح سے نہیں آئی۔''

تیسری حدیث: صاحب ''ہدایہ'' لکھتے ہیں:

" و قال ۔عليه الصلاة والسلام۔ لا تزال أمّتی بخير ما عجلوا المغرب و أخروا العشاء۔"(۱/۲۲۸)۔

''نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''میری اُمت خیر پر رہے گی جب تک وہ مغرب کو جلد اور عشاء کو تأخیر سے ادا کرتی رہے گی۔''

حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ''قلت: غریب'' (۱/۲۴۶)۔

اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے: "لم أجده هكذا" (۱/۱۰۶) ''یہ حدیث مجھے اس طرح سے نہیں ملی۔''

اور علامہ ابن أبی العز حنفی لکھتے ہیں:

"هذا الحديث منكر ، لا يعرف فی كتب الحديث"

التنبيه على مشكلات الهدايه"(۱۰/۲۶۸)۔

''یہ حدیث منکر ہے کتب حدیث میں پہچانی نہیں جاتی۔''

اس حدیث کے بے اُصل ہونے کا علامہ عینی کو بھی اعتراف ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" هذا الحديث له أصل و لكن بغير هذه العبارة" (البناية:۲/۴۹)۔

''اس حدیث کی اصل ہے لیکن دوسرے الفاظ سے۔''

اس کے بعد انھوں نے اُبوداوَد کے حوالے سے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ ''میری امت بھلائی یا فطرت پر (شک راوی کو ہے) رہے گی جب تک کہ مغرب کو ستاروں کے اچھی طرح طلوع ہو جانے تک لیٹ نہیں کرے گی۔'' (ملاحظہ ہو ابوداوَد (حدیث ۴۱۸)۔

حدیث کا معنی آپ کے سامنے ہے ابھی آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ اس حدیث سے صاحب ''ہدایہ'' کی ذکر کردہ حدیث کی کس حد تک تائید ہوتی ہے۔

چوتھی حدیث: صاحب ''ہدایہ'' (۱/۳۰۷) لکھتے ہیں:

"قوله ۔عليه الصلاة والسلام۔ :" إذا سجد المؤمن سجد كل عضو منه، فليوجّه من أعضائه القبلة ما استطاع......"۔

’’مومن جب سجدہ کرتا ہے تو اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے پس اسے چاہیے کہ جس قدر ہو سکے وہ اپنے أعضاء کو قبلہ رو رکھے۔‘‘

حافظ زیلعی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:"قلت: غریب۔"(۱/۳۸۷)۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:"لم أجده"(۱/۱۴۷)۔

علامہ ابن أبی العزّ لکھتے ہیں:

"هذا الحديث منكر لا أصل له" (التنبيه:۲/۵٦۵).

’’یہ منکر حدیث ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔‘‘

اور علامہ عینی نے "البناية" (۲/۲۸٦) میں لکھا ہے:

"هذا الحديث غريب......"’’یہ غریب حدیث ہے۔‘‘ یعنی بے اُصل ہے۔

اور امام ابن ہمام نے ’’فتح القدیر‘‘ (۱/۳۰۷) میں کہا ہے:" المحفوظ رواية ذلك من فعله"۔ یعنی محفوظ یہ ہے کہ اعضاء کا قبلہ کی طرف ہونا رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے یعنی آپ اعضا کو سجدے میں قبلہ کی طرف رکھتے۔

پانچویں حدیث: صاحب ’’ہدایہ‘‘ لکھتے ہیں:

"قوله ـ عليه الصلاة والسلام۔ "من صلّى خلف عالم تقي فكأنّما صلّى خلف نبيّ" (۱/۳۴۹)۔

’’جس نے متقی پرہیز گار عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔‘‘

حافظ زیلعی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے:"قلت:غريب" (۲/۲٦) حافظ ابن حجر نے کہا ہے:’’لم أجده"(۱/۱٦۸)۔

علامہ ابن أبی العزّ نے کہا ہے:

"قال السروجی: لم أقف عليه في كتب الحديث۔" التنبيه (۲/۲۰۷)۔

’’سروجی [1] نے کہا ہے کہ کتب حدیث میں مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔‘‘

محقق "التنبيه" نے حاشیے میں کہا ہے:

"و قال الملاّ على القاري في المصنوع" (۱۸٦): " لا أصل له"۔

’’ملا علی قاری نے مصنوع۔ المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع۔ میں کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔‘‘

---

[1] یہ أحمد بن إبراہیم (متوفی:۷۱۰ھ) ہیں انھوں نے "الغايه" کے نام سے ’’ہدایہ‘‘ کی شرح لکھی ہے۔

''قاری کی ''طبقات'' [1] میں ہے کہ ''ہدایہ'' میں بہت سے أوہام واقع ہوئے ہیں جن کو علامہ فہامہ شیخ عبدالقادر قرشی حنفی نے اپنی کتاب ''العناية في تخريج أحاديث الهداية'' میں نقل کیا ہے۔''

صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ انھوں نے ''كتاب أوهام الهدايه'' کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی تألیف کی ہے اس کتاب کا ذکر بھی لکھنوی صاحب نے کیا ہے۔

اور ''التنبيه على مشكلات الهداية'' کے محقق عبدالحکیم شاکر اپنے ''مقدمة التحقيق'' (۱/۱۷۷) میں لکھتے ہیں:

" و قد وقعت في "الهدايه" أوهام كثيرة ذكرها العلّامة الشيخ عبد القادر القرشي في كتابه المسمى " العناية في تخريج أحاديث الهدايه"، وفي كتاب سماه"أوهام الهداية"

''ہدایہ میں بہت سے أوہام واقع ہوئے ہیں جن کا ذکر علامہ شیخ عبدالقادر قرشی نے اپنی کتاب ''العناية في تخريج أحاديث الهداية'' میں اور اس کتاب میں جس کا نام انھوں نے ''أوهام الهدايه'' رکھا ہے کیا ہے۔'' [2]

ہدایہ میں احادیث کے ذکر کرنے میں اور أقوال أئمہ نقل کرنے میں کس قدر بے احتیاطی پائی جاتی ہے نیز اس میں دیگر کس قسم کے اوہام اور عیوب پائے جاتے ہیں ان کی تفصیل کے لیے مولانا محمد جوناگڑھی۔ رحمہ اللہ۔ کا رسالہ ''درایت محمدی'' دیکھا جائے۔

ھدایہ کی شروح میں أوہام:

ہدایہ کی طرح اس کی شروح میں بھی اوہام پائے جاتے ہیں مولانا عبدالحی لکھنوی محمد بن ایاتلوغ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

" و له شرح مجمع البحرين، وهو تصنيف عظيم فيه مؤاخذات على شروح الهدايه"

(الفوائد البهية صفحه:۱٦۱).

''ان کی ایک کتاب ''شرح مجمع البحرين'' ہے یہ بہت عظیم تصنیف ہے اس میں ''ہدایہ'' کی شروح پر

[1] قاری سے مراد ملاعلی قاری اور طبقات سے مراد ان کی کتاب "الأثمار الجنية في الأسماء الحنفية" ہے اس کے لیے اس کے بعد آنے والا حاشیہ نیز "طرب الأماثل بتراجم الأفاضل" لمحمد عبد الحى اللكهنوي"(ص:۲۸٦) بھی دیکھیں۔

[2] اس کے لیے حاشیہ میں انھوں نے ملاعلی قاری ہی کتاب کا حوالہ دیا ہے چنانچہ لکھا ہے:" انظر " الأثمار الجنية في الأسماء الحنفية" ل:۱۰۸ ب من نسخة مكتبة عارف حكمت رقم(۳۷٤۹/۳/۹۰۰)۔

مؤاخذات ہیں۔"

اسی مناسبت سے آپ اپنے حاجی خلیفہ حنفی کے اوہام کے بارے میں بھی سنتے جایئے لکھنوی ہی لکھتے ہیں:

" و لا يخفى على من ولع بمطالعة "كشف الظنون" أن فيه أوهامًا كثيرة، ومناقضات كبيرة في تواريخ مواليد العلماء، ووفيات الفضلاء"(حواله مذكور، صفحه:۱۲۴. حاشيه).

"کشف الظنون" کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ اس میں علماء وفضلاء کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں کے بارے میں، بہت زیادہ اوہام اور بڑے بڑے تناقضات پائے جاتے ہیں۔"

ہدایہ کی چند بے اُصل احادیث ملاحظہ کر لینے، اس میں اور اس کی شروح میں اوہام کے بارے میں معلوم کر لینے کے بعد اب دیگر کتب فقہ میں جو بے اُصل و من گھڑت روایات پائی جاتی ہیں ان کی مثالیں بھی ملاحظہ کریں۔

۲۔ فتح القدیر شرح الہدایہ:

ا۔ امام ابن ہمام اس مسئلہ کی کہ ہاتھ سے استمناء جائز نہیں۔ دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ذكر المشايخ فيه أنّه ـ عليه الصلاة والسلام ـ قال: ناكح اليد ملعون۔"

(فتح القدير:۲/۳۳۰).

"مشائخ نے اس کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاتھ سے نکاح (مشت زنی) کرنے والا ملعون ہے۔"

شیخ محمد عوامہ حنفی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "و هو لا أصل له" (دراسة حديثيّة مقارنه: صفحه: ۲۸۰) "اس حدیث کی کوئی اُصل نہیں ہے۔" [1]

ب۔ امام ابن ہمام نے ایک حدیث اس طرح سے ذکر کی ہے:

" من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقفنّ مواقف التُّهَم" (فتح القدير:۲/۳۴۵).

"جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اسے تہمت والے کاموں سے بچ جانا چاہیے۔"

شیخ محمد عوامہ لکھتے ہیں:

" لا يعرف بهذا اللفظ" (هامش دراسة حديثية:۲۸۰)۔

---

[1] ایک حدیث ان الفاظ سے بھی ہے: "سبعة لا ينظر الله إليهم" سات شخص ایسے ہیں جن کی طرف اللہ دیکھے گا نہیں۔ اور ان سات میں ایک استمناء بالید کرنے والے شخص کا ذکر بھی ہے اور یہ ان الفاظ سے غیر صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تلخیص الحبیر" (۳/۱۸۸)۔

''یہ ان الفاظ سے غیر معروف ہے۔'' [1]

بس انہی دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:

یہ علامہ کاسانی حنفی (متوفی ۵۸۷ھ)۔ جن کو ملک العلماء کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ کی کتاب ہے اور فقہ حنفی کی چوٹی کی کتب میں سے ہے۔

کاسانی رفع الیدین کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و رُوي أنّه ـصلى اللّٰه عليه وسلم۔ رأى بعض أصحابه يرفعون أيديهم عند الركوع و عند رفع الرأس من الركوع فقال : ما لي أراكم رافعي أيديكم كأنّها أذناب خيل شُمس اسكنوا في الصلاة۔" وفی رواية "قاروا فی الصلاة" بدائع الصنائع(۱/۲۰۷)۔

''مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''مجھے کیا ہے کہ میں شریر گھوڑوں کی دموں کی طرح تمھیں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھ رہا ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔''

یہ کاسانی صاحب کی پیش کردہ حدیث ہے جب کہ حدیث کی کسی کتاب میں بھی رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز سے سلام پھیرتے وقت دائیں اور بائیں طرف ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے جس سے رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا اس حدیث کے الفاظ ملاحظہ کیجیے جابر بن سمرة رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

" صليت مع رسول الله۔ﷺ۔ فكنّا إذا سلّمنا قلنا بأيدينا: السلام عليكم، السلام عليكم، فنظر إلينا رسول الله۔ﷺ۔ فقال: " ما شأنكم؟ تشيرون بأيديكم كأنّها أذناب خيل شمس؟ إذا سلم أحدكم فليلتفت إلى صاحبه و لا يومِىءُ بيده۔" [2]

---

[1] ایک حدیث ان الفاظ سے بھی مشہور ہے: "اتقوا مواضع التّهم" "تہمت والی جگہوں سے بچو۔" مگر یہ ان الفاظ سے بھی بے اُصل ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: '' سلسلة الأحاديث الضعيفة'' (حدیث: ۱۱۳) اسی طرح ملا علی قاری کی ''موضوعات کبیر'' (حدیث: ۱۰) بھی دیکھیں۔

[2] اسی حدیث کو مسلم (حدیث: ۴۳۱) كتاب الصلاة ، باب "الأمر بالسكون في الصلاة" أبو عوانه (۲/۲۳۸۔۲۳۹) أبوداؤد: (۹۹۸۔۹۹۹) اور نسائی (۳/۴۔۵، ۶۱۔۶۲، ۶۴) نے روایت کیا ہے۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں سو جب ہم ''السلام علیکم'' کہتے تو ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ہمیں ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: تمھیں کیا ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو گویا کہ وہ (ہاتھ) شریر گھوڑوں کی دمیں ہیں، جب تم میں سے کوئی سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف التفات کرے لیکن ہاتھ سے اشارہ نہیں کرے۔''

یہ ہے اصل حدیث، مگر اپنے مقصد کی خاطر اس کو دوسرے انداز سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ اصل حدیث سے مقصد پورا نہیں ہوتا تھا اس لیے اپنے مقصد کے لیے اس میں تحریف سے کام لیا گیا۔

۴۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق

یہ بھی فقہ حنفی کی معتبر کتب میں سے ہے اور یہ شیخ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفی کی کتاب ہے۔ [1]

فخر الدین زیلعی اس کتاب میں ایک حدیث اس طرح لائے ہیں:

" و عن عبادة بن الصامت ـ رضی الله عنه ـ أنّه ـ علیه الصلاة السلام ـ قال :" لا یقرأنّ أحد منکم شیئًا من القرآن إذا جهرت بالقرآن ـ" (ملاحظہ ہو: ۱/ ۳۳۸)۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب میں قرآن کو جہراً پڑھوں تو تم میں سے کوئی بھی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھے۔''

اور اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "قال الدارقطني: رجاله ثقات......" دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

مطلب یہ ہوا کہ یہ حدیث دارقطنی میں ہے جب کہ یہ حدیث دارقطنی میں اس طرح سے نہیں بلکہ یوں ہے:

" فلا یقرأنّ أحد منکم شیئًا من القرآن إذا جهرت بالقراء ة إلا بأمّ القرآن ـ"

(سنن دارقطنی: ۱/ ۳۲۰/ ۱۲۰۲).

''پس جب میں جہری قراءت کروں تو تم میں سے کوئی بھی اُمّ القرآن ۔ فاتحہ ۔ کے علاوہ قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔''

امام دارقطنی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "هذا إسناد حسن، و رجاله کلهم

---

[1] زیلعی ''زیلع'' کی طرف نسبت ہے جو حبشہ کے ساحلی شہروں میں سے ایک شہر ہے ان کا نام عثمان بن علی اور لقب فخر الدین ہے ان کی وفات (۷۴۳ھ) میں ہوئی۔
یہ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی صاحب "نصب الرایہ" کے استاد ہیں جن کی وفات (۷۶۲ھ) میں ہوئی۔

ثقات" یہ سند حسن ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔"

یہ ہے اصل حدیث جو حنفی مذہب کے صراحتاً خلاف دلیل ہے مگر اس میں تحریف کر کے اس کو حنفی مذہب کے موافق بنا لیا گیا۔

۵۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح لملاعلی القاری المتوفی (۱۰۱۴ھ):

ملاعلی قاری اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے کہ اگر کوئی آدمی ایک مرتبہ نماز پڑھ لے اور پھر جماعت کو پائے تو اسے نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یا کہ نہیں، حنفیہ کے نزدیک فجر، عصر اور مغرب کی نماز کا اعادہ درست نہیں ہے ملاعلی قاری اپنے مذہب کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و فيه حديث صريح أخرجه الدارقطني عن ابن عمر أن النبي ـصلى الله عليه وسلم ـ قال: إذا صلّيت في أهلك ثمّ أدركت فصلّها إلا الفجر، والمغرب۔"

(المرقاۃ:۳/۲۳۴).

"اس کے بارے میں صریح حدیث موجود ہے جسے دارقطنی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم اپنے گھر میں نماز پڑھ لو پھر جماعت کو پالو تو سوائے فجر اور مغرب کی نماز کے دوبارہ نماز پڑھ لیا کرو۔"

ملاعلی قاری نے اس حدیث کو دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ دارقطنی میں یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حدیث کی کسی دوسری کتاب میں بھی نہیں ہے۔

دادا جان حکیم محمد اشرف سندھو رحمہ اللہ۔ ملاعلی قاری کے حوالے سے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:" حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دارقطنی میں یہ روایت قطعاً اور بالکل موجود نہیں بلکہ اس کے برخلاف دارقطنی مطبوعہ دہلی کے (صفحہ:۱۵۹) پر یہی مشکوۃ شریف والی یزید بن اسود کی حدیث موجود ہے جس میں صبح کی نماز منفرد پڑھنے والے کو دوبارہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے۔ [1] (نتائج التقلید(۱۳۹)۔

اسی طرح شاہ بدیع الدین رحمہ اللہ نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ "إلا الفجر و المغرب" کے اضافے کے ساتھ دارقطنی

---

[1] یزید بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا فجر کی نماز میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف میں ادا کی نماز کے بعد آپ نے دو آدمیوں کو دیکھا کہ انھوں نے آپ کے ساتھ نماز ادا نہ کی آپ نے ان کو بلایا اور وجہ دریافت کی تو انھوں نے جواباً کہا کہ ہم نے اپنے خیمے میں نماز ادا کر لی تھی آپ نے فرمایا کہ "ایسے نہیں کرو اگر تم اپنے خیمے میں نماز ادا کر لو پھر مسجد میں آؤ اور جماعت کھڑی ہو تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لو وہ تمہاری نفل نماز ہو جائے گی۔" (دارقطنی: ۱/۴۱۳۔۴۱۴۔ التعلیق المغنی)۔

میں کوئی حدیث نہیں اس کے بعد انھوں نے کہا ہے کہ بلکہ دارقطنی میں تو اسود بن یزید کی حدیث ہے اسے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ اضافہ "إلا الفجر والمغرب" سنن دارقطنی پر جھوٹ ہے۔ ملاحظہ ہو: الطوام المرعشة (صفحہ: ۷۸)۔

جبکہ مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے قاری صاحب کے اس عمل کو وہم سے تعبیر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"إنّي لم أجد هذا الحديث في سنن الدارقطني لا مرفوعاً، و لا موقوفًا، والظاهر أنّه وهم من القاري۔" (المرعاة: ۱۲۶/۴)۔

"مجھے دارقطنی میں یہ حدیث مرفوعاً اور نہ ہی موقوفاً ملی ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قاری کو یہ وہم ہوا ہے۔"

۶۔ درِّ مختار:

صفحہ (۱۸۳) میں "جامع المسانید" وغیرہ کے حوالے سے امام أبوحنیفہ کی فضیلت سے متعلق ایک موضوع حدیث گزر چکی ہے ملا علی قاری اس حدیث کا ایک ٹکڑا "أبو حنيفه سراج أمّتي" "ابوحنیفہ میری امت کے چراغ ہیں۔" ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"موضوع باتفاق المحدثين۔" (موضوعات کبیر، حدیث: ۴)۔

"یہ باتفاق محدثین موضوع حدیث ہے۔"

امام صاحب کی فضیلت سے متعلق مزید من گھڑت اُحادیث کے لیے "تدريب الراوی" (۲۳۵/۱) اور کشف الخفاء للعجلونی (۵۳/۳۳/۱) دیکھیں۔

۷۔ فتاویٰ قاضی خان:

کتبِ فقہ کے بعد اب حنفی فتاووں کے اندر بعض بے اُصل و موضوع روایات کی مثال ملاحظہ کریں۔

قاضی صاحب اپنے فتاویٰ میں ذکر کرتے ہیں:

"روي أن رسول الله ـصلى الله عليه وسلم ـ أكل متكأً۔"

فتاوٰی قاضی خان (۷۸۱/۴، مطبوع نور لکشور دھلی) منقول از الطوام المرعشة" لبدیع الدین الراشدی (صفحہ: ۸۳)۔

"مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانا کھایا۔"

اور یہ بے اُصل و من گھڑت روایت ہے جب کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إنّي لا آكل مُتّكئًا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: "لا آكل، و أنا متّكئی۔" "میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔" [1]

[1] بخاری (حدیث: ۵۳۹۸، ۵۳۹۹) کتاب الأطعمة۔

فتاویٰ قاضی خان کی احناف کے ہاں بہت اہمیت ہے اس کے مؤلف حسین بن منصور بن محمد فخر الدین قاضی خان ہیں۔
علامہ عبدالحی لکھنوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:
" كان إمامًا كبيراً وبحراً عميقاً ...... و مات في ليلة النصف من رمضان، سنة ٥٩٢ھ"(الفوائد البهيّة:٦٤ . ٦٥) منقول از " الطوام المرعشة" (ص:٨٤)
''بہت بڑے امام اور علم کے بہت بڑے سمندر تھے ان کی وفات ۱۵ رمضان ۵۹۲ھ میں ہوئی۔''

۸۔ کتب فقہ حنفی، حنفی فتاوٰں کے بعد اب اُصول فقہ حنفی کی من گھڑت روایات:

کتبِ فقہ حنفی اور حنفی فتاوٰں کے بعد اب اُصولِ فقہ حنفی کی بعض من گھڑت روایات ملاحظہ کریں۔

① ایک من گھڑت حدیث ہے:"يكثر لكم الأحاديث من بعدي، فإذا روي لكم حديث فاعرضوه على كتاب الله "(الحدیث)۔
یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد لوگ بہت سی من گھڑت حدیثیں بیان کریں گے پس جب تمہارے پاس کوئی حدیث بیان کی جائے تو تم اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو۔یعنی اگر کتاب اللہ کے موافق ہو تو ٹھیک ورنہ اس کو رد کردو۔

اس من گھڑت حدیث کو اصول فقہ حنفی کی کتاب"التوضيح و التلويح" (صفحہ:۲۲۹،مطبوعہ نول کشور تقطیع خورد) میں بخاری کی طرف منسوب کیا گیا اور اس کے بعد یہ بھی کہا گیا ہے:''ذكر يحيىٰ بن معين أنّه حديث وضعته الزنادقة''یحیٰی بن معین نے ذکر کیا ہے کہ اس کو زنادقہ نے گھڑا ہے۔''
اس کے بعد اس حدیث پر جو کلام کیا گیا ہے اس کو اس طرح سے ردّ کیا گیا ہے کہ چونکہ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے لہٰذا وہ کلام اس کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

② مذکورہ حدیث کے بارے میں"فصول الحواشي شرح أصول الشاشي"صفحہ:۲۸۸۔مطبوعہ مجتبائی) میں یہ کہا گیا ہے:
" إنّ الإمام محمد بن إسماعيل البخاري أورد هذا الحديث في كتابه، و هو إمام هذه الصنعة، فكفى به دليلًا على صحته ، و لم يلتفت إلى طعن غيره بعده۔"
''امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور وہ اس فن کے امام ہیں چنانچہ اس کی صحت پر یہی دلیل کافی ہے۔اور امام صاحب کے بعد جنھوں نے اس حدیث پر جوطعن کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔منقول از نتائج التقلید بتصرف (صفحہ:۱۳۵۔۱۳۶)۔

③ ملا جیون ؒ نے ایک حدیث اس طرح سے ذکر کی ہے:

" إذا انسلخ شعبان فلا صوم إلاّ عن رمضان۔"

(نور الأنوار صفحہ:۲۱۱، تحقیق حافظ ثناء الله زاهدی) .

''جب شعبان ختم ہو جائے تو پھر رمضان ہی کا روزہ رکھو۔''

جب کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے ہاں ان الفاظ سے ایک حدیث ضرور ہے:

"اذا انتصف شعبان فلا تصوموا۔" [1]

''جب نصف شعبان گزر جائے تو روزہ نہیں رکھو۔''

اس حدیث کے بعض علماء نے معنے یہ بیان کیے ہیں کہ نصف شعبان کے بعد رمضان کے استقبال کی خاطر روزہ نہیں رکھو اور بعض نے کہا ہے کہ نصف شعبان کے بعد نفلی روزہ کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے کمزوری ہو جانے کیوجہ سے رمضان کے روزے رکھنے میں پریشانی ہوگی۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم صوفی مفتی بشیر أحمد صاحب عطار کی طرف لوٹتے ہیں:

مفتی صاحب آپ نے اپنی بڑی بڑی معتبر کتب بلکہ وہ کتب جن پر حنفی مذہب کا دارومدار ہے ان کا حال معلوم کر لیا کہ ان میں بے اصل، من گھڑت اور محرف (تحریف شدہ) روایات ہیں خصوصاً آپ کی کتاب ''ہدایہ'' شریف جس کے بارے میں آپ کے کبار نے جو کچھ کہا ان میں سے بعض أقوال درج ذیل ہیں:

① علامہ مرغینانی مؤلف ''ہدایہ'' کے بیٹے نے اپنے باپ کی کتاب کے بارے میں یہ کہا ہے:

كتاب	الهداية	يهدي	الهدي
إلى	حافظيه	و يجلو	العمى
فلازمه	واحفظه	يا ذا	الحجا
فمن	ناله	نال أقصى	المنى

ان أبیات کو"التنبيه على مشكلات الهدايه" کے محقق نے ''مقدمہ التحقیق'' کے حاشیے میں درج ذیل کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔مفتاح السعادة:(۲/۲۳۸۔۲۳۹) ومقدمة الهدايه مع الهدايه :(۱/۹۵) ملاحظہ ہو:مقدمة التحقیق. (۱/۵۵)۔

اور دادا ؒ ان أبیات کو نقل کرنے سے قبل لکھتے ہیں:''شامی وغیرہ نے ''ہدایہ'' کی مدح وشان میں جو کچھ نقل کیا

[1] اس حدیث کو ابوداود(۲۳۳۷) ترمذی(۷۳۸) اور ابن ماجہ(۱۶۵۱) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہے وہ ''ہدایہ'' مطبوعہ فاروقی جلد سوم کے ''مقدمہ'' اور ''غایت الأوطار'' ترجمہ اردو ''درمختار'' میں من وعن یوں نقل کیا گیا ہے:

اس کے بعد انھوں نے ان ابیات کو ترجمے کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نتائج التقلید: (صفحہ: ۱۳۱۔۱۳۲)۔

اور مذکورہ اُبیات کا ترجمہ یہ ہے:

''کتاب ''ہدایہ'' اپنے حفظ کرنے والوں کو ہدایت دیتی ہے اور اندھی آنکھوں کے لیے نور ہے۔
اے عقلمند اس کو لازم پکڑ اور حفظ کر سو جس نے اس کو پالیا اس نے اپنی تمام امیدیں حاصل کرلیں۔''

② کسی صاحب نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہے:

إن الهدايه كالقرآن قد نسخت
ما صنفوا قبلها فى الشرع من كتب
فاحفظ قواعدها واسلك مسالكها
يسلم مقالك من زيغ و من كذب

ہدایہ قرآن کی مانند ہے یقیناً اس نے اپنے سے پہلے لوگوں کی تصنیف شدہ کتب کو منسوخ کردیا ہے۔
اس کے قواعد کو یاد کرنے اور اس کے مسائل پر عمل کرنے سے تمہاری بات ٹیڑھے پن اور جھوٹ سے محفوظ رہے گی۔

ان اُبیات کو محقق'' التنبیه'' نے درج ذیل کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔

مفتاح السعادة(۲/ ۲۳۹) و کشف الظنون(۳/ ۲۰۳۲) و مقدمة الهداية مع الهداية(۱/ ۵).

③ انور کشمیری اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں:

" ليس فى أسفار المذاهب الأربعة كتاب بمثابة كتاب "الهداية" فى تلخيص كلام القوم......"۔

''مذاہب اُربعہ کی کتب میں سے ''ہدایہ'' جیسی کوئی کتاب نہیں۔''

اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض اُفاضل شیعہ نے سچ کہا ہے کہ مسلمانوں کے پاس عربی اُدب کی تین کتابیں ہیں۔ قرآن مجید، صحیح بخاری اور کتاب ''ہدایہ'' ملاحظہ ہو: مقدمة نصب الرايه للبنورى (۱/۱۴)۔

④ محمد عوامہ لکھتے ہیں:

" فكتاب "الهداية" منقطع النظير في قبوله بين كتب المذهب الحنفي خاصة، و كتب

المذاهب الأخرى عامة۔" (دراسة حديثية مقارنه(صفحه:١٤١)۔

''کتاب ہدایہ حنفی مذہب کی کتب میں خصوصاً اور دوسرے مذاہب کی کتب میں عموماً بے نظیر کتاب ہے۔''

یہ ہے آپ لوگوں کے نزدیک ''ہدایہ'' کی عظمت اور اہمیت۔

اس کتاب کے بارے میں اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے ہم نے آپ ہی کے گھر والوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کے اندر من گھڑت بے اَصل روایات اور بہت سے اَوہام پائے جاتے ہیں۔﴿ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ﴾۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم نے کتاب ''ہدایہ'' اس کی شروح اور آپ کی دیگر معتبر کتب میں بھی ان اوہام و اغلاط کو ثابت کیا ہے جن کی بناء پر آپ لوگوں نے کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر اعتراضات کیے ہیں۔

مفتی بشیر صاحب اگر ان اوہام کی بناء پر ہماری کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' درگور کر دینے کے لائق ہے [1] تو پھر آپ کی کتاب ''ہدایہ'' وغیرہ درگور ہونے کے زیادہ لائق ہیں اس لیے کہ ہماری کتاب تو برصغیر میں صرف اردو دان طبقہ کی کتاب ہے نہ کہ یہ ایسی کتاب ہے کہ جس پر مسلک اہل حدیث کی بنیاد ہو یا کہ پوری دنیا کے سلفی اور اہل حدیث اس پر انحصار کرتے ہوں جب کہ آپ کی کتاب ''ہدایہ'' اور اس کے ساتھ دیگر مذکورہ کتب وہ کتب ہیں جو حنفی مذہب کی بنیادی کتب میں سے ہیں اور سینکڑوں سالوں سے حنفی دنیا کا ان پر انحصار ہے لہٰذا یہ کتب درگور ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔

اگر آپ اپنی اس بات میں واقعتاً سنجیدہ ہیں کہ جس کتاب میں اوہام پائے جائیں اسے درگور کر دینا چاہیے تو پھر آپ ایسا کریں کہ اپنی ان کتب کو بھی درگور کریں اور اس کے بعد آپ خود بھی زندہ درگور ہو جائیں کیونکہ جب آپ کے مذہب کی کتب باقی نہ رہیں گی تو پھر بے مذہب زندگی گزارنے کا کوئی مزہ نہیں۔

زندہ درگور ہونا شاید مشکل ہو بلکہ یقیناً مشکل ہوگا اس لیے ہم آپ کو اس سے قدرے آسان کام کا مشورہ دے دیتے ہیں وہ یہ کہ اندلس کے جس دریا میں عیسائی فاتحین نے کتب کو دریا برد کیا تھا اور آپ کے کہنے کے مطابق ان کتب میں اَکثر کتب امام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی کی بھی ہوں گی۔ [2] چنانچہ آپ ان کتب کو وہاں لے جا کر دریا برد کر دیں اور اس کے بعد آپ خود بھی ''اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون'' پڑھتے ہوئے دریا برد ہو جائیں۔

❁ooo❁

---

[1] ملاحظہ ہو: ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' مقدمہ صوفی بشیر اَحمد (صفحہ:۵۸) یا اس کتاب کا صفحہ (۲۰۷)۔

[2] ملاحظہ ہو: مقدمہ صوفی بشیر احمد (صفحہ:۳۶) یا اس کتاب کا صفحہ (۱۳۵۔۱۳۶)۔

تیسری فصل

مرتب ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' کی خیانتوں کے بیان میں:

جیسا کہ اس ''تیسرے باب'' کے شروع میں ذکر ہوا کہ اس تیسری فصل میں مقلد مولوی محمد یوسف صاحب کی خیانتوں، دھوکے بازیوں کا ذکر کیا جائے گا جن کا ارتکاب انھوں نے کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر اعتراضات بڑھانے کی خاطر کیا ہے۔

ان کی خیانتوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کریں گے۔

پہلی قسم: یہ ان خیانتوں پر مشتمل ہے جن کا تعلق پہلے ایڈیشن سے ہے۔

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کی تخریج والے پہلے ایڈیشن میں بعض اَحادیث کی اَسانید پر کلام کرنے کے بعد ان کو ان کی دیگر اَسانید یا شواہد کی بناء پر حسن یا صحیح قرار دیا گیا ہے مگر مولوی محمد یوسف مقلد نے تضعیف والے کلام کے حصے کو ذکر کر دیا لیکن وہ کلام جس سے اس حدیث کی تحسین یا تصحیح ہوتی تھی اس کو حذف کر دیا۔

اور یہ صراحتاً علمی خیانت ہے جس کا ارتکاب مولوی محمد یوسف مقلد نے کیا ہے۔

دوسری قسم: یہ ان خیانتوں پر مشتمل ہے جن کا تعلق اس کتاب کے تخریج والے دوسرے ایڈیشن سے ہے۔

یعنی بعض ایسی اَحادیث ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف قرار دیا گیا تھا مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کو حسن یا صحیح قرار دیا گیا مگر اس کی طرف موصوف نے اشارہ تک نہیں کیا، اور اس کے بارے میں تفصیل اس قسم کی خیانتیں ذکر کرنے سے قبل آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

اب ہم پہلی قسم کی خیانتوں کی تفصیل کی طرف آتے ہیں:

پہلی قسم......!!

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اس قسم کی خیانتوں کا تعلق کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کے تخریج والے پہلے ایڈیشن سے ہے چنانچہ اب ان کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

محمد یوسف مقلد کی پہلی خیانت:

موصوف لکھتے ہیں:

✦ **محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد:** بچے کی پیدائش پر جوخون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں اس کی اکثر مدت ''بلوغ المرام'' میں چالیس روز ہے......''

✦ **عبدالرؤف غیر مقلد:** اس حدیث کو حاکم نے صحیح اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے مگر اس حدیث میں ''مُسّة أزدیه''۔ جوامّ سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے اس حدیث کی راویہ ہیں۔ کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔ ابن حزم نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور ''مُسّہ'' کے بارے میں کہا ہے کہ یہ مجہولہ ہے۔ (محلّی: ۲/۲۰۴)۔

ذہبی نے امام دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ: "لا یحتج بها" اور خود کہا ہے کہ اس کی صرف یہی ایک حدیث معلوم ہے۔ میزان الاعتدال (۴/۶۱۰)۔

حافظ ابن حجر نے بھی اسے مجہولہ کہا ہے: التلخیص (۱/۱۷۱)۔ غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۷۲-۷۳)۔

محمد یوسف مقلد نے یہاں خیانت یہ کی ہے کہ یہاں تک تو کلام نقل کردیا مگر اس کے بعد وہ کلام جس سے اس حدیث کی تحسین ہوتی تھی اسے نقل نہیں کیا اور وہ کلام یہ ہے:

''خطابی نے کہا ہے کہ محمد بن اسماعیل (امام بخاری) نے اس حدیث کو سراہا ہے۔'' معالم السنن (۱: ۱۹۶)۔

اس حدیث کے دارقطنی اور مستدرک میں بعض شواہد بھی ہیں نووی نے "المجموع" (۲/۵۲۸) میں اور البانی نے "إرواء الغلیل" (رقم: ۲۰۱) میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۰۰، حدیث: ۷۰)۔

اور اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کی تخریج سے پہلے صراحتاً یہ لکھا گیا ہے: ''حسن درجے کی حدیث ہے'' ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۵۱-۱۵۲- حدیث: ۷۰)۔

یہ ہے محمد یوسف مقلد کی خیانت کی پہلی مثال۔

محمد یوسف مقلد کی دوسری خیانت:

لکھا ہے:

✦ **محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد:** أبی أمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بھی میرے پاس جبریل آئے تو مجھے مسواک کرنے کا سخت حکم فرماتے تھے البتہ ڈرا میں اس چیز سے کہ چھیل ڈالوں میں اگلی جانب اپنے منہ کی'' (رواہ احمد)۔

✦ **عبدالرؤف غیر مقلد:** أخرجه أحمد (۵/۲۶۳) من طریق علی بن یزید عن القاسم عن أبي أمامة۔

یہ سند سخت ضعیف ہے۔ علی بن یزید کو امام بخاری نے ''منکر الحدیث''، دارقطنی نے ''متروک''، نسائی نے: ''غیر ثقہ'' اور اَبوزرعہ نے ''غیر قوی'' کہا ہے۔ (میزان الاعتدال: (۳/۱۶۱)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۷۴۔۷۵)۔

مقلد موصوف نے یہاں تک تو کلام نقل کر دیا مگر اس کے بعد والا کلام جو اس حدیث کی تصحیح سے متعلق تھا اس کو نظر انداز کر دیا اور وہ کلام یہ ہے:

''اسی مضمون کی روایات ام سلمہ، اَنس، ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیثِ امّ سلمہ بیہقی (۷/۴۹)، '' کتاب النکاح '' میں ہے امام بخاری نے اس حدیث کو حسن کہا ہے جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا ہے۔

حدیث اَنس مسند بزار (رقم: ۴۹۷) میں ہے، بقیہ اَحادیث کے لیے ''الترغیب و الترھیب'' (۱/۱۶۷) اور ''مجمع الزوائد'' (۲/۹۸) دیکھیے۔'' پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۰۴، حدیث: ۷۵) اور دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کی تخریج سے پہلے ہی یہ لکھا گیا ہے: ''صحیح حدیث ہے'' ملاحظہ ہو (صفحہ: ۶۲، حدیث: ۷۵)۔

محمد یوسف مقلد کی تیسری خیانت:

لکھتے ہیں:

✦ **محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد:** حضرت اَبوموسیٰ اَشعری روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: '' أنّ رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ توضأ، و مسح على الجوربين والنعلين۔'' (ابن ماجه، بيهقى)
''حضور ﷺ نے وضوء کرتے ہوئے جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا۔'' (1)

✦ **عبدالرؤف غیر مقلد:** أخرجه ابن ماجة (٥٦٠)، والبيهقى، والعقيلي في ''الضعفاء'' (٣٨٣/٣) من طريق عيسى بن سنان عن الضحاك بن عبد الرحمن عن أبي موسىٰ الأشعرى رضى الله عنه۔

(1) جوتوں پر مسح کے بارے میں علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ''بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جوتوں کے تسموں پر مسح کیا۔'' مغنی (۱/۳۷۵)۔

امام خطابی اور طیبی وغیرہ نے کہا ہے کہ جوتوں پر مسح کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان جوتوں پر مسح کیا جو جرابوں پر پہنے ہوئے تھے نہ کہ صرف جوتوں پر مسح کیا۔ ملاحظہ ہو۔ معالم السنن (٦٣/١)، تهذيب السنن (١٢٣/١) اور تحفة الأحوذی (۱/۳۲۷۔۳۲۸)۔

اس کے بارے میں کچھ تفصیل (صفحہ: ۲۴۹) میں بھی گزر چکی ہے۔

امام بیہقی روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ضحاک کا ابوموسیٰ سے سماع ثابت نہیں اور عیسیٰ بن سنان ضعیف ہے۔
عقیلی نے اس حدیث کو "عیسی بن سنان" کے ترجمے میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یحییٰ بن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ عجلی نے عیسیٰ بن سنان کے متعلق "لا بأس به" کہا ہے۔ (تاریخ الثقات: ۳۴۳)۔
علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ احمد اور ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے مگر اس کی کمزوری کے باوجود اس کی حدیث لکھنے کے قابل ہے اور بعض نے اسے تھوڑا سا قوی کہا ہے۔ (المیزان: ۳/۳۱۲)۔
حافظ ابن حجر نے اسے "لین الحدیث" کہا ہے۔ (التقریب: ۲/۹۸)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۷۹-۸۰)۔
مقلد موصوف نے یہاں دو خیانتیں کی ہیں:

① جو کلام انھوں نے ذکر کیا اس کے بعد درج ذیل کلام بھی ہے جو یہ ہے:
"مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند میں زیادہ کمزوری نہیں ہے لہٰذا حدیث مغیرہ کے لیے یہ بہترین شاہد ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۴۰۔ حدیث: ۱۱۷)۔

② دوسری خیانت یہ کی کہ امام بیہقی کے اس قول "ضحاک کا ابوموسیٰ سے سماع ثابت نہیں اور عیسیٰ بن سنان ضعیف ہے" کے بعد ابن ترکمانی کا کلام ہے جس میں انھوں نے امام بیہقی کے مذکورہ قول کا تعاقب کیا ہے اس کو حذف کر دیا اور وہ کلام یہ ہے:
"ابن ترکمانی امام بیہقی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سماع کا ثابت نہ ہونا ان علماء کے مذہب پر ہے جو اتصال کے ساتھ ثبوت سماع کی بھی شرط لگاتے ہیں۔
دوسری بات حافظ عبدالغنی نے "الکمال" میں ذکر کیا ہے کہ ضحاک کا ابوموسیٰ سے سماع ہے اور ابن سنان کی ابن معین نے توثیق کی ہے اور دوسروں نے اسے ضعیف کہا ہے۔" ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۱۳۹)۔

محمد یوسف مقلد کی چوتھی خیانت:

لکھتے ہیں:

✦ **محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد:** "عن وائل بن حجر -رضی الله عنه- قال: صلیت مع النبي -صلی الله علیه وسلم- فوضع یده الیمنی علی الیسریٰ علی صدره۔"
"حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے۔" (صحیح ابن خزیمه)۔

✦ **عبدالرؤف غیر مقلد:** بیہقی: ۲/۳۱۔ اس کی سند میں روح بن مسیب ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ ثابت اور یزید

رقاشی سے غیر محفوظ اُحادیث بیان کرتا ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ موضوع روایات بیان کرتا ہے اس سے روایت لینا جائز نہیں۔(الجوهر النقی)۔(غیر مقلد بنام غیر مقلد، صفحہ:۹۴۔۹۵)۔

قارئین کرام یہاں اس خائن اور فاقد الحیاء مقلد نے ایسی خیانت کی ہے کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں اب اس کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

یہ کلام ''اس کی سند میں روح بن میتب......'' یہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر نہیں بلکہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر کے بارے میں ہے جسے مؤلف رحمہ اللہ نے اس طرح نقل کیا ہے:

''ابن ابی حاتم اور بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:'' وضع يدك اليمنى على الشمال عند النحر''یعنی دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ۔'' ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ:۲۳۱)۔

رہی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی تخریج سے قبل اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے:''صحیح حدیث ہے'' ملاحظہ ہو(صفحہ:۲۲۸)۔

حدیث وائل اور تفسیر ابن عباس اگر ایک ہی صفحے میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہوتیں اور ان پر کلام بھی آگے پیچھے ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے مقلد موصوف کو نقل کرتے وقت مغالطہ ہو گیا جب کہ حدیث وائل اور اس کی تخریج (صفحہ:۲۲۸) میں اور تفسیر ابن عباس اور اس کی تخریج (صفحہ:۲۳۱) میں ہے لہٰذا اس قسم کے مغالطے کا کوئی امکان ہی نہیں بلکہ ایسا دیدہ و دانستہ طور پر کیا گیا ہے تا کہ ہم اہل حدیثوں سے یہ کہہ سکیں کہ آپ ہی کے آدمی نے حدیثِ وائل کی تضعیف کی ہے۔ إنا لله و إنا اليه راجعون.

اسی خیانت اور بے حیائی کا ارتکاب مولوی محمد یوسف مقلد کی تقلید میں ہندوستان مولوی محمد ابوبکر غازی پوری مقلد نے بھی کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

> ''صادق صاحب نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ابن خزیمہ سے ذکر کی ہے اور یہ نہیں بتلایا کہ یہ روایت ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع کے قریب ہے۔ غیر مقلد عبدالرؤف اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:
>
> ''اس کی سند میں روح بن میتب ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ ثابت اور یزید رقاشی سے غیر محفوظ اُحادیث بیان کرتا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ موضوع رویات بیان کرتا ہے اس سے روایت لینا جائز نہیں۔(صلوۃ الرسول محقق)۔

معلوم نہیں صادق صاحب نے ''صلوٰۃ الرسول'' سکھلانے کے لیے اس قسم کی روایتوں کا کیوں انتخاب کیا ہے۔'' ملاحظہ ہو:'' حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب ''صلوۃ الرسول کے بارے میں'' از قلم محمد ابوبکر غازی

پوری (صفحہ:۳۹۔۴۰)۔

محمد یوسف مقلد نے اپنی مذکورہ خیانت کے آخر میں نوٹ دے کر لکھا ہے: ”سینہ پر ہاتھ باندھنے کی جملہ اَحادیث ضعیف ہیں مگر پھر بھی غیر مقلدین اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور ان کو صحیح حدیث سے تعبیر کرتے ہیں اور عوام کو باور کراتے ہیں کہ ہم ہی صحیح اَحادیث پر عامل ہیں۔(یوسف)۔

ہمارا موضوع اب اس مسئلے پر بحث نہیں اور نہ ہی اس پر بحث کے لیے ہمارے پاس وقت ہے یہاں صرف علامہ محمد حیات سندھی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۳ھ) کے کلام پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

علامہ صاحب اپنے رسالے"فتح الغفور في وضع الأيدي على الصدور" میں سینے پر ہاتھ باندھنے والے مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:

" و مما تقدم تقرر أن لوضع الأيدي على الصدور في الصلاة أصلاً أصيلًا، و دليلًا جليلاً، فلا ينبغي لأهل الإيمان الاستنكاف عنه...... بل ينبغي لمقتفى آثاره أن يفعل ذلك و لو في بعض الأوقات" ملاحظه هو:(صفحه:٤٨)۔

”جو ذکر ہوا اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ رکھنے کی ٹھوس اور واضح دلیل موجود ہے لہٰذا اہل ایمان کو اس پر عمل کرنے سے تکبر و انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ آپ ﷺ کی احادیث کی اتباع کرنے والے کو ایسا کرنا چاہیے اگرچہ بعض اوقات ہی کر لے۔“

محمد یوسف مقلد کی پانچویں خیانت:

لکھا ہے:

- محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: قبر پر پانی چھڑکوائیں۔(مشکوۃ شریف)۔
- عبدالرؤف غیر مقلد: مسند شافعی (۳۶۰) اور شافعی کے طریق سے بیہقی (۳/۴۱۱) میں "عن إبراهيم بن محمد عن جعفر بن محمد عن أبيه" روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا۔ یہ سند مرسل اور سخت ضعیف بھی ہے کیونکہ ابراہیم بن محمد متہم ہے۔(غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ:۹۷)۔

مذکورہ کلام کے بعد کافی سارا کلام تھا جسے اس مقلد نے ترک کر دیا ہے کیونکہ اس میں اس حدیث کی تقویت تھی اور وہ کلام درج ذیل ہے۔

”مصنف عبدالرزاق (۶۲۸۲) اور بیہقی میں دوسرے طرق سے ”جعفر بن محمد عن أبیہ“ ان الفاظ سے روایت ہے کہ قبر پر پانی چھڑکنا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا یہ سند مرسل صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکنا ''طبرانی اوسط'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔
حافظ ہیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کے شیخ کے علاوہ اس کے سب رجال صحیح کے رجال ہیں۔
مجمع الزوائد(۴۸/۳).
مراسیل أبوداؤد(۴۸۷۔ تحقیق عبدہ) اور أبوداؤد کے طریق سے بیہقی میں یہی روایت محمد بن عمر سے بھی مروی ہے۔
مولانا عبدہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عمر بن علی بن أبي طالب اتباع التابعین میں سے ہے اور یہ روایت معضل ہے مگر اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔
مسند بزار(۸۴۳) میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا تھا مگر اس کی سند ضعیف ہے۔
بیہقی میں واقدی کے طریق سے جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا تھا اور پانی چھڑکنے والے بلال بن رباح تھے۔'' ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ:۴۹۲)۔
یہ وہ کلام ہے جسے محمد یوسف مقلد نے بغیر ڈکار لیے ہضم کرلیا۔
فائدہ = محمد بن عمر بن علی بن أبي طالب کی روایت کو شیخ ألبانی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کی بناء پر ''سلسلة الأحاديث الصحيحة'' (حدیث:۳۰۴۵) میں ذکر کیا ہے۔

محمد یوسف مقلد کی چھٹی خیانت:

مولانا صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ''روزہ افطار کرنے کی دعا'' کے عنوان کے تحت دو دعائیں ذکر کی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: روزہ افطار کرتے وقت یہ دعائیں پڑھیں:
" اللّٰهم إنّي لك صمت، و على رزقك أفطرت" (ابوداؤد)۔
اس کے بعد اس دعاء کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد دوسری دعاء ذکر کی ہے جو یہ ہے:
" ذهب الظمأ، وابتلت العروق، وثبت الأجر إن شاء الله ۔" (ابوداؤد) ملاحظہ ہو پہلا محقق ایڈیشن (صفحہ:۵۳۲)۔
اب دیکھیے کہ محمد یوسف مقلد نے کیا کیا ہے لکھا ہے:
محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: اللّٰهمّ إنّي لك صمت، و على رزقك أفطرت ذهب الظمأ، وابتلت العروق، وثبت الأجر إن شاء الله۔ أبوداؤد۔
اس طرح سے ان دو مختلف دعاؤں کو ایک دعاء ظاہر کیا ہے اور اس کے بعد پہلی دعا: "اللّٰهم إني لك

صمت......" کی تضعیف کے بارے میں جو کلام تھا اس کو ذکر کر دیا یعنی تا ثر یہ دیا ہے کہ ان دونوں دعاؤں کو ہی ضعیف کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ:۱۰۲۔۱۰۳)۔

جب کہ پہلے محقق ایڈیشن میں پہلی دعا پر کلام کرنے کے بعد "دوسری دعا" کا عنوان دے کر اس دعا "ذهب الظمأ" کی تخریج کی گئی ہے اور پھر یہ کہا گیا ہے کہ "اسے امام دارقطنی نے حسن، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔"

اور دوسرے محقق ایڈیشن میں ان دونوں دعاؤں پر الگ الگ نمبر دے کر ان کی الگ الگ تخریج کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (صفحہ:۷۶۷، حدیث:۷۲۲، ۷۲۳)۔

محمد یوسف مقلد کی ساتویں خیانت:

صفحہ ۱۰۳۔۱۰۴) میں لکھا ہے:

✦ **محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد:** اگر کوئی سوتے یا جاگتے وقت ڈرے تو اس کو یہ دعا پڑھنی چاہیے کوئی چیز ایذا نہیں دے گی۔ ان شاء اللہ۔

" أعوذ بكلمات الله التّامّات من غضبه وعقابه، و شرّ عباده، ومن همزات الشياطين، و أن يحضرون۔" (ابوداؤد)۔

✦ **عبدالرؤف غیر مقلد:** صحیح حدیث ہے۔أخرجه أحمد (۱۸۱/۲) وابن أبي شيبة (۹٦٧٠) و ابوداؤد (۳۸۹۳) في الطب، والترمذي (۳٥۲۸) والحاكم (٥٤۸/۱) والنسائی في عمل اليوم والليلة (٧٦٥) وابن السنّي (٧٥۳) والطبراني في "الدعاء" (۱۰۸٦)من طريق محمد بن إسحاق عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه أن رسول الله ۔ﷺ۔ قال: إذا فزع أحدكم من نومه فليقل "بسم الله أعوذ بكلمات الله التّامّة......"۔

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ محمد بن اسحاق مدلس ہیں اور انھوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (۱۰۳۔۱۰۴)۔

یہاں بھی مقلد موصوف نے خیانت سے کام لیا ہے اس لیے مذکورہ کلام کے بعد وہ کلام جو اس حدیث کی صحت سے متعلق تھا اس کو ذکر نہیں کیا اور وہ کلام درج ذیل ہے:

"ابن السنی (۷۵۵) میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے رات کو نیند نہ آنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے انھیں یہ کلمات "أعوذ بكلمات الله التّامّة......" پڑھنے کا حکم دیا۔"

شیخ اَلبانی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کے سب راوی ثقات ہیں سوائے ابن السنی کے شیخ

علی بن محمد کے، جسے میں نہیں جانتا۔

اس کے بعد عبداللہ بن عمرو کی مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس شاہد کی بنا پر یہ حسن درجے کی ہے۔ "سلسلة الأحاديث الصحيحة" (۲۶۴)۔

قلت: یہ صحیح حدیث ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ(۳۶۵۰۔۹۲۶۸) اور مسند أحمد (۴/ ۵۷) میں ولید بن ولید۔ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند میں ڈرنے کی شکایت کی تو آپ نے انھیں سونے کے وقت یہ کلمات پڑھنے کی تعلیم دی اور اس حدیث کی سند صحیح ہے لہٰذا اس حدیث کی بنا پر مذکورہ حدیث صحیح ہے۔'' ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ:۵۳۳۔۵۳۴،حدیث ۶۸۹) اور دوسرے ایڈیشن میں اس کے بارے میں آپ کو مزید تفصیل ملے گی۔ ملاحظہ ہو۔(صفحہ:۷۶۹۔۷۷۰،حدیث:۷۲۶)۔

مذکورہ مکمل کلام کو محمد یوسف مقلد نے ذکر نہیں کیا اور یہ کس قدر خیانت ہے اور ان کا شروع میں ''صحیح حدیث ہے'' کا ذکر کرنا یا تو غفلت کی بناء پر ہے یا یہ تاثر دینے کے لیے کہ دیکھیں کہ لکھا تو صحیح حدیث ہے مگر اس کی سند کو ضعیف کہا ہے تو پھر یہ حدیث صحیح کیسے ہوگئی؟

محمد یوسف مقلد کی آٹھویں خیانت:

صفحہ(۱۰۷۔۱۰۸) میں لکھا ہے:

✦ **محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اٹھتے رات کو(بستر سے تہجد کے لیے) تو یہ پڑھتے''اللہ اکبر'' دس بار''الحمد للہ'' دس بار''سبحان اللہ'' دس بار''سبحان الملک القدوس'' دس بار''استغفر اللہ'' دس بار''لا إلہ الا اللہ'' دس بار اور پھر''اللّٰھُمّ إنّی أعوذبك من ضیق الدنیا و ضیق یوم القیامة'' دس بار اور پھر(وضوء وغیرہ کر کے) تہجد شروع کرتے۔ أبوداؤد۔

✦ **عبدالرؤف غیر مقلد:** أخرجه أبو داؤد(٥٠٨٥) فی الأدب، باب " ما یقول إذا أصبح" نسائی عمل الیوم واللیلة(٨٧١) و عنه ابن السنّي (٧٦٦) من طریق شریق الهوزنی عن عائشة رضی الله عنها۔

یہ سند ضعیف ہے کیونکہ شریق غیر معروف ہے جیسا کہ ذہبی نے میزان (۱/۲۶۹) میں کہا ہے۔ شیخ البانی نے اس سند میں ایک دوسری علت یہ بیان کی ہے کہ اس میں بقیہ بھی ہے جو مدلس ہے اور اس نے اسے لفظ''عن'' سے بیان کیا ہے۔ تحقیق المشکاۃ(۱/۳۸۳)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد(صفحہ:۱۰۷۔۱۰۸)۔

یہاں تک مقلد موصوف نے کلام نقل کیا ہے جب کہ اس کے بعد والے کلام کو جس سے اس حدیث کی تصحیح ہوتی ہے اس کو نقل نہیں کیا اور وہ کلام یہ ہے:

"مگر یہ علت نہیں کیونکہ نسائی کے ہاں اس نے (بقیہ نے) تحدیث کی صراحت کی ہے۔

ابوداؤد(٧٦٦) كتاب الصلاة، باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء، نسائی (٣/٢٠٩، ٨/٢٨٤) كتاب قيام الليل، و كتاب الاستعاذه، صحيح ابن حبان(٦٤٩) ابن ماجه (١٣٥٦) اور شرح السنه (٩٥١) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسرے طریق سے روایت ہے مگر اس میں "سبحان الملك القدوس" اور "ضيق الدنيا" کا ذکر نہیں اور اس کے آخر میں یہ دعا بھی ہے۔

"اللّٰھُمّ اغفرلي، واهدني، وارزقني و عافني" اور اس حدیث کی سند جید ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ:۴۰۴)۔

یہ وہ کلام ہے جسے عمداً حذف کردیا گیا ہے اس لیے کہ اس سے حدیث کی تصحیح ہوتی تھی چنانچہ یہ موصوف کے مقصد کے منافی تھا۔ اس لیے اس کو حذف کردیا گیا۔

محمد یوسف مقلد کی نانویں خیانت:

لکھا ہے:

✦ **محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد:** عید گاہ جاتے اور واپس آتے ہوئے اونچی آواز سے یہ تکبیر پڑھتے رہیں۔ "الله أكبر، الله أكبر لا اله إلا الله والله أكبر الله أكبر و لله الحمد۔" (دارقطنی)۔

✦ **عبد الرؤف غیر مقلد:** أخرجه الدارقطني(٢/٤٤) والحاكم(١/٢٩٧) والبيهقي (٣/٢٧٩) من طريق موسى بن محمد بن عطاء ثنا الوليد بن محمد عن الزهري عن سالم عن ابن عمر رضي الله عنهما۔

ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے روز اپنے گھر سے نکلنے سے لے کر عید گاہ تک تکبیریں کہا کرتے تھے۔

مگر اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ ولید بن محمد اور موسیٰ بن محمد دونوں متروک ہیں جیسا کہ ذہبی نے "تلخيص المستدرك" میں کہا ہے۔

یہ حدیث ابن عمر سے صحیح ابن خزیمہ (۱۴۳۱) اور بیہقی (۳/۲۷۹) میں دوسرے طریق سے بھی ہے اس کی سند میں عبداللہ بن عمر عمری ضعیف ہے۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد: صفحہ ۱۱۴)۔

اس حدیث کے بارے میں مقلد موصوف نے یہاں تک کلام ذکر کیا ہے جب کہ اس کے بعد بھی کلام ہے جس کو انھوں نے ذکر نہیں کیا اور وہ یہ ہے:

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ "یہ پہلے طریق سے اچھا طریق ہے" مصنف ابن أبی شیبہ میں یہ روایت زہری سے مرسلاً

مروی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

دار قطنی (۴/۴۴/۲) میں یہ روایت ابن عمر پر موقوفاً بھی مروی ہے اور اس کی سند جید ہے جیسا کہ شیخ ألبانی نے کہا ہے۔ شیخ البانی نے مرفوع اور موقوف دونوں روایات کو ہی صحیح کہا ہے [1] دیکھیں: "إرواء الغليل" (٦٥٠) پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۴۴۹، حدیث: ٥٨٦)۔

یہ وہ کلام ہے جسے عمداً حذف کر دیا گیا جس بات سے مطلب پورا ہوتا تھا، اسے ذکر کر دیا گیا اور جو بات مطلب کے خلاف تھی اسے حذف کر دیا گیا۔ اہل ہوا کا یہی شیوہ ہے کہ وہ اپنے مطلب کی بات کو لے لیتے ہیں اور جو بات مطلب کے خلاف ہو اسے ترک کر دیتے ہیں۔

محمد یوسف مقلد کی دسویں خیانت:

لکھتے ہیں:

- **محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد:** "عن كثير بن عبد الله عن أبيه عن جدّه أنّ النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ كبّر في العيدين في الأولى سبعًا بعد القراءة و في الآخرة خمسًا قبل القراءة"

(رواه الترمذی وابن ماجه والدارمي).

"روایت ہے کہ کثیر بن عبد اللہ سے اس نے نقل کی اپنے باپ سے اس نے نقل کی کثیر کے دادا سے یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے دونوں عیدوں کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں بعد قراءت سے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں پہلے قراءت سے۔"

- **عبد الرؤف غیر مقلد:** صحیح حدیث ہے۔ أخرجه الترمذي (٥٣٦) و ابن ماجة (١٢٧٩) وابن خزيمة (١٤٣٨، ١٤٣٩) والدارقطنی (٤٨/٢) والبغوی (١١٠٦) والبيهقی (٢٨٦/٣) من طريق كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف عن أبيه عن جدّه۔"

اس حدیث کی سند نہایت ضعیف ہے کثیر بن عبد اللہ کو بعض نے متروک اور بعض نے کذاب کہا ہے۔ دیکھیں: نصب الرایه (۲/۲۱۷)۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ: ۱۱۴۔۱۱۵)۔

یہاں مقلد محمد یوسف نے دو خیانتیں کی ہیں:

① مؤلف کے ہاں اور حدیث میں بھی "سبعاً" کے بعد "قبل القراءة" ہے، "بعد القراءة" نہیں اسی طرح

---

[1] یہ شیخ رحمہ اللہ کی رائے ہے جب کہ میرے نزدیک یہ روایت موقوفاً ہی صحیح ہے مرفوعاً نہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "القول المقبول" دوسرا ایڈیشن (صفحہ: ٦٦٠، حدیث: ٦١٠)

مؤلف کے ترجمے میں بھی ''پہلے قراءت سے'' ہے جب کہ اس خائن مقلد نے حدیث میں بھی تحریف سے کام لیا ہے کہ ''قبل القراءۃ'' کی بجائے ''بعد القراءۃ'' کردیا اور مؤلف کے ترجمے میں بھی تحریف کی کہ ''پہلے قراءت سے'' کی بجائے ''بعد قراءت سے'' کردیا۔

اگر کتابت وغیرہ کی غلطی سے ایسے ہوتا تو متن میں ہوسکتا تھا یا ترجمے میں لیکن کیا وجہ ہے کہ متن اور ترجمے میں بھی ایسا ہوا؟

غالباً وہ "خمساً" کے بعد "بعد القراءۃ" کرنا چاہتے تھے کیونکہ احناف کے نزدیک دوسری رکعت میں قراءت کے بعد اور رکوع میں جانے سے پہلے تکبیریں ہیں۔ [1]

مگر غفلت کی وجہ سے یا گھبراہٹ کی وجہ سے ان سے دوسری جگہ کی بجائے پہلی جگہ "بعد القراءۃ" ہوگیا۔

② دوسری خیانت یہ کی ہے کہ اس حدیث کی سند کی تضعیف سے متعلق جو کلام تھا اس کو تو ذکر کردیا لیکن اس کے متن کی تصحیح سے متعلق کلام کو ذکر نہیں کیا اور مذکورہ کلام کے بعد جو کلام تھا وہ یہ ہے:

''امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے ابن حجر فرماتے ہیں: ایک جماعت نے ترمذی کی تحسین سے انکار کیا ہے۔ تلخیص الحبیر (۲/۸۴)۔

شیخ اُحمد شاکر نے امام ترمذی کی موافقت کی ہے اور یہ ان کے متساہل ہونے کی دلیل ہے۔

ابوداؤد (۱۱۵۰) دارقطنی (۲/۴۸/۱۸) اور بیہقی میں ''ابن وھب عن ابن لھیعه عن خالد بن یزید عن ابن شھاب عن عروۃ" کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں بارہ تکبیریں کہا کرتے تھے اور یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ ابن وھب ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ابن لھیعہ سے ان کی کتابیں جلنے سے قبل سنا ہے اسی لیے شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیں۔ إرواء الغلیل (۳/ ۱۰۷۔۱۰۸)۔

یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسرے طرق اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھے طرق (سندوں) سے عبد اللہ بن عمرو، ابن عمر، جابر، عائشہ، اُبوواقد اور عمرو بن عوف مزنی کی حدیث میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قوی اور نہ ہی ضعیف طریق سے اس کے خلاف مروی ہے۔ نیل الاوطار (۳/ ۲۹۹) ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۴۵۳)۔

یہ وہ کلام ہے جسے مکمل طور پر مقلد موصوف نے حذف کردیا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ ہدایہ (۲/۴۷)۔

موصوف نے اس حدیث کی تخریج کے شروع میں جو یہ ذکر کردیا ہے "صحیح حدیث ہے" اس کا سبب یا تو ان کی غفلت ہے کہ انھیں یہ خیال نہیں رہا کہ مجھے جب اس حدیث کی تضعیف سے متعلق ہی کلام ذکر کرنا ہے تو اس کو حذف کردوں۔

اور یا اس کا سبب لوگوں میں غلط تأثر قائم کرنا ہے کہ دیکھیں جی کہ شروع میں "صحیح حدیث ہے" لکھ کر پھر خود ہی اس کی تضعیف کردی۔

بہرحال سبب جو بھی ہو علمی خیانت مالی خیانت سے بڑا جرم ہے کیونکہ مالی خیانت میں صاحب مال کو ہی نقصان پہنچتا ہے جب کہ علمی خیانت سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔

محمد یوسف مقلد کی گیارہویں خیانت:

لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: (صلوٰۃ الرسول حدیث:۶۱۳) عبداللہ بن زید بن عاصم کہتے ہیں کہ حضور نماز استسقاء کے لیے تشریف لے گئے آپ نے دو رکعت پڑھائیں جس میں آپ نے آواز سے قراء ت پڑھی۔(ابوداؤد)۔

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه أحمد(۳۲۶/۲)وابن ماجه(۱۲۶۸) وابن خزيمة (۱۴۲۲) والبيهقي (۳۴۷/۳) من طريق النعمان عن الزهري به عن أبي هريرة ـرضى الله عنه۔ وفيه " فصلى بنا ركعتين بلا أذان و لا إقامة، ثمّ خطبنا و دعا الله......"

یہ حدیث ضعیف ہے امام ابن خزیمہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نعمان بن راشد کے متعلق مجھے کھٹکا ہے....." ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد(صفحہ:۱۱۶۔۱۱۷)۔

موصوف نے یہاں خیانت سے کام اس طرح لیا ہے کہ انھوں نے یہاں جو کلام ذکر کیا ہے یہ کلام حدیث نمبر۶۱۳ پر نہیں بلکہ حدیث نمبر۶۱۲ پر ہے جس کو مؤلف نے یوں ذکر کیا ہے:

استسقاء کی نماز پہلے پڑھ کر پیچھے خطبہ اور دعائیں پڑھنا بھی جائز ہے۔(ابن ماجہ، مسند امام احمد) جب کہ حدیث نمبر۶۱۳ کی جو تخریج ہے وہ یہ ہے:

۶۱۳ـ أخرجه البخاري(۱۰۲۵) باب كيف حوّل النبى-ﷺ- ظهره إلى الناس، ومسلم(۱۸۹/٦) وأبوداؤد ۱۱٦۲۰) والنسائى (۱۵۷/۳) و ابن خزيمه(۱٤۲۰) و عبد الرزاق(٤۸۸۹) و من طريقه أخرجه أبوداؤد (۱۱٦۱) والترمذى(۵۵٦)۔

مؤلف نے اس حدیث کو اُبوداؤد سے منسوب کیا ہے جب کہ یہ بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ:۴۶۱۔۴۶۳، حدیث:۶۱۲۔۶۱۳)۔

یہ ہے حدیث نمبر۶۱۳۔ جو عبداللہ بن زید بن عاصم کی حدیث ہے۔ کی تخریج، جب کہ مقلد موصوف نے جو تخریج یا حاشیہ ذکر کیا ہے وہ حدیث نمبر۶۱۲ کا ہے حدیث نمبر۶۱۳ کا نہیں اور انھوں نے یہ خیانت غالباً یہ تأثر دینے کے لیے کی ہے کہ نماز استسقاء والی حدیث ضعیف ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقاء کے لیے نماز نہیں ہے چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" أما أبو حنيفة ـ رحمه الله ـ فكان لا يرى في الاستسقاء صلاة۔"

موطأ امام محمد(۲/۷۵. التعليق الممجد).

یعنی اُبوحنیفہ رحمہ اللہ استسقاء میں نماز کو مشروع نہیں سمجھتے تھے۔

اور علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

" قال أبو حنيفة : ليس في الاستسقاء صلاة مسنونة في جماعة فإن صلّى الناس وحدانًا جاز...... و رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ استسقى، و لم ترو عنه الصلاة ۔"

(هداية(۲/۹۱. فتح القدير).

" اُبوحنیفہ کا قول ہے کہ استسقاء میں باجماعت نماز مسنون نہیں اگر لوگ انفرادی طور پر پڑھ لیں تو جائز ہے ۔ رسول للہ ﷺ نے بارش کے لیے دعا کی مگر آپ سے نماز پڑھنا مروی نہیں۔"

صاحب "ہدایہ" کے اس قول پر علامہ عبدالحی لکھنوی نے جو تعلیق لگائی ہے وہ بھی سنتے جایئے۔ لکھنوی صاحب ان اُحادیث کا ذکر کرنے کے بعد جن میں رسول اللہ ﷺ سے استسقاء میں نماز پڑھنی ثابت ہے۔ لکھتے ہیں:

" و به ظهر ضعف قول صاحب " الهدايه" في تعليل مذهب أبي حنيفة: أنّ رسول الله استسقى ولم يرو عنه الصلاة ،فإن أراد أنّه لم يرو بالكلية، فهذه الأخبار تكذبه، وإن أراد أنه لم يرو في بعض الروايات فغير قادح۔" التعليق الممجد(۲/۷۶)۔

" اس سے صاحب "ہدایہ" کے قول کا ضعیف ہونا ظاہر ہوا جو انھوں نے اُبوحنیفہ کے مذہب کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ نے بارش کے لیے دعا کی لیکن نماز پڑھنا آپ سے مروی نہیں، اس سے ان کی مراد اگر یہ ہے کہ بالکل مروی نہیں تو یہ اُحادیث ان کی تکذیب کرتی ہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ بعض روایات میں اس کا ذکر نہیں تو یہ غیر قادح ہے۔

صاحب "ہدایہ" نے اپنے مذکورہ قول کے بعد کہا ہے:

" و قالا: يصلّي الإمام ركعتين لما روي" أن النبي-ﷺ- صلّى فيه ركعتين كصلاة العيد" رواه ابن عباس-"

قلنا: فعله مرة و تركه أخرى فلم يكن سنة-"

دونوں (امام محمد وابو یوسف) کا قول ہے کہ امام دو رکعت نماز پڑھے گا کیونکہ مروی ہے کہ "نبی ﷺ نے نمازِ عید کی طرح اس میں دو رکعت پڑھیں" اس کو ابن عباس نے روایت کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ نے کبھی کیا اور کبھی نہیں کیا (یعنی کبھی نماز پڑھی اور کبھی نہیں پڑھی) لہٰذا نماز پڑھنا سنت نہ ہوا۔"

مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس قول کا ان الفاظ سے ردّ کیا ہے:

" وأما ما ذكروا أن النبى-ﷺ- فعله مرة، و تركه أخرى، فلم يكن سنّة ، فليس بشيء، فإنه لاينكر ثبوت كليهما مرة هذا، و مرة هذا لكن يعلم من تتبع الطرق أنّه لما خرج بالنّاس إلى الصحراء صلّى، فتكون الصلاة مسنونة في هذه الحالة بلا ريب، ودعاؤه المجرّد كان في غير هذه الصورة" (التعليق الممجد:۲/۷۶)۔

"ان کا یہ ذکر کرنا کہ نبی ﷺ نے کبھی نماز پڑھی اور کبھی نہیں پڑھی لہٰذا نماز پڑھنا مسنون نہیں تو اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی آپ نے ایسے کیا اور کبھی ایسے کیا مگر (حدیث کے) طرق کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب بھی لوگوں کو صحراء کی طرف لے کر نکلے آپ نے نماز پڑھی، چنانچہ اس حال میں بلاشبہ نماز پڑھنا مسنون ہوگا، اور (بارش کے لیے) صرف آپ کا دعا کرنا اس صورت (صحراء کی طرف نکلنے والی صورت) کے علاوہ دوسری صورت میں تھا۔ [1]

محمد یوسف مقلد کی بارہویں خیانت:

جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: نے حضرت ابن عباس سے أبوداؤد اور ابن ماجہ کے حوالے سے لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] رسول اللہ ﷺ سے طلبِ بارش کی مختلف صورتیں ثابت ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: (۱) باہر میدان میں جا کر نماز پڑھ کر دعا کرنا۔ (۲) جمعہ کے دن خطبہ جمعہ میں دعا کرنا۔ (۳) مسجد میں بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ تفصیل کے لیے زاد المعاد (۱/۴۵۶-۴۵۸) اور سبل السلام (۲/۵۱۴) دیکھیں۔

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه أبوداؤد(١٢٩٧) وابن ماجه(١٣٨٧) وابن خزيمه(١٢١٦) والحاكم(٣١٨/١) والبخاري في "جزء القراءة" (٥٢،٥٣) من طريق موسى بن عبد العزيز ثنا الحكم بن أبان عن عكرمة عن ابن عباس۔

وأخرجه البغوي(١٠١٨) والحاكم۔ أيضًا۔ من طريق إبراهيم بن الحكم بن أبان عن أبيه عن عكرمة مرسلاً۔

اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ موسیٰ بن عبدالعزیز سيئ الحفظ ہے۔

دیگر ابراہیم بن الحکم نے اسے مرسل بیان کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ حدیث ذکر کرنے سے قبل فرماتے ہیں بشرطیکہ یہ صحیح ہو کیونکہ اس اسناد کے بارے میں دل میں کچھ کھٹکا ہے اور حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن الحکم نے اسے مرسل بیان کیا ہے۔ (غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ:۱۱۷۔۱۱۸)۔

مقلد صاحب نے اس حدیث کے بارے میں صرف اتنا کلام نقل کیا ہے جس میں اس کی تضعیف کا ذکر ہے مگر اس کے بعد والا کلام جس میں اس کے قوی ہونے کا ذکر ہے اس کو بالکل ہڑپ کرلیا ہے اور وہ کلام یہ ہے:

"امام حاکم فرماتے ہیں کہ ابراہیم کا اسے مرسل بیان کرنا اس حدیث کے موصول ہونے کو کمزور نہیں کرتا کیونکہ ثقہ کی زیادتی (اضافہ) ارسال سے اَولیٰ ہے دوسری بات یہ ہے کہ اسحاق بن ابراہیم حنظلی (معروف بابن راہویہ) جو حدیث میں اپنے زمانے کے امام تھے انھوں نے بھی اس حدیث کو موصول بیان کیا ہے اس کے بعد امام حاکم نے اس طریق کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کے بہت سے طرق وشواہد ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے دس صحابہ سے موصول اور کئی ایک تابعین سے مرسل طرق ملے ہیں۔

حافظ صاحب ان طرق کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حاکم کا تصحیح میں تساہل اور ابن جوزی کا دعویٰ وضع میں تساہل مشہور ہے اور ان دونوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح اور ابن جوزی نے موضوع کہا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ کثرت طرق کی بناء پر حسن درجے کی ہے۔ ملاحظہ ہو:أجوبة الحافظ عن أحاديث المصابيح" في آخر المشكاة (١٧٨٠/٣۔١٧٨٢۔ تحقيق الألباني)۔

شیخ اَلبانی فرماتے ہیں کہ حاکم اور ذہبی نے احادیث کی تقویت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حق ہے کیونکہ اس کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کو دیکھنے والا یقیناً یہ فیصلہ کرے گا کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے بخلاف اس کے جس نے اسے موضوع یا باطل کہا ہے۔تحقيق المشكاة(١/ ٤١٩)۔

ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ:۴۶۷۔۴۶۸۔ حدیث:۶۱۷)۔

مذکورہ کلام کو مکمل طور پر اس محمد یوسف مقلد خائن نے حذف کر دیا۔ إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔

یہ وہ بارہ خیانتیں ہیں جن کا تعلق پہلے ایڈیشن سے ہے اور جن کا ارتکاب کر کے محمد یوسف مقلد نے یہود کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے۔

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اللہ عزوجل یہود کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾(النساء:٤٦)۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرة:٧٥)۔

سیالکوٹی رحمہ اللہ سے بعض اَحادیث کے نقل کرنے میں ایک تساہل یہ ہوا کہ انھوں نے جن کتب سے ان کو نقل کیا ان میں ان کے ضعف کی صراحت موجود ہے مگر انھوں نے نقل کرتے وقت ضعف کا ذکر نہیں کیا۔

اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مقلد محمد یوسف ایک جگہ لکھتے ہیں: ''مگر مؤلف صاحب پی گئے۔'' اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے: ''مؤلف صاحب ہضم کر گئے۔'' ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ:۸۶، ۸۷، حدیث:۲۰۴، ۲۰۵)۔

ہم مقلد موصوف سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے یہاں کتنا کچھ پیا اور ہضم کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوت ہاضمہ بڑی ہی زبردست ہے کہ اتنا کچھ پی جانے اور ہضم کر جانے کے باوجود بھی آپ کو یہ بات کرتے ہوئے ذرا سی بھی عار محسوس نہیں ہوئی۔

اب ہم مقلد محمد یوسف کی کتاب کا مقدمہ لکھنے والے مقلد صوفی بشیر احمد صاحب عطار سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کی لغت میں نصیحت کے معنی خیانت کے ہیں۔

آپ اگر یہ کہیں کہ ہمارے ہاں نصیحت کے وہی معنی ہیں جو لغت عرب میں ہیں تو پھر آیئے نصیحت کے طور پر ایک کتاب اس نام سے بھی ترتیب دیں=

حقیقت کتاب ''ہدایہ'' مؤلف برھان الدین مرغینانی یعنی ہم مقلدین اپنے ہی آئینہ میں

مقلد بنام مقلد

ترتیب کیسے ہو اس کی ایک مثال بھی ملاحظہ کرتے جایئے۔

برہان الدین مرغینانی مقلد: " روى المغيرة بن شعبة : أنّ النبي ـصلى الله عليه وسلم ـ أتى سباطة قوم، فبال قائمًا، و توضأ، و مسح على ناصيته و خفيه" (هدايه:١/ ١٧ . فتح القدير)۔

جمال الدین زیلعی مقلد: قُلت: هذا حديث مركب من حديثين، رواهما المغيرة بن شعبة جعلهما المصنف حديثاً واحداً......" (نصب الرایہ: ۱/۱) [1]

یہ پہلا جزء پہلی جلد ہوگی، دوسرا جزیا دوسری جلد اس طرح ہوگی۔

مرغینانی مقلد، ابن ہمام مقلد، علی ھذا القیاس یعنی جن جن حنفی علماء نے کتاب "ہدایہ" کی اَحادیث اور مسائل پر کلام کیا ہے ہر ایک کے نام سے الگ الگ جزء تیار کیا جائے تا کہ حدیث "الدین النصیحة" پر کما حقہ عمل ہو سکے۔

مولوی محمد یوسف اور صوفی بشیر احمد صاحبان بڑے ہی افسوس کی بات ہے چاہیے تو یہ تھا کہ کتاب "صلوٰۃ الرسول ﷺ" کی تخریج وتعلیق آپ لوگوں کے لیے مسلک اہل حدیث کو سمجھنے میں مدومعاون ثابت ہوتی مگر آپ لوگوں نے اس کو بڑے غلط انداز سے پیش کیا گویا کہ یہ خامیاں اس کتاب کے اندر ہی ہیں اور آپ کی کتب اس قسم کی خامیوں سے مبرا ہیں گویا کہ وہ انسانوں کی تالیف کردہ نہیں ہیں عربی کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا اپنا گھر شیشے سے بنایا گیا ہو اسے دوسرے کے گھر کو پتھر نہیں مارنے چاہئیں۔

اسی قسم سے متعلق محمد یوسف مقلد کی بعض دیگر خیانتیں بھی ہیں وہ یہ کہ سیالکوٹی رحمہ اللہ نے بعض مسائل کے لیے جن اَحادیث کا ذکر کیا ہے وہ اَحادیث ان الفاظ وسیاق سے ضعیف ہیں لیکن ان میں جن مسائل کا ذکر ہوا ہے وہ دوسرے سیاق وسباق اور الفاظ سے مروی اَحادیث سے ثابت ہیں چنانچہ ایسے مقامات پر اَحادیث پر کلام کرنے کے بعد یہ صراحت کردی گئی ہے کہ یہ مسئلہ فلاں صحیح حدیث کی بناء پر ثابت ہے۔

مقلد محمد یوسف نے ان مقامات پر خیانت یہ کی ہے کہ حدیث کی تضعیف کے بارے میں جو کلام تھا اسے نقل کر دیا لیکن صحت مسئلہ سے متعلق جو کلام تھا اسے حذف کر دیا جب کہ اس کا ذکر بھی ضروری تھا کیونکہ امانت علمی کی تقاضا یہی ہے نیز اس لیے بھی کہ قارئین کو یہ علم ہو کہ اس کتاب میں جو مسئلہ ذکر ہوا ہے وہ صحیح ہے اگر چہ مؤلف نے اس کے لیے جو دلیل پیش کی ہے وہ ضعیف ہے مگر ایسا کرنا مقلد موصوف کے حق میں نہ تھا لیکن ایک جگہ انھوں نے اس کا ذکر کیا ہے یا تو غفلت کی بناء پر یا پھر اس مقام پر ان کے دل میں شاید اللہ کا خوف طاری ہو گیا ہو مگر پہلی وجہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ ان کو اگر اللہ عزوجل کا خوف ہوتا تو وہ اس حدیث کو سرے سے ذکر ہی نہ کرتے۔ بلکہ خیانتوں کا ارتکاب ہی نہ کرتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا اس حدیث کو ذکر کرنا اعتراض کی بناء پر ہے۔

سب سے پہلے ان مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جہاں انھوں نے مسئلہ کی صحت سے متعلق کلام ذکر نہیں کیا اور اس کے بعد اس مقام کا ذکر ہوگا جہاں انھوں نے یہ ذکر کیا ہے، اب ان مقامات کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

---

[1] یہ حدیث اور اس کے بارے میں علامہ زیلعی کا کلام دوسری فصل میں مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صفحہ: ۲۳۴)۔

محمد یوسف مقلد کی تیرھویں خیانت:

سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اُبوداؤد کے حوالے سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اور دن کو سو کر اٹھنے کے بعد وضوء سے پہلے مسواک کرتے تھے۔

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کی سند پر کلام کرنے کے بعد تخریج میں کہا گیا ہے کہ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو مسواک کرنا ہے تو وہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ الخ ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ:۱۰۳، حدیث ۵۷)۔

محمد یوسف مقلد نے اس حدیث پر جو کلام تھا اس کو تو ذکر کر دیا لیکن اس کے بعد جو یہ کلام تھا کہ "جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کو مسواک کرنا ہے......" اس کو ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ:۷۴)۔

محمد یوسف مقلد کی چودہویں خیانت:

مولانا صادق صاحب نے علی بن طلق رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ ہوا کے خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ وضو کرنا ہوگا۔

یہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے مگر اس کی سند پر کلام کرنے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ جہاں تک اُصل مسئلہ کا تعلق ہے تو وہ دوسری اُحادیث صحاح سے ثابت ہے الخ۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ:۱۳۰، حدیث:۱۰۹)۔

مگر محمد یوسف مقلد نے حدیث کی سند پر جو کلام تھا وہ تو نقل کر دیا مگر اس کے بعد جو "جہاں تک اُصل مسئلہ کا تعلق ہے" الخ، اس کو ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو۔ (صفحہ:۷۶۔۷۷)۔

محمد یوسف مقلد کی پندرہویں خیانت:

مؤلف نے سعد بن عائذ قرظ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جس میں وہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا کہ وہ اُذان کے وقت اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھے۔

اس کی سند ضعیف ہے مگر اس کی سند پر کلام کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ "اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا بلال رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے اُبوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بلال کو اذان دیتے ہوئے دیکھا وہ ادھر ادھر گھوم رہے تھے اور انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالی ہوئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبہ حمراء میں تشریف فرما تھے۔ الخ۔ ملاحظہ ہو، پہلا ایڈیشن (صفحہ:۱۹۴، حدیث:۲۰۶)۔

محمد یوسف مقلد نے اس حدیث پر جو کلام تھا وہ تو نقل کیا ہے لیکن اس کے بعد جو یہ ذکر کیا گیا ہے بلال کا اذان کے وقت اپنی انگلیوں کا کانوں میں رکھنا ثابت ہے یہ ذکر نہیں کیا ملاحظہ ہو۔ غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ:۸۷۔۸۸)۔

اس کے بعد اب وہ مقام ملاحظہ کریں جہاں محمد یوسف مقلد نے مسئلہ کی صحت کی صراحت کی ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ مذی کے خروج سے وضوء اور منی کے نکلنے سے غسل لازم آتا ہے۔

یہ حدیث اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے مگر اس میں جو مسئلہ ہے وہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے چنانچہ مقلد موصوف اس حدیث کو ''صلوۃ الرسول'' سے نقل کرنے کے بعد اور اس کی سند پر جو کلام کیا گیا ہے اسے بھی نقل کرنے کے بعد مسئلہ کی صحت کے بارے میں جو کہا گیا ہے اسے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: '' جہاں تک اُصل مسئلہ کا تعلق ہے تو وہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ:۷۶)۔

ایسا شاید ان سے غفلت کے عالم میں ہو گیا ہے کیونکہ انھوں نے سرتوڑ کوشش کی ہے کہ کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر زیادہ سے زیادہ اعتراضات کیے جائیں اسی لیے کئی مقامات پر علمی خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ واللہ حسیبہ۔

دوسری قسم:

جیسا کہ اس فصل کے شروع میں ذکر ہوا کہ یہ قسم اُن خیانتوں پر مشتمل ہے جن کا تعلق دوسرے ایڈیشن سے ہے۔

یعنی بعض ایسی احادیث بھی ہیں کہ جن کو کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کے پہلے محقق ایڈیشن میں ضعیف کہا گیا تھا مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کو حسن یا صحیح قرار دیا گیا ہے دوسرے ایڈیشن کے مقدمے میں اس کا جو سبب ذکر کیا گیا ہے وہ ملاحظہ کیجیے۔

بعض اُحادیث وہ بھی ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف کہا تھا اور اس ایڈیشن میں بعض شواہد کی بناء پر ان کو حسن یا صحیح کہا ہے۔ مثال کے لیے حدیث (۲۲۹، ۲۸۹، ۵۰۱، ۵۱۵، ۷۱۵) ملاحظہ ہو: مقدمہ طبعہ ثانیہ۔ (صفحہ:۴/ نمبر:۶)۔

محمد یوسف مقلد نے ان احادیث کے بارے میں خیانتوں کا ارتکاب اس طرح کیا کہ پہلے ایڈیشن میں ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہی ذکر کر دیا مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے ممکن ہے کہ ''غیر مقلد بنام غیر مقلد'' کتاب کی ترتیب کے وقت ان کے سامنے پہلا ایڈیشن ہی رہا ہو اور دوسرے ایڈیشن کا ان کو علم نہ ہوا ہو یا ان کی اس کتاب کی ترتیب کے بعد طبع ہوا ہو۔

قلت: یہ سب احتمالات ممکن ہیں لیکن یہاں ان احتمالات میں سے کوئی احتمال بھی درست نہیں کیونکہ ان کی اس کتاب کی کتابت کے دوران ان تک دوسرا ایڈیشن پہنچ چکا تھا اور اس کی دلیل انہی کے حوالے سے لیجیے، موصوف اپنی اس کتاب کے اختتام پر لکھتے ہیں:

نوٹ۔ یہ کتاب ابھی کتابت ہو رہی تھی کہ مولانا عبدالرؤف غیر مقلد کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کا دوسرا ایڈیشن دیکھنے کا موقع ملا...... [1] ہماری اس کتاب کو پڑھنے والے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ہم نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ پہلے ایڈیشن سے مأخوذ ہے (محمد یوسف) ملاحظہ ہو: (صفحہ:۱۲۰)۔

مولانا محمد یوسف مقلد کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ ان کی اس کتاب کے دورانِ کتابت دوسرا ایڈیشن ان کو مل چکا تھا جب ان کو دورانِ کتابت ہی یہ ایڈیشن مل چکا تھا تو بتقاضائے امانت علمی ان پر ضروری تھا کہ انھوں نے اس کتاب میں جو تحریر کیا تھا دوسرے ایڈیشن کے ساتھ اس کا تقابل کرتے۔ اور دوسرے ایڈیشن میں جو پاتے اس پر اعتماد کرتے اور کمپیوٹر کی کتابت میں ترمیم، اضافے اور تعدیل کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوتا۔

اگر وہ کتابت میں تبدیلی و ترمیم نہیں کرنا چاہتے تھے تو اس کی دوسری صورت یہ بھی تھی کہ آخر میں نوٹ دے کر یہ وضاحت کر دیتے کہ فلاں فلاں حدیث کے بارے میں مخرج نے دوسرے ایڈیشن میں یہ کہا ہے مگر ایسا کام وہ شخص کرے جس کے اندر علمی امانت و دیانت پائی جاتی ہو لیکن جو ہو ہی خائن اور جس نے پہلے ایڈیشن میں علمی خیانتوں کا ارتکاب کیا ہو ایسے شخص سے یہ کیسے ممکن ہے۔

مقلد موصوف کا یہ کہنا کہ '' ہم نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ پہلے ایڈیشن سے مأخوذ ہے'' تو اس پر ہم موصوف سے عرض کریں گے کہ ایسی بات حوالہ جات کے لیے تو کہی جا سکتی ہے لیکن علمی دنیا میں نقل علم میں ایسی بات قطعاً قابل قبول نہیں۔

آیئے اب دوسرے ایڈیشن کے اعتبار سے محمد یوسف مقلد کی خیانتوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

محمد یوسف مقلد کی سولہویں خیانت:

حدیث:" إنّ الماء لا ينجسه شيء إلا ما غلب على ريحه و طعمه و لونه"۔

دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کے پہلے ٹکڑے " إن الماء لا ينجسه شيء" کو صراحتاً شواہد کی بنا پر صحیح کہا گیا ہے مگر مقلد موصوف نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا بلکہ پہلے ایڈیشن کے اعتبار سے بھی خیانت کی ہے وہ یہ کہ مذکورہ حدیث پر جو کلام کیا گیا ہے اسے تو موصوف نے نقل کر دیا ہے مگر اس کے بعد جو کلام تھا جو کہ تقریباً سولہ سطروں پر مشتمل ہے، اسے نقل نہیں کیا جس کا مختصر یہ ہے۔

جہاں تک حدیث میں مذکور شدہ مسئلہ کا تعلق ہے تو وہ بجا ہے اور اس کی تفصیل درج ذیل ہے اس کے بعد ابوسعید

---

[1] یہاں جو کلام ترک کیا گیا ہے اسے ہم اس فصل کے اختتام پر ذکر کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ محمد یوسف صاحب مقلد خائن ہونے کے ساتھ ساتھ کذاب بھی ہیں۔

خدری رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث:''إن الماء طھور لا ینجسه شیئ'' تخریج کے ساتھ ذکر کی گئی ہے اور کبار ائمہ سے بھی اس کی صحت نقل کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کم ہو یا زیادہ وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہوگا مگر یہ اس صورت میں کہ جب پانی کے رنگ یا ذائقے میں تبدیلی واقع نہ ہو اور نہ ہی اس میں بدبو پیدا ہو، اگر مذکورہ تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی پایا گیا تو پانی ناپاک ہوگا۔ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔دیکھیے :الأوسط(۱/۲۶۰)و کتاب الإجماع(۳۳)۔

یہ پورا کلام خائن نے نقل نہیں کیا اور اس کے بعد جو ایک سطر تھی صرف اسے نقل کر دیا جو یہ ہے:

''اس مسئلہ میں اجماع سے حجت لی جائے گی جیسا کہ امام بیہقی اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کیونکہ حدیث''إلا ما غلب'' ضعیف ہے دیکھیے :المجموع(۱/۱۶۰۔۱۶۱)۔

اور صرف اتنا کلام نقل کر کے تأثر یہ دیا ہے کہ اس پورے مسئلے کے لیے ہی اجماع سے حجت لی جائے گی جب کہ اس حدیث کا پہلا ٹکڑا''إن الماء لا ینجسه شئ''چونکہ دوسری صحیح اَحادیث کی بناء پر ثابت ہے چنانچہ اس کے لیے اجماع سے حجت کی ضرورت نہیں۔ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ:۶۵۔۶۶) دوسرا ایڈیشن (صفحہ:۷۳) غیر مقلد (صفحہ:۶۵)۔

محمد یوسف مقلد کی سترہویں خیانت:

قضائے حاجت سے فراغت کے وقت کی دعاء:

''الحمد لله الذی أذھب عنّي الأذی و عافاني''۔

اس دعا کو دوسرے ایڈیشن میں۔ملاحظہ ہو(صفحہ:۸۰،حدیث:۲۲)۔حسن کہا گیا ہے لیکن مقلد موصوف نے اس کے بارے میں پہلے ایڈیشن میں جو کچھ کہا گیا ہے اسی کو نقل کیا ہے اور دوسرے ایڈیشن میں جو ہے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ملاحظہ ہو: غیر مقلد (صفحہ:۶۵۔۶۶)۔

محمد یوسف مقلد کی اٹھارہویں خیانت:

حدیث'' من ترك موضع شعرة من جنابة......''کو دوسرے ایڈیشن میں۔ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۱۱، حدیث: ۵۲)۔صحیح کہا گیا ہے مگر مقلد موصوف نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ملاحظہ ہو۔غیر مقلد (صفحہ:۶۷۔۶۸)۔

محمد یوسف مقلد کی انیسویں خیانت:

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں ہے کہ مسواک سے پڑھی جانے والی نماز دوسری نماز پر ستر درجے فضیلت رکھتی ہے اس حدیث پر پہلے ایڈیشن میں کلام کیا گیا ہے مگر آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ''اس حدیث کا متعدد صحابہ سے مروی ہونا اس بات

پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی کوئی اَصل ہے۔ واللہ اَعلم بالصواب۔'' (پہلا ایڈیشن ،صفحہ:۱۰۲،حدیث:۷۲)۔

اس کلام میں اس حدیث کی تقویت کی طرف اشارہ ہے مگر مقلد موصوف نے اس حدیث پر باقی سارا کلام تو نقل کر دیا مگر اس کلام کو حذف کر دیا۔

اور دوسرے ایڈیشن میں۔ ملاحظہ ہو(صفحہ:۱۵۵۔حدیث:۷۲)۔ میں اس کو صراحتاً صحیح کہا گیا ہے مگر اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو۔ غیر مقلد(۷۳۔۷۴)۔

محمد یوسف مقلد کی بیسیویں خیانت:

حدیث:"توضأ ثلاثًا ثلاثًا، و قال: هذا وضوئي ووضوء الأنبياء قبلي......"

پہلے ایڈیشن میں ۔ملاحظہ ہو(صفحہ:۱۱۹،حدیث:۹۵)۔ اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے مگر آخر میں کہا گیا ہے کہ'' صنعانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث طرق کی بناء پر قوی ہو جاتی ہے۔'' سبل السلام(۱/۷۵)۔

البانی نے اسے اَحادیث صحیحہ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ کثرت شواہد کی بناء پر اگر ہم اسے صحیح نہ بھی کہیں حسن درجہ کو تو پہنچ جاتی ہے دیکھیے ۔نمبر:۲۶۱۔

اور دوسرے ایڈیشن میں اس کی تخریج سے قبل اس کو صراحتاً حسن درجے کی حدیث لکھا گیا ہے ملاحظہ ہو دوسرا ایڈیشن(صفحہ:۱۸۲،حدیث:۹۵)۔

مقلد صاحب نے پہلے ایڈیشن میں اس پر جو کلام تھا وہ مختصر سا نقل کر دیا مگر صنعانی اور البانی کے قول کو حذف کر دیا کیونکہ اس میں اس حدیث کی تحسین تھی اسی طرح دوسرے ایڈیشن میں اس کے حسن ہونے کی جو صراحت کی گئی ہے اسے بھی نظر انداز کر دیا۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد:صفحہ:۷۵)۔

محمد یوسف مقلد کی اکیسویں خیانت:

اَبو امامہ رضی اللہ عنہ کی وضوء اور نماز کی فضیلت سے متعلق حدیث جس میں ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضوء کرے پھر نماز پڑھے تو اس کے ہاتھوں اور پیروں وغیرہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

پہلے ایڈیشن میں اس کی سند پر کلام کیا گیا ہے جب کہ دوسرے ایڈیشن میں اس کو اس کی دوسری سندوں اور شواہد کی بنا پر صحیح کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو(صفحہ:۲۴۶،حدیث:۱۵۸)۔

مقلد صاحب نے جو کچھ پہلے ایڈیشن میں تھا وہ تو نقل کر دیا مگر دوسرے ایڈیشن میں اس کی جو تصحیح کی گئی ہے اسے نظر انداز کر دیا۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد(صفحہ:۸۰۔۸۱)۔

محمد یوسف مقلد کی بائیسویں خیانت:

حدیث ''جو اذان دے، اقامت بھی وہی کہے'' کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف کہا گیا ہے جب کہ دوسرے ایڈیشن میں اس کو حسن درجے کی حدیث کہا گیا ہے مگر مقلد موصوف نے جو کچھ پہلے ایڈیشن میں تھا اسی کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے ملاحظہ ہو: پہلا ایڈیشن (صفحہ:۲۰۶، حدیث:۲۲۴) دوسرا ایڈیشن (صفحہ:۳۰۸، حدیث:۲۲۹) اور غیر مقلد (صفحہ:۹۰)۔

محمد یوسف مقلد کی تیئسویں خیانت:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی۔

یہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے پہلے ایڈیشن میں صرف اس کی سند پر کلام کیا گیا ہے مگر دوسرے ایڈیشن میں اس کی سند پر کلام کے بعد اس کو کتاب ''صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' میں اس سے قبل مذکور حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں ہے کہ جنازے میں فاتحہ پڑھنا سنت سے ہے۔ کی بناء پر صحیح کہا ہے اس کی تخریج میں اس کی سند پر کلام سے قبل خلاصہ کے طور پر بھی اس کا حکم یوں لکھ دیا گیا ہے ''صحیح ہے'' ملاحظہ ہو دوسرا ایڈیشن (صفحہ:۷۰۶، حدیث:۶۶۸)۔

مگر مقلد موصوف نے جو کچھ پہلے ایڈیشن میں تھا اسی کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد بنام غیر مقلد (صفحہ:۱۱۹۔۱۲۰)۔

تنبیہ: محمد یوسف مقلد نے دودھ پینے کے بعد پڑھی جانے والی دعا کو بھی اپنی کتاب غیر مقلد (صفحہ:۱۰۲) میں ذکر کیا ہے کیونکہ پہلے ایڈیشن میں اس کو ضعیف کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ:۵۳۰، حدیث:۶۸۴)۔

مگر دوسرے ایڈیشن میں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ:۷۶۵، حدیث۷۲۰)۔ اس کو اس کی ایک دوسری سند کی بناء پر حسن کہا گیا ہے مگر اس کی تخریج سے قبل خلاصہ کے طور پر جو حکم لکھا گیا ہے وہ کتابت کی غلطی کی وجہ سے ''حسن ہے'' کی بجائے ''ضعیف ہے'' لکھا گیا ہے لہٰذا قارئین کرام اس کی اصلاح کر لیں۔

مقلد محمد یوسف کی دھوکے بازیاں:

ان خیانتوں کے علاوہ کچھ مقامات ایسے بھی ہیں کہ جہاں محمد یوسف مقلد نے عوام الناس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اب ان مقامات کی تفصیل سنیے۔

1. غیر مقلد (صفحہ:۷۹)۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: حضرت بلال روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"كان رسول الله ﷺ يمسح على الخفين و النعلين" **(معجم طبراني)** ۔

رسول اللہ ﷺ چمڑے کے موزوں اور جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے۔''

عبدالرؤف غیر مقلد: ضعیف حدیث ہے۔[1] نصب الرایہ(۱/۱۸۵) تحفة الأحوذي:۱/۱۰۱).

واضح رہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے مگر متن کے اعتبار سے صحیح ہے۔(صلوٰۃ الرسول ،ص:۱۳۸)۔

قلت: جب یہ حدیث متناً صحیح ہے تو اسے یہاں ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کے ذکر سے سوائے مغالطہ اور دھوکہ کے کیا مقصد ہوسکتا ہے۔

۲ محمد یوسف مقلد نے (صفحہ:۸۱) میں لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے میری امت پر نماز فرض کی اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔

عبدالرؤف غیر مقلد: أخرجه أبويعلى(٤١٢٤) من طريق يزيد الرقاشي عن أنس -رضى الله عنه- قال رسول الله ﷺ إنّ أوّل ما افترض الله على الناس من دينهم الصلاة......''

اس حدیث کی سند میں یزید بن اَبان رقاشی ہے اور یہ ضعیف ہے جیسا کہ ''تقریب'' (۲/۳۶۱) میں ہے مگر یہ حدیث شواہد کی بناء پر صحیح ہے پہلے جملے کا شاہد حدیثِ ابن عمر ہے اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے ۔ دیکھیے ضعیف الجامع (۲۱۳۵)۔

محمد یوسف مقلد نے یہاں دھوکہ بھی دیا ہے اور خیانت بھی کی ہے دھوکہ یوں کہ جب یہ حدیث صحیح ہے تو اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟

اور خیانت یوں کہ اس کے پہلے جملے کا جو شاہد ہے اس کو تو ذکر کردیا اس لیے کہ وہ ضعیف تھا جب کہ دوسرے اور تیسرے جملے کے جو شواہد تھے ان کو نظر انداز کردیا اس لیے کہ دوسرے جملے کا شاہد حسن درجے کا ہے اور تیسرے جملے کے تین شواہد ذکر کیے گئے ہیں اور تینوں ہی صحیح ہیں۔ملاحظہ ہو۔ پہلا ایڈیشن (صفحہ ۱۷۱)۔

اور ایسا اس لیے کیا گیا تا کہ کسی نہ کسی طریقے سے اعتراض کرنے کی گنجائش باقی رہے حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ یا تو شواہد کی طرف محض اشارہ کیا جاتا اور اگر ان کو ذکر کیا جاتا تو سب کو ذکر کیا جاتا۔

۳ محمد یوسف مقلد نے (صفحہ:۸۹-۹۰) میں لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: مؤذن وہ مقرر کرنا چاہیے جو بلند آواز والا ہو اور اذان بلند جگہ پر کھڑے ہو کر کہنی

---

[1] ضعیف حدیث کی بجائے ''سنداً ضعیف حدیث'' ہونا چاہیے جیسا کہ بعد میں کہا گیا ہے کہ واضح رہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔سبحان من لا يسهو۔

چاہیے۔(أبوداؤد)۔

عبد الرؤف غیر مقلد: حدیث صحیح ہے۔أخرجه عبد الرزاق(١٩٠٩٠) و ابن أبی شيبة (ج: ١/٤٨٨، و ج:١٠/رقم:٩٢٩٣) و عنه أبو يعلى(٤١٤٧) و أحمد(٣/١١٩) و أبوداؤد (٥٢١) والنسائی فی عمل اليوم والليلة(٦٨) و الترمذی(٢١٢) فی أبواب الصلاة، وأيضًا برقم (٣٥٩٥) فی الدعوات والبيهقی (١/٤١٠) و القضاعی في مسند الشهاب برقم(١٢٠) من طريق زيد العمّي عن أبي إياس عن أنس -رضی الله عنه- و هذا سند ضعيف لاجل زيد العَمِيّ۔

ا۔ مؤذن کا بلند آواز ہونا یہ حدیثِ عبد اللہ بن زید بن عبدربہ میں ہے انھوں نے جب اذان کے بارے میں اپنا خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو اپ ﷺ نے فرمایا کہ بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور انھیں یہ کلمات سکھاؤ، کیونکہ وہ تم سے آواز میں بلند ہیں۔

ب۔ مؤذن کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا ایک صحابیہ بیان کرتی ہیں کہ مسجد کے قریب جتنے گھر تھے ان سب سے میرا گھر اونچا تھا بلال اس پر فجر کی اذان دیا کرتے تھے۔

یہ حدیث أبوداؤد(۵۱۹) اور بیہقی(۱/۴۲۵) میں ہے اسے ابن دقیق العید، ابن حجر اور ألبانی نے حسن کہا ہے۔نصب الرایہ(۱/۲۸۷) فتح الباری(۲/۱۰۳)باب "الاذان بعد الفجر"اور إرواء الغليل(٢٣٩)۔

(دو حدیثوں کو ایک کر کے بیان کرنا کتنی بڑی غلطی ہے)۔

آخر میں قوسین کے درمیان جو کلام ہے یہ محمد یوسف مقلد کا ہے۔مؤلف رحمہ اللہ پر ان کا تو یہ اعتراض ہے لیکن اب سنیے کہ مقلد موصوف نے یہاں کیا گل کھلائے ہیں۔

① صحیح حدیث ہے اس کے بعد "أخرجه عبدالرزاق" سے لے کر "وهذا سند ضعيف لأجل زيد العمّي" تک یہ "مؤذن وہ مقرر......" حدیث کی تخریج نہیں ہے بلکہ یہ اس سے قبل درجِ ذیل حدیث کی تخریج ہے۔"اذان اور تکبیر کے درمیان خدائے قدوس دعاء قبول فرماتا ہے۔" ترمذی شریف، اوراس حدیث کا کتاب میں نمبر:۲۲۲ ہے۔

② مقلد موصوف نے اس حدیث کا پورا کلام بھی نقل نہیں کیا تخریج میں مذکورہ کلام کے بعد اس کی دوسری صحیح سند ذکر کی گئی ہے نیز اس کا ایک صحیح شاہد بھی ذکر کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔ پہلا ایڈیشن (صفحہ:۲۰۴۔۲۰۵) مگر مقلد موصوف یہ سب کچھ پی گئے۔

دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کے بارے میں مزید تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی أنس رضی اللہ عنہ سے پانچ یا چھ سندیں ہیں۔اوراس کے دو یا تین شواہد بھی ذکر کیے گئے ہیں ملاحظہ ہو(صفحہ:۳۰۵،حدیث:۲۲۷)۔

مقلد موصوف میں خیانت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ غفلت پائی جاتی ہے جس کی ایک مثال تو یہ ہے اور عنقریب اس کی دیگر مثالیں بھی ذکر ہوں گی بلکہ بعض مثالیں گزر بھی چکی ہیں۔

ظنّ غالب ہے کہ مقلد صاحب نے اس حدیث ''اذان اور تکبیر کے درمیان......'' کو بھی بطور اعتراض ذکر کیا تھا مگر کتابت کی غلطی یا کسی اور وجہ سے متن تو حذف ہو گیا مگر اس پر جو کلام تھا وہ باقی رہ گیا کیونکہ اس حدیث اور حدیث: ''مؤذن وہ مقرر......'' کی تخریج اگر ایک ہی جگہ یا ایک ہی صفحہ پر ہوتی تو یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ نقل کے وقت ان کی نظر ایک حدیث کی تخریج سے دوسری حدیث کی تخریج کی طرف منتقل ہو گئی جب کہ حدیث ''اذان اور تکبیر......'' کی تخریج (صفحہ:۲۰۴) میں اور حدیث: ''مؤذن وہ مقرر کرنا چاہیے......'' کی تخریج (صفحہ:۲۰۵) میں ہے۔

مقلد موصوف نے دونوں ہی حدیثوں کو بطور اعتراض ذکر کیا ہے پہلی حدیث کی تخریج میں خیانت کر کے کہ جس سند میں کلام تھا اس کا ذکر کر دیا اور جو اس کی دوسری صحیح سند اور اس کا صحیح شاہد تھا اسے حذف کر دیا اور دوسری حدیث پر جو اعتراض ہے درج ذیل سطور میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

③ قارئین مقلد موصوف کا یہ کلام کہ ''دو حدیثوں کو ایک کر کے بیان کرنا کتنی بڑی غلطی ہے'' پڑھ کر تشویش میں پڑ گئے ہوں گے کہ یہ کیا نکتہ ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے دراصل اس تشویش کا سبب موصوف کی غفلت و کوتاہی ہے کہ اس حدیث کی تخریج کی شروع والی عبارت درج نہیں ہو سکی اس حدیث کا کتاب میں نمبر ۲۲۳ ہے اور اس کی تخریج میں شروع والی عبارت یہ ہے۔

۲۲۳۔ یہ دو مختلف اُحادیث ہیں جنھیں مؤلف نے ایک کر دیا ہے؛

أ۔ مؤذن کا بلند آواز ہونا یہ حدیثِ عبداللہ بن زید بن عبدربہ میں ہے......''

ب۔ مؤذن کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں......''

④ مقلد موصوف نے اس چیز کو بھی قابل اعتراض ٹھہرایا کہ دو مختلف حدیثوں کو ایک کر دیا جب کہ انسان ہونے کے ناطے آدمی سے ایسا تساہل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی چیز ہم قدوری اور مرغینانی کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں ملاحظہ ہو۔ (صفحہ۲۳۴۔۲۳۵)۔

بلکہ ہمارے موصوف مقلد سے بھی ایسا ہوا ہے بلکہ انھوں نے تو عمداً ایسا کیا ہے کہ دو مختلف دعاؤں کو ایک دعاء ظاہر کیا ہے جیسا کہ (صفحہ:۲۸۱) میں ذکر ہوا۔

اور پھر یہاں مقلد موصوف نے کیا کیا کہ ایک حدیث کی تخریج دوسری حدیث پر جڑ دی، آیئے اب ہم موصوف کو ان کی غفلت کی دیگر مثالیں بھی دیتے ہیں۔

ا۔ مقلد موصوف نے (صفحہ:۸۸) میں لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا جو شخص اذان دے سات برس طلب ثواب کی نیت پر (نہ مزدوری پر) لکھی جاتی ہے، اس کے لیے خلاصی آگ سے (یعنی بہشتی ہو جاتا ہے) (ترمذی، ابن ماجہ) أخرجه الترمذي(۲۰۶) وابن ماجه(۷۲۷) کہ اسے محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مھدی نے اسے ترک کردیا تھا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس سے بڑھ کر کوئی اور جھوٹا آدمی نہیں دیکھا۔ (صلوٰۃ الرسول:۱۹۶)۔

موصوف کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام کلام مؤلف کا ہے جب کہ "أخرجه الترمذی" سے لے کر آخر تک مخرج کا کلام ہے مؤلف کا نہیں۔

نیز یہاں:" وابن ماجه(۷۲۷) کے بعد تقریباً ایک سطر چھوٹ گئی ہے جو یہ ہے:" یہ حدیث بہت زیادہ ضعیف ہے اس کی سند میں جابر جعفی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں۔"

ب۔ اسی کتاب کا (صفحہ:۹۳۔۹۴) دیکھیں:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: ہاتھ اٹھاتے وقت ہتھیلیاں قبلہ کی طرف ہوں۔ (مجمع الزوائد)۔

عبدالرؤف غیر مقلد: طبرانی اوسط میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... یعنی جب تم میں سے کوئی نماز کی ابتداء کرے تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہتھیلیاں قبلہ رخ کرے کیونکہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ ہے۔"

صرف یہاں تک کلام ہے اب قاری یہ سوچے گا کہ اس حدیث کو یہاں کس لیے درج کیا گیا ہے لیکن اسے اس کا کوئی جواب نہیں مل پائے گا دراصل اس کے بعد اس حدیث کی سند پر جو کلام ہے وہ مقلد موصوف کی غفلت کی وجہ سے ذکر نہیں ہوا اور وہ کلام یہ ہے:

"یہ ضعیف حدیث ہے اس کی سند میں عمیر بن عمران ہے جو ضعیف ہے۔" (مجمع الزوائد(۲/۱۰۲)۔

ج۔ غیر مقلد (صفحہ:۱۰۴۔۱۰۵) اس کے بارے میں (صفحہ:۳۰۴ نمبر۶) کے آخر میں تفصیل آرہی ہے۔

د۔ اپنی کتاب کا صفحہ(۱۱۱) دیکھیے۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: أخرجه ابن أبی شیبه(۲/۹۲۔۹۳،۱۵۵) وأحمد (۴/ ۲۸۲۔۲۸۳) والترمذی(۵۲۸،۵۲۹) و أبویعلی (۱۶۰۹،۱۶۸۴) من طریق۔ الخ۔

یہ کلام مؤلف سیالکوٹی کا نہیں بلکہ مخرج کا کلام ہے مؤلف کا کلام درج ذیل ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو خوشبو میسر نہ آئے اس کے لیے پانی ہی خوشبو ہے۔" (یعنی نہائے) "ترمذی،

ملاحظہ ہو: صلاۃ الرسول ﷺ محقق پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۴۲۰، حدیث: ۵۴۵)۔

۶۔ دیکھیے اپنی کتاب کا صفحہ: (۱۱۶)۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: (صلوٰۃ الرسول، حدیث: ۶۰۱)۔

عبدالرؤف غیر مقلد: اَبوداؤد میں کوئی ایسی روایت نہیں جس میں گرھن صاف ہونے تک خطبہ دینے کی صراحت ہو۔

ابی بن کعب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ رُو ہوکر بیٹھے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ گرہن صاف ہوگیا۔

یہ حدیث اَبوداؤد (۱۱۸۲) مستدرک حاکم (۱/۳۳۳) اور بیہقی (۳/۳۲۹) میں ہے (پھر نماز سے فارغ ہوکر گرہن صاف ہونے تک لوگوں کو خطبہ (وعظ ونصیحت) سنائے۔ (ابوداؤد) ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے دوسرا اس میں خطبہ کا ذکر نہیں بلکہ دعا کا ذکر ہے۔

صحیح ابن خزیمہ (۱۳۹۴) سے حضرت علی کی روایت سے گرہن صاف ہونے تک خطبہ پر استدلال ممکن ہے مگر یہ حنش کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (ملخص)۔

قارئین دیکھیے کہ مؤلف کا کلام کدھر ہے مؤلف کا کلام مخرج کے کلام کے ضمن میں آ گیا ہے چنانچہ قوسین کے مابین جو کلام ہے۔ (پھر نماز سے......اَبوداؤد) یہ مؤلف کا کلام ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب آپ کی یہ کتاب درمیانے سائز میں صرف اکسٹھ صفحات پر مشتمل ہے اصل کتاب صفحہ (۶۰) سے شروع ہوکر صفحہ (۱۲۰) پر ختم ہو جاتی ہے اور کل (۶۱) صفحات بنتے ہیں اور اس مختصر سی کتاب کے اندر اس قسم کی اَغلاط اور ہیر پھیر ہے اور باتیں دوسروں کو کرتے ہو کہ دو حدیثوں کو ایک کر دیا کتاب کے اندر اوہام پائے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ آپ نے یہاں کیا کیا ہے ذرا خود ہی سوچو۔

واضح رہے کہ یہ اغلاط ان اغلاط کے علاوہ ہیں جنھیں عام طور پر کتابت کی اغلاط کا نام دیا جاتا ہے مثال کے طور پر مذکورہ حدیث کا نمبر کتاب میں (۶۰۱) کی بجائے (۱۰۶) ہے اسی طرح ''صلوٰۃ الرسول'' کی بجائے صرف ''صلوٰۃ'' ہے اور اس قسم کی دیگر اغلاط۔

⑤ غیر مقلد (صفحہ: ۸۹۔۹۹)۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: حضور نے فرمایا کہ دعا مانگنے سے عاجز نہ بنو (یعنی دعا مانگنا چھوڑ نہ دو کہ مطلب براری نہیں ہوئی) کیونکہ کوئی دعا کرتے ہوئے ہلاک نہیں ہوتا اور جو چاہے کہ اس کی دعا سختیوں اور مشکلوں میں قبول ہو تو اسے لازم ہے کہ وہ آسائش اور کشائش رزق کے وقت کثرت سے دعا کرتا رہے ابن حبان۔

عبد الرؤف غیر مقلد: أخرجه ابن حبان (۳۲۹۸)...... یہ حدیث عمر بن محمد کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے أحادیث ضعیفه (۷۴۳) دیکھیے۔

مقلد موصوف نے اتنا کلام ذکر کر کے یہ دھوکا دینے کی کوشش کی ہے کہ پوری کی پوری حدیث ضعیف ہے جب کہ مذکورہ کلام کے چند سطر بعد یہ کہا گیا ہے۔

دوسری حدیث (جسے مؤلف نے پہلی حدیث سے بلا فرق ذکر کیا ہے) اور جو چاہے کہ اس کی دعا سختیوں اور مشکلوں میں......الخ۔

اس کی ترمذی وغیرہ سے تخریج کر کے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور شیخ محمود نے ان دونوں کی تائید کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ پہلا ایڈیشن (صفحہ: ۵۰۱)۔

⑥ غیر مقلد (صفحہ: ۱۰۱)۔

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: "الحمد للّٰه الذی أحیانا......"

عبد الرؤف غیر مقلد: أخرجه البخاري في صحیحه، (۶۳۱۲) في الدعوات ......و أخرجه ـ أیضاً ـ الترمذی (۳٤۱۷) و في إسناده ضعف۔

جب یہ حدیث بخاری کی ہے تو اسے اس کتاب میں لانے کی کیا ضرورت تھی بس اس لیے اس کو ذکر کیا گیا کہ ترمذی کی سند کے بارے میں "وفي إسناده ضعف" کہا گیا ہے اور یہ ذکر کر کے مغالطہ اور دھوکہ دیا جائے کہ اس کی سند ضعیف ہے جب کہ یہ بات صرف ترمذی کی سند کے بارے میں کہی گئی ہے۔

⑦ غیر مقلد (صفحہ: ۱۰۴۔۱۰۵) مقلد موصوف لکھتے ہیں:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: "اللهُمّ لا سهل إلا ما جعلته سهلاً، و أنت تجعل الحزن سهلاً إذا شئت۔ لا إله إلا الله الحلیم الکریم......الخ

عبد الرؤف غیر مقلد: أخرجه ابن حبان (٠) وابن السنّی (٠) [1] عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه۔

یہ حدیث صحیح ہے ابن حبان نے بھی اسے صحیح کہا ہے یہ دعا: اللهم لا سهل......" سے "إذا شئت" تک ہے۔

"لا إله إلا الله الحلیم الکریم" سے "یا أرحم الرحمن" تک یہ ترمذی (۴۷۹) ابن ماجہ (۱۳۸۴) اور حاکم (۱/۳۲۰) میں من طریق فائد بن عبد الرحمن عن عبد الله بن أبي أوفی۔ رضی اللہ عنہ۔ ہے۔

اس حدیث میں نماز حاجت کا ذکر ہے اور یہ حدیث نہایت ضعیف ہے کیونکہ فائد بن عبد الرحمٰن متروک ہے۔

---

[1] موصوف نے کتابوں کا نام ہی ذکر کیا ہے، جلد، صفحہ یا حدیث کا نمبر ذکر کرنا شاید بھول گئے ہیں۔

مقلد موصوف نے جو دعا: ''اللھم لا سھل......'' صحیح ثابت تھی اس کو بھی ذکر کر دیا اس کے ذکر کرنے سے کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

اس مقام پر مقلد موصوف کے یہاں تخریج میں تکرار ہے اور پہلے مقام پر دعا ''لا إلا إلا الله الحليم الكريم......'' کے کچھ کلمات بھی تخریج میں آ گئے ہیں اور اس مختصر سی کتاب میں اس قسم کے عجائب بھی ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یا تو سرے سے تصحیح ہی نہیں کی گئی یا پھر غفلت کا اس قدر غلبہ تھا کہ صحیح طرح سے تصحیح ہو نہیں پائی۔ اس کے باوجود یہ مغفل ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' پر اعتراض کرنے کے لیے بیٹھ گئے ہیں اور اس کتاب کی اُحادیث کی تخریج کرنے لگ گئے ہیں۔

ایک جگہ اہم بات کا حذف:

محمد یوسف مقلد نے (صفحہ:۷۸۔۷۹) میں لکھا ہے:

محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد: پانچوں انگلیاں دائیں اور بائیں ہاتھ کی تر کر کے دونوں پاؤں کے پنجوں سے شروع کر کے ٹخنوں کے اوپر تک کھینچ لے جائیں۔

عبدالروف غیر مقلد: مسح کی کیفیت کے بارے میں بعض روایات وارد ہیں مگر سخت ضعیف ہیں تفصیل کے لیے: نصب الرایہ (۱/۱۸۰۔۱۸۱) تلخیص الحبیر (۱/۱۶۰) اور سبل السلام (۱/۸۹) دیکھیں۔

قاری کے ذہن میں سوال یہ ابھرتا ہے کہ جب مسح کی کیفیت کی روایات ضعیف ہیں تو مسح کا طریقہ کیا ہے؟

جس عبارت میں یہ جواب تھا مقلد موصوف نے اسے ذکر نہیں کیا وہ عبارت ''تلخیص الحبیر'' کے بعد تھی جو یہ ہے: ''لہٰذا مسح کرتے وقت جس طرح بھی ہاتھ پھیر لیا جائے اور اسے لغت میں مسح کہا جائے تو مسح درست ہو گا۔ دیکھیں سبل السلام (۱/۸۹)۔

مؤلف رحمہ اللہ پر بے جا اعتراض:

جیسا کہ اس فصل کے شروع میں ذکر ہوا کہ مولوی محمد یوسف مقلد نے کتاب ''صلوۃ الرسول ﷺ'' پر زیادہ سے زیادہ اعتراضات کرنے کی غرض سے خیانتوں سے بھی کام لیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے بعض جگہ مؤلف پر بے جا اعتراضات بھی کیے ہیں۔ مثلاً (صفحہ:۳۰۲) میں مذکورہ حدیثِ ابن عباس اور اس کی تخریج کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

نوٹ: (حدیث:۲۱۱) یہ حدیث براء بن عازب سے مروی ہے اُبو ہریرہ سے نہیں صاحب ''مشکاۃ'' کے بظاہر انداز سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ ابو ہریرہ سے مروی ہے اسی لیے مؤلف نے اسے ابو ہریرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: غیر مقلد (صفحہ:۸۸)۔

کیا یہ بات بھی قابل اعتراض تھی اس میں مؤلف کا کیا قصور ہے وہم تو صاحب ''مشکوٰۃ'' کا ہے انھیں دراصل اعتراض کرنے کے لیے کچھ چاہیے تھا۔

بد دیانت خود اور الزام مؤلف پر:

قارئین کرام مذکورہ تفصیل سے آپ نے معلوم کر لیا کہ محمد یوسف مقلد بد دیانت اور خائن آدمی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ دوسروں کو خائن اور بد دیانت کہتے ہوئے شرماتے نہیں چنانچہ وہ تخریج ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' سے یہ نقل کرنے کے بعد'' جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ مؤلف نے ان سب احادیث کو ''تبلیغی نصاب'' سے نقل کیا ہے......'' لکھتے ہیں:

''یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ ''تبلیغی نصاب'' سے نقل کر کے کہیں بھی اس کتاب کا نام نہیں لیا یہ علمی بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے۔'' (غیر مقلد (صفحہ:۸۵)۔

ہم ان محمد یوسف مقلد سے پوچھتے ہیں کہ مولانا صادق رحمہ اللہ اگر تبلیغی نصاب کا حوالہ نہ دینے کی وجہ سے بد دیانت ہیں تو آپ نے اپنی کتاب میں جو کچھ کیا ہے کیا وہ علمی بد دیانتی اور خیانت نہیں یا کہ آپ کے نزدیک یہ کام خیانت نہیں ہیں۔

آپ نے مؤلف رحمہ اللہ پر تو فوراً علمی بد دیانتی کا الزام ٹھونس دیا مگر اپنی کتاب کے مقدمے میں ''محدثین کی ضعیف حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط'' کے عنوان کے تحت امام مسلم وغیرہ کے جو اُقوال یا جو کچھ ذکر کیا ہے کیا اللہ عزوجل کو شاہد بنا کر آپ یہ کہیں گے کہ ان اُقوال وغیرہ کو آپ نے'' صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کے محقق ایڈیشن کے مقدمے سے نہیں لیا یقیناً آپ نے ان چیزوں کو وہیں سے لیا ہے لیکن اس کا نام تک نہیں لیا۔ ملاحظہ ہو۔ پیش لفظ (صفحہ:۱۲۔۱۳)۔

اسی طرح آپ کے مفتی صوفی بشیر احمد نے آپ کی کتاب کے پہلے مقدمے میں علامہ طاہر بن صالح جزری کا یہ قول'' قد نشاء من رواية الأحاديث الضعيفة......'' نقل کیا ہے اور یہ قول بھی وہیں سے لیا ہے مگر نام تک نہیں لیا۔ ملاحظہ ہو (صفحہ:۷)۔

تو کیا یہ علمی خیانت و بد دیانتی نہیں یا کہ آپ لوگ جب ایسا کام کریں تو اس کو علمی خیانت و بد دیانتی نہیں کہا جائے گا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

محمد یوسف مقلد کی تنگ نظری:

محمد یوسف مقلد نے مذکورہ جس کلام کی بناء پر مؤلف کو بد دیانت کہا ہے وہ طویل کلام کا ایک ٹکڑا ہے جو ''تنبیہ'' کے عنوان سے اس طرح ہے:'' مؤلف رحمہ اللہ نے'' نماز کے لامثال محاسن'' عنوان کے تحت......'' (محقق ایڈیشن

(صفحہ:۱۷۷)۔

محمد یوسف مقلد کی تنگ نظری دیکھیے کہ انھوں نے اس کلام کو نقل کرتے وقت اس میں ''مؤلف رحمہ اللہ'' کی بجائے محمد صادق سیالکوٹی کر دیا ملاحظہ ہو۔(صفحہ:۸۵)۔

یہ تنگ نظری نہیں بلکہ یہ بھی ایک طرح کی خیانت ہے۔

محمد یوسف مقلد کی کذب بیانی:

صفحہ:(۲۹۵) کے حاشیے میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس فصل کے اختتام پر ہم یہ ثابت کریں گے کہ محمد یوسف صاحب مقلد خائن ہونے کے ساتھ ساتھ کذاب بھی ہیں۔ آیئے اب اس کا ثبوت ملاحظہ کیجیے موصوف نے اپنی کتاب کے اختتام پر ''نوٹ'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

''یہ کتاب ابھی کتابت ہو رہی تھی کہ مولانا عبد الرؤف غیر مقلد کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کا دوسرا ایڈیشن دیکھنے کا موقع ملا اور یہ دیکھ کر حیرانی کی انتہاء نہ رہی کہ پہلے ایڈیشن میں مولانا موصوف نے (۸۴) اُحادیث ضعیفہ کی فہرست پیش کی تھی لیکن دوسرے ایڈیشن میں صرف چھ سات اُحادیث ضعیفہ رہ گئیں۔ باقی تمام کو انھوں نے صحیح مان لیا۔

اس راز سے تو پردہ بعد میں اٹھائیں گے کہ کونسے غیبی ہاتھ نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے کہ وہ اپنی پیش کردہ تحقیق سے بھی منحرف ہو گئے یہ بھی ممکن ہے کہ عوام کو دھوکہ دینے کے لیے دوسرے ایڈیشن میں تبدیلی کی ہو کہ جب کوئی پہلے ایڈیشن کی عبارت پیش کرے تو فوراً دوسرا ایڈیشن پیش کر کے یہ کہہ سکیں کہ دیکھیے اس میں تو یہ عبارت موجود نہیں ہے لہٰذا یہ حوالہ جھوٹا پیش کیا ہے۔''(غیر مقلد:۱۲۰)۔

یہ موصوف کا کلام ہے اب اس پر تبصرہ سنیے۔

۱ ہمارا موصوف سے سوال یہ ہے کہ آپ نے دوسرے ایڈیشن میں یہ کہاں دیکھا ہے کہ اس میں صرف چھ سات اُحادیث ضعیفہ ہیں اور باقی تمام کو صحیح مان لیا ہے۔

قارئین کے سامنے ہم دوسرے ایڈیشن کے (صفحہ:۱۴) کی ایک عبارت رکھتے ہیں جس کی بناء پر موصوف کو دھوکہ دینے کا موقع ملا ہے اور وہ عبارت یہ ہے:

۲ ضعیف اُحادیث:

مؤلف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں متعدد ضعیف حدیثیں بھی ذکر کر دی ہیں...... اس مقام پر جو بات قابل مؤاخذہ

ہے وہ یہ ہے کہ ان ضعیف احادیث میں سے بعض اُحادیث ایسی بھی ہیں جن کے ضعیف ہونے کی صراحت خود ان کتب میں موجود ہے جن کے حوالے سے ان کو ذکر کیا گیا ہے ملاحظہ ہوں درج ذیل حدیثیں: (۱۶، ۸۸، ۹۵، ۱۱۰، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۵۶، ۲۵۷) [1]

لیکن موصوف نے ان کو ذکر کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو مقدمہ دوسرا ایڈیشن (صفحہ:۱۴۔۱۵)۔

یہ کل چھ سات اُحادیث نہیں بلکہ نو اُحادیث ہیں اور یہ وہ اُحادیث ہیں جن کو مؤلف نے جن کتب سے نقل کیا ہے ان میں ان کے ضعف کی صراحت ہے مگر نقل کرتے ہوئے انھوں نے ان کے ضعف کو نقل نہیں کیا اور یہ ان کا تساہل ہے۔

اس عبارت کے شروع میں کہا گیا ہے کہ اس کتاب میں متعدد ضعیف حدیثیں بھی ہیں اور جو مثالیں ذکر کی گئی ہیں وہ مخصوص اُحادیث کی ہیں نہ کہ تمام ضعیف اُحادیث کی۔ نیز متعدد سے مراد چھ یا سات نہیں ہوتی۔

محمد یوسف مقلد کے جھوٹ کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم اس کتاب کے پیش رس سے لے کر طہارت کے مسائل کے آخر تک اس دوسرے ایڈیشن میں جن اُحادیث کو ضعیف کہا گیا ان کے بمعہ صفحات نمبر ذکر کر دیتے ہیں:

نمبر شمار	صفحہ	حدیث نمبر
۱۔	۵۳	۶
۲۔	۶۶	۱۳
۳۔	۶۷	۱۴
۴۔	۸۸	۲۹
۵۔	۸۹	۳۰
۶۔	۹۳	۳۴
۷۔	۱۱۵	۵۳
۸۔	۱۱۹	۵۶
۹۔	۱۲۰	۵۷

[1] یہ نمبر صفحات کے نہیں بلکہ اُحادیث کے ہیں: (نمبر ۲۵۶) کتابت کی غلطی سے نمبر (۲۴۸) لکھا گیا ہے لہٰذا اس کی تصحیح کر لی جائے۔ حدیث نمبر (۲۱۴) کو مؤلف نے ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کی سند پر کلام کیا ہے مگر ان کا کلام اس دوسرے ایڈیشن میں کسی وجہ سے ذکر نہیں ہوا جب کہ پہلے ایڈیشن میں موجود ہے ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ:۱۹۶، حدیث:۲۰۹)۔

۱۰۔	۱۲۷	۵۸
۱۱۔	۱۴۰	۶۶
۱۲۔	۱۷۱	۸۵
۱۳۔	۱۹۶	۱۱۰

یہ تیرہ احادیث ہیں جن کا مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور آٹھ کا ذکر پہلے ہو چکا۔ [1] چنانچہ کل اکیس اُحادیث تو یہی ہو گئیں جس سے معلوم ہوا کہ محمد یوسف مقلد نے جو کہا ہے وہ سفید جھوٹ ہے۔

اس سے نہ صرف محمد یوسف مقلد کا جھوٹ واضح ہوا بلکہ محمد ابوبکر غازی پوری مقلد کا جھوٹ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ انھوں نے بھی محمد یوسف مقلد سے ملتی جلتی بات کہی ہے بلکہ انھیں سے لی ہے چنانچہ اپنے رسالے ''حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول کے بارے میں'' (صفحہ:۵،حاشیہ) میں لکھا ہے:

''مگر جب عبدالرؤف والی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو نہ معلوم کسی مصلحت کی بنیاد پر اس کتاب کو دوسرا رنگ دے دیا گیا اور صرف چھ سات حدیث کو ضعیف باقی رکھا گیا اور بقیہ اُحادیث کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی گئی۔'' پہلے ایڈیشن میں (۸۴) اُحادیث پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا گیا تھا، پاکستان میں یہ بات مشہور ہے کہ غیر مقلدین کے دباؤ میں یہ دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے واللہ اُعلم بالصواب۔''

یہ ہے ان مقلدین کی کذب بیانی اور افتراء یہ مقلدین مولوی یہ بات کہاں سے لے آئے کہ دوسرے ایڈیشن میں صرف چھ سات اُحادیث کو ضعیف اور باقی تمام اُحادیث کو صحیح کہا گیا ہے۔

و إن تعجب فعجب قولهم، لعنة الله على الكاذبين۔

ان مقلدین کو یہ جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے کا موقع اس لیے فراہم ہوا کہ پہلے ایڈیشن کے مقدمے میں جو اس کتاب میں ضعیف اُحادیث تھیں ان کے نمبر ذکر کیے گئے تھے جب کہ دوسرے ایڈیشن کے مقدمے میں ''اس کتاب میں متعدد ضعیف حدیثیں بھی ذکر کردی ہیں'' کہہ کر ان کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور صرف ان اُحادیث کے نمبر ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا جن کو مؤلف نے جن کتب سے نقل کیا تھا ان میں ان کے ضعیف ہونے کی صراحت موجود تھی۔

قارئین کرام! ہم نے پیش رس سے طہارت کے مسائل تک جن اُحادیث کو ضعیف کہا گیا ہے ان کا ذکر کردیا آپ

[1] پہلے نو اُحادیث کا ذکر ہوا ہے لیکن ان نو میں حدیث: ۱۱۰ بھی ہے جس کا یہاں بھی ذکر ہوا۔

اگر محمد یوسف مقلد اور محمد ابوبکر غازی پوری مقلد کے جھوٹ کی مزید تصدیق چاہتے ہوں تو کتاب کے دوسرے ایڈیشن کو اپنے ہاتھ میں لیجیے اور طہارت کے مسائل کے بعد اس کتاب کا مراجعہ کیجیے تو آپ کوئی اُحادیث ایسی ملیں گی جن کو ضعیف کہا گیا ہے اور جہاں آپ کو کسی حدیث کے بارے میں یہ لکھا ملے کہ ''ضعیف حدیث ہے'' تو وہاں (لعنة الله على الكاذبين) بھی پڑھتے جایئے۔

واضح رہے کہ بعض اُحادیث ایسی ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں ضعیف کہا گیا تھا مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کو حسن یا صحیح کہا گیا ہے اور بعض احادیث ایسی بھی ہیں کہ جن کو پہلے ایڈیشن میں حسن یا صحیح کہا گیا ہے مگر دوسرے ایڈیشن میں ان کو ضعیف کہا گیا ہے جیسا کہ اس ایڈیشن کے مقدمے کے صفحہ (۴) میں وضاحت کی گئی ہے نیز اس کتاب کا صفحہ (۲۹۴) بھی دیکھیں۔

۲۔ مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محمد یوسف مقلد کا یہ کہنا کہ: ''لیکن دوسرے ایڈیشن میں صرف چھ سات اُحادیث ضعیفہ رہ گئیں باقی تمام کو انھوں نے صحیح مان لیا اس راز سے پردہ تو بعد میں اٹھائیں گے......'' بے بنیاد و باطل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

ہم ان مقلد موصوف سے کہتے ہیں کہ آپ تا قیامت اس راز سے پردہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ ان شاء اللہ ہاں ہم نے اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے آپ کی خیانتوں اور جھوٹوں سے پردہ ضرور اٹھا دیا ہے۔

۳۔ مقلد موصوف کی خیانتوں اور جھوٹوں سے تو یہ پتہ چل ہی گیا کہ وہ کس درجے کے مولوی ہیں اور ان کی درج ذیل بات سے اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے ''وہ اپنی پیش کردہ تحقیق سے بھی منحرف ہو گئے۔''

مقلد موصوف صاحب اگر کوئی آدمی اپنی پہلی تحقیق کو چھوڑ کر نئی تحقیق کو اختیار کرتا ہے تو اہل علم کے ہاں اسے ''تحقیق سے انحراف'' سے تعبیر نہیں کیا جاتا مگر چونکہ آپ کا تو مسئلہ ہی دوسرا ہے اس لیے جو چاہیں کہہ دیں۔

مقلد مولوی محمد یوسف صاحب ایک رائے کے بعد دوسری رائے کو اختیار کرنا اگر تحقیق سے انحراف ہوتا ہے تو آپ کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی کئی مسائل میں اپنی تحقیق سے انحراف کیا ہے چنانچہ امام صاحب کے کئی مسائل ایسے ہیں کہ جن میں پہلے ان کی رائے یا تحقیق کچھ اور تھی اور بعد میں انھوں نے ان میں دوسری رائے یا تحقیق کو اختیار کیا جس کا اعتراف آپ کے علماء کو بھی ہے مثال کے طور پر یہاں دو مسئلوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

① امام صاحب کی پہلی رائے یہ تھی کہ صرف ان جرابوں پر مسح کیا جا سکتا ہے جو چمڑے کی ہوں یا جن کا نیچے والا حصہ

چمڑے کا ہو جب کہ امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک کپڑے کی جرابیں جو کہ باریک نہ ہوں بلکہ موٹی ہوں ان پر مسح جائز ہے۔ صاحب ''ہدایہ'' (۱/ ۱۵۷) یہ اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" و عنه أنّه رجع إلى قولهما، و عليه الفتوى۔"

یعنی امام صاحب نے اپنے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اب فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔

بابرتی نے ''العناية على الهداية'' (۱/ ۱۰۷۔ مع فتح القدیر) میں لکھا ہے:

" و عن أبي حنيفة أنّه مسح على جوربيه في مرضه، ثم قال لعواده: فعلت ما كنت أمنع الناس عنه، فاستدلوا به على رجوعه إلى قولهما۔"

''ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنی بیماری کے ایام میں اپنی جرابوں پر مسح کیا پھر آپ کی بیمار پرسی کے لیے جو لوگ آئے ہوئے تھے ان سے کہا کہ (آج) میں نے وہ کام کیا جس سے میں لوگوں کو منع کرتا رہا، فقہاء نے ان کے اس قول سے یہ دلیل لی ہے کہ انھوں نے ان دونوں (محمد و ابو یوسف) کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔''

اگر ہم مقلد موصوف کی بات کو لیں تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ امام صاحب اپنی آخری زندگی کے ایام میں کپڑے کی جرابوں پر مسح نہ کرنے کی ان کی جو تحقیق تھی اس سے منحرف ہو گئے۔

۴ اگر کوئی آدمی اپنی نماز کی ابتداء فارسی زبان سے کرلے یعنی ''اللہ اکبر'' کی بجائے ''اللہ بزرگ تراست'' کہے یا اس میں قراءت فارسی میں کرلے تو امام صاحب کے نزدیک اس کی نماز درست ہوگی لیکن صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ عربی جانتا ہے تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ صاحب ''ہدایہ (۱/ ۲۸۶) امام صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

" و يروى رجوعه في أصل المسئلة إلى قولهما، و عليه الاعتماد"۔

''ان کا اصل مسئلہ میں دونوں کے قول کی طرف رجوع مروی ہے اور اعتماد بھی اسی پر ہے۔''

اور بابرتی نے "شرح العناية على الهدايه" (۱/ ۲۸٦) میں لکھا ہے:

" روى أبو بكر الرازي أن أبا حنيفة رجع إلى قولهما......"

''ابوبکر رازی نے روایت کیا ہے کہ ابوحنیفہ نے ان کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔''

ملا علی قاری نے ان کا رجوع ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کا کہنا ہے۔

"لا يجوز مع القدرة بغير العربية" و قال: " لو قرأ بغير العربية فإما أن يكون مجنوناً

فیداوی، أو زندیقاً فیقتل، لأن الله تکلّم بهذه اللغة، و الإعجاز حصل بنظمه ومعناه" (شرح الفقه الأکبر صفحه:۲۲۵).

''عربی جاننے کی صورت میں بغیر عربی کے قراءت جائز نہ ہوگی، اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ''اگر بغیر عربی کے پڑھے گا (یعنی عربی جاننے کی صورت میں) یا تو وہ مجنون ہوگا جس کے علاج کی ضرورت ہے یا وہ زندیق ہوگا جسے قتل کردیا جائے کیونکہ اللہ نے اس زبان میں (عربی میں) کلام کیا ہے اور (قرآن مجید کا) اعجاز اس کے نظم (الفاظ) اور معنی دونوں سے حاصل ہوا ہے۔''

آپ امام صاحب کے اس کلام سے اندازہ لگائیں کہ جو کام پہلے ان کے نزدیک جائز تھا اب وہی کام ان کے نزدیک دیوانگی یا کفر ہے لہٰذا ان کے پہلے اور بعد والے قول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مولوی یوسف مقلد صاحب امام صاحب کا اپنی پہلی تحقیق سے یہ کتنا بڑا انحراف ہے۔

یہ تو دو مثالیں تھیں ان مثالوں کے بعد ہم آپ کے سامنے امام صاحب امام ابو یوسف اور امام زفر کے اُقوال رکھتے ہیں جن سے یہ بخوبی واضح ہوگا کہ امام صاحب نے کتنے مسائل سے رجوع کیا ہے جس کے آپ کی زبان میں معنے یہ ہوں گے کہ امام صاحب اپنی بہت سی تحقیقات سے منحرف ہوگئے تھے۔ **إنا لله و إنا اليه راجعون.**

(۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔

ا۔ "فإننا بشر، نقول القول اليوم، و نرجع عنه غداً" [۱]

''ہم انسان ہیں آج جو بات کہتے ہیں کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔''

ب۔ "ويحك يا يعقوب: لا تكتب كل ما تسمع منّي، فإنّي قد أرى الرأي اليوم ،و أتركه غدًا، و أرى الرأي غدًا، و أتركه بعد غدٍ" [۲]

''یعقوب (یعنی ابو یوسف) مجھ سے جو سنتے ہو ہر چیز کو مت لکھو کیونکہ آج میری جو رائے ہوتی ہے کل میں اسے ترک کردیتا ہوں اور جو رائے کل ہوتی ہے اسے آئندہ کل چھوڑ دیتا ہوں۔''

محمد یوسف مقلد کی زبان میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ میں ہر روز اپنی تحقیق سے منحرف ہوتا رہتا ہوں۔ **(إنا لله و إنا إليه راجعون).**

(۲) امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان کا کہنا ہے:

---

[۱] [۲] ملاحظہ ہو مقدمة صفة الصلاة للألبانی (صفحہ:۴۷)۔

" ما قلت قولًا خالفت فيه أبا حنيفة إلا قولًا قد كان قوله۔" [1]

[3] امام زفر رحمہ اللہ، ان کا قول ہے:

" ما خالفت أبا حنيفة في شيئ إلّا قد قاله ، ثمّ رجع عنه۔" [2]

"ان دونوں کے اُقوال کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جو اُقوال اپنے امام کے اُقوال کے خلاف ہیں تو وہ درحقیقت انہی کے پہلے اُقوال ہیں جن سے انھوں نے رجوع کرلیا تھا۔

محمد یوسف مقلد کے کہنے کے مطابق جن سے وہ منحرف ہو گئے تھے۔ ھداہ اللہ۔

آخر میں ابن عابدین کی ایک عبارت ملاحظہ کریں وہ لکھتے ہیں:

" أن ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه، و أن المرجوع عنه ليس قولًا له۔" [3]

"یعنی ظاہر روایت کے علاوہ جو اُقوال ہیں [4] وہ پہلے کے اقوال ہیں اور ان اُقوال کو امام صاحب کے اُقوال نہیں کہا جا سکتا۔"

علامہ بہاء الدین مرجانی حنفی "ناظورۃ الحق" میں اُئمہ وفقہاء کے اُقوال کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر (راویۃ) صحیح وثابت بھی ہوجاوے تو احتمال ہے کہ وہ منسوخ ہو یعنی یہ کہ اس سے اس مجتہد نے رجوع کر کے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو کیونکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اُصحاب اور مالک اور شافعی واُحمد میں سے ہر ایک نے اپنے کتنے قولوں سے رجوع کر کے دوسرے قول اختیار کیے ہیں جو انھیں بعد کو دلائل سے راجح ثابت ہوئے" منقول از حاشیہ "البيان المفيد لأحكام التقليد" المعروف به " ردّ تقليد" لمولوى محمد أنصارى (ص ١٧) ۔

اس کلام سے معلوم ہوا کہ اُئمہ نے اپنے بہت سے اُقوال سے رجوع کیا ہے جس کے ہمارے موصوف مقلد کی لغت میں معنے یہ ہوئے کہ انھوں نے اپنی بہت سی تحقیقات سے انحراف کیا ہے۔

امید ہے کہ ہمارے موصوف کے سمجھنے کے لیے یہ اُقوال کافی ہوں گے۔

[4] موصوف کا یہ کہنا کہ "یہ بھی ممکن ہے کہ عوام کو دھوکا دینے کے لیے دوسرے ایڈیشن میں تبدیلی کی ہو۔"

قارئین کرام مذکورہ تفصیل سے آپ نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ دھوکہ باز کون ہے۔

محمد یوسف مقلد کا ایک اور جھوٹ اور خیانت:

مقلد موصوف نے عیدین کی زوائد تکبیرات سے متعلق جعفر بن محمد کی مرسل روایت کی سند پر تخریج سے کلام نقل

---

[1] [2] [3] ملاحظہ ہو حاشیہ ابن عابدین (١/٦٧) و مجموعة رسائل ابن عابدين (صفحہ:٢٣)۔

[4] ظاہر روایت سے کیا مراد ہے اس کے لیے اس کتاب کا (صفحہ:٣٩٤) ملاحظہ کریں۔

کرنے کے بعد لکھا ہے:

نوٹ: فریق ثانی ایسی ضعیف روایت لے کر احناف کی نماز کو باطل اور کالعدم قرار دیتا ہے (افسوس) غیر مقلد (صفحہ:۱۱۶)۔

مقلد موصوف نے یہاں خیانت بھی کی ہے اور جھوٹ بھی بولا ہے اب تفصیل ملاحظہ کریں:

① خیانت یہ کہ انھوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ بارہ زوائد تکبیرات کے بارے میں ہمارا انحصار اس جعفر بن محمد کی مرسل روایت پر ہے جب کہ اس سے پہلے وہ عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر چکے ہیں اور اس کے ذکر کرنے سے پہلے انھوں نے تخریج سے یہ بھی نقل کیا ہے: ''صحیح حدیث ہے'' مگر اس کے بعد اس میں بھی خیانت کرنے کی کوشش کی ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے صفحے (۲۸۵۔۲۸۷) میں گزر چکی ہے۔

② جھوٹ یہ بولا کہ ہم بارہ تکبیرات کہنے کی بجائے چھ تکبیرات کہنے والے احناف کی نماز کو باطل اور کالعدم قرار دیتے ہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم۔

ہم مقلد موصوف سے پوچھتے ہیں کہ کسی ایک معتبر اہل حدیث عالم کا حوالہ دیں کہ جس نے نماز عیدین کو چھ تکبیریں کہنے کی وجہ سے باطل اور کالعدم قرار دینے کا فتویٰ دیا ہو۔ ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ......﴾۔

اب علماء کے نزدیک ان تکبیرات کا حکم سنیے۔ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

" والتكبيرات، والذكر بينها سنة، و ليس بواجب، و لا تبطل الصلاة بتركه عمداً، ولا سهواً ولا أعلم فيه خلافًا" (المغنی:۳/۲۷۵)۔

''تکبیریں اور ان کے درمیان ذکر سنت ہے [1] واجب نہیں ان کو جان بوجھ کر یا بھول کر ترک کر دینے سے نماز باطل نہ ہوگی اور اس میں مجھے کسی قسم کے اختلاف کا علم نہیں'' یعنی کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس سے اختلاف کیا ہو اور ان کو واجب کہا ہو یا تکبیریں نہ کہنے سے نماز کو باطل قرار دیا ہو۔

---

[1] واضح رہے کہ تکبیروں کے درمیان ذکر کے سنت ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے چنانچہ ابن قیم لکھتے ہیں: "يسكت بين كل تكبيرتين سكتة يسيرة، و لم يحفظ عنه ذكر معيّن بين التكبيرات، و لكن ذكر عن ابن مسعود أنه قال: يحمد الله ويثنى عليه، و يصلّي على النبي صلى الله عليه وسلم ذكره الخلال" (زادالمعاد:۱/۴۴۳)۔

''آپ ﷺ ہر دو تکبیروں کے درمیان معمولی سا سکتہ کرتے (تھوڑا سا خاموش رہتے) اور تکبیروں کے درمیان کوئی مخصوص ذکر آپ سے محفوظ نہیں ہے مگر ابن مسعود سے ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے اور نبی ﷺ پر درود پڑھے'' اس کو خلال نے ذکر کیا ہے۔

قلت: اس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے ملاحظہ ہو: سنن کبریٰ (۳/۲۹۲)۔

اور علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

" قالوا: وإن تركه لا يسجد للسهو، و روي عن أبي حنيفة، ومالك أنّه يسجد للسهو۔" (نيل الأوطار:۳/۳۰۰)۔

''ان کا (جمہور علما کا) کہنا ہے کہ ان کے ترک کرنے پر سجدہ سہو نہیں کرے گا۔ ابوحنیفہ اور مالک سے مروی ہے کہ وہ سجدہ سہو کرے گا۔''

نواب صدیق حسن صاحب علامہ شوکانی کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" والحق الأوّل۔" (الروضة الندية:۱/۲۱۷)۔

''حق پہلا قول ہی ہے'' یعنی کہ ان کے ترک پر سجدہ سہو نہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین میں زوائد تکبیرات کے ترک سے نماز باطل نہ ہوگی۔

محمد یوسف مقلد سے آخری بات:

اس فصل کے اختتام پر ہم موصوف سے یہ سوال کریں گے کہ آپ نے اپنے مقدمے میں یہ لکھا ہے کہ ''میں نے جب اس کتاب کی تمام احادیث ضعیفہ کو جمع کیا تو ان کی تعداد (۱۱۸) ہوگئی۔'' صفحہ (۱۲)۔

جب آپ کی تحقیق سے اس کتاب کی ضعیف اُحادیث (۸۴) سے بڑھ کر (۱۱۸) ہوگئی تھیں تو آپ کو خیانتوں کا ارتکاب کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ آپ اس کتاب کے محقق ایڈیشن سے ضعیف اُحادیث نقل کرنے کے بعد بعض اپنی تحقیق شدہ اُحادیث کا ذکر بھی کردیتے تاکہ ہم آپ کی تحقیق سے مستفید ہوتے آپ جب اس میدان میں اتر ہی آئے تھے تو پھر ڈرنے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ نے ان تحقیق شدہ اُحادیث کو ہوا تک نہیں لگنے دی یا کہ شاید آپ بھی اپنی اس تحقیق سے منحرف ہوگئے۔

مجھے علم نہیں کہ مولوی محمد یوسف نے اس کے بعد ان احادیث کے بارے میں کچھ لکھا ہے یا نہیں واللہ اعلم۔

ہمیں امید ہے کہ عام قارئین ہی نہیں بلکہ آپ کے معتقدین بھی آپ کی ان خیانتوں اور جھوٹوں کو ملاحظہ کر لینے کے بعد آپ کی تحقیق شدہ اُحادیث کو شک ہی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ان شاء اللہ۔

چوتھی فصل

مولوی محمد ابوبکر غازی پوری کی بعض خیانتوں اور باتوں کے بارے میں:

جیسا کہ اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا تھا کہ یہ چوتھی فصل ہندوستانی مولوی محمد ابوبکر غازی پوری مقلد کی بعض خیانتوں اور باتوں پر مشتمل ہوگی۔ محمد یوسف مقلد کی طرح انھوں نے بھی کتاب ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' کے بارے میں ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس کا نام ہے ''حکیم صادق سیالکوٹی کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کے بارے میں''

مقلدین کے ساتھ ہماری گفتگو پہلے ہی بہت طویل ہو چکی ہے جس کی اس قدر طوالت کا قطعاً تصور بھی نہ تھا لہٰذا اس فصل میں ہماری گفتگو بہت مختصر ہوگی۔

اس فصل میں سب سے پہلے ہم مقلد غازی پوری کی خیانتوں کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان کی بعض باتوں کا جائزہ لیں گے۔

ا۔ غازی پوری صاحب کی خیانتیں:

مقلد غازی پوری کی بھی وہی خیانتیں ہیں جو محمد یوسف مقلد کی ہیں بس فرق یہ ہے کہ انھوں نے مولوی محمد یوسف کی طرح زیادہ اُحادیث کا ذکر نہیں کیا اب ان اُحادیث کو ملاحظہ کیجیے جن کی تخریج نقل کرنے میں انھوں نے خیانت کی ہے۔

1. مسواک کر کے پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت والی حدیث ہے جس کا اس کتاب کے صفحہ (۲۹۶۔۲۹۷) میں ذکر ہوا۔ اس کو کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''عبدالرؤف غیر مقلد فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے پھر فرماتے ہیں کہ یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: صفحہ: ۲۲)۔

غازی پوری نے اتنا تو نقل کر دیا لیکن اس حدیث کی تخریج کے آخر میں جس کلام میں اس کی تقویت کی طرف اشارہ تھا اسے نقل نہیں کیا اور وہ کلام یہ ہے:

اس حدیث کا متعدد صحابہ سے مروی ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۰۲، حدیث: ۷۲)۔

اور دوسرے ایڈیشن میں اس حدیث کو اس کی دیگر سندوں اور شواہد کی بناء پر صحیح کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۱۵۵، حدیث: ۷۲)۔

اس کتاب کے صفحہ (۳۰۹) میں غازی پوری کے مذکور کلام میں دوسرے ایڈیشن کا ذکر تو ہے لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مذکورہ رسالے کی تألیف کے وقت وہ ان کی نظر سے گزرا بھی ہے یا کہ نہیں۔

۲ ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کی مسواک سے متعلق حدیث جس کا اس کتاب کے (صفحہ: ۲۷۶) میں ذکر ہوا اس کے بارے میں انھوں نے صرف اتنا ذکر کیا ہے:

''غیر مقلد عبدالرؤف فرماتے ہیں: یہ سند سخت ضعیف ہے۔ (صفحہ: ۲۳)۔

جب کہ اس کی تصحیح سے متعلق جو کلام تھا اس کا انھوں نے ذکر نہیں کیا اور وہ کلام اس کتاب کے (صفحہ: ۲۷۷) میں مذکور ہے۔

۳ تین بار وضوء کرنے سے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اس کتاب کے (صفحہ: ۲۹۷) میں گزر چکی اس کے بارے میں صرف اتنا نقل کیا ہے:

غیر مقلد عبدالرؤف صاحب اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں: ''امام نووی نے ''شرح مسلم'' میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ (صفحہ: ۲۷)۔

جب کہ اس کی تخریج کے آخر میں اس کی تقویت سے متعلق صنعانی اور اُلبانی کا جو کلام تھا اس کو نظر انداز کر دیا اور اس کلام کو اس کتاب کے (صفحہ: ۲۹۷) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۴ مقلد غازی پوری نے لکھا ہے:

گوز (ریح خارج ہونے سے) وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس کو بتلانے کے لیے صادق صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے اس کو بھی عبدالرؤف غیر مقلد ضعیف بتلاتے ہیں اس حدیث کا راوی مسلم بن سلام مجہول ہے۔ (صفحہ: ۲۸)۔

مقلد محمد یوسف کی طرح مقلد غازی پوری نے بھی حدیث کا ضعف تو ذکر کر دیا مگر اس حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کے بعد جو یہ کہا گیا ہے کہ جہاں تک اصل مسئلے کا تعلق ہے تو وہ دوسری اُحادیث صحاح سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے (صفحہ: ۲۹۳) میں بھی ذکر ہوا۔ اس کو حذف کر دیا ایسا اُسلوب اختیار کرنے سے عامی آدمی کو یہ مغالطہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا گوز سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے عوام الناس کو اہل حدیث سے متنفر کرنا مقصود ہو کہ جب ان کے نزدیک یہ حدیث

ضعیف ہے تو گوز سے ان کے ہاں وضوء نہ ٹوٹتا ہوگا۔

⑤ مقلد غازی پوری نے (صفحہ:۳۷) میں لکھا ہے: ''تیسری حدیث ذکر کی ہے کہ اذان دینے والا کانوں میں انگلیاں ڈالے۔''

عبدالرؤف غیر مقلد فرماتے ہیں کہ سخت ضعیف ہے۔

غازی پوری نے حدیث کی تضعیف والا کلام تو نقل کردیا مگر کانوں میں انگلیاں ڈالنے والے مسئلے کی دلیل کے طور پر جو صحیح حدیث ذکر کی گئی تھی اس کو حذف کردیا تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ:۲۹۳) ملاحظہ کریں۔

⑥ صفحہ (۳۹۔۴۰)۔

یہاں سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کے بارے میں وہی خیانت کی ہے جو محمد یوسف مقلد نے کی ہے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر پر جو کلام تھا اس کو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جڑ دیا۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ:۲۷۸۔۲۷۹) ملاحظہ کریں۔

یہ ہیں غازی پوری صاحب کی خیانتیں، موصوف نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ''اور میں نے حکیم صاحب کی خیانتوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔'' جب کہ ان کی اپنی خیانتیں ثابت ہوگئیں۔

یہ وہی خیانتیں ہیں جن کا مولوی محمد یوسف نے ارتکاب کیا ہے: ﴿أتواصوا به بل......﴾۔

بلکہ انھوں نے جو کچھ تحریر کیا ہے مقلد محمد یوسف کے رسالے کو ہی سامنے رکھ کر کیا ہے۔

ب۔ غازی پوری صاحب کی بعض باتوں کا جائزہ:

غازی پوری صاحب نے خیانتوں کے ساتھ ساتھ غیر معقول باتیں بھی کی ہیں چنانچہ یہاں ان میں سے بعض باتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

① پیش لفظ (صفحہ:۳) میں لکھا ہے:

''عبدالرؤف صاحب نے صادق صاحب کی صرف جہالت اور حماقت کو واضح کیا ہے، اور میں نے......''

غازی پوری صاحب اگر کسی مؤلف کی کتاب کی تخریج یا اس پر تعلیق لگانا مؤلف کی جہالت وحماقت کو واضح کرتا ہے تو پھر علامہ زیلعی نے ''نصب الرایہ''، امام ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' علامہ ابن ابی العزّ نے ''**التنبيه على مشكلات الهدايه**'' اور علامہ عبدالقادر قرشی حنفی نے ''**العناية في تخريج أحاديث الهدايه**'' اور ''**أوهام الهدايه**'' لکھ کر علامہ مرغینانی صاحب ''ہدایہ'' کی جہالت وحماقت کو خوب واضح کیا ہے۔

اسی طرح راقم السطور نے آپ کے کبار علماء کے اُوہام اور حدیث کے بارے میں ان سے جو اغلاط ہوئی ہیں ان کا

ذکر کر کے ان کبار علماء کی حماقت و جہالت کو بھی واضح کیا ہے۔

غازی پوری صاحب کہنے کو تو مزید بھی ہے لیکن میرے خیال میں آپ کے لیے اتنا ہی کافی ہے بلکہ آگے چل کر ہم آپ کی بھی جہالت اور حماقت کو واضح کریں گے۔ ان شاء اللہ

② موصوف نے لکھا ہے کہ ''غیر مقلدین جس طرح اُحادیث رسول کے ترجمہ و مطلب بیان کرنے کے بارے میں بد احتیاط ہیں اسی طرح قرآن کی آیات کے ترجمہ و مطلب بیان کرنے کے بارے میں ان سے احتیاط کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔'' (صفحہ:۶۔۷)۔

مقلد غازی پوری صاحب اگر ہم قرآن و حدیث کے ترجمے و مطلب بیان کرنے میں بد احتیاط ہیں تو آپ لوگ قرآن مجید کی آیات اور اُحادیث میں تحریف کرنے میں بڑے ماہر ہیں جیسا کہ اس کی چند مثالیں گزر چکی ہیں۔ ملاحظہ ہو: صفحہ (۱۹۴ و مابعدھا)۔

نہ صرف یہ بلکہ اپنے مذہب کی تائید کی خاطر احادیث وضع کرنے میں بھی بڑے جرأت مند ہیں۔ مثال کے لیے اس کتاب کے صفحات (۱۸۳، ۲۵۸ و مابعدھا) دیکھیں۔

غازی پوری صاحب قرآن کے بارے میں آپ اپنی بداحتیاطی بھی ملاحظہ کرتے جائیں آپ نے اس آیت ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰) کو اپنے رسالے میں دو جگہ ذکر کیا ہے اور دونوں ہی جگہ ﴿مَنْ يُّطِيْعُ الرَّسُوْلَ﴾ ہے۔ ملاحظہ ہو: صفحہ: ۷، ۸)۔

جب کہ صحیح ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ﴾ ہے کیا یہ قرآنی آیت کے ذکر کرنے میں بداحتیاطی نہیں۔

اب اپنے امام اور علامہ مرغینانی صاحب ''ہدایہ'' کی بداحتیاطی کی مثال بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

موصوف ''باب صفة الصلاۃ'' میں نماز کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''والركوع، والسجود لقوله تعالى ﴿ واركعوا واسجدوا﴾ (هدايه: ۱/ ۲۷۵. فتح القدير)

علامہ عبدالحی لکھنوی: ''مذيلة الدراية'' (صفحہ: ۱۳) میں صاحب ''ہدایہ'' کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''هذا غلط، فإنّ ''الواو'' في ﴿واركعوا﴾ ليست في القرآن ، والصواب ﴿ اركعوا واسجدو﴾ (الطوام المرعشة (صفحه: ۲۲)۔

''یہ غلط ہے کیونکہ ﴿واركعوا﴾ میں جو ''واؤ'' ہے وہ قرآن میں نہیں ہے اور درست ﴿اركعوا واسجدوا﴾ ہے۔''[1]

[1] یہ سورہ حج کی آیت نمبر: ۷۷ ہے جس کی ابتداء ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا﴾ سے ہوتی ہے۔

اس مثال کے بعد اپنے ملاجیون وغیرہ کی حدیث کے بارے میں بداحتیاطی کی ایک مثال بھی ملاحظہ کرلیں۔
ملاجیون صاحب نے "نور الأنوار" (صفحہ:۵۹، تحقیق ثناء اللہ زاہدی) میں ایک حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے:

" ألا لا يطوفنّ بالبيت محدث و لا عريان......"۔

"خبردار کوئی محدث (جنبی یا بے وضوء) اور ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔"

جب کہ اس حدیث میں لفظ "محدث" کا ذکر نہیں ہے۔ [1] اس بداحتیاطی کا ارتکاب صرف ملاجیون ہی نے نہیں کیا بلکہ ان سے پہلے عبدالعزیز بخاری، قوام الدین کاکی، ابن فرشتا، بابرتی، ابن نجیم، ابن عابدین، محمد بن حمزہ فناری اور دیگر حنفی فقہاء اور اصولی بھی اس بداحتیاطی کے مرتکب ہوئے ہیں ان لوگوں کا ذکر حافظ ثناء اللہ زاہدی نے "نور الأنوار" کے حاشیہ میں کیا ہے۔

غازی پوری صاحب یہ ہے آپ کے کبار فقہاء اور اصولیوں کا حال۔

آپ لوگ جب قرآن مجید کے الفاظ میں بداحتیاط ہیں تو ترجمے اور تفسیر میں کیسے بداحتیاط نہیں ہوں گے چنانچہ آپ کے ایک مولوی نے اللہ عزوجل کے اس فرمان ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (النساء:۷۷) سے نماز میں عدم رفع الیدین پر استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اس کتاب کا صفحہ: (۱۹۶)

اسی طرح صفحہ: (۱۹۷) میں آپ کے ایک اور مولوی صاحب کی بداحتیاطی کا ذکر ہو چکا ہے کہ انھوں نے ایک حدیث کو قرآن کی آیت بنا دیا۔

مقلد غازی پوری صاحب اگر ہم ترجمے میں بداحتیاط ہیں تو آپ کے مولوی صاحبان اپنے مذہب کی تائید کے لیے قرآن مجید اور احادیث میں عمداً تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں جیسا کہ ذکر ہوا بلکہ آپ کے ایک مولوی صاحب نے قرآن میں سورہ فاتحہ کے وجود کا ہی انکار کر دیا جیسا کہ (صفحہ:۱۹۶۔۱۹۷) میں ذکر ہوا۔

اب آپ ہی بتائیں کہ قرآن وحدیث کے ترجمے و مطلب میں بداحتیاطی بڑا جرم ہے یا کہ قرآن وحدیث میں عمداً تحریف کرنا؟

غازی پوری صاحب ہم آنے والے صفحات میں آپ کو یہ بتائیں گے کہ غیر مقلدین قرآن وحدیث کے ترجمہ و

---

[1] اس حدیث کو بخاری (۳۶۹، ۱۶۲۲) کتاب الصلاة، کتاب الحج، مسلم (۹/۱۱۵۔۱۱۶) ابوداود (۱۹۴۶) اور نسائی (۵/۲۳۴) وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: " ألا لا يحج بعد العام مشرك و لا يطوف بالبيت عريان" "خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرے اور نہ ہی کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کرے۔"
یہ اعلان ۹ھ منیٰ میں حج کے موقع پر کیا گیا، جاہلیت میں مرد اور عورتیں ننگے بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا اور ۹ھ میں یہ اعلان کیا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کریں اور نہ ہی کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کرے۔

مطلب بیان کرنے میں بد احتیاط ہیں یا کہ آپ قرآن وحدیث کا مفہوم ومطلب سمجھنے میں بدفہم ہیں۔

③ موصوف لکھتے ہیں: ''ص:۴۶، پر صادق صاحب نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

'' ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسّکتم بهما کتاب الله، وسنة رسوله۔'' ①

اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ''حضور ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں دو چیزیں ایسی دے چلا ہوں کہ جب تک تم انھیں مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک قرآن مجید اور دوسری حدیث شریف۔''

ناظرین صادق صاحب کی دھاندلی ملاحظہ فرمائیں۔ حدیث میں سنت کا لفظ ہے اور صادق صاحب اس کا ترجمہ حدیث شریف کر رہے ہیں۔

آگے چل کر لکھا ہے: '' غرض صادق صاحب نے حدیث میں سنت کا ترجمہ حدیث کر کے صریح خیانت کی ہے۔'' (صفحہ:۹، ۱۱)۔

قلت: قارئین اب آپ ان غازی پوری صاحب کی کج فہمی اور کم علمی بلکہ جہالت ملاحظہ کیجیے۔

موصوف نے سنت کی جو تعریف ذکر کی ہے وہ یہ ہے:

''سنت اور حدیث میں بہت بڑا فرق ہے سنت رسول خدا کا وہ عمل قرار پاتا ہے جس پر آنحضور اکرم ﷺ نے دوام وہیشگی برتی ہو اور وہ آپ کا عام معمول رہا ہو کسی عارض کی وجہ سے اس کے خلاف گاہے بگاہے عمل کیا ہو اور حدیث آنحضور ﷺ کا ہر وہ قول وعمل ہے جو آپ سے منقول ہو خواہ آپ کا اس پر عمل رہا ہو یا نہ رہا ہو کسی کام کو دیکھ کر آپ خاموش رہے ہوں اور اس پر نکیر نہ کی ہو وہ بھی حدیث میں داخل ہے مگر سنت نہیں ہے۔'' (صفحہ:۹)۔

یہ موصوف کی تعریف ہے اگر اس تعریف کو لیں تو پھر مذکورہ حدیث اور عنقریب آنے والی حدیث ''فعلیکم بسُنّتي'' ''میری سنت کو لازم پکڑو'' سے مراد یہ ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف اپنی فعلی سنت کے تمسک کا حکم دیا ہے قولی سنت کے تمسک کا نہیں اور یہ بات کوئی پرلے درجے کا جاہل ہی کہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''یؤم القوم أقرؤهم لکتاب الله، فإن کانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنّة'' ②

① یہ صحیح حدیث ہے اس کے بارے میں تفصیل کے لیے ''مقالات عبدالرؤف'' دیکھیں۔

② اس کو مسلم (۱۷۲/۵-۱۷۳) وغیرہ نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج ''القول المقبول'' (صفحہ: ٥٤٦، حدیث: ٤٩٠) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

''لوگوں کا امام وہ ہو جوان میں سے قرآن کا زیادہ قاری ہو، پس اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو پھر ان میں سے جو سنت کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو۔''

موصوف کی تعریف کو اگر لیا جائے تو پھر " فأعلمهم بالسنّة" کے معنے یہ ہوں گے کہ جو فعلی سنت کو زیادہ جاننے والا ہو جب کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

یہاں تک تو الزامی قسم کا کلام تھا اب ہم غازی پوری صاحب کے لیے ان کے کبار ائمہ نے سنت کے اطلاق کے بارے میں جو کہا ہے۔اس کا ذکر کرتے ہیں۔امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

" أدلّة الأحكام: الكتاب، والسنّة، والإجماع، والقياس......"۔

''أحکام کے دلائل کتاب، سنت، اِجماع اور قیاس ہے۔''

قارئین غازی پوری صاحب سے پوچھیے کہ یہاں سنت سے مراد کیا ہے کیا یہاں سنت سے مراد فعلی سنت ہے اگر فعلی سنت مراد ہے تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ قولی سنت أحکام کے دلائل میں شامل نہیں۔

غازی پوری صاحب شاید شرم کے مارے آپ کو کچھ جواب نہ دیں کیونکہ ان کے ساتھ وہ ہوا جس کا ان کو تصور تک نہ تھا اس لیے کہ وہ اپنی تعریف ذکر کر کے بڑی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ میں نے سیالکوٹی کی دھاندلی اور خیانت ثابت کر دی۔

یہاں سنت سے کیا مراد ہے اس کا جواب أمیر بادشاہ کے کلام سے سنیے وہ ابن ہمام کی کتاب ''التحریر'' کی شرح "تيسير التحرير" (۲/۳) میں سنت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ويندرج فى السنّة قوله ﷺ و فعله و تقريره۔"

''سنت میں آپ کا قول، فعل اور تقریر شامل ہے۔'' یعنی ان سب پر لفظ ''سنت'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

ابن عبدالشکور مسلم الثبوت (۲/۹۶۔۹۷، بهامش المستصفى) میں سنت کی لغوی تعریف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" وههنا ما صدر عن الرسول غير القرآن من قول، و فعل، وتقرير"۔

''اور یہاں [1] رسول ﷺ سے قرآن کے علاوہ صادر ہونے والا ہر قول، فعل اور تقریر [2] مراد ہے۔''

اور امام ابن ہمام ''التحریر'' (۳/۱۹، تيسير التحرير) میں سنت کی لغوی تعریف بیان کرنے کے بعد أصول فقہ میں

---

[1] "أي في "الأصول" یعنی أصول میں جیسا کہ انصاری نے "فواتح الرحموت" شرح مسلم الثبوت (۲/۹۷) میں کہا ہے اور أصول سے أصول فقہ مراد ہے۔

[2] تقریر سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو کام کیا گیا آپ نے اس پر انکار نہ کیا ہو بلکہ خاموشی اختیار کی ہو۔

اس کی اصطلاحی تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و فی الأصول قوله و فعله و تقریره"۔

یعنی اُصول فقہ میں سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے۔

یہ تھی اصولیوں کے ہاں سنت کی تعریف اب محدثین کے ہاں اس کی تعریف سنیے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اُعظمی حنفی محدثین کے ہاں اس کی تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" السنة في اصطلاح المحدثين: ماأثر عن النبي ﷺ من قول، أو فعل، أو تقرير، أو صفة: خَلقِيّة أو خُلُقِيّة أو سيرة، سواء كان قبل البعثة أم بعدها، و هي مرادفة للحديث عند الأكثر"۔ (دراسات في الحديث النبوي:۱/۱)۔

''محدثین کی اصطلاح میں سنت سے مراد وہ چیز ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہو وہ منقول قول، فعل، تقریر یا صفت ہو صفت خواہ خَلقی، خُلقی (جس میں آپ کی خِلقت یا خُلق کا ذکر ہو) یا سیرت ہو اور اس منقول کا تعلق بعثت سے قبل یا بعد ہو، اور اُکثر محدثین کے نزدیک وہ (سنت) ''حدیث'' کے مترادف ہے۔'' یعنی حدیث کے ہم معنی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ لفظِ ''سنت'' کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر وغیرہ پر ہوتا ہے اب قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ دھاندلی اور خیانت کا ارتکاب سیالکوٹی صاحب نے کیا ہے یا کہ غازی پوری صاحب نے۔ رمتني بدائها وانسلت۔

غازی صاحب نے سنت کی جو تعریف ذکر کی ہے وہ فقہاء کے ہاں ہے جب کہ وہ بھی صحیح نقل نہیں کی کیونکہ انھوں نے اس میں ''کسی عارض کی وجہ سے......'' ذکر کیا ہے جب کہ فقہاء کے ہاں بغیر عارض کے ہے۔ چنانچہ ابن ہمام حنفیہ کے ہاں سنت کی تعریف کا ذکر کرتے ہوئے: ''التحریر'' (۳/۲۰) میں رقمطراز ہیں:

" و في فقه الحنفية: ما واظب على فعله مع ترك مّا بلاعذر۔"

''حنفیوں کی فقہ میں سنت وہ ہے کہ جس کام پر آپ ﷺ نے ہمیشگی کی ہو مگر کبھی بلا عذر اسے ترک بھی کیا ہو۔''

اُمیر بادشاہ ''بلا عذر'' قید کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" لأن الترك مع العذر متحقق في الواجب أيضًا" (تيسير التحرير:۳/۲۰)۔

''کیونکہ عذر کے ساتھ ترک کردینا واجب میں بھی پایا جاتا ہے۔'' یعنی عذر کی بناء پر تو واجب کو بھی ترک کردیا جاتا ہے۔

موصوف دوسروں کے بارے میں تو لکھتے ہی: هذا مبلغهم من العلم'' ملاحظہ ہو (صفحہ:۱۱) مگر قارئین پر اب

غازی پوری صاحب کا مبلغ علم واضح ہوگیا۔

امام ابن ہمام کی اس تعریف پر بعض اعتراضات ہیں جنکی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں طالب تفصیل فواتح الرحموت (۱/ ۹۷) اور ڈاکٹر عبدالغنی عبدالخالق کی کتاب "حجیّة السنّة" (صفحہ:۵۵۔۵۶) کا مطالعہ کرے۔

سنت کی دیگر تعریفات بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے "روضة الناظر" لابن قدامه کی شرح میں کیا ہے۔ [1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا صادق صاحب۔ ﷫۔ نے اس حدیث میں سنت کا ترجمہ جو حدیث کیا ہے یہ ترجمہ بالکل درست ہے اور غازی پوری صاحب کا ان پر اعتراض ان کی کم علمی بلکہ جہالت کی وجہ سے ہے کیونکہ اس حدیث میں سنت سے مراد حدیث ہی ہے۔

④ موصوف (صفحہ:۱۰) میں لکھتے ہیں:

"اسی طرح سے اُحادیث کی کتابوں میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کو آپ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا کرتے اور اس پر آپ نے نکیر نہیں کی مگر چونکہ خود آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا اس وجہ سے یہ عمل مسنون نہیں کہلائے گا ہاں اس کا ذکر اُحادیث کی کتابوں میں ہونے کی وجہ سے اس کو حدیث کہا جائے گا۔"

یہ ہے غازی پوری صاحب کا کلام اب اس میں ان کی جو خیانتیں اور جہالتیں ہیں ان کو ملاحظہ کیجیے:

ا۔ اس میں سب سے پہلے ان کی خیانت یا جہالت یہ ہے کہ انھوں نے بعض صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جب کہ ان دو رکعت کو اُکثر صحابہ ﷡ پڑھتے تھے چنانچہ اُنس ﷜ فرماتے ہیں:

" كنّا بالمدينة فإذا أذّن المؤذّن لصلاة المغرب ابتدروا السَّوارِيَ فيركعون ركعتين ركعتين حتى إنّ الرجل الغريب ليدخل المسجد فيحسب أنّ الصلاة قد صلّيت من كثرة من يصلّيهما۔" [2]

"ہم مدینہ میں تھے تو مؤذن جب نمازِ مغرب کی اُذان سے فارغ ہوتا تو لوگ جلدی سے ستونوں کی طرف جاتے اور دو دو رکعت نماز پڑھتے حتی کہ اگر کوئی اجنبی آدمی (مسافر) مسجد میں داخل ہوتا تو وہ یہ سمجھتا کہ نماز مغرب پڑھی جا چکی ہے لوگوں کی کثیر تعداد کا ان دو رکعت کو پڑھنے کی وجہ سے۔"

ممکن ہے کہ موصوف یہ کہہ دیں کہ اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان دو رکعت کے پڑھنے کا ذکر کہاں

[1] یہ کتاب بیروت میں زیر طبع ہے۔

[2] اس کو مسلم نے (۱۲۳/۶)، کتاب "صلاة المسافرين"، باب " استحباب ركعتين قبل صلاة المغرب" میں روایت کیا ہے۔

ہے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد لوگوں کی کثیر تعداد نے ان کو پڑھنا شروع کردیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُنس رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری روایت میں ہے:

"كنا نصلّي على عهد النبي ﷺ ركعتين بعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب"۔ ①

"ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج کے غروب ہو جانے کے بعد اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے۔"

اور ایک تیسری روایت میں ہے:

" حتى يخرج النبي ﷺ و هم كذلك يصلّون الركعتين قبل المغرب......" ②

"حتیٰ کہ نبی ﷺ (اپنے حجرے سے) نکلتے اور وہ (صحابہ) مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھ رہے ہوتے۔"

علامہ ابوالحسن سندھی "و هم كذلك" کی شرح میں لکھتے ہیں:

" أي في الصلاة يريد أن النبي ﷺ كان يراهم و يُقِرُّهُمْ على تلك الحالة، و لا ينكر عليهم" (حاشية النسائي: ٢/ ٢٩. شرح السيوطي)۔

"یعنی نماز میں ہوتے، ان کی مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ ان کو دیکھتے، انھیں اسی حال پہ ٹھہراتے اور ان پر انکار نہ کرتے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اُنس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اُکثر صحابہ نماز مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے۔

اسی طرح عقبہ بن عامر فرماتے ہیں:

"إنّا كنّا نفعله على عهد رسول الله ﷺ۔"

"رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم یہ کام (نماز مغرب سے قبل دو رکعت) کرتے تھے۔"

اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت ان دو رکعتوں کو پڑھتی تھی اگر بعض کا یہ عمل ہوتا تو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ یوں نہ فرماتے " إنَّا كُنَّا نفعله" یوں کہتے کہ بعض صحابہ ایسا کرتے تھے۔

اسی طرح دیگر اُحادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کی اُکثریت اس عمل پر کاربند تھی مگر اختصار کے پیش نظر مذکورہ

---

① مسلم (٦/ ١٢٣)۔

② بخاری (٦٢٥) كتاب " الأذان"، باب كم بين الأذان والإقامة" نسائی (٢/ ٢٨۔٢٩) كتاب "الأذان"، باب " الصلاة بين الأذان والإقامة"۔

دونوں حدیثوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں:

" و قد روي عن غير واحد من أصحاب النبي ـ ﷺ ـ أنهم كانوا يصلون قبل صلاة المغرب ركعتين بين الأذان والإقامة" (ترمذی: ۱/ ۳۵۲)۔

''نبی ﷺ کے کئی صحابہ سے مروی ہے کہ وہ نماز مغرب سے قبل، أذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھتے۔''

ممکن ہے کہ موصوف کہہ دیں کہ میں نے جو ''بعض صحابہ کرام'' کہا ہے تو اس لیے کہ حدیثِ أنس کی ایک روایت میں ہے:

" كان المؤذن إذا أذن قام ناسٌ من أصحاب النبي ـ ﷺ ـ يبتدرون السواري......"

''لفظ ''ناسٌ'' میں تنوین تقلیل کے لیے ہے لہٰذا معنی یہ ہو گا کہ جب مؤذن أذان دیتا تو نبی ﷺ کے أصحاب میں سے چند لوگ ستونوں کی طرف جانے میں جلدی کرتے۔'' [1]

قلت: یہاں تنوین تقلیل کے لیے نہیں بلکہ تعظیم کے لیے ہے اور اس کی دلیل أنس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت ''من كثرة من يصلّيها'' ہے۔ چنانچہ معنی یہ ہوگا کہ ''کثرت سے لوگ''

اس کے دوسرے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ أصحاب النبی ﷺ میں سے کبار صحابہ اور اس کی تائید بھی أنس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

"لقد رأيت كبار أصحاب النبي ﷺ يبتدرون السواري عند المغرب" [2]

''یقیناً میں نے نبی ﷺ کے کبار صحابہ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے وقت جلدی سے ستونوں کی طرف جاتے۔''

أنس رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتوں کے مجموعہ کا مفاد یہ ہوا کہ صحابہ کی کثیر تعداد کا یہ عمل تھا جن میں کبار صحابہ بھی تھے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

ب۔ دوسری ان کی خیانت یا جہالت یہ ہے کہ ان کے ظاہر انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ صرف حدیث تقریری سے ثابت ہے جب کہ اس کے بارے میں حدیث قولی بھی موجود ہے اور وہ ہے عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی درج ذیل الفاظ سے مروی حدیث: "صلوا قبل المغرب ركعتين" ''مغرب سے قبل دو رکعت پڑھو۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا مگر تیسری دفعہ فرمایا:

---

[1] ستونوں کی طرف جانے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو سترہ بنا کر نماز پڑھی جائے جس کا ہمارے ہاں آج بہت ہی کم اہتمام کیا جاتا ہے۔

[2] یہ روایت بخاری (۵۰۳) میں ہے۔

"لمن شاء، كراهية أن يتخذها الناس سنة۔" ①

''جو پڑھنا چاہے'' یہ اس لیے فرمایا کہ کہیں لوگ ان کو ضروری نہ سمجھ بیٹھیں۔''

صفحہ (۳۲۳ و مابعدھا) میں ذکر ہوا کہ لفظ ''سنت'' کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں اس لفظ سے مراد کیا ہے حافظ ابن حجر اس سے مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و معنى قوله: " سنّة، أي شريعة، و طريقة لازمة" (فتح الباری:۳/۶۰)۔

یعنی یہاں اس سے مراد شریعت اور لازمی طریقے کے ہیں۔'' ②

ج۔ موصوف کی تیسری جہالت یہ ہے کہ انھوں نے کہا ہے ''مگر چونکہ خود آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا......'' اور یہ جہالت اس لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اس پر عمل کیا ہے چنانچہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی ایک روایت میں ہے:

" أن رسول الله ﷺ صلّى قبل المغرب ركعتين، ثم قال: صلوا قبل المغرب ركعتين......" ③

''رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھیں پھر فرمایا کہ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھو......''

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نمازِ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھنا حدیثِ قولی، فعلی اور تقریری سے ثابت ہے جب کہ غازی پوری صاحب اس کے بارے میں صرف حدیثِ تقریری کو ہی جانتے ہیں۔ و هذا مبلغك من العلم أيّها الغازي فوري۔

⑤ موصوف نے اپنے مذکورہ کلام کے بعد لکھا ہے:

''چونکہ غیر مقلدین آنحضور کی سنت کیا ہے اس سے کم مطلب رکھتے ہیں ان کی زبان پر حدیث کا ذکر ہی زیادہ رہتا ہے، اس وجہ سے ان کا عمل بھی سنت کے مطابق کم ہوتا ہے۔'' (صفحہ:۱۰)۔

ہماری مذکورہ تفصیل ملاحظہ کر لینے کے بعد امید ہے کہ قارئین پر اس کلام کی حقیقت مخفی نہ ہوگی۔ لہٰذا اس پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

⑥ مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

---

① اس کو أحمد (۵/۵۵) بخاری (۱۱۸۳) التہجد باب "الصلاة قبل المغرب" اور ابوداؤد نے (۱۲۸۱) كتاب الصلاة، " تفريع أبواب التطوع" میں روایت کیا ہے۔

② اس کے بارے میں قدرے تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ:۳۸۴۔۳۸۵) بھی ملاحظہ کریں۔

③ اس روایت کے ساتھ یہ حدیث صحیح ابن حبان (ج:۴، حدیث ۱۵۸۸۔ تحقیق شعیب) میں ہے اور محقق شعیب حنفی نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

"کلّ أمّتي يدخلون الجنّة إلا من أبى ، قيل: و من أبى ا قال: من أطاعني......"۔

مقلد موصوف کو اس پر اعتراض یہ ہے کہ سیالکوٹی صاحب نے اس حدیث کو بخاری کے حوالے سے نقل کیا ہے مگر بخاری میں" و من أبى" کی بجائے " و من يأبى" [1] ہے لہٰذا انھوں نے صحیح حدیث نقل نہیں کی۔ ملاحظہ ہو۔(حاشیہ:صفحہ:۱۱)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو بلا واسطہ بخاری سے نقل نہیں کیا بلکہ "مشکوٰۃ" سے نقل کیا ہے اور "مشکوٰۃ" (۱/۲۷۔طبع نور محمد)، (۱/۵۱۔تحقیق الالبانی) میں " و من أبى "ہی ہے لہٰذا یہ اعتراض مؤلف پر وارد نہیں ہوتا۔"

⑦ صفحہ(۱۳) میں لکھا ہے کہ "صلوٰۃ الرسول" (صفحہ:۴۹) پر یہ حدیث ذکر کی ہے "من أحبّ سنّتي" [2] اور اس کا ترجمہ کیا ہے:"جس نے دوست رکھا میری سنت کو (اور اس پر عمل کیا)......" آگے چل کر لکھا ہے:

"اور اس پر عمل کیا" یہ اضافہ ان کی طرف سے حدیث کی غلط ترجمانی ہے اس لیے کہ سنتِ رسول پر عمل کرنا مستقل ثواب کا باعث ہے اور سنتِ رسول سے محبت مستقل ثواب کا باعث ہے ایسا ہرگز نہیں کہ جو سنت رسول سے محبت کر کے اس پر عمل کرے اسی کو ثواب ملے گا بعض شکل میں سنت پر آدمی عمل نہیں کر سکے گا مگر اس کو سنت سے محبت کا ثواب ضرور ملے گا۔ مثلاً معذور آدمی ہے اس سے نماز اور وضوء اور مسجد میں داخل ہونے کی بہت سی سنتیں چھوٹتی ہیں مگر وہ سنت رسول کا عاشق ہے معذور ہونے کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کر پا رہا ہے تو محض سنتوں سے محبت کی وجہ سے بھی وہ ثواب اور اجر سے محروم نہ ہوگا۔

مقلد غازی پوری صاحب نے اپنی طرف سے تو بڑا پر حکمت کلام کیا ہے جب کہ یہ جہالت پر مبنی کلام ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

ا۔ ہم غازی پوری صاحب سے پوچھتے ہیں کہ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی فلاں سنت سے محبت ہے بلکہ بہت زیادہ محبت ہے لیکن وہ بغیر کسی شرعی عذر کے اس سنت کو اپناتا نہیں ہے تو کیا اسے محض اس کے اس دعوی کی وجہ سے اُجر وثواب ملے گا یا یہ کہ اس کے اس دعویٰ کا کوئی اعتبار ہوگا اس کے اس دعویٰ کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آپ کی اس سنت کو اپنائے اس پر عمل کرے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ آپ کی اتباع کرے آپ کی سنت کو اپنائے۔

---

[1] بخاری (حدیث:۷۲۸۰) کتاب "الاعتصام بالکتاب والسنة۔"

[2] اس حدیث کو ترمذی (۲۶۷۸) کتاب "العلم" وغیرہ نے اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف حدیث ہے تفصیل کے لیے تخریج الصلوٰۃ (حدیث:۱۴) دیکھیں۔

امام قرطبی اُزھری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" محبة العبد للّه، و رسوله طاعته لهما، و اتباعه أمرهما، قال اللّه تعالیٰ﴿ قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّوْنَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ﴾(البقرة:٣١)۔(تفسير القرطبى(٢/ ٤٣١. ٤٣٢)۔

"بندے کی اللہ اور اس کے رسول سے محبت اس کی ان دونوں کی اطاعت اور ان کے حکم کی پیروی کرنا ہے۔"

حافظ ابن کثیر مذکورہ آیت﴿قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّوْنَ اللَّهَ ......﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"هذه الآية الكريمة حاكمة على كل من ادعى محبّة اللّه ، وليس هو على الطريقة المحمدية، فإنه كاذب في دعواه في نفس الأمر حتى يتبع الشرع المحمدي، والدين النبوي فی جميع أقواله و أفعاله و أحواله۔" (تفسير ابن كثير(٢/٤٢)۔

"یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ طریقہ محمدیہ پر کاربند نہیں یہ فیصلہ کرتی ہے کہ وہ درحقیقت اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے تمام اُقوال، اُفعال اور اُحوال میں شرع محمدی اور دین نبوی کی اتباع کرے۔"

اور علامہ عینی حدیث "لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحبّ إليه" کی شرح میں لکھتے ہیں:

" واعلم أنّ محبّة الرسول۔ عليه السلام۔إرادة فعل طاعته، وترك مخالفته، و هي من واجبات الإسلام"(عمدة القارى(١/ ١٤٤)۔

"جان لے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت آپ کی اطاعت کرنا اور مخالفت کو ترک کر دینا ہے اور یہ (محبت) اسلام کے واجبات میں سے ہے۔"

عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

تعصى الإله و أنت تظهر حبّه
وهذا محال فی القياس بديع
لو كان حبّك صادقًا لأطعته
إن المحب لمن يحبّ مطيع

"تو اللہ تعالیٰ کی تو نافرمانی کرتا ہے اور دعویٰ اس کی محبت کا ہے اور یہ بات عقلی طور پر محال ہے۔ اگر تیری سچی محبت ہوتی تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ ہر محبّ اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔"

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن یہاں اتنا ہی کافی ہے اور اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صرف محبت کا

دعویٰ یا محبت کافی نہیں بلکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ساتھ عمل بھی ہو اور یہ سچی محبت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے لہٰذا مولانا صادق سیالکوٹی صاحب نے بریکٹ میں (اور اس پر عمل کیا) کا اضافہ کر کے حدیث کی غلطی ترجمانی نہیں کی ہے بلکہ یہ غازی پوری صاحب کی غلط فہمی ہے۔

ب۔ غازی پوری صاحب کا یہ کہنا ''بعض شکل میں سنت پر آدمی عمل نہیں کر سکے گا مگر اس کو سنت سے محبت کا ثواب ضرور ملے گا مثلاً معذور آدمی ہے......'' درست ہے بشرطیکہ اس کی نیت عمل کرنے کی تھی کیونکہ اگر عذر کی صورت میں وہ سنت پر عمل نہیں کر رہا لیکن اس کی خواہش اور نیت اس پر عمل کرنے کی تھی تو اس صورت میں بھی اس کو عمل کرنے کا ثواب ملے گا اس پر کئی دلائل ہیں مگر یہاں صرف ایک دلیل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کسی معقول عذر کی وجہ سے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کر سکے تھے اُنس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم تبوک سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آ رہے تھے تو آپ نے فرمایا:

"لقد تركتم بالمدينة أقوامًا ما سرتم مسيراً، و لا أنفقتم نفقة، ولاقطعتم من وادٍ إلا، وهم معكم فيه۔ قالوا يا رسول الله! و كيف يكونون معنا، و هم بالمدينة؟ فقال: حبسهم العذر۔" [1]

''یقیناً تم نے مدینہ میں کچھ ایسے لوگوں کو چھوڑا ہے کہ تم نے جو بھی سفر کیا، خرچ کیا اور جو بھی وادی طے کی ہر کام میں وہ تمہارے ساتھ تھے، انھوں نے کہا یا رسول اللہ وہ ہمارے ساتھ کیسے ہو سکتے ہیں، وہ تو مدینہ میں موجود ہیں (یعنی جہاد کے لیے نہیں نکلے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو عذر نے روک لیا تھا'' یعنی بیماری وغیرہ کی وجہ سے وہ جہاد کے لیے نہیں آ سکے۔

اُنس رضی اللہ عنہ کی طرح یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کی ایک روایت میں ہے: "إلا شركوكم في الأجر" [2] ''مگر وہ اجر میں تمہارے شریک ہیں۔''

حافظ ابن حجر حدیثِ اُنس کی شرح میں لکھتے ہیں:

" و فيه أنّ المرء يبلغ بنيّته أجر العامل إذا منعه العذر عن العمل" (فتح الباری:۶/۴۷).

---

[1] اس کو بخاری (حدیث:۴۴۲۳) المغازی باب (۸۱) اَبوداوٗد (حدیث ۲۵۰۸) ''الجهاد'' اور ابن ماجہ نے (حدیث: ۲۷۶۴) "الجهاد" میں روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اَبوداوٗد کے ہیں۔ یہ کچھ دوسرے الفاظ سے بخاری (۲۸۳۸۔۲۸۳۹) کتاب "الجهاد" میں بھی ہے۔

[2] اس کو مسلم (حدیث:۱۹۱۱) "الإمارة" اور ابن ماجہ (۲۷۶۵) نے روایت کیا ہے۔

''اس حدیث میں ہے کہ آدمی کو جب کوئی عذر عمل کرنے سے روک دے تو وہ محض اپنی نیت کی بناء پر عمل کرنے والے کے اُجر کو حاصل کر لیتا ہے۔''

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ آدمی جب کسی کام کے کرنے میں مخلص ہو مگر کسی عذر کی وجہ سے وہ کام نہ کر پائے تو وہ محض اپنی خلوص نیت کی وجہ سے عمل کرنے والے کے اُجر وثواب کو پالیتا ہے اور جو شخص خلوص دل سے سنت سے محبت کرے تو یقیناً وہ اس پر عمل بھی کرے گا اور حقیقی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن وہ کسی عذر کی بنا پر اس پر عمل نہیں کر سکتا تو اسے بھی عمل کرنے والے ہی کی طرح ثواب ملے گا۔

ج۔ موصوف کا یہ کہنا کہ ''مگر وہ سنت رسول کا عاشق ہے'' قابل مؤاخذہ ہے کیونکہ لفظ ''عشق'' کا استعمال اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں درست نہیں۔ قرآن اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ [1] کیونکہ ''عشق'' اُوصاف حمیدہ میں سے نہیں بلکہ خصائل مذمومہ میں سے ہے بلکہ یہ ایک ایسا مرض ہے کہ جس کا اطباء کے پاس علاج نہیں ہے۔

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں سے دو گروہوں کے بارے میں اس مرض کا ذکر کیا ہے ایک قوم لوط اور دوسرا گروہ عورتیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کی عورت کے بارے میں ذکر کیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ان کی کتاب ''الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي'' (صفحہ:۲۴۸، وما بعدھا)۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" و هو من الأمراض التى تفسد دين صاحبها، و عرضه ثم قد تفسد عقله ثم جسمه "
(مجموع الفتاویٰ:۱۰/۱۳۱).

''یہ ان اُمراض میں سے ہے جو آدمی کے دین اور اس کی عزت کو خراب کر دیتے ہیں بلکہ کبھی اس کی عقل اور جسم کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔''

علامہ ابن ابی العزّ حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: "و لا يحفظ عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لفظ "العشق" في حديث صحيح البتة" زاد المعاد(٢٥١/٤) ''رسول اللہ ﷺ سے لفظ ''عشق'' کسی صحیح حدیث میں قطعاً محفوظ نہیں۔'' یعنی کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

عام طور پر جو یہ حدیث " من عشق، و كتم، و عف فمات فهو شهيد" جس نے عشق کیا اور اسے چھپایا اور عفت اختیار کی پھر اس کی موت واقع ہوگئی تو وہ شہید ہے۔'' ذکر کی جاتی ہے تو یہ حدیث من گھڑت ہے تفصیل کے لیے " زاد المعاد، الجواب الكافي'' (صفحہ:۲۹۲-۲۹۴) اور ''سلسلة الأحاديث الضعيفة (حدیث:۴۰۹) دیکھیں۔

" العشق: و هو الحبّ المفرط الذي يخاف على صاحبه منه ، و لكن لا يوصف به الرب ـتعالىٰـ و لا العبد في محبة ربّه، و إن كان قد أطلقه بعضهم، و اختلف في سبب المنع......، و لعلّ امتناع إطلاقه: أن العشق محبة مع شهوة۔"

(شرح العقيدة الطحاوية(صفحه:۱۲۴ .تحقيق الشيخ أحمد شاكر) ۔

یعنی عشق اس مبالغہ آمیز محبت کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے عاشق کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ لاحق ہو مگر اس لفظ سے رب تعالیٰ اور نہ ہی بندے کو اپنے رب سے محبت کی وجہ سے متصف کیا جائے گا اگر چہ بعض نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے......اس لفظ کے استعمال کی ممانعت کے سبب میں اختلاف ہے شاید اس کے استعمال کی ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ عشق ایسی محبت ہے کہ جس کے ساتھ شہوت بھی ہوتی ہے۔"

اور قاضی منصور پوری لکھتے ہیں:

"غزلیات وادبیات کے شیدا لفظ "عشق" کا استعمال اکثر کیا کرتے ہیں قرآن مجید اور احادیث پاک کے ماہرین سے یہ امر مخفی نہیں کہ ہر دو کلام پاک میں لفظ "عشق" کا استعمال نہیں ہوا ہے۔"

قاموس میں ہے:

"الجنون فنون، والعشق من فنّه يستجلبه المرء على نفسه باستحسان بعض الصور والشمائل"۔

یعنی جنون کے بہت سے اقسام ہیں عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے اس مرض کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود وارد کرلیا کرتا ہے۔

پس جب عشق کے معنے قسمے از جنون ہوئے تو ضروری تھا کہ خدا اور رسول کے پاک کلام میں اس لفظ کا استعمال نہ کیا جاتا اور اسے فضائل محمودہ یا محاسن جمیلہ سے شمار نہ کیا جاتا بے شک قرآنِ حکیم اور احادیث رسول کریم میں لفظ محبت کا استعمال ہوا ہے اور اس سے ثابت ہوگیا کہ محبت ہی صفت کمالِ انسانی ہے۔

محبت اور عشق [1] میں یہ بھی فرق ہے کہ محبت روح میلان صحیح کا نام ہے اور عشق میں اس شرط کا پایا جانا ضروری نہیں محبوب وہ ہے جو فی الواقع اپنے کمالات عالیہ کی وجہ سے محبت کیے جانے کے شایاں ہو، معشوق وہ ہے جسے کسی نے اچھا سمجھ لیا ہو، محبوب محبوب ہی ہے خواہ کوئی محب پیدا ہو یا نہ ہو مگر معشوق معشوق نہیں جب تک کوئی اس کا عاشق موجود نہ ہو۔

---

[1] لفظ "عشق" سے متعلق مزید تفصیل کے لیے "مجموع الفتاوی"(۱۰/۱۳۰۔۱۳۷)،زاد المعاد (۴/۲۴۴۔ ۲۵۱) اور الجواب الکافی (۲۴۸۔۲۹۴) دیکھیں۔

غالباً مشہور مثل "لیلی راہ بچشم مجنوں باید دید" کے واضع نے انہی معانی کو ایک دوسرے اُسلوب میں بیان کردیا ہے۔(رحمۃ للعالمین:۲/۳۲۶)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لفظ "عشق" کا استعمال درست نہیں کیونکہ یہ ایک ایسی خصلت ہے جو جنون کی قسم میں سے ہے مگر غازی پوری صاحب بڑے اچھلتے ہوئے لکھ رہے ہیں "مگر وہ سنت رسول کا عاشق ہے۔" وهذا مبلغك من العلم۔

⑧ غازی پوری صاحب (صفحہ:۱۴) میں "صلوۃ الرسول" کے حوالے سے حدیث "فعليكم بسنتي، و سنة الخلفاء الراشدين المهديين......" ذکر نے کے بعد لکھتے ہیں کہ "اس حدیث پاک میں اختلاف کے وقت خلفائے راشدین کی سنت کو بطور خاص مضبوطی سے تھامنے اور دانتوں سے پکڑنے کا آپ اُمر فرما رہے ہیں مگر غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا بدعت ہے اور ان کا وعظ یہ ہے کہ صرف رسول کی سنت پر عمل کرو چنانچہ صادق صاحب بھی یہی فرماتے ہیں: "یادرکھیں کہ ان فتنوں اور بیماریوں کی بیخ کنی حضور کے اُسوہ حسنہ اور سنت پاک کی پیروی میں ہے۔(صفحہ:۵۱)۔

خلفائے راشدین کی سنت جس کا حدیث میں بطور خاص ذکر ہے اس کا نام لینا بھی صادق صاحب کی صداقت نے گوارا نہیں کیا۔"

یہ ہے موصوف کا کلام جس سے پتہ چلتا ہے کہ خلفائے راشدین کی کوئی الگ سے سنت ہے جب کہ ملا علی قاری حنفی کیا لکھتے ہیں: وہ اس حدیث کے اس جملے کی شرح میں لکھتے ہیں:

" فإنهم لم يعملوا إلا بسُنّتِي ، فالإضافة إليهم ، إمّا لعملهم بها، أولاستنباطهم،و اختيارهم إيّاها۔ (مرقاة المفاتيح:۱/۴۰۸، ۴۰۹) ۔

"یقیناً انھوں نے میری سنت پر ہی عمل کیا ہے، چنانچہ ان کی طرف (سنت کی) اضافت یا تو ان کے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے یا اس سے استنباط اور اس کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے توریشی سے نقل کیا ہے:

" و أمّا ذكر سنّتهم في مقابلة سنّته لأنّه علم أنّهم لا يخطئون فيما يستخرجون من سنّته، أو أنّ بعضها ما اشتهر إلا في زمانهم"۔ أيضاً شرح الطيبي للمشكاة(۲/۶۳۴)

"یعنی آپ ﷺ کی سنت کے مقابلے میں ان کی سنت کا ذکر اس لیے ہے کہ آپ کو علم تھا کہ وہ آپ کی سنت سے جو مسائل اُخذ کریں گے ان میں ان سے خطا نہ ہوگی۔ یا یہ ذکر اس لیے ہوا کہ بعض سنتیں انہیں

خلفائے راشدین کے زمانے میں مشہور ہوئیں۔''

اور علامہ صنعانی لکھتے ہیں:

" فإنه ليس المراد بسنّة الخلفاء الراشدين إلاطريقتهم الموافقة لطريقته ﷺ من جهاد الأعداء، و تقوية شعائر الدين، ونحوها...... ثم عمر- رضى الله عنه نفسه الخليفة الراشد سمّى ما رآه من تجميع صلاته ليالي رمضان بدعة ، و لم يقل إنّها سنة فتأمّل- على أنّ الصحابة -رضى الله تعالىٰ عنهم- خالفوا الشيخين في مواضع، و مسائل، فدلّ أنّهم لم يحملوا الحديث على أن ما قالوه، و فعلوه حجّة" (سبل السلام(۲/۳۹۴)-

''خلفائے راشدین کی سنت سے مراد ان کا وہی طریقہ ہے جو آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو جیسا کہ دشمنوں سے جہاد کرنا، دین کے شعائر اور اس قسم کی دیگر اُشیاء کو تقویت پہنچانا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ جو کہ خلیفہ راشد تھے انھوں نے رمضان کی راتوں میں باجماعت تراویح کے قیام کو بدعت کا نام دیا اور اسے سنت نہیں کہا، اس پر ذرا غور کرو۔''

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے شیخین (ابوبکر وعمر) سے کئی مسائل میں اختلاف کیا تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو اس پر محمول نہیں کیا کہ وہ جو کہیں اور کریں وہ حجت ہوگا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے اختلاف کیا اس کی بعض مثالیں (صفحہ:۳۴۰-۳۴۱) میں آ رہی ہیں۔

اور علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

"فالسنّة هي الطريقة، فكأنّه قال: الزموا طريقتي، و طريقة الخلفاء الراشدين، و قد كانت طريقتهم هي نفس طريقته، فإنهم أشد الناس حرصاً عليها، و عملاً بها في كل شيء، و على كل حالٍ كانوا يتوقون مخالفته في أصغر الأمور فضلاً عن أكبرها"

(الفتح الربانی، منقول از تحفة الأحوذی:۷/۴۴۰)۔

''سو سنت سے مراد طریقہ ہے [1] گویا کہ آپ نے فرمایا: میرے اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔'' اور ان کا طریقہ بالکل آپ ہی کا طریقہ تھا، وہ اس کے بارے میں حرص میں اور ہر چیز میں اس پر عمل کرنے میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے۔ وہ ہر حال میں بڑے کاموں سے قطع نظر، چھوٹے کاموں میں بھی آپ کو مخالفت سے بچتے تھے۔''

[1] اس کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۳۲۸،۳۸۴-۳۸۵) بھی دیکھیں۔

امام ابن حزم لکھتے ہیں:

" إنّ رسول الله ـصلى اللّٰه عليه وسلمـ إذ أمر باتباع سنن الخلفاء الراشدين لا يخلو ضرورة من أحد وجهين: إمّا أن يكون ـعليه السلامـ أباح أن يسنّوا سننًا غير سننه ـ فهذا ما لا يقوله مسلمـ

و إمّا أن يكون أمر باتباعهم في اقتدائهم بسنّته ـعليه السلامـ فهكذا نقول، ليس يحتمل هذا الحديث وجهاً غير هذا أصلاً" (**الإحكام فی أصول الاحکام:٦/٧٧.٧٨**) ـ

''رسول اللہ ﷺ کا خلفائے راشدین کی سنن کی اتباع کا حکم دینا دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے (ان کے لیے) یہ جائز کیا ہو کہ وہ آپ کی سنتوں کے علاوہ دوسری سنتیں اختیار کریں، اور یہ بات کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

یا یہ کہ آپ نے ان کی اتباع کا حکم اپنی سنت کی اقتداء کرنے میں دیا ہو اور ہم بھی یہی کہتے ہیں اور یہ حدیث اس کے علاوہ کسی دوسرے معنے کی قطعاً متحمل نہیں ہے۔''

ابن حزم نے اس سے قبل ایک دوسرے نایچے سے بھی اس حدیث کا مطلب بیان کیا ہے جسے طالب تفصیل دیکھ سکتا ہے۔

امام ابوالمظفر السمعانی اس حدیث کے معنے بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"يعنی ما أخبروكم به عن سنّتي" (**قواطع الأدلّة:٢/٢٠٣. تحقيق الحكمی**) ـ

''یعنی میری سنت کے بارے میں تم کو جو خبر دیں اس پر عمل کرو۔''

اور علامہ خطابی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" و في قوله: " عليكم بسنّتي، و سنّة الخلفاء الراشدين" دليل على أن الواحد من الخلفاء الراشدين إذا قال قولاً، و خالفه فيه غيره من الصحابة كان المصير إلى قول الخليفة أولى......"(**معالم السنن :٤/٣٠١**)ـ

''آپ ﷺ کے اس فرمان''عليكم بسنتي......'' میں اس بات پر دلیل ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کوئی ایک جب کوئی قول کہے اور صحابہ میں سے کوئی دوسرا ان کی اس قول میں مخالفت کرے تو خلیفہ کے قول کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔''

خطابی کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ خلفاء میں سے کسی خلیفہ کے قول کی وہ اہمیت نہیں جو کہ سنت کی ہے ان کے ہاں اگر اس کی سنت کی حیثیت ہوتی تو وہ یوں نہ کہتے کہ ''خلیفہ کے قول کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے'' بلکہ یوں کہتے کہ

خلیفہ کے قول کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا رجوع کرنا ضروری ہے۔

امام خطابی والی ہی بات آپ کے مولانا خلیل اَحمد سہارنپوری نے بھی کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: (بذل المجهود ۱۸/۱۴۸).

خلفائے راشدین کے قول یا عمل کی اگر وہی حیثیت ہے جو سنت رسول ﷺ کی ہے تو پھر آپ کے علماء نے ان کے قول یا عمل کو حجت کیوں نہیں مانا۔

آیئے "التحریر" اور "تیسیر التحریر" کی عبارت ملاحظہ کیجیے۔

" (و لا) ينعقد(بالأربعة) الخلفاء۔رضى الله تعالىٰ عنهم۔ مع مخالفة غيرهم، أو توقّفهم، أو عدم سماعهم الحكم(عند الأكثر خلافًا لبعض الحنيفة)۔" (۲۴۲/۳)۔

یعنی اُکثر حنفیہ کے نزدیک خلفاء اُربعہ کے اتفاق سے اجماع منعقد نہ ہوگا جب کہ دوسرے صحابہ ان کی مخالفت کریں یا توقف اختیار کریں یا وہ حکم کو ہی نہ سنیں، یعنی خلفاء راشدین کے قول یا عمل کا دوسرے صحابہ کو علم نہ ہوا ہو۔

اب اس کے بعد والی عبارت بھی ملاحظہ کریں۔

" (ولا) ينعقد(بالشيخين)أبي بكر و عمر۔ رضى الله عنهما۔ خلافًا لبعضهم۔"

یعنی اکثر حنفیہ کے ہاں شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے اتفاق سے بھی اجماع منعقد نہ ہوگا۔

امام ابن ہمام اور اُمیر بادشاہ کے کلام کے بعد ابن عبد الشکور اور انصاری صاحب کا کلام بھی ملاحظہ کریں وہ اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ خلفائے اُربعہ یا شیخین کے اتفاق سے اجماع منعقد نہ ہوگا لکھتے ہیں:

" (لأن المجتهدين كانوا يخالفونهم والمقلدون) كانوا (قد يقلدون غيرهم)، و لم ينكر عليهم أحد لا الخلفاء أنفسهم، ولا غيرهم، فعدم حجيّة قولهم كان معتقدهم"۔

(مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت: ۲۳۱/۲ . هامش المستصفى) ۔

"کیونکہ جو اہل اجتہاد تھے وہ ان کی مخالفت کرتے تھے (یعنی بعض مسائل میں) اور جو مقلدین تھے [1] وہ کبھی ان کے علاوہ دوسروں کی تقلید بھی کرتے تھے اور ان پر کسی نے بھی انکار نہیں کیا نہ تو خلفائے نے ہی

---

[1] واضح رہے کہ تقلید کی ابتداء چوتھی صدی سے ہوئی اس سے قبل لوگ کسی معین مذہب پر متفق نہ تھے۔ تفصیل کے لیے "تاریخ التقلید" (صفحہ: ۱۱۳، و ما بعدها) دیکھیں۔ اسی طرح اس کتاب کے (صفحہ: ۱۱۱) میں مذکور عز الدین ابن عبد السلام کا کلام بھی دیکھیں۔

یہاں مقلدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ عالم اور مجتہد نہ تھے تو وہ علماء سے مسائل پوچھ لیتے تھے نہ کہ وہ کسی خاص عالم یا مجتہد کی تقلید کرتے تھے۔

اور نہ ہی دیگر صحابہ نے چنانچہ ان کے قول کا حجت نہ ہونا ان کا اعتقاد تھا۔''

یہاں سوال یہ ہے کہ اگر خلفائے راشدین کی سنت کی وہ حیثیت ہے جو غازی پوری صاحب سمجھ بیٹھے ہیں تو پھر آپ کے ان کبار ائمہ نے ان کے اتفاق کو اجماع تسلیم کیوں نہیں کیا یا کم از کم اس کو سنت کا درجہ دے کر حجت تسلیم کیوں نہیں کیا۔ یا آپ کے سہارنپوری صاحب نے "كان المصير إلى قول الخليفة أولى" کی بجائے یہ کیوں نہیں کہا کہ

"كان المصير إلى قول الخليفة واجبًا لأنّه سنّة"۔

''خلیفہ کے قول کی طرف رجوع ضروری ہے کیونکہ وہ سنت ہے۔''

ممکن ہے کہ غازی پوری صاحب یہ کہہ دیں کہ یہ تو ایک خلیفہ کے قول کی بات ہے جب کہ حدیث میں "الخلفاء الراشدين" کا ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب بیس تراویح کا مسئلہ آتا ہے تو آپ لوگ فوراً "فعليكم بسنّتي، و سنّة الخلفاء الراشدين المهديين" پڑھ دیتے ہیں تو کیا آپ یہ بتائیں گے کہ یہ خلفاء اَربعہ کا مسئلہ ہے یا کم از کم شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) ہی سے ثابت کر دیں؟ [1]

ہم غازی پوری صاحب سے یہ بھی دریافت کریں گے کہ جن اہل اجتہاد نے خلفاء راشدین کے قول کی مخالفت کی تو کیا یہ مخالفت اس لیے تھی کہ ان کے نزدیک ان کے قول پر عمل کرنا بدعت تھا یا کہ اس کا کوئی دوسرا سبب تھا۔

اسی طرح مجتہدین کے علاوہ جن لوگوں نے ان کے اَقوال کو چھوڑ کر دوسروں کے اَقوال کو اپنایا تو کیا ان کے نزدیک ان کے اَقوال پر عمل کرنا بدعت تھا اس لیے انھوں نے ان کو ترک کیا۔

غازی پوری صاحب کیا ان لوگوں کے بارے میں بھی وہی الزام تراشی اور زبان درازی کریں گے جو آپ نے اہل حدیث کے بارے میں کی ہے؟

مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی وہی شرح وتفسیر معتبر ہے جو ملا علی قاری و دیگر علماء نے کی ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت سے مراد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے کیونکہ انھوں نے اپنی طرف سے کوئی سنت ایجاد نہیں کی بلکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی عمل کیا ہے۔

---

[1] بلکہ بیس تراویح پڑھنا خلفاء راشدین کے علاوہ کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں بیس تراویح پڑھنے کے بارے میں علی، ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے جو آثار ہیں وہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہیں تفصیل کے لیے شیخ البانی کا رسالہ'' صلوۃ التراویح'' (صفحہ: ۶۵۔۷۱) دیکھیں اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ ہے کہ انھوں نے اُبیّ اور تمیم داری کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا وہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ انھوں نے آٹھ رکعت اور تین وتر پڑھانے کا حکم دیا تفصیل کے لیے حوالہ مذکور (صفحہ: ۴۸۔۶۰) اور'' تحفۃ الأحوذی (۵۲۶/۳۔۵۲۷) دیکھیں۔

غازی پوری صاحب اب ہم آپ کے لیے چند دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے یہ بخوبی واضح ہو گا کہ خلفاء راشدین نے اپنی طرف سے کوئی سنت ایجاد نہیں کی بلکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی کی طرف رجوع کیا اور اس پر بھی بعض دلائل ذکر کر دیتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ قطعاً نہیں سمجھتے تھے کہ خلفائے راشدین اگر کوئی بات کہیں اور وہ سنت کے خلاف ہو تو اس کو خلفائے راشدین کی سنت سمجھ کر قبول کرنا ہو گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "فعليكم بسنّتي، و سنّة الخلفاء الراشدين المهديين" بلکہ انھوں نے اس صورت میں ان سے اختلاف کیا۔" اب دلائل ملاحظہ کیجیے۔

اگر کوئی شخص یا عورت کسی عورت کو جو کہ حمل سے ہو قتل کر دے اور اس کی وجہ سے اس کا بچہ بھی مر جائے تو قاتل پر عورت کو قتل کرنے کی وجہ سے قصاص یا دیت آئے گی مگر اس کے پیٹ میں جو بچہ ہو اس کے مر جانے سے اس پر کیا لازم آئے گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ مسئلہ پیش آیا تو انھوں نے مجلس عام میں اس کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو حمل بن مالک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسے پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنین (حمل) کے بدلے میں ایک غلام دینے کا حکم دیا تھا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اس حدیث کو سنا تو فرمایا: "لو لم نسمع هذا لقضينا بغيره......" "اگر ہم یہ حدیث نہ سنتے تو کوئی دوسرا فیصلہ کر دیتے۔" [1]

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کی الگ سے کوئی سنت نہ تھی اور نہ ہی ان کو الگ سے کوئی سنت قائم کرنے کا اختیار تھا اگر ایسی بات ہوتی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ سنت کے بارے میں سوال کیے بغیر اپنی طرف سے کوئی فیصلہ صادر فرما دیتے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کی انگلیوں کی دیت کے بارے میں فیصلہ یہ کیا کہ انگوٹھے کی دیت پندرہ اونٹ، شہادت والی اور درمیانی انگلی کی دس دس اونٹ، درمیانی انگلی کے ساتھ والی انگلی کی نو اونٹ اور چھنگلی کی چھ اونٹ مگر جب انھیں یہ علم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آل حزم کی طرف دیات کے بارے میں ایک خط لکھا تھا جس میں یہ تھا کہ انگلیاں سب برابر ہیں۔ یعنی سب کی برابر برابر دیت ہو گی تو انھوں نے اپنے فیصلے سے رجوع کیا اور اس حدیث پر عمل کیا۔ [2]

---

[1] اس کو ابوداؤد (۴۵۷۲، ۴۵۷۳، ۴۵۷۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج میں نے "روضة الناظر" لابن قدامه کی تخریج میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو، حدیث: ۴۴)۔

[2] اس کو عبد الرزاق (۹/۳۸۴، ۳۸۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی مفصل تخریج بھی مذکور حوالے میں کی گئی ہے یہ اور اس سے پہلے والی دونوں حدیثیں ہی صحیح ہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کی کوئی مستقل سنت نہ تھی بلکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنے والے اور اس کی اتباع کرنے والے تھے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے دیگر واقعات بھی ہیں مگر اختصار کے پیش نظر انہی دو واقعات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان کے پاس ایک دادی آئی جس نے پوتے کے مال میں سے ان سے وراثت کا مطالبہ کیا تو انھوں نے جواباً کہا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں تیرے لیے کچھ نہیں دوبارہ آنا میں لوگوں سے (صحابہ سے) اس مسئلے کے بارے میں معلوم کروں گا چنانچہ جب انھوں نے معلوم کیا تو مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے چھٹا حصہ دیا ہے۔

اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان سے ایک عورت نے کہا کہ میرا خاوند فوت ہو گیا ہے تو کیا عدت میں اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ کسی دوسرے گھر میں گزار سکتی ہیں تو انھوں نے کہہ دیا کہ گزار سکتی ہو پھر انھوں نے اپنے پاس بیٹھے صحابہ سے سوال کیا تو انھوں نے فریعہ بنت مالک کی حدیث ذکر کی جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فریعہ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

ان واقعات سے بھی معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین پیش آمدہ مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ ہی کی سنت کا تتبع کرتے اور مل جانے پر اسی پر عمل کرتے۔

واضح رہے کہ مذکورہ دونوں واقعات کی سندوں میں کلام ہے بلکہ ان کی سندیں ضعیف ہیں۔ [1]

خلفائے راشدین کے ان واقعات کے بعد بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات سنیے جن سے پتہ چلے گا کہ اختلاف کے وقت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا نہ کہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کیا جائے گا۔

حج تمتع کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو عروہ بن زبیر نے کہا کہ ابوبکر اور عمر نے اس سے منع کیا ہے یہ سن کر ابن عباس نے فرمایا:

"أراهم سيهلكون أقول: قال النبي۔صلى الله عليه وسلم۔ ويقول: نهى أبوبكر و عمر۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ عنقریب یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور یہ کہتا ہے کہ ابوبکر اور عمر نے اس سے منع کیا ہے۔"

---

[1] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعے کو ابوداوٗد (۲۸۹۴)، ترمذی (۱۲۰۱) ابن ماجہ (۲۷۲۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔
اور عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے کو ابوداوٗد (۲۳۰۰) ترمذی (۱۲۰۴) ابن ماجہ (۲۰۳۱) اور نسائی (۱۹۹/۶) وغیرہ نے روایت کیا ہے ان دونوں کی مفصل تخریج، تخریج "روضة الناظر" میں کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (حدیث: ۴۴، ۴۷)۔

اسی طرح اسی مسئلے کے بارے میں ایک شامی آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ جائز ہے تو اس نے کہا کہ آپ کے والد عمر نے تو اس سے منع کیا ہے تو ابن عمر فرمانے لگے کہ اگر میرے والد نے اس سے منع کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے کیا ہے تو کیا ہم اپنے باپ کی بات کو لیں گے یا کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کو تو اس نے کہا کہ رسول اللہ کے عمل کو۔ تو ابن عمر نے کہا کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے یہ کیا ہے۔ [1] یعنی حج تمتع۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلفائے راشدین سے اختلاف کیا اس کے بارے میں صفحہ (۳۳۵) میں مذکور علامہ صنعانی اور صفحہ (۳۳۷) میں مذکور ابن عبدالشکور اور انصاری کا کلام بھی ملاحظہ کریں۔

⑨ مولانا صادق صاحب پر بے جا اعتراض

موصوف صفحہ (۲۱) میں لکھتے ہیں: ''صادق صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں مَنِیْ کو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے دھو ڈالتی تھی۔ صادق صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ ان کے نزدیک منی پاک ہے کہ ناپاک۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منی ناپاک ہے اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اہل حدیث کا مذہب نقل کرتے ہیں کہ منی پاک ہے۔ فرماتے ہیں: ''و هو مذهب الشافعي، و أصحاب الحديث'' (تحفۃ: ۱۱۳) یعنی أصحاب الحدیث اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ منی پاک ہے۔ معلوم نہیں منی کے بارے میں صادق صاحب کا مذہب کیا ہے؟۔''

غازی پوری صاحب! صادق صاحب نے اگر یہ نہیں بتلایا کہ منی پاک ہے کہ ناپاک تو اس سے آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے اگر آپ کو اس سے کوئی پریشانی ہے تو بتایئے شاید ہم اس کا کوئی حل تلاش کر پائیں۔

موصوف کی اصل پریشانی یہی ہے کہ انھیں اس کا حکم چاہیے تو آیئے صادق صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے ہم آپ کو اس کا حکم بتا دیتے ہیں اس کے لیے آپ اس کتاب کا صفحہ (۱۵۷ و ما بعدھا) دیکھ لیں آپ کو بڑی وضاحت کے ساتھ اس کا حکم مل جائے گا۔

غازی صاحب کو ہم نے اس کا حکم بتا دیا ہے امید ہے کہ موصوف بھی ہمیں ایک بات ضرور بتائیں گے وہ یہ کہ وہ کونسی معتبر حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منی ناپاک ہے۔

آپ کی اس بات ''معلوم ہوتا ہے'' سے ہی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس اس مسئلہ پر کتنی ٹھوس دلیل موجود ہے۔

⑩ غازی پوری کا سیالکوٹی صاحب پر اتہام:

موصوف (صفحہ: ۲۳) میں لکھتے ہیں:

---

[1] ابن عباس کے اُثر کو أحمد (۱/ ۳۳۷) وغیرہ نے اور ابن عمر کے اُثر کو ترمذی (۸۲۴) نے روایت کیا ہے اور یہ دونوں اُثر ہی صحیح ہیں ان کی مفصل تخریج میں نے ''الطرق الحکمیه'' لابن القیم کی تخریج۔ ملاحظہ ہو صفحہ: ۵۲۔۵۳) میں کی ہے اور یہ کتاب بھی شارجہ دار الفتح میں زیر طبع ہے۔

صادق صاحب فرماتے ہیں کہ مسواک کرنا واجب ہے۔(ص:۷۸) لیکن یہ نہیں بتلایا کہ مسواک وضوء کرتے وقت واجب ہے، یا نماز پڑھتے وقت، مسواک کرنا مسجد سے باہر واجب ہے یا مسجد کے اندر واجب ہے۔

صادق صاحب کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے غیر مقلد محدث مولانا شمس الحق "غاية المقصود" میں لکھتے ہیں:"إن الأحاديث دلّت على استحبابه عند كل صلوة"یعنی اُحادیث نے مسواک کرنے کو ہر نماز کے وقت مستحب بتلایا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ نماز سے پہلے مسجد کے باہر مسواک کر کے مسجد میں داخل ہو، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں کہ "هذا كلام حسن"یعنی یہ اچھی بات ہے۔(تحفة:۱/۳۵)۔

غرض مولانا صادق صاحب کا مسواک کو واجب بتلانا درست نہیں ہے ان کے علماء تو مسواک کرنے کو مستحب بتلاتے ہیں۔ مولانا صادق صاحب اور ان کے علماء غیر مقلدین پہلے یہ طے کریں کہ مسواک کرنی واجب ہے یا مستحب، مسواک کا حکم مسجد کے باہر ہے یا مسجد کے اندر ہی نماز کے وقت مسواک کی جائے گی۔

یہ بیچارے غیر مقلدین جس مسئلہ میں خود الجھے ہوئے ہیں اس کی تعلیم دوسروں کو دے رہے ہیں۔

یہ ہے مقلد موصوف کا کلام، موصوف یا تو ''سقیم الفہم'' ہیں یا پھر انھیں اتہام بازی کی عادت ہے غازی پوری صاحب کے اس کلام پر اب ہمارا کلام سنیے۔

ا۔ ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ مولانا صادق صاحب نے مسواک کو کہاں واجب کہا ہے جس صفحہ کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس صفحہ پر مسواک کے حوالے سے مولانا موصوف نے تین عنوان قائم کیے ہیں جو یہ ہیں:

① مسواک سے رضائے الٰہی۔

② جبریل کی تاکید مسواک۔

③ مسواک کی اہمیت۔

مذکورہ عناوین میں سے کوئی ایک عنوان بھی ایسا نہیں جو مسواک کے وجوب پر دلالت کرتا ہو۔

ب۔ مولانا رحمہ اللہ نے ''مسواک کی اہمیت'' کے عنوان کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں بریکٹوں کے درمیان جو وضاحت کی ہے اس وضاحت سے مقلد موصوف غلط فہمی کا شکار ہو گئے بلکہ انھیں مولانا پر اتہام لگانے کا موقع مل گیا اور وہ حدیث درج ذیل ہے۔

''روایت ہے اُبوسلمہ سے نقل کی زید بن خالد جہنی نے کہا اس نے کہ سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا آپ نے اگر مشکل نہ جانتا میں اپنی امت پر تو میں انھیں ہر نماز کے نزدیک مسواک کرنے کا حکم کر دیتا۔

(کہ مسواک کرنی واجب ہے) رواہ الترمذی۔"

قارئین آپ نے بریکٹوں کے درمیان مولانا کے کلام کو ملاحظہ کرلیا۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ مسواک کرنا واجب ہے اس میں مؤلف نے مسواک کرنے کا حکم دے دینے کی وضاحت کی ہے یعنی میری امت کے لیے اگر ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مشکل کام نہ ہوتا تو میں اس پر مسواک کو واجب کردیتا۔ مگر مقلد غازی پوری صاحب کا فہم قابل داد ہے کہ وہ اس کلام سے یہ سمجھ بیٹھے کہ مولانا نے مسواک کو واجب کہا ہے۔

اب غازی پوری صاحب کو دو چیزوں میں سے ایک کا اعتراف ضرور کرنا پڑے گا یا تو وہ یہ اعتراف کریں کہ مجھ سے غلطی ہوگئی کہ مفہوم کچھ تھا مگر میں کچھ اور سمجھ بیٹھا یا یہ کہ میں نے یہ سارا کھیل اتہام بازی اور مغالطہ دینے کے لیے کھیلا ہے۔

ج۔ موصوف کا یہ کہنا کہ لیکن یہ نہیں بتلایا کہ مسواک وضوء کرتے وقت واجب ہے یا نماز پڑھتے وقت۔

یہ بھی کیسی عجیب بات ہے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مؤلف نے مسواک کو واجب نہیں کہا جیسا کہ ذکر ہوا۔

دوسری بات یہ ہے انھوں نے یہاں حدیث زید بن خالد رضی اللہ عنہ کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور ترجمے میں یہ الفاظ موجود ہیں "ہر نماز کے نزدیک" اگر آپ کو یہ نظر نہیں آیا تو اس میں صادق صاحب کا کیا قصور ہے اپنی نظر کا علاج کروائیں کیونکہ آپ کی نظر صحیح کام نہیں کر رہی، ایک تو آپ نے مؤلف پر یہ بہتان باندھا کہ انھوں نے مسواک کو واجب کہا ہے اور دوسرا یہ کہ انھوں نے اس کا محل ذکر نہیں کیا۔ الله يهديك .

تیسری بات یہ ہے کہ ان کا یہ نہ بتلانا کہ مسواک کس وقت کی جائے اگر قابل اعتراض ہے تو پھر اس قسم کا اعتراض امام محمد پر بھی وارد ہوتا ہے کہ انھوں نے "کتاب الآثار" (۱/۶۶/۴۱) میں تمام بن عباس رضی اللہ عنہما [1] کی درج ذیل حدیث روایت کی ہے:

---

[1] کتاب الاثار میں "عن تمام عن جعفر بن أبي طالب" ہے حافظ ابن حجر "الإيثار بمعرفة رواة الآثار" (ص:۱۴، ترجمہ: ۲۴) میں لکھتے ہیں: "كذا في النسخة، و هو مقلوب، والصواب: عن جعفر بن تمام بن العباس عن أبيه، أخرجه أحمد كذلك من طريق سفيان الثوري عن أبي عليّ" "نسخہ (الاثار کے نسخہ) میں ایسے ہی ہے اور یہ مقلوب ہے۔ درست "جعفر بن تمام اپنے باپ سے" ہے اس طرح سے احمد نے اس کو سفیان ثوری سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح "تعجيل المنفعه" (ص:۵۹۔۶۰، ترجمہ تمام بن جعفر و تمام بن العباس) بھی ملاحظہ کریں۔

قلت: تمام رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو احمد (۱/۲۱۴) بزار (۴۹۸۔ کشف) طبرانی (ج:۲، حدیث: ۱۳۰۱۔۱۳۰۳) اور حاکم (۱/۱۴۶) نے روایت کیا ہے اس کی سند ضعیف ہے مگر اس کا آخری ٹکڑا "لو لا أن أشق......" شواہد کی بناء پر صحیح ہے ان شواہد میں سے ایک ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جسے بخاری (۸۸۷) کتاب الجمعه اور مسلم نے (۳/۱۴۳) کتاب الطهارة میں روایت کیا ہے۔

" ما لی أراکم تدخلون عليّ قلحاً استاکوا، ولو لا أن أشق علی أمّتی لأمرتهم أن یستاکوا عند کل صلاۃ۔"

کتاب الاثار کے محقق أبوالوفاء أفغانی لکھتے ہیں:

" ھکذا ذکرہ الامام محمد ھاھنا، و لم یذکر بأنّه من سنن الوضوء، أم من سنن الصلاۃ، أم من السنن العامۃ" (۱/۷۱)۔

"امام محمد نے اس کو یہاں ایسے ہی ذکر کیا ہے اور یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ (مسواک) وضوء کی سنن میں سے ہے یا کہ نماز کی سنن میں سے یا کہ عام سنن میں سے ہے۔"

۵۔ غازی پوری صاحب کا یہ کہنا کہ صادق صاحب کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے:

غازی پوری صاحب! صادق صاحب نے یہاں کوئی ایسی بات نہیں کی جو ان کے علماء کے خلاف ہو یہ آپ کی کج فہمی ہے کہ آپ اسے خلاف سمجھ بیٹھے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر صادق صاحب کو اپنے علماء کے مذہب کا علم نہیں تو کیا آپ کو اپنے علماء کے مذہب کا علم ہے آپ حدیث "فعلیکم بسنّتی" سے جو سمجھ بیٹھے ہیں کیا یہ آپ کے علماء کی شرح کے مطابق ہے۔ لفظ "سنت" کی آپ نے جو تعریف بیان کی کیا آپ کے علماء کے ہاں اس کی یہی تعریف ہے آپ کی اپنے علماء کے مذہب سے جہالت کی بعض دیگر مثالیں بھی آ رہی ہیں۔ ملاحظہ ہو (صفحہ: ۳۶۲، و مابعدھا)۔

۶۔ موصوف نے اپنے مذکورہ کلام میں یہ بات بھی کہی ہے کہ "مولانا صادق صاحب اور ان کے علماء غیر مقلدین پہلے یہ طے کریں کہ مسواک کرنی واجب ہے......"

اسی طرح مذکورہ کلام کے بعد لکھا ہے: "مولانا اسماعیل سلفی صاحب نے جو رسول اکرم ﷺ کی نماز لکھی ہے اس میں وضوء اور نماز کے بیان میں مسواک کا ذکر ہی گول کر دیا ہے اس لیے کہ اسماعیل سلفی صاحب کو خوب معلوم تھا کہ ان کے علماء أحادیث کی روشنی میں مسواک کا حکم اور اس کی جگہ طے کرنے کے بارے میں آج تک متفق نہیں ہو سکے۔"

ہمیں ان مقلدین کی اس قسم کی باتیں پڑھ کر اور سن کر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے ہانک دیتے ہیں کہ غیر مقلدین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے جب کہ ہم میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ بات سراسر حقیقت کے منافی ہے کیونکہ مختلف مذاہب کے مقلدین میں بہت زیادہ اختلاف ہے یہاں تک کہ ایک مذہب کا مقلد دوسرے مذہب کے مقلد کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] اس کی قدرے تفصیل کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۱۴۴، و مابعدھا) ملاحظہ کریں۔

مختلف مذاہب کے مقلدین ہی کا آپس میں اختلاف نہیں بلکہ ایک مذہب کے ہی مقلدین میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی مثال کے لیے ہم دور نہیں جاتے بلکہ موصوف نے مسواک کے جس مسئلہ کی بناء پر یہ بات کہی ہے اسی مسئلہ کو لیتے ہیں۔

اس مسئلہ کے بارے میں ذکر ہوا کہ موصوف کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ مولانا صادق صاحب نے مسواک کو واجب کہہ کر دوسرے علماء اہل حدیث سے اختلاف کیا ہے۔

علی سبیل الجدل تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ مولانا صادق صاحب نے تو مسواک کو واجب کہا ہے جب کہ دوسرے علماء اہل حدیث اس کو مستحب کہتے ہیں یہ تسلیم کر لینے کے بعد اب ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے فقہاء نے مسواک کے حکم کے بارے میں کیا کہا ہے کیا وہ اس کے حکم پر متفق ہیں یا کہ ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صادق صاحب کو یہ پتہ نہیں کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے اسی طرح موصوف کو بھی یہ پتہ نہیں کہ ان کے فقہاء نے کیا لکھا ہے آیئے اب اپنے فقہاء کے اس حکم کے بارے میں اُقوال سنیئے تا کہ آپ کو اپنے مذہب کا علم ہو۔

① امام محمد رحمہ اللہ مسواک سے متعلق تمام بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث [1] کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”والسواك عندنا من السنّة لا ينبغي أن يترك“(كتاب الآثار (۱/ ۶۹. ۷۱)۔

”ہمارے نزدیک مسواک کرنا سنت ہے۔ جس کا ترک درست نہیں۔“

اسی طرح قدوری نے ”مختصر القدوری“ (صفحہ:۴۰) میں، کاسانی نے ”بدائع الصنائع“ (۱/۱۹) میں نسفی نے ”کنز الدقائق“ (۱/۳۵۔تبیین الحقائق) میں بابرتی نے ”شرح العناية على الهداية“ (۱/۲۵۔فتح القدیر) میں اور برہان الدین نے ”المحيط البرهاني“ (۱/۱۷۴/۵۳) میں اس کو سنت شمار کیا ہے۔

اسی طرح ”الفتاوى الهنديه“، ۔فتاوی عالمگیری۔ (۱/۷عربی) میں بھی اس کو سنت کہا گیا ہے۔

② جبکہ علامہ مرغینانی وغیرہ کے نزدیک مسواک سنت نہیں بلکہ مستحب ہے۔ [2]

مرغینانی قدوری کے اس قول ”والسواك“ یعنی مسواک وضوء کی سنتوں میں سے ہے کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”والأصح أنه مستحب“ الهداية (۱/۲۵۔فتح القدیر)۔ ”صحیح ترین قول یہ ہے کہ مسواک مستحب ہے۔“

اور ابن قطلو بغا نے ”الترجيح والتصحيح على القدوری“(صفحہ:۴۰) میں مرغینانی کا قول نقل کیا ہے گویا

---

[1] یہ حدیث (صفحہ:۳۴۴) میں گزر چکی ہے۔

[2] مستحب اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ نہ ہو۔

کہ ان کے نزدیک بھی مسواک مستحب ہی ہے۔ اور ابن ہمام لکھتے ہیں:

" فالحق أنّه من مستحبات الوضوء" (فتح القدیر: ۱/ ۲۵) ۔

" حق یہ ہے کہ مسواک وضوء کے مستحبات میں سے ہے۔"

فخر الدین زیلعی "تبیین الحقائق" (۱/ ۳۵) میں لکھتے ہیں:

" والصحیح أنّهما مستحبان یعني: السواك والتسمیة"۔

" صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں مستحب ہیں یعنی مسواک اور تسمیہ۔" تسمیہ سے مراد اللہ کا نام لینا ہے یعنی "بسم اللہ" کہنا۔ [1]

۳ ابن أبي العزّ حنفی صاحب "ہدایہ" کے قول " والأصح: أنّه مستحب" کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" بل الأصح: أنّه سنّة مؤكدة لحث النبي ـعليه السلام ـ عليه ومواظبته عليه، و ترغيبه فيه، و ندبه إليه، وتسميته إيّاه من الفطرة حتى أنه ـصلى الله عليه وسلم ـ قال: " أكثرت عليكم في السواك' ' أخرجه البخاري، و قال:" لولا أن أشق على أمّتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة " رواه الجماعة۔

والعجب من المؤلف كيف يقول ذلك ، و هو يقول قبله: و عند فقده يعالج بالإصبع، لأنّه ـعليه الصلاة والسلام ـ فعل ذلك، وهذا يدلّ على المواظبة من غير ترك ، لأنّه انتقل عند فقده إلى بدل، و هو الإصبع، و ذلك يفيد الوجوب، فلا أقل من كونه سنّة، مع أنّه لم يرد أنّه كان ـ عليه السلام ـ يعالج بالإصبع عند فقد السواك، و إنّما ورد أنّه ـعليه السلام ـ قال : "يجزى من السواك الأصابع" رواه البيهقى من طرق، و قال: هو حديث ضعيف۔" (التنبيه على مشكلات الهداية: ۱/ ۲۵۵. ۲۵۶) ۔

" بلکہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس کی ترغیب دلائی ہے اور ہمیشہ مسواک کی ہے اور اسے فطرت میں سے کہا ہے [2] حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تمھیں بہت

---

[1] اور یہاں وضوء کرتے وقت "بسم اللہ" کہنا مقصود ہے وضوء کے وقت "بسم اللہ" کہنے کا حنفیہ کے نزدیک حکم کیا ہے اس کی تفصیل (صفحہ: ۳۴۹) میں آ رہی ہے۔

[2] صحیح مسلم (۳/ ۱۴۷) کتاب الطهارة، باب "خصال الفطرة" میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے: "عشر من الفطرة" دس چیزیں فطرت میں سے ہیں" یعنی أنبیاء کی سنت ہیں اور ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کا ذکر بھی کیا ہے۔

زیادہ مرتبہ مسواک کرنے کو کہا ہے۔'' اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ [1] اور آپ نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسے ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دے دیتا'' اس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ [2]

مؤلف پر تعجب ہے کہ وہ یہ بات کیسے کہہ رہے ہیں جب کہ اس سے قبل انھوں نے کہا ہے کہ مسواک نہ ملنے پر انگلی کا استعمال کرلیا جائے کیونکہ آپ علیہ السلام نے ایسا کیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے مسواک ہمیشہ کی اور اسے ترک نہیں کیا کیونکہ آپ نے مسواک نہ ہونے کی صورت میں اس کے بدل کو اختیار کیا اور وہ ہے انگلی اور یہ عمل وجوب کا فائدہ دیتا ہے چنانچہ اس کا کم از کم حکم یہ ہے کہ یہ سنت ہو۔''

واضح رہے کہ حدیث اس طرح نہیں آئی کہ آپ ﷺ نے مسواک نہ ہونے کی صورت میں انگلی کا استعمال کیا بلکہ آپ ﷺ سے حدیث اس طرح آئی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''مسواک کے بدلے انگلیاں کام دے سکتی ہیں۔'' اس کو بیہقی نے مختلف طرق سے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ ضعیف حدیث ہے۔'' [3]

ابن ابی العزؒ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ مسواک سنت مؤکدہ ہے۔

بلکہ علامہ عینیؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ واجب ہے چنانچہ وہ صاحب ''ہدایہ'' کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" والعجب من المصنف ـ رحمه الله ـ أنّه ذكر أن استعمال السواك سنّة ثمّ احتج على ذلك بمواظبة النبي ـ ﷺ ـ مع هذا لم يذكر شيئًا من الأحاديث الدالة على المواظبة ، و قد علم أن مواظبة النبي ﷺ على فعل شئ يدل على أن ذلك واجب......

و قد اعتذر عنه الشراح بأن المواظبة مع ترك دليل السنّة، وبدونه دليل الوجوب ، وقد دلّ على تركه حديث الأعرابي ، فإنّه لم يقل فيه تعليم السواك، فلو كان واجبًا لعلّمه۔"

''مصنف رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ انھوں نے ذکر کیا کہ مسواک کرنا سنت ہے [4] اور اس پر نبی ﷺ کی (مسواک کرنے پر) ہیشگی سے دلیل لی ہے مگر انھوں نے ہیشگی پر دلالت کرنے والی اَحادیث میں سے کسی

---

[1] یہ حدیث اُنس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو: صحيح بخارى، كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة (حديث: ۸۸۸)۔

[2] یعنی اس کو بخاری، مسلم، اَبوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کی مفصل تخریج میں نے "روضة الناظر" لابن قدامہ کی تخریج میں کی ہے، اور یہ اس کتاب کی پہلی حدیث ہے۔

[3] ملاحظہ ہو ''سنن بیہقی'' (۱/۴۰۔۴۱) واَیضاً ''الکامل'' لابن عدی (۵/۱۹۷۱)۔

[4] صاحب ''ہدایہ'' کے نزدیک مسواک مستحب ہے سنت نہیں جیسا کہ (صفحہ: ۳۴۵) میں ان کا قول ذکر ہوا۔

ایک حدیث کا ذکر بھی نہیں کیا اور یہ معلوم ہے کہ نبی ﷺ کی کسی کام پر مواظبت (ہمیشگی) اس کے وجوب پر دلیل ہوا کرتی ہے۔

شارحین نے ان کی (مصنف کی) طرف سے عذر یہ پیش کیا ہے کہ ہمیشگی کے ساتھ کبھی ترک کر دینا سنت کی دلیل اور بغیر ترک کئے وجوب کی دلیل ہوتی ہے اور اس کے (مسواک کے) ترک پر اُعرابی کی حدیث دلالت کرتی ہے [1] کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے (اُعرابی کو) مسواک کی تعلیم نہیں دی چنانچہ مسواک کرنا اگر واجب ہوتا تو آپ ﷺ اسے اس کی تعلیم بھی دیتے۔"

علامہ عینی اس دلیل کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و فيه نظر من وجهين: الاوّل: أنّهم لم يأتوا بحديث فيه تصريح بأنّه ـصلى اللّٰه عليه وسلمـ تركه في الجملة۔

والثاني: استدلالهم على ذلك بحديث الأعرابي لا يتم، لأن الاستعمال للسواك هل هو من سنّة الدين، أو من سنّة الصلاة ، و قد اختلف العلماء في ذلك......"

البناية(۱/۱۴۴).

" یہ دو وجوہ کی بنا پر محل نظر ہے پہلی وجہ یہ کہ وہ کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے جس میں یہ صراحت ہو کہ نبی ﷺ نے اس کو کبھی ترک کیا ہو۔

دوسری وجہ یہ کہ ان کا اُعرابی کی حدیث سے اس پر (ترک پر) استدلال درست نہیں کیونکہ مسواک کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سنت دین میں سے ہے یا کہ سنت نماز میں سے۔"

مذکورہ تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ فقہا حنفیہ کا مسواک کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے اور اس کے بارے میں ان کے تین بلکہ چار اُقوال ہیں:

1. مسواک کرنا سنت ہے جیسا کہ امام محمد، قدوری اور کاسانی وغیرہ نے کہا ہے۔
2. مستحب ہے جیسا کہ مرغینانی اور ابن ہمام وغیرہ کا قول ہے۔
3. سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ ابن ابی العزّ نے کہا ہے۔
4. واجب ہے جیسا کہ عینی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

[1] یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مشہور و معروف اور طویل حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں ہے کہ ایک اعرابی ۔ دیہاتی ۔ آیا اور اس نے جلدی جلدی سے نماز ادا کی جس میں اس نے خشوع و خضوع اور اطمینان سے کام نہ لیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو صحیح طریقے سے نماز پڑھنے کی تعلیم دی اور یہ حدیث بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے۔

یہ تو مسواک کے حکم کے بارے میں علماء حنفیہ کے اختلاف کا بیان تھا جس طرح مسواک کے حکم کے بارے میں ان کا اختلاف ہے اسی طرح مسواک سے متعلقہ بعض دیگر مسائل میں بھی ان میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ مسواک سنت دین میں سے ہے یا کہ سنت وضوء یا سنت نماز میں سے ہے۔

بعض نے اس کو سنت دین میں سے شمار کیا ہے اس لیے کہ یہ وضوء کے ساتھ خاص نہیں ہے، بعض نے اس کو سنت وضوء اور بعض نے سنت نماز قرار دیا ہے۔

علامہ عینی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

" و قول من قال: إنّه من سنّة الدين أقوى نقل ذلك عن أبي حنيفة۔"

''جس نے اس کو سنت دین کہا ہے اس کا قول زیادہ قوی ہے اور یہ قول ابوحنیفہ سے منقول ہے۔''

انھوں نے ہر قول کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "البناية في شرح الهداية" (۱/۱۴۴ و مابعدھا)۔

غازی پوری صاحب نے محض اپنی غلط فہمی کی بناء پر اہل حدیث پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی کہ ان کے علماء تو مسواک کرنے کو مستحب بتلاتے ہیں جب کہ مولانا صادق صاحب نے اس کو واجب کہا ہے مگر ہم نے اللہ عزوجل کے فضل سے ان کی معتبر کتبِ فقہ سے یہ ثابت کر دیا کہ مسواک کے حکم کے بارے میں فقہاء حنفیہ مختلف ہیں یہ ہے غازی صاحب کی اپنے مذہب کے بارے میں معلومات کا حال اگر انھیں یہ علم ہوتا کہ ہمارے فقہاء مسواک کے حکم کے بارے میں مختلف ہیں تو پھر وہ شاید ایسی باتیں نہ کرتے اب انھیں چاہیے کہ سب سے پہلے تو اپنے ہی مذہب کے بارے میں اپنی جہالت پر ماتم کریں اور اس کے بعد اپنے علماء کو یہ دعوت دیں کہ آج تک ہمارے فقہاء اگر اس مسئلہ پر متفق نہیں ہو سکے مگر ہمیں تو اب اس مسئلہ پر اور اپنے دیگر اختلافی مسائل پر اتفاق کر لینا چاہیے وگرنہ ہم کس منہ سے لوگوں کو اپنی فقہ کی تعلیم دیں گے۔ اور کس منہ سے کہیں گے کہ تقلید خاتمہ اختلاف ہے۔

اس مناسبت سے اسی بات (طہارت کے باب) سے متعلق چند دیگر مسائل کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جن کے بارے میں علماء حنفیہ مختلف ہیں۔

پہلا مسئلہ......:

وضوء سے پہلے تسمیہ (بسم اللہ) کہنے کا حکم:

اس کے حکم کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے تین اَقوال ہیں:

❁ پہلا قول: تسمیہ مستحب ہے۔

یہ مرغینانی اور فخر الدین زیلعی وغیرہ کا قول ہے، مرغینانی قدوری کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والأصح أنها مستحبة، و إن سمّاها في الکتاب سنة" (الهداية: ١/ ٢٢).

"صحیح ترین قول یہ ہے کہ تسمیہ مستحب ہے اگرچہ کتاب میں انھوں نے اس کو سنت کہا ہے۔"

کتاب سے مراد "مختصر قدوری" ہے چنانچہ علامہ عینی مرغینانی کے اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں:

" أي القدوري ، و قيل المبسوط، و ليس بصحيح لأن المنصوص فيه على الاستحباب" (البناية(١/ ١٤٢)۔

"یعنی قدوری اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مبسوط مگر یہ درست نہیں کیونکہ اس میں اس کے مستحب ہونے کی صراحت ہے۔"

فخر الدین زیلعی لکھتے ہیں:

"والصحیح أنّهما مستحبان یعنی السواك والتسمیة" (تبیین الحقائق: ١/ ٣٥) ۔

"صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں مستحب ہیں یعنی مسواک کرنا اور تسمیہ۔"

❀ **دوسرا قول: تسمیہ سنت ہے۔**

یہ اکثر فقہاء کا قول ہے جیسا کہ ابن قطلوبغا نے "الترجیح و التصحیح علی القدوری" (صفحہ: ٤٠) میں زاہدی سے نقل کیا ہے۔

اور اس کو سنت کہنے والوں میں قدوری، سرخسی، نسفی، کاسانی اور طحاوی وغیرہ ہیں ملاحظہ ہو: **مختصر القدوری، المبسوط للسرخسي** (١/ ٥٥) **کنز الدقائق** (١/ ٣٤) **بدائع الصنائع** (١/ ٢٠) اور **المحیط البرهاني** (١/ ٧٠/ ٣٨).

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری (١/ ٦۔ عربی) میں بھی اس کو سنت کہا گیا ہے۔

علامہ عینی، مرغینانی کے قول، "والأصح أنها مستحبة" کا تعاقب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

" قلت: کیف یکون الأصح أنّها مستحبة مع ورود الأحادیث الکثیرة الدالة علی سنیّتها بمقتضی التأویلات التی ذکرنا ها علی أنّا لو لم نورد لها المعارضة بأحادیث غیرها إیّاها لکان مقتضیًا وجوب التسمیة علی ما ذهبت إلیه طائفة ممن ذکرناها فیما مضی، فلذلك نصّ علی سنیّتها في المحیط، و شرح مختصر الکرخی، والتحفة، والغنیة، والجامع، والقدوری وقال ابن المرغینانی هو الصحیح و هو المختار أیضًا" (البناية(١/ ١٤٢)۔

"میں کہتا ہوں: اس کا مستحب ہونا صحیح ترین قول کیسے ہوسکتا ہے جب کہ بہت سی اَحادیث ایسی ہیں جو ان تاویلات کے مطابق جن کا ہم ذکر کر چکے اس کی سنیت پر دلالت کرتی ہیں۔"

واضح رہے کہ اگر ہم ان اُحادیث کے مقابلہ میں دوسری اُحادیث پیش نہ کریں تو ان کا تقاضا یہ ہے کہ تسمیہ واجب ہے جیسا کہ ایک جماعت کا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں مذہب ہے اسی لیے محیط، شرح مختصر الکرخی، تحفۃ، غنیّۃ، جامع اور قدوری میں اس کے سنت ہونے کی صراحت کی گئی ہے اور ابن مرغینانی نے کہا ہے صحیح یہی ہے اور مختار بھی یہی ہے۔''

❁ **تیسرا قول: یہ واجب ہے۔**

اس کی طرف امام ابن ہمام کا رجحان ہے چنانچہ وہ حدیث ''لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه'' جو اللہ کا نام نہیں لیتا اس کا وضوء نہیں'' کے مقابلے میں جن اُحادیث کو پیش کیا جا سکتا ہے ان کا جواب دینے کے بعد لکھتے ہیں:

'' فأدّی النظر إلی وجوب التسمیة فی الوضوء'' (فتح القدیر :۱/۲۳) ۔

اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے امام ابن ہمام کی تائید کی ہے چنانچہ وہ اس مسئلے میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' اختلف أصحابنا فیه علی ثلاثة أقوال:

الأوّل: إنه مستحب ، و هو قول ضعیف ، و إن صححه صاحب الهدایة''۔

والثانی: إنه سنّة مؤکدة، و علیه أکثرهم۔

والثالث: إنه واجب، و إلیه مال ابن الهمام في'' فتح القدیر'' و هو اللائق بالمنقول، والأصول، والأصل فیه حدیث'' لا وضوء لمن لا یذکر اسم الله علیه ''(و **أخرجه أبوداؤد والترمذی و ابن ماجه والدارقطنی وغیرهم''(عمدة الرعایة شرح الوقایة(۱/۵۹)** .

''ہمارے اُصحاب کا اس میں تین اُقوال پر اختلاف ہے۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور یہ ضعیف قول ہے اگر چہ صاحب ''ہدایہ'' نے اس کو صحیح کہا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور یہ اُکثر کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے اس کی طرف ''فتح القدیر'' میں ابن ہمام کا میلان ہے منقول اور اُصول کے اعتبار سے یہی قول زیادہ قوی ہے اور اس کی دلیل حدیث'' اس کا وضوء نہیں جو اس پر اللہ کا نام نہیں لیتا'' ہے اور اس کو اُبوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارقطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔'' [1]

---

[1] اس کی مفصل تخریج کے لیے ''القول المقبول'' (صفحہ:۱۶۶، حدیث:۷۹) دیکھیں۔

غازی پوری صاحب نے اپنے رسالے میں اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:'' صادق صاحب ص:۸۱، میں فرماتے ہیں کہ وضوء کے شروع میں ''بسم اللہ'' ضرور پڑھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''لا وضوء لمن لم ←

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تسمیہ کے حکم کے بارے میں حنفیہ کے تین قول ہیں:

1. مستحب ہے۔
2. سنت ہے۔
3. واجب ہے۔

اور اس کے وجوب کی طرف امام ابن ہمام اور مولانا عبدالحی لکھنوی گئے ہیں۔

موصوف کا (صفحہ ۲۴) میں یہ کہنا کہ ''افسوس ضعیف حدیث سے وضوء میں ''بسم اللہ'' پڑھنے کو واجب بتلایا جا رہا ہے'' تو یہ افسوس صرف مولانا صادق صاحب پر ہی نہیں کریں بلکہ اپنے ابن ہمام اور لکھنوی پر بھی کریں کیونکہ وہ بھی وضوء کے شروع میں ''بسم اللہ'' پڑھنے کے وجوب کی طرف گئے ہیں۔

نیز ان سے یہ بھی پوچھیے کہ آپ نے ضعیف حدیث کی بناء پر اس کو واجب کیوں کہا ہے؟

جس طرح تسمیہ کے حکم میں ان کا اختلاف ہے اسی طرح اس کے محل میں بھی ان کا اختلاف ہے چنانچہ کاسانی لکھتے ہیں:

" واختلف المشايخ فی أن التسمية يؤتى بها قبل الاستنجاء، أو بعده، قال بعضهم: قبله، لأنها سنّة افتتاح الوضوء، و قال بعضهم: بعده لأن حال الاستنجاء حال كشف العورة، فلا يكون ذكر اسم الله تعالىٰ في تلك الحالة من باب التعظيم۔"

(بدائع الصنائع:۱/۲۰، و أيضًا المحيط البرهانی لبرهان الدين (۱/۱۷۰/۳۸) ۔

''مشائخ کا اس میں اختلاف ہے کہ اللہ کا ذکر [1] کب کیا جائے استنجاء سے پہلے یا اس کے بعد، بعض نے کہا ہے کہ استنجاء سے قبل کیونکہ یہ (تسمیہ) وضوء شروع کرنے کی سنت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ استنجاء کے بعد کیونکہ استنجاء کی حالت کشف عورہ (ستر کھلنے) کی حالت ہے چنانچہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے نام کا

← يذكر اسم الله عليه" جو (وضوء کے شروع میں) اللہ کا نام نہیں لیتا اس کا وضوء (پورا) نہیں ہوتا۔

صادق صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذی فرماتے ہیں:" لا أعلم فی هذا الباب حديثاً له إسناد جيّد"یعنی مجھے اس باب کی ایک حدیث کا بھی پتہ نہیں کہ جس کی سند عمدہ ہو۔ (صفحہ:۲۴)۔

قلت: یہاں میرا کلام کیوں نقل نہیں کیا گیا۔ یہ اس لیے کہ وہ کلام ان کی منشاء کے خلاف تھا کیونکہ اس میں ہے کہ اس کو ابن صلاح، ابن کثیر، بوصیری اور عراقی اور البانی نے حسن، منذری اور عسقلانی نے قوی کہا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ ہمارے لیے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ ملاحظہ ہو پہلا ایڈیشن (صفحہ:۱۰۶، حدیث:۷۹)۔

اسی طرح امام ابن ہمام اور ابن نجیم نے بھی اس کو حسن کہا ہے ملاحظہ ہو: ''فتح القدیر'' (۱/۲۲، ۲۳) اور ''البحر الرائق'' (۱/۳۹)۔

[1] مراد تسمیہ یعنی ''بسم اللہ'' کہنا ہے۔

ذکر تعظیم کے باب میں سے نہ ہوگا۔"

صاحب "ہدایہ(۲۴/۱) لکھتے ہیں:

" و یسمّی قبل الاستنجاء، و بعده هو الصحیح۔"

"صحیح یہی ہے کہ استنجاء سے قبل اور بعد میں بھی تسمیہ کہے۔"

فتاویٰ عالمگیری میں بھی صاحب "ہدایہ" کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو(۶/۱)۔

جس طرح تسمیہ کے حکم کے بارے میں حنفی فقہاء کے تین اُقوال ہیں اسی طرح محل تسمیہ کے بارے میں بھی ان کے تین ہی اُقوال ہوئے۔

① استنجاء سے قبل۔

② استنجاء کے بعد۔

③ قبل اور بعد۔

دوسرا مسئلہ......:

وضوء کے لیے نیت، وضوء میں ترتیب اور پورے سر کے مسح کا حکم، قدوری کے کہنے کے مطابق یہ سب مستحبات میں سے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

" و یستحب للمتوضیٔ أن ینوي الطهارة، و یستوعب رأسه بالمسح، و یرتب الوضوء، فیبدأ بما بدأ اللّٰه تعالی بذکره، وبالمیامن " (مختصر القدوری:۴۱)۔

"متوضی کے لیے مستحب ہے کہ وضوء کی نیت کرے پورے سر کا مسح کرے اور ترتیب سے وضوء کرے چنانچہ ان اعضاء سے ابتداء کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے اور دائیں طرف سے ابتداء کرے۔"

یہ قدوری کا قول ہے جب کہ دیگر فقہاء حنفیہ کے نزدیک یہ کام سنت ہیں ملاحظہ ہو: (هدایه:۳۲/۱۔۳۵) بدائع الصنائع:۱/۱۹، ۲۱۔۲۲) اور المحیط البرهانی (۱۷۳/۱۔۱۷۴، ۱۷۶)۔

اور ابن قطلوبغا نے "الترجیح و التصحیح علی القدوری" میں قدوری کے اس کلام پر یوں تعلیق لگائی ہے:

" قال نجم الأئمة في شرحه: و قد عدّ الثلاثة في المحیط، والتحفة من جملة السنن و هو الأصح......"۔

"نجم الأئمہ نے اپنی شرح میں کہا ہے کہ ان تینوں کاموں کو محیط اور تحفہ والے نے سنن میں شمار کیا ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔"

ابن ہمام نے بڑے سخت انداز میں قدوری کے اس قول کا ردّ کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"لا سند للقدوري في الرواية، و لا في الدراية في جعل النيّة، والاستيعاب، والترتيب مستحباً غير سنّة۔

أمّا الرواية فنصوص المشايخ متظافرة على السنّيّة ،و لذا خالفه المؤلف في الثلاثة، و حكم بسنيّتها بقوله، فالنيّة في الوضوء سنّة و نحوه فى الآخرين۔

وأما الدراية فنذكره قريباً إن شاء الله تعالىٰ" (فتح القدير:١/٣٢).

"نیت، پورے سر کے مسح اور ترتیب کو مستحب کہنے میں قدوری کے پاس روایۃ اور نہ ہی درایۃ کوئی سند ہے۔ روایۃً اس لیے کہ ان کے سنت ہونے پر مشائخ کے بے شمار نصوص ہیں اسی لیے مؤلف نے ان تینوں میں ان کی مخالفت کی ہے، وضوء میں نیت سنت ہے اور اسی سے ملتی جلتی بات دوسرے کاموں کے بارے میں کہہ کر انھوں نے ان کو سنت کہا ہے۔

اور درایۃً ان کے پاس کیسے سند نہیں، ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے ان شاء اللہ"

غازی پوری صاحب نے بڑے شیخی کے انداز میں یہ کہہ دیا کہ صادق صاحب کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے۔

اگر صادق صاحب کو نہیں پتہ تو آپ کے قدوری صاحب کو کونسا پتہ ہے کہ ان چیزوں کا ان کے علماء کے نزدیک کیا حکم ہے جب قدوری صاحب کا حال یہ ہے تو پھر غازی پوری صاحب کا اپنے مذہب کے بارے میں بے خبر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ......:

وضوء میں ڈاڑھی کے خلال کا حکم۔

کاسانی اور قدوری وغیرہ نے ڈاڑھی کے خلال کو وضوء کی سنتوں میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو:"بدائع الصنائع (١/٢٣) اور "مختصر قدوری (صفحہ:١٤).

اور صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

"و قيل : هو سنّة عند أبي يوسف۔رحمه الله۔ جائز عند أبي حنيفة ، ومحمد رحمها الله" ۔(١/٢٩)۔

"کہا گیا ہے کہ ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سنت ہے۔ ابوحنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔"

بابرتی "شرح العناية على الهداية"(۲۹/۱) میں جائز کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و معنى قوله: جائز " أنّ صاحبه لا ينسب إلى البدعة "۔

" جائز کے معنے یہ ہیں کہ خلال کرنے والے کو بدعت کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔" یعنی یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے بدعت پر عمل کیا لہٰذا بدعتی ہو گیا۔

جب کہ کاسانی نے لکھا ہے:

" عند أبي حنيفة، و محمد من الآداب، و عند أبي يوسف سنّة هكذا ذكر محمد فی " كتاب الآثار"۔

"ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک مستحبات میں سے ہے اور ابو یوسف کے ہاں سنت ہے محمد نے" کتاب الآثار" میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔"

امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

" فی غير نسخة من كتب الرواية سنّة عند أبي يوسف۔رحمه الله۔ مستحب عندهما۔"(فتح القدير (۲۹/۱) ۔

"کتب الروایہ کے متعدد نسخوں میں أبو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک سنت اور ان دونوں۔ ابوحنیفہ اور محمد۔ کے ہاں مستحب ہے۔"

امام محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے ڈاڑھی کے خلال کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا:

" اللحية، إنّما مواضع الوضوء ما ظهر منها فإذا أمرّ كفيه عليها۔ أجزاه"

(كتاب الأصل:۱/۷۵).

"وضوء کی جگہیں وہ ہیں جو ظاہر ہیں پس جب وہ اپنی انگلیوں کو ڈاڑھی پر پھیرلے تو کافی ہوگا۔"

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی کے خلال والے مسئلے میں بھی احناف میں اختلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک یہ سنت ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک جائز اور بعض روایات کے مطابق مستحب ہے۔

ابن قطلو بغا نے "الترجيح و التصحيح"(صفحہ:۴۱) میں لکھا ہے کہ سرخسی نے "مبسوط" میں أبو یوسف کے قول ہی کو ترجیح دی ہے۔

چوتھا مسئلہ......:

وضوء میں کہنیاں اور ایڑیاں کے دھونے کا حکم۔

امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد ﷭ کے نزدیک ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں اور پیروں کے ساتھ ایڑیوں کو دھونا ضروری ہے جب کہ امام زفر ﷫ کے نزدیک کہنیاں اور ایڑیاں دھونے میں داخل نہیں ہیں لہٰذا ان کا دھونا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو: هدایه (۱/۱۵، ۱۶) اور بدائع الصنائع (۱/۴).

پانچواں مسئلہ.......:

امام محمد بیان کرتے ہیں:

"قلت : فإن باشرها لشهوة، و ليس بينهما ثوب، أو انتشر لها؟

قال: أمّا هذا فينقض وضوئه ، وعليه أن يعيد الصلاة ، وهذا قول أبي حنيفة، و أبي يوسف۔

وقال محمد: لا وضوء عليه حتى يخرج منه مذي أو غير ذلك۔"

(كتاب الأصل للإمام محمد (۱/۶۵) ۔

''میں نے ابوحنیفہ سے کہا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی سے شہوت کے ساتھ مباشرت (جسم سے جسم ملائے) کرے اور دونوں کے درمیان کوئی کپڑا بھی حائل نہ ہو اور اسے انتشار بھی ہو جائے؟

انھوں نے کہا کہ اس شخص نے اپنا وضوء توڑ لیا لہٰذا ضروری ہے کہ وہ دوبارہ وضوء کرے اور یہ ابوحنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے۔

اور محمد کا کہنا ہے کہ اس پر وضوء نہیں جب تک کہ اس سے مذی وغیرہ خارج نہ ہو۔''

یہ شخص اگر بغیر وضوء نماز پڑھے تو امام محمد کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہوگی جب کہ امام ابوحنیفہ اور اُبو یوسف کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوگی کیونکہ اس نے بغیر وضوء نماز پڑھی اور یہ کتنا بڑا اختلاف ہے۔

چھٹا مسئلہ......اور بڑا دلچسپ مسئلہ:

ایک جنبی آدمی جس کے اعضاء وغیرہ پر کسی قسم کی نجاست نہیں ہے اور وہ کنویں میں ڈبکی یا غوطہ لگاتا ہے اور غسل کی نیت نہیں کرتا تو کیا اس کا غسل ہوگا یا کہ نہیں نیز ایسے پانی کا حکم کیا ہے!

اس مسئلے کے بارے میں اُئمہ ثلاثہ۔ اُبوحنیفہ، محمد اور ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

1. امام محمد کے نزدیک اس کا غسل درست ہوگا اور کنویں کا پانی بھی ماء مستعمل نہیں ہوگا یعنی غوطہ لگانے والا بھی طاہر اور پانی بھی طاہر مطہر۔
2. امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا غسل نہیں ہوگا اور نہ ہی پانی ماء مستعمل ہوگا یعنی آدمی طاہر نہیں ہوگا اور پانی مطہر ہی رہے گا۔

③ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ آدمی جنبی ہی رہے گا یعنی اس کا غسل نہیں ہوگا اور کنویں کا پانی بھی ناپاک یا دوسرے لفظوں میں مستعمل ہو جائے گا۔

علماء حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ "مسألة البئر جحط" کے نام سے مشہور ہے۔

ج سے امام ابوحنیفہ کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی اور پانی دونوں نجس ہوں گے۔

ح سے امام ابو یوسف کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی اور پانی دونوں ہی اپنے حال پہ رہیں گے یعنی نہ تو آدمی کی طہارت ہوگی اور نہ ہی پانی ماء مستعمل ہوگا۔

اور "ط" سے امام محمد کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی بھی طاہر ہو جائے گا اور پانی بھی ماء مستعمل نہیں ہوگا یعنی طاہر مطہر ہی رہے گا۔[1]

دیکھیں یہ بھی کتنا بڑا اختلاف ہے کہ امام محمد کے نزدیک یہ آدمی طاہر ہو جائے گا لہٰذا اگر وہ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز صحیح ہوگی جب کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوگی کیونکہ اس نے حالت جنابت میں نماز ادا کی۔

اور پھر اگر کوئی دوسرا آدمی اس کنوے کے پانی سے غسل جنابت یا وضوء کرنا چاہے گا تو امام محمد اور ابو یوسف کے نزدیک اس کا غسل اور وضوء درست ہوگا جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا غسل ہوا اور نہ ہی وضوء کیونکہ اس کنوے کا پانی ماء مستعمل بن چکا ہے یعنی وہ مطہر (پاک کرنے والا) نہیں رہا۔

غازی پوری صاحب یہ آپ کے بہت سے اختلافی مسائل کی چند جھلکیاں ہیں اور مذکورہ ان تمام مسائل کا تعلق غسل اور وضوء سے ہے لہٰذا اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے (صفحہ:۲۸) میں یہ بات تو بڑی آسانی کے ساتھ لکھ دی کہ یہ وضوء کے مسائل تک متفق نہیں ہیں یہ بیچارے دوسروں کو رسول اکرم کی نماز کیا سکھلائیں گے' اب آپ جواب دیجیے کہ اگر ہم متفق نہیں ہیں تو کیا آپ متفق ہیں؟

اگر آپ لوگ متفق ہیں تو مثال کے طور پر جن چند اختلافی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے۔

---

[1] ملاحظہ ہو، امام ابن حزم کی کتاب " الإعراب عن الحيرة والالتباس الموجودين في مذهب أهل الرأي والقياس" (۱/۱۳۴)۔

اس کتاب کے محقق ڈاکٹر محمد بن زین الدین نے اس مسئلہ کے لیے حاشیہ میں " تبيين الحقائق "(۱/۲۵) اور "رد المحتار" لابن عابدین (۱/۱۳۴) کا حوالہ ذکر کیا ہے۔اسی طرح ''الهداية'' (۱/ ۱۶۵۔مع نصب الرایہ) بھی دیکھیں۔

امام ابن حزم نے اس کتاب میں حنفی فقہ کے بہت سے ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں اختلاف اور التباس پایا جاتا ہے۔

آیئے اب ہم آپ کو ان اختلافی مسائل کے علاوہ آپ کے باہمی اختلاف کی ایک اور ٹھوس دلیل دیتے ہیں امام محمد لکھتے ہیں:

" قد بيَّنتُ لكم قول أبي حنيفة، و أبي يوسف، و قولي، وما لم يكن فيه اختلاف فهو قولنا جميعًا۔"(كتاب الأصل للإمام محمد(١/٢٧)۔

''میں نے تمہارے لیے اَبوحنیفہ، اَبو یوسف اور اپنے قول کی وضاحت کردی ہے اور جس (مسئلے میں) اختلاف (کا ذکر) نہ ہو تو وہ ہم سب کا قول ہوگا۔'' یعنی اس پر ہم تینوں کا اتفاق ہوگا۔''

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اختلاف کتنے مسائل میں ہے اور اتفاق کتنے مسائل پر ہے:" مقدمة النافع الكبير"(صفحہ:١٢) سے مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی کا قول پڑھیے لکھتے ہیں:

" قال الغزالي: إنّهما خالفًا أبا حنيفة في ثلثي مذهبه۔"

'' غزالی نے کہا ہے کہ ان دنوں نے (ابو یوسف اور محمد نے) اَبوحنیفہ سے ان کے دو تہائی ($\frac{2}{3}$) مذہب میں اختلاف کیا ہے۔''

قلت: غزالی نے یہ بات اپنی کتاب ''المتحول"(صفحہ:٤٩٦) میں کہی ہے اور ان کی مخالفت کی وجہ بھی ذکر کی ہے کہ ان کے ۔امام ابوحنیفہ کے۔ اندر خلط ملط اور تناقضات بہت تھے۔

ابن عابدین نے لکھا ہے:

"فحصل المخالفة من الصاحبين في نحو ثلث المذهب"(حاشیہ ابن عابدین(١/٦٧) ۔

''یعنی صاحبین نے تقریباً ایک تہائی مذہب میں مخالفت کی ہے۔''

شبلی نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

'' قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔''

(سیرۃ النعمان:٢/٦٥.٦٦) منقول از تاریخ التقلید(صفحہ:٦١).

مولانا عبدالحی لکھنوی "الفوائد البهية" کے حاشیے (صفحہ:١٦٣۔ترجمہ محمد بن الحسن) میں لکھتے ہیں:

" عدّه ابن كمال من طبقة المجتهدين في المذهب الذين لا يخالفون إمامهم فى الأصول، وإن خالفوه فى بعض المسائل، و كذا عدّ أبا يوسف منهم ، و هو متعقب عليه، فإن مخالفتهما للإمام في الأصول كثيرة غير قليلة"۔

'' ان کو (محمد بن حسن کو) ابن کمال نے مجتہدین مذہب کے اس طبقہ کے لوگوں میں شمار کیا ہے جو اُصول میں

اپنے امام کی مخالفت نہیں کرتے اگرچہ بعض فروعی مسائل میں وہ اس کی مخالفت کر جاتے ہیں۔

اسی طرح ابو یوسف کو بھی انھوں نے اسی طبقہ میں شمار کیا ہے۔

اور وہ اپنی اس بات پر قابل تعاقب ہیں کیونکہ ان دونوں کی اپنے امام کی اُصول میں بھی مخالفت کم نہیں بلکہ بہت زیادہ ہے۔''

غازی پوری صاحب جب آپ لوگوں کے اُئمہ کے اندر اس قدر اختلاف ہے اور ان اُئمہ کے بعد آپ کے فقہاء میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے جس کی ہم چند مثالیں بھی ذکر کر چکے ہیں اور ان مثالوں کا تعلق غسل اور وضوء سے ہے لہٰذا آپ یہ بات کس منہ سے کہہ رہے ہیں کہ یہ وضوء کے مسائل تک بھی متفق نہیں ہیں۔''

مذکورہ بالا سطور میں ذکر ہوا کہ آپ کے ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے لہٰذا اب اگر کسی حنفی مفتی کو فتویٰ دینا ہو تو وہ کیا کرے گا۔ وہ درج ذیل اُصولوں کو اپنے سامنے رکھے گا۔ [1]

1. جب کہ صاحبین اور امام باہم مختلف ہوں تو مفتی مختار ہے کہ جس کے قول پر چاہے فتوے دے۔
(درّ مختار (۱/۲۹) مقدمہ عالمگیری (۱/۱۱٦).

2. جب کہ باہم اختلاف ہو تو جس پر عمل آسان ہو یا جو (قول) قوی ہو اس پر عمل کرے اور تمیز اس کی ہر زمانہ میں صاحب علم کر سکتے ہیں۔ (مقدمہ ھدایہ (۱/۹۴) مقدمہ عالمگیری (۱/۱۱٦).

3. جب کہ طرفین (ابوحنیفہ ومحمد) اور ابو یوسف مختلف ہوں تو ابو یوسف کے قول کو لیں گے بسبب آسانی کے۔
(درّ مختار (۱/۷۹).

4. عبادات میں ابوحنیفہ کے قول پر اور وقف و قضاء میں اُبو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔
(درّ مختار (۲/۵٦۹) ھدایہ (۱/۱۰۴) عالمگیری (۱/۱۱٦).

5. سترہ مسائل میں امام زفر کے قول پر فتوی ہے۔ (مقدمہ عالمگیری (۱/۱۱٦)۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اب شاہ ولی اللہ نے "عقد الجید" میں جو کہا ہے وہ ملاحظہ کریں:

"فتویٰ مطلق امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے پھر ابو یوسف کے قول پر پھر محمد کے قول پر پھر زفر کے قول پر پھر زفر بن ہذیل اور حسن بن زیاد کے قول پر اور بعض نے کہا، جب کہ امام اُعظم ایک جانب ہوں اور صاحبین ایک جانب تو مفتی کو اختیار ہے جس قول پر چاہے فتوی دے۔'' سلک مروارید ترجمہ عقد الجید (صفحہ:۷۱)۔

مذکورہ اصولوں پر مطلع ہونے سے دو باتیں معلوم ہوئیں پہلی بات یہ کہ اُئمہ حنفیہ کے مابین اختلاف ہے اور دوسری

---

[1] واضح رہے کہ یہ اصول ''تاریخ التقلید'' (صفحہ:٦۲۔٦۳) کے حوالے سے نقل کیے جا رہے ہیں۔
اس کے بارے میں "حاشیۃ ابن عابدین" (۱/۷۰۔۷۱) وغیرہ بھی دیکھیں۔

یہ کہ اختلاف کی صورت میں فتویٰ کس امام کے قول پر ہوگا اس میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا۔

غازی پوری صاحب پہلے آپ لوگ اپنے اندر اتفاق پیدا کریں پھر ہم سے بات کریں مگر جیسے آج تک آپ لوگوں کا اتفاق نہیں ہوا اس طرح بعد میں بھی نہیں ہو سکے گا۔

قارئین نے غازی پوری صاحب کی یہ بات اور اس قسم کی دوسری باتوں (جن پر تبصرہ کیا جا چکا) سے دو چیزوں میں سے ایک چیز ضرور اُخذ کی ہوگی ان میں سے ایک یہ کہ موصوف دھوکہ باز اور فریبی ہیں کیونکہ وہ اپنے قارئین کو یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ اہل حدیث کا آپس میں اختلاف ہے جب کہ ہم میں کوئی اختلاف نہیں اسی لیے تو دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔

دوسری یہ کہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں جاہل ہیں کیونکہ اگر انھیں اپنے مذہب میں اختلاف کا علم ہوتا تو وہ اہل حدیث پر یہ اعتراض نہ کرتے۔

موصوف کا (صفحہ:۳۵۱۔۳۵۲) میں جو کلام ذکر ہوا اس کے بعد لکھتے ہیں:

''افسوس ضعیف حدیث سے وضوء میں ''بسم اللہ'' پڑھنے کو واجب بتلایا جا رہا ہے ان غیر مقلدین کا عجیب حال ہے جب انکار پر آئیں تو صحیح سے صحیح تر حدیث کو رڈ کر دیں گے اور جب ماننے پر آئیں گے تو ضعیف اُحادیث سے وجوب ثابت کریں گے۔ (صفحہ:۲۴)۔

جس حدیث کی طرف موصوف نے اشارہ کیا ہے اس کے بارے میں (صفحہ:۳۵۲) میں ذکر ہوا کہ یہ حسن درجے کی حدیث ہے اور امام ابن ہمام اور ابن نجیم نے بھی اس کو حسن کہا ہے۔

اسی طرح مذکورہ صفحہ میں یہ بھی ذکر ہوا کہ موصوف نے اگر افسوس کرنا ہی ہے تو پھر ابن ہمام اور لکھنوی پر بھی افسوس کریں کیونکہ انھوں نے بھی اس حدیث کی بناء پر ''بسم اللہ'' کو واجب کہا ہے۔

رہی موصوف کی یہ بات کہ ''ان غیر مقلدین کا عجیب حال'' تو یہ سراسر اتہام ہے بلکہ یہ خصلت تو آپ لوگوں میں ہے کہ جب دیکھا کہ صحیح حدیث اپنے مذہب کے خلاف ہے تو اس کو رڈ کر دیا یا اس کی تاویلات کرنے کی کوشش کی اس کی اگر تفصیل درکار ہو تو اس کتاب کے درج ذیل صفحات دیکھیں (۱۱۱۔۱۱۳، ۱۲۶، ۱۹۴ و مابعدھا)۔

اور جب دیکھا کہ ضعیف حدیث ہمارے مسلک کی تائید کرتی ہے تو اسے فوراً قبول کر لیا چنانچہ آپ لوگوں کی کتبِ فقہ میں ایسی اُحادیث کی بھر مار ہے اور ان کتب کی احادیث کے بارے میں (صفحہ:۱۲۸۔۱۲۹، و مابعدھا) میں ملا علی قاری اور مولانا عبدالحی لکھنوی کا جو کلام ذکر ہوا ہے اس کو دیکھیں۔

بات صرف ضعیف اُحادیث تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اپنے مقصد کے لیے اگر اُحادیث وضع کرنے کی بھی

ضرورت پڑی تو اس سے بھی آپ لوگوں نے گریز نہیں کیا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کے (صفحات: ۱۱۶، ۱۸۳، ۲۵۸، و مابعدھا)۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے اگر کسی صحابی پر تنقید کرنی پڑی تو اس سے بھی نہ چوکے۔
اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اپنی فقہی موشگافیوں کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی توہین سے بھی باز نہیں آئے۔ (ملاحظہ ہو اس کتاب کا (صفحہ: ۱۹۳)۔

ان تمام کارستانیوں کے باوجود بھی افسوس ہم پر ہی ہے۔

قارئین کے لیے ہم یہاں ایک مثال ذکر کرتے ہیں جس سے بخوبی یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ لوگ حدیث کے ساتھ کیسے کھیل کھیلتے ہیں:

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشہور و معروف صحابی ہیں انھوں نے اپنی ایک حدیث میں رفع یدین اور جلسہ استراحت کا ذکر کیا ہے۔ (1)

حنفیہ چونکہ رفع یدین کے قائل ہیں اور نہ ہی جلسہ استراحت کے چنانچہ رفع یدین کا انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی پہلی عمر کا فعل ہے۔ مگر جب جلسہ استراحت کا مسئلہ آیا تو جواب یہ دیا کہ یہ آخری عمر کا واقعہ ہے کیونکہ آپ کا جسم بھاری ہو گیا تھا اس لیے آپ نے جلسہ استراحت کیا لہٰذا یہ نماز کے مسنون مسائل میں سے نہیں ہے۔ علامہ ابو الحسن سندھی حنفی رحمہ اللہ اپنی قوم کے حدیث کے ساتھ اس کھیل پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یوں رطب اللسان ہیں:

"...... مالك بن الحويرث، و وائل بن حجر ممن صلّى مع النبي ـصلى الله عليه وسلمـ آخر عمره، فروايتهما الرفع عند الركوع والرفع منه دليل على بقائه و بطلان دعوى نسخه۔

كيف، و قد روى مالك هذا جلسة الاستراحة فحملوها على أنّها كانت في آخر عمره في سنّ الكبر فهي ليس مما فعلها النبي ـصلى الله تعالىٰ عليه وسلمـ قصداً فلا يكون سنّة، و هذا يقتضي أن يكون الرفع الذي رواه ثابتاً لا منسوخاً لكونه في آخر عمره عندهم، فالقول بأنّه منسوخ قريب من التناقض، و قد قال: صلى الله

(1) ان کی یہ حدیث بخاری (حدیث: ۸۲۳،۷۳۷) کتاب الصلاۃ، باب "رفع الیدین" و باب "من استوی قاعداً فی وتر من صلاتہ ثم نھض" میں ہے۔ جلسہ استراحت کے ذکر کے بغیر اس کو مسلم (۴/۹۴) نے بھی روایت کیا ہے۔

تعالیٰ علیه وسلم۔ لمالك هذا، و أصحابه " صلو كما رأيتمونى أصلى" والله تعالیٰ أعلم"(حاشيه السندهی علی النسائی:۲/۱۲۳)۔

''مالک بن حویرث اور وائل بن حجر [1] ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی آخری عمر میں نمازیں پڑھی ہیں لہٰذا ان دونوں کا رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین بیان کرنا اس کی (رفع یدین کی) بقاء پر اور اس کے منسوخ ہو جانے کے دعویٰ کے باطل ہونے پر دلیل ہے۔

اس پر دلیل کیسے نہ ہو کیونکہ انہی مالک نے جلسۂ استراحت کو بھی روایت کیا ہے تو انھوں نے (فقہاء حنفیہ نے) اس کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس جلسہ کو آخری عمر میں کبر سنی کی وجہ سے کیا تھا نہ کہ اس کو قصداً کیا تھا لہٰذا یہ سنت نہ ہوا اور یہ تاویل اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ رفع یدین جسے مالک نے روایت کیا ہے ثابت ہو منسوخ نہ ہو اس لیے کہ آپ نے اس کو ان کے نزدیک آخری عمر میں کیا ہے لہٰذا اس کو منسوخ کہنا تناقض کے قریب ہے۔

آپ ﷺ نے مالک اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا: '' نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

⑪ غازی پوری صاحب (صفحہ ۳۴) میں شرم و حیاء کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے اور اپنی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صادق صاحب سے اللہ سمجھے، بڑے بے ایمان واقع ہوئے ہیں احادیث رسول کے بارے میں ان کی جرأت دیکھ کر مجھے اتنا سخت لفظ استعمال کرنا پڑا ہے [2] نماز کے اوقات کے بیان میں انھوں نے پہلی یہ حدیث ذکر کی ہے اور حوالہ دیا ہے مسلم شریف کا۔

" عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله ـ ﷺ ـ وقت الظهر إذا زالت الشمس ، وكان ظلّ الرجل كطوله۔" الخ۔

''یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ظہر کا وقت جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی کے

---

[1] مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی طرح وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے بھی نماز میں رفع یدین کا ذکر کیا ہے اور ان کی حدیث مسلم (۴/۱۱۴) كتاب "الصلاة" ،باب "وضع اليدين على الصدر في الصلاة" وغیرہ میں ہے۔

[2] مجھے بھی غازی پوری صاحب کی انتہائی درجے کی بے شرمی و بے حیائی ،الزام تراشی، جہالت، اور بدیانتی کی وجہ سے مذکورہ الفاظ کا استعمال کرنا پڑا ہے لہٰذا قارئین معذور سمجھیں۔

برابر ہو جائے تب ہوتا ہے۔''

چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کو ہر زمانہ میں کچھ مؤخر کر کے پڑھنا چاہیے، سایہ ڈھلتے ہی ظہر کی نماز کا پڑھنا مناسب نہیں ہے۔

اور اسی پر احناف کا عمل ہے چونکہ یہ حدیث غیر مقلدین کے مذہب کے خلاف اور احناف کے مذہب کی صریح دلیل ہے اس وجہ سے صادق صاحب نے اس حدیث کا من مانا ترجمہ اور مطلب بیان کر کے حدیث کا اصل مفہوم ہی مسخ کر دیا، اب ذرا صادق صاحب کا ترجمہ اور مطلب سنیے۔

''حضرت عبد اللہ بن عمرو [1] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وقت ظہر کا ہے جب آفتاب ڈھلے اور (رہتا ہے اس وقت تک کہ) ہو سایہ آدمی کا اس کے قد کے برابر، جب تک نہ آئے وقت عصر کا۔'' (صفحہ:۱۴۳)۔

اہل علم غور فرمائیں حدیث رسول کے الفاظ کیا ہیں اور ان الفاظ کا مطلب کیا ہے اور صادق صاحب اس کا مطلب کیا بیان کر رہے ہیں، چشم فلک نے حدیثِ رسول کے ساتھ اتنی دلیری، جہالت اور تحریفی کرشمے کی مثالیں کم ہی دیکھی ہوں گی، اور اس جہالت و خیانت، بددیانتی اور بے ایمانی کے باوجود کسی کو شوق ہوتا ہے کہ وہ رسولِ اکرم کی نماز نامی کتاب لکھے اور صادق صاحب جیسے لوگوں کو شوق ہوتا ہے صلوۃ الرسول نامی کتاب لکھیں'' بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔''

میں دنیائے غیر مقلدیت سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ میں امانت و دیانت ہے تو صادق صاحب کے مطلب و معنی کو اس حدیث پاک کے الفاظ کی روشنی میں صحیح ثابت کریں ورنہ اعلان کریں کہ صادق صاحب نے حدیث رسولِ پاک کا معنی و مطلب بیان کرنے اور اس کا ترجمہ کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کا پروگرام بنایا ہے۔''

یہ موصوف غازی پوری صاحب کا کلام ہے جس میں وہ سیخ پا اور آپے سے باہر ہو گئے ہیں جس کی وجہ ان کی اپنی کج فہمی اور جہالت ہے کیونکہ مولانا صادق رحمہ اللہ نے اس حدیث کا جو ترجمہ اور مطلب بیان کیا ہے وہ بالکل درست ہے اور جو مطلب و ترجمہ غازی پوری صاحب نے کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ ان کی جہالت پر دلالت کرتا ہے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

[1] موصوف نے حدیث اور اس کا ترجمہ نقل کرتے وقت ''عبد اللہ بن عمرؓ'' ذکر کیا جب کہ اس کے راوی ''عبد اللہ بن عمروؓ'' ہیں حدیثِ رسول ﷺ سے اگر حقیقی تعلق اور واسطہ ہوتو تب یہ علم بھی ہو کہ اس حدیث کے راوی کون ہیں۔ افسوس ہے کہ جس آدمی کو عبد اللہ بن عمرؓ'' اور'' عبد اللہ بن عمروؓ'' میں تمیز نہیں وہ خود کو بڑا شارحِ حدیث سمجھ بیٹھا ہے۔

کی جس حدیث کو موصوف نے ذکر کیا ہے وہ لمبی حدیث ہے اور انھوں نے اس کا جو پہلا ٹکڑا ذکر کیا ہے اس ٹکڑے کے بعد کا ایک جملہ بھی اس حدیث کے معنے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے اور وہ ہے:

" ما لم يحضر العصر ووقت العصر ما لم تصفر الشمس"۔

اس ٹکڑے کو پہلے ٹکڑے کے ساتھ ملا کر پورا جملہ اس طرح ہوا۔

" وقت الظهر إذا زالت الشمس، و كان ظلّ الرجل كطوله ما لم يحضر العصر، ووقت العصر ما لم تصفرّ الشمس۔"

مولانا صادق رحمہ اللہ کے قلم سے اس کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

''وقت ظہر کا ہے جب آفتاب ڈھلے اور (رہتا ہے اس وقت تک کہ) ہو سایہ آدمی کا اس کے قد کے برابر جب تک نہ آئے وقت عصر کا، اور وقت عصر کا ہے جب تک کہ نہ ہو آفتاب زرد۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں نماز ظہر اور عصر کا ابتدائی اور آخری وقت بیان کیا ہے نماز ظہر کا وقت سورج کے ڈھل جانے سے شروع ہو کر جب تک آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے تب تک رہتا ہے اور آدمی کا سایہ جب اس کے قد کے برابر ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سورج کے زرد ہونے تک رہتا ہے۔ [1]

موصوف نے اس حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کے مطابق اس میں عصر کے ابتدائی وقت کا ذکر ہی نہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جملے "وقت الظهر إذا زالت الشمس و كان ظل الرجل كطوله" میں ظہر کے مجموعی وقت کا ذکر کیا ہے نہ کہ صرف اس کے ابتدائی وقت کا اور اس کا جو مجموعی وقت ہے وہ سورج کے ڈھل جانے سے لے کر آدمی کے سایہ کا اس کے قد کے برابر ہو جانے تک ہے اور جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

موصوف نے اس حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے اگر اس کو لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ سورج کے ڈھل جانے کے فوراً بعد ظہر کی نماز پڑھنا درست نہیں جب تک کہ آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے اور یہ مطلب سراسر باطل ہے۔ کیونکہ یہ احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اب اختصار کے ساتھ بعض اُحادیث اور اجماع کا ذکر سنیے۔

ا۔ اُحادیث:

اُنس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

---

[1] واضح رہے کہ عصر کے آخری دو وقت ہیں ایک اختیاری اور دوسرا اضطراری۔ اختیاری وقت سورج کے زرد ہو جانے تک ہے اور اضطراری وقت سورج غروب ہونے تک رہتا ہے جیسا کہ دوسری اُحادیث سے پتہ چلتا ہے۔

"أن رسول الله ـصلى الله عليه وسلمـ خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر......" [1]

''رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے کے وقت نکلے پس ظہر کی نماز پڑھی۔''

اس حدیث کوامام بخاری ''باب وقت الظهر عند الزوال'' میں لائے ہیں۔اور ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"...... ويصلّي الظهر إذا زالت الشمس......" [2]

''جب سورج ڈھل جاتا تو آپ ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے''

اس حدیث کو بھی امام بخاری مذکورہ باب میں لائے ہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

"فإنه يقتضي أنّ زوال الشمس أوّل وقت الظهر، إذ لم ينقل أنّه صلّى قبله......"

(فتح الباری(۲۱/۲).

''یہ حدیث اس بات کی متقاضی ہے کہ سورج کا ڈھل جانا ظہر کا اوّل وقت ہے کیونکہ آپ ﷺ سے زوال سے قبل ظہر کا پڑھنا منقول نہیں۔''

اس سلسلہ کی دیگر متعدد احادیث بھی ہیں مگر اختصار کے پیشِ نظر صرف انہی دو احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ب۔اجماع:

① غازی پوری صاحب آپ کے امام طحاوی لکھتے ہیں:

"......فإنه ذكر عنه أنّه صلاها حين زالت الشمس على ذلك اتفاق المسلمين أن ذلك أوّل وقتها......" (شرح معانی الآثار(۱۴۸/۱)۔

''رسول اللہ ﷺ سے مذکور ہے کہ آپ نے سورج کے ڈھل جانے پر نماز ظہر ادا کی۔اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ ظہر کا اوّل وقت ہے۔:

② غازی پوری صاحب آپ کے لکھنوی صاحب لکھتے ہیں:

" أجمع علماء المسلمين على أنّ أوّل وقت صلاة الظهر زوال الشمس عن كبد السماء، ووسط الفلك إذا استوقن ذلك في الأرض بالتأمّلـ"(التعليق الممجد(۱۵۲/۱).

---

[1] اس کو بخاری نے (۵۴۰) "کتاب مواقیت الصلاۃ" میں اور مسلم نے (۱۱۲/۱۵) کتاب الفضائل "باب توقیرہ ﷺ" میں روایت کیا ہے۔''

[2] اس کو بھی بخاری (۵۴۱) اور مسلم نے (۱۴۵/۵) کتاب المساجد، باب "استحباب التبكير بالصبح في أوّل وقتها" میں روایت کیا ہے۔

یعنی علماء مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ سورج کے آسمان کے درمیان سے ڈھل جانے کا جب یقین ہو جائے تو وہ نمازِ ظہر کا اوّل وقت ہے۔

لکھنوی صاحب نے امام طحاوی کا مذکورہ قول بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (۱/۱۵۴)۔

④ غازی پوری صاحب آپ کے سہارنپوری صاحب رقمطراز ہیں:

" و أجمعوا علی أنّ ابتداء وقت الظهر الزوال، و لا خلاف فی ذلك يعتدبه"

(بذل المجهود: ۳/۱۵۴).

"علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ظہر کے وقت کی ابتداء زوال سے ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس کی کوئی حیثیت ہو۔"

غازی پوری صاحب یہ ہیں آپ ہی کے علماء کے اقوال اور جو حدیث کا مطلب آپ نے بیان کیا ہے وہ سراسر ان کے خلاف ہے کیونکہ آپ کے بیان کردہ مطلب کے مطابق جب تک آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے تب تک ظہر کی نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں ہوا اور قبل از وقت تو اذان بھی درست نہیں اس لیے تو آپ لوگوں نے فجر کی پہلی اذان کا انکار کیا ہے۔ [1] تو جب قبل از وقت اذان درست نہیں تو نماز کیونکر درست ہوگی۔ اپنا بیان کردہ مطلب دوبارہ ملاحظہ کرلیں:

"یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی کے برابر ہو جائے تب ہوتا ہے۔" (صفحہ:۳۴)۔

آپ کے اس بیان کردہ مطلب کے مطابق نماز ظہر کے وقت کی ابتداء کے لیے دو شرطیں ہیں:

① سورج کا ڈھل جانا۔

② آدمی کے سائے کا اس کے قد کے برابر ہو جانا۔

ان شرطوں کے مطابق اگر سورج ڈھل گیا لیکن آدمی کا سایہ جب تک اس کے قد کے برابر نہ ہوگا تب تک نمازِ ظہر کا وقت داخل نہ ہوگا اور یہ بات آج تک کسی عالم نے کیا کسی جاہل نے بھی نہیں کی ہوگی۔

صحابہ میں سے بعض نے زوال سے پہلے تو ظہر پڑھنے کو جائز کہا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے مگر آپ کا

---

[1] واضح رہے کہ فجر کی اذان سے پہلے ایک اذان دینا جسے عرف عام میں سحری یا تہجد کی اذان کہا جاتا ہے اس کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود ہے اسی لیے حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ "قبل از فجر اذان دینا اگر ناجائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ بلال کو منع کردیتے" یہ اذان کس مقصد کے لیے دی جاتی تھی نیز اس میں اور فجر کی اذان میں کتنا وقفہ ہونا چاہیے ان امور کی تفصیل کے لیے "القول المقبول" (صفحہ: ۳۱۰۔۳۱۱) دیکھیں۔

بیان کردہ مطلب آج تک سننے میں نہیں آیا۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کا کیا مطلب بیان کیا ہے۔

غازی پوری صاحب! آپ کے ملاعلی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" قال الأبهری: قوله: '' ما لم یحضر" بیان و تأکید لقوله " و کان......الخ"۔

'' اُبھری نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کا قول:''ما لم یحضر" یہ بیان اور تاکید ہے آپ کے اس قول"و کان ظل الرجل کطوله" کی۔''

اور یہی بات طیبی نے بھی"شرح المشکوٰۃ" (۳/۸۷۴) میں کہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ظہر کا وقت آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہونے تک رہتا ہے اور آپ ﷺ نے "ما لم یحضر العصر" کہہ کر"و کان ظل الرجل......" کی تأکیداور وضاحت کی ہے۔

آگے چل کر ملاعلی قاری لکھتے ہیں:

" ووقت العصر"أي یدخل بما ذکر من ظل الرجل کطوله، ویستمرّ من غیر کراهة ما لم تصفر"(المرقاۃ:۲/۲۸۲،۲۸۳، دارالفکر)۔

''یعنی آدمی کے سائے کا اس کے قد کے برابر ہوجانے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے عصر کا وقت داخل (شروع) ہوتا ہے اور بغیر کراہت کے سورج کے زرد ہونے تک باقی رہتا ہے۔''

اُبوالعباس قرطبی [1] لکھتے ہیں:

" أفاد بقوله: "ما لم یحضر العصر" أن الوقت ممتد متسع، و أنّ آخره أوّل وقت العصر، و هو انتهاء آخر ظلّ المثل، و هذا مثل ما جاء في حدیث إمامة جبریل بالنبي-ﷺ- أنّه صلّی به العصر في الیوم الأوّل حین کان ظلّ کلّ شيئ مثله"

(**المفهم لما أشکل من تلخیص مسلم**:۲/۲۳۴) ۔

''آپ ﷺ نے اپنے اس قول "ما لم یحضر العصر" سے یہ فائدہ دیا ہے کہ (ظہر کا) وقت متسع (کشادہ ہے) اور اس کا آخری وقت عصر کے اوّل وقت تک ہے۔ اور وہ ہے ظل مثل کے (ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوجانے کے) آخر کی انتہاء۔

[1] یہ قرطبی تفسیر والے قرطبی نہیں بلکہ یہ ان کے اساتذہ میں سے ہیں جیسا کہ اس کتاب کے (صفحہ:۲۳،حاشیہ:۳) میں قدرے تفصیل سے ذکر ہوا۔

اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ جبریل کی نبی ﷺ کو امامت کروانے والی حدیث [1] میں آیا ہے کہ انھوں نے پہلے دن میں آپ کو عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا۔"

غازی پوری صاحب آپ نے تو " وكان ظل الرجل كطوله" کو ظہر کے دخولِ وقت کی علامت قرار دیا ہے اب دیکھتے ہیں کہ آپ کے کبار علماء کی بھی یہی تفسیر ہے یا کہ وہ کچھ اور کہتے ہیں اب سنیے کہ وہ کیا کہتے ہیں:

① امام طحاوی کا (صفحہ:۳۶۵) میں جو کلام ذکر ہوا ہے اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

" و أمّا آخر وقتها، فإن ابن عباس رضى الله عنه۔ و أبا سعيد ۔رضى الله عنه۔ وجابر و أبا هريرة ۔رضى الله عنهما۔ رووا عنه أنّه صلاها في اليوم التالي حين كان ظلّ كلّ شئ مثله۔"

" رہا ظہر کا آخری وقت تو ابن عباس، اَبوسعید جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے دوسرے دن ظہر کو اس وقت ادا کیا جب ہر چیز کا سایہ اس کے مانند ہوگیا تھا۔"

اور اوقات نماز پر بحث کرنے کے بعد اپنے مذہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و جميع ما بيّنا من هذه الأقوال في هذا الباب قول أبي حنيفة ۔رحمه الله۔ و أبي يوسف ۔رحمه الله۔ و محمد ۔رحمه الله۔ إلّا ما بيّنا مما اختلفوا فيه من وقت الظهر، فإن أبا حنيفة ۔رحمه الله۔ قال: هو إلى أن يصير الظلّ مثليه، هكذا روى عنه أبو يوسف ۔رحمه الله۔ ...... عن الحسن بن زياد عن أبى حنيفة ۔رحمه الله۔ أنه قال في ذلك آخر وقتها: إذا صار الظلّ مثله، و هو قول أبي يوسف۔رحمه الله۔ ومحمد، و به نأخذ " (شرح المعانی:۱/۱۴۸، ۱۵۹) ۔

" ہم نے اس باب میں جتنے اَقوال بیان کیے ہیں، ابوحنیفہ، اَبو یوسف اور محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اِلا کہ ہم نے ظہر کے (آخری) وقت کے بارے میں جو اختلاف بیان کیا ہے۔

چنانچہ اَبوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کا آخری وقت (ہر چیز کا) سایہ دوگنا ہو جانے تک ہے ،اَبو یوسف رحمہ اللہ نے ان سے ایسے ہی روایت کیا ہے......(جب کہ) حسن بن زیاد نے ان سے بیان کیا ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ اس کا آخری وقت (ہر چیز کا) سایہ اس کے مانند ہوجانے تک ہے۔ اَبو یوسف اور محمد کا یہی

[1] اس حدیث کو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے جن میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں ان کی حدیث کو اَبوداود (۳۹۳) اور ترمذی (۱۴۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے تفصیل کے لیے: "القول المقبول" (صفحہ: ۴۸، حدیث:۳) دیکھیں۔

قول ہے اور ہم بھی اسی کو لیتے ہیں۔"

② صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

" و آخر وقتها عند أبي حنيفة ـ رحمه الله ـ إذا صار ظلّ كلّ شيءٍ مثليه سوى فيءِ الزوال، و قالا: إذا صار الظلّ مثله، و هو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله ـ" (۲۱۹/۱)۔

"ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ سوائے زوال کے سائے کے اس سے دوگنا ہو جانے تک ہے اور دونوں (ابویوسف و محمد) کا کہنا ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اور اَبوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔"

③ سہارنپوری صاحب (صفحہ:۳۶۶) میں ان کا جو کلام ذکر ہوا اس کے بعد لکھتے ہیں:

" ثم اختلفوا في آخر وقت الظهر، فقال الأكثرون، و فيهم أبو يوسف، و محمد: آخر وقت الظهر إذا صار ظلّ كل شيء مثله، و هو رواية عن الإمام الأعظم أبي حنيفة ـ رحمه الله ـ و قال أبوحنيفة في ظاهر الرواية عنه......" (بذل المجهود (۱۵۵/۳).

"پھر ان کا (علماء کا) ظہر کے آخری وقت میں اختلاف ہے اُکثریت کا کہنا ہے جس میں اُبویوسف اور محمد بھی ہیں کہ ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جانے تک ہے اور امام اُعظم اُبوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے" اس کے بعد انھوں نے ان سے جو دوسری روایت ہے اس کا ذکر کیا ہے۔" [1]

---

[1] امام صاحب سے جو دوسری روایت ہے اس کے بارے میں مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:" وخالفه أصحابه في ذلك" ان کے اُصحاب نے اس میں ان کی مخالفت کی ہے" اور آگے چل کر لکھتے ہیں:"وهذا لم يتابع عليه "(التعليق الممجد :۱۵۲/۱) یعنی اس قول میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہے بلکہ اس میں وہ متفرد ہیں۔

جب کہ امام قرطبی نے اس کو شافعی کی طرف بھی منسوب کیا ہے چنانچہ وہ امام صاحب کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:"و هو قول شاذ خالف فيه هذه النصوص، و جميع الناس خلا أنّه قد حكي عن الشافعي ، و قد تبرأ من هذا القول أصحاب أبي حنيفة والشافعي لظهور فساده" (المفهم(۲۳۴/۲ـ۲۳۵)۔

"یہ قول شاذ ہے اس میں انھوں نے ان نصوص اور تمام لوگوں کی مخالفت کی ہے اِلا کہ یہ قول شافعی کے بارے میں بھی بیان کیا گیا ہے اس قول کا فاسد ہونا چونکہ ظاہر ہے اسی لیے ابوحنیفہ اور شافعی کے اُصحاب نے اس سے براءت کا اظہار کیا ہے۔"

قلت: امام شافعی کی طرف اس قول کی نسبت قابل بحث ہے کیونکہ امام نووی نے "المجموع" میں کوئی ایسی بات نہیں کی بلکہ انھوں نے قاضی ابوالطیب کے حوالے سے ابن المنذر کا یہ قول نقل کیا ہے:"لم يقل هذا أحد غير أبي حنيفة" (۲۱/۳) "ابوحنیفہ کے علاوہ یہ بات کسی اور نے نہیں کہی۔"

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ غازی پوری صاحب نے ظہر کے وقت کی ابتداء کی جو علامت ذکر کی ہے وہ اس کے انتہاء کی اور عصر کے وقت کی ابتداء کی علامت ہے۔

امام طحاوی اس مسئلہ پر کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو کیا اس کے بعد بھی ظہر کا کچھ وقت باقی رہتا ہے یا کہ ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فثبت بذلك إذا أجمعوا في هذه الروايات أن بعد ما يصير ظلّ كل شئ مثله وقتاً للعصر أنّه محال أن يكون وقتاً للظهر" (شرح المعانی :۱/۱۴۹)۔

''جب وہ ان تمام روایات کو جمع کریں تو ان سے ثابت یہ ہوگا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو وہ عصر کے لیے وقت ہے چنانچہ مستحیل ہے کہ وہ کچھ ظہر کے لیے (آخری) وقت بھی ہو۔''

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس چیز سے اس امت کے لیے عصر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے تو غازی پوری صاحب کے نزدیک اس سے عصر کے وقت کی بجائے ظہر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے آفرین ہے غازی صاحب کے فہم و فراست اور ان کے علم پر۔

غازی صاحب نے آپے سے باہر ہو کر مولانا صادق رحمہ اللہ کے بارے میں جن نازیبا کلمات کا استعمال کیا ہے آپ ان کو (صفحہ:۳۶۳) میں ان کے طویل کلام میں ملاحظہ کر چکے ہیں مگر یاد دہانی کے طور پر اب ان کا خلاصہ ملاحظہ کریں۔

''صادق صاحب سے اللہ سمجھے، بڑے بے ایمان واقع ہوئے ہیں چشم فلک نے حدیثِ رسول کے ساتھ اتنی دلیری، جہالت اور تحریفی کرشمے کی مثالیں کم ہی دیکھی ہوں گی اور اس جہالت وخیانت، بددیانتی اور بے ایمانی کے باوجود کسی کو شوق ہوتا ہے کہ وہ ''رسول اکرم کی نماز'' نامی کتاب لکھے اور صادق صاحب جیسے لوگوں کو شوق ہوتا ہے ''صلوٰۃ الرسول'' نامی کتاب لکھیں ''بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔'' [1]

قارئین مذکورہ تفصیل ملاحظہ کر لینے کے بعد عدل وانصاف کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان نازیبا اور اخلاق سے عاری کلمات کے مستحق مولانا صادق صاحب ہیں یا کہ محمد ابوبکر غازی پوری صاحب۔

شاید کہ غازی پوری صاحب کے والدین نے ان کا نام محمد اس لیے رکھا ہو کہ ہمارا بیٹا محمد ﷺ کے اخلاق کو اپنانے کی کوشش کرے گا مگر محسوس ہوتا ہے کہ ان کی یہ خواہش وتمنا پوری نہیں ہوئی۔

[1] ان الفاظ کے علاوہ موصوف نے دیگر مقامات پر بھی نازیبا اور اخلاق سے گرے ہوئے کلمات کا استعمال کیا ہے مثلاً صفحہ:(۲۰) میں لکھا ہے ''اب صادق صاحب کی عقل ملاحظہ فرمایئے اور صفحہ(۳۵) میں کہا ہے:'' صادق صاحب کی بے حیائی کا عالم یہ ہے''۔

ان بیچارے غازی پوری صاحب کو بھی شوق کودا کہ میں بھی کسی کا ردّ لکھوں اگر انھیں واقعۃً ردّ لکھنے کا شوق ہے تو سب سے پہلے اپنے مذہب کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں اور پھر سلیقے سے حدیث پڑھیں تو پھر شاید صحیح ردّ لکھنے کے قابل ہو جائیں۔

غازی پوری کا حنفی مذہب پر افترا:

موصوف نے صرف مولانا صادق صاحب پر ہی زیادتی نہیں کی بلکہ انھوں نے اپنے حنفی مذہب پر بھی افتراء کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

''چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کو ہر زمانہ میں کچھ مؤخر کر کے پڑھنا چاہیے، سایہ ڈھلتے ہی ظہر کی نماز کا پڑھنا مناسب نہیں ہے اور اسی پر احناف کا عمل ہے۔'' (صفحہ:۳۴)۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم موصوف سے پوچھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ظہر کو ہر زمانہ میں کچھ مؤخر کر کے پڑھنا چاہیے ظہر کو آپ جب آدمی کے سایہ کے برابر ہو جانے پر پڑھیں گے تو وہ کچھ مؤخر نہ ہوگی بلکہ بہت زیادہ مؤخر ہوگی، مؤخر نہیں بلکہ بعد از وقت پڑھی جائے گی کیونکہ آدمی کا سایہ جب اس کے قد کے برابر ہو جائے گا تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہو جائے گا جیسا کہ تفصیل سے ذکر ہوا، لہٰذا موصوف کی یہ بات سراسر غلط ہے۔

اور حنفی مذہب پر موصوف نے افتراء یوں کیا کہ کہہ دیا اسی پر احناف کا عمل ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ احناف ظہر کو اس کے وقت کے نکل جانے کے بعد ادا کرتے ہیں۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اب احناف بھائیوں کو چاہیے کہ وہ غازی پوری صاحب کے اس اتہام وافترا پر ان کی خبر لیں۔

موصوف نے مولانا صادق صاحب کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے کے بعد یہ کہا ہے:

''میں دنیائے غیر مقلدیت سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ میں امانت و دیانت ہے تو صادق صاحب کے مطلب و معنی کو اس حدیثِ پاک کے الفاظ کی روشنی میں صحیح ثابت کریں ورنہ اعلان کریں کہ صادق صاحب نے حدیثِ رسول پاک کا معنی و مطلب بیان کرنے اور اس کا ترجمہ کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کا پروگرام بنایا ہے۔'' (صفحہ:۳۵)۔

قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ہم دلائل سے مولانا صادق صاحب کے ترجمہ و مطلب کو صحیح اور غازی پوری صاحب کے ترجمہ و مطلب کو غلط و باطل ثابت کر چکے ہیں لہٰذا ہم دنیائے مقلدیت دیوبندیت سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر آپ لوگ ان کے بیان کردہ ترجمہ و مطلب سے موافق ہیں تو اس ترجمہ و مطلب کو دلائل کی روشنی میں صحیح ثابت کریں اگر آپ

موافق نہیں ہیں۔ ظاہر ہے موافق نہیں ہوں گے۔ تو پھر یہ اعلان کریں کہ غازی پوری صاحب نے نہ صرف یہ کہ حدیثِ رسول ﷺ کے ترجمہ و مطلب بیان کرنے میں خیانت اور مولانا صادق صاحب پر ہی زیادتی کی ہے بلکہ انھوں نے احناف پر بھی افتراء کیا ہے اور عوام الناس کو دھوکہ دینے کی مذموم سعی کی ہے لہٰذا آج سے ہمارا اس خائن، مفتری اور دھوکے باز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی اعلان میں آپ لوگوں کے لیے خیر اور فائدہ ہے ورنہ غازی پوری صاحب آپ سب کی ذلت و ندامت کا سبب بنتے رہیں گے۔

⑫ موصوف نے (صفحہ:۳۸) میں لکھا ہے کہ "صادق صاحب فرماتے ہیں: اور نیت کا زبان سے ادا کرنا نہ ہی رسولِ پاک کی سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے۔"

اور صادق صاحب اس مسئلہ کو ایسا بیان کر رہے ہیں جیسے زبان سے نیت نہ کرنے پر ان کے پاس کوئی صریح دلیل ہے ابن قیم اور ابن تیمیہ کی تقلید کی ہے ورنہ آنحضور اکرم ﷺ سے ایسی کوئی بات قطعاً ثابت نہیں ہے جس سے زبان سے نیت نہ کرنے پر استدلال کیا جا سکے...... اور یہ اصلاً محمود اَمر ہے اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں......"۔

یہ ہے موصوف کا کلام جس سے ان کے مبلغ علم کا خوب پتہ چلتا ہے۔

غازی پوری صاحب نے جو کچھ کہا اس پر ہم طویل کلام نہیں کرنا چاہتے کیونکہ خلاف توقع کتاب پہلے ہی بہت طویل ہو چکی ہے لہٰذا اختصار کے پیش نظر درج ذیل باتوں پر اکتفاء کرتے ہیں:

① موصوف کے اس کلام سے کہ "صادق صاحب اس مسئلہ کو ایسا بیان کر رہے ہیں جیسے زبان سے نیت نہ کرنے پر ان کے پاس کوئی صریح دلیل ہے ورنہ آنحضور اکرم ﷺ سے ایسی کوئی بات قطعاً ثابت نہیں ہے جس سے زبان سے نیت نہ کرنے پر استدلال کیا جا سکے" پتہ چلتا ہے کہ ان کو یہ اعتراف ہے کہ نیت کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے۔

غازی پوری صاحب جیسے رسول اللہ ﷺ سے نیت کرنے کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے اگر ہے تو لاؤ صرف امام ابوحنیفہ ہی نہیں بلکہ اَئمہ اَربعہ سے بھی یہ ثابت نہیں جیسا کہ ابن نجیم نے "الأشباه و النظائر" (صفحہ:۵۰) میں ابن امیر حاج سے نقل کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

" إنه لم ينقل عن الأئمة الأربعة "۔

"یہ اَئمہ اربعہ سے منقول نہیں۔"

② غازی پوری صاحب اگر ہر وہ کام جس کے نہ کرنے پر رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہ ہو اس کا کرنا جائز اور محمود

اُمر ہے تو پھر کئی ایسے کام ہیں جن کا آپ کے علماء نے انکار کیا ہے اب آپ ہی بتائیں کہ ان کا انکار کرنا درست ہے یا کہ آپ کا ان کو جائز اور محمود امر کہنا۔ اب ہم آپ کے سامنے اس کی چند مثالیں رکھتے ہیں:

ا۔ نماز جنازہ کے بعد بریلوی حضرات دعا کرتے ہیں جب کہ آپ کے کئی علماء وفقہاء نے اس کا انکار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے مولانا سرفراز گکھڑوی صاحب کی کتاب ''راہ سنت'' (صفحہ:۲۰۵ و مابعدھا) ملاحظہ کریں۔

اب آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا اس دعا کے نہ مانگنے پر رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث ثابت ہے۔ بیّنوا توجروا۔

ب۔ آپ کے کئی علماء نے جن میں مولانا انور شاہ کاشمیری اور مفتی شفیع بھی ہیں انھوں نے نماز کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا انکار کیا ہے بلکہ مولوی حکیم عماد الدین دیوبندی نے ''التحقیق الحسن فی نفي الدعاء الاجتماعي بعد الفرائض والسنن'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح بعض دیگر دیوبندی علماء نے بھی اس کے ردّ میں لکھا ہے تو کیا اس کے انکار پر رسول اللہ ﷺ سے کوئی خاص حدیث ثابت ہے یا امام صاحب سے کوئی ایسی صراحت ملتی ہے۔ بیّنووا توجروا۔

ج۔ اس کتاب کے (صفحہ:۳۴) میں ذکر ہوا کہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے بدعت ضلالت کی مثال دیتے ہوئے بشر بن مروان کے فعل کا ذکر کیا ہے کہ اس نے خطبہ جمعہ کی دعا میں ہاتھ اٹھائے، مطلب یہ ہوا کہ خطبہ جمعہ کی دعا میں ہاتھ اٹھانا لکھنوی صاحب کے نزدیک بدعت ضلالت ہے۔

غازی پوری صاحب اس فعل کی ممانعت یا اس کے بدعت ہونے پر کوئی خاص حدیث ہے۔

اسی طرح حنفیہ نے کہا ہے کہ جب خطیب خطبہ جمعہ میں دعا کرے تو لوگوں کے لیے ہاتھ اٹھانا اور اونچی آواز سے آمین کہنا جائز نہیں اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو صحیح قول کے مطابق وہ گنہگار ہوں گے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا (صفحہ:۳۳) ملاحظہ کریں۔

غازی پوری صاحب کیا خطبہ جمعہ کی دعا میں خطیب اور سامعین کے لیے ہاتھ اٹھانے کی ممانعت یا سامعین کے لیے بلند آواز سے آمین کہنے کی ممانعت پر کوئی خاص دلیل ہے اگر ہے تو پیش کرو۔ أفیدونا أفادکم الله۔

د۔ غازی پوری صاحب! آپ حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو بعد از سلام مسنون ہے لیکن اگر کوئی سجدہ سہو قبل از سلام کر لیتا ہے تو کیا اسے بعد از سلام اعادہ کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟ سنیے اس کے بارے میں کاسانی کیا کہتے ہیں:

'' ولو أمرناه بالإعادة كان تكراراً، و أنّه بدعة، و ترك السنّة أولى من فعل البدعة۔

والله تعالىٰ أعلم ۔'' (بدائع الصنائع ۱/۱۷۴)۔

'' اگر ہم اسے اعادہ کا حکم دیتے ہیں تو یہ تکرار اور بدعت ہوگا اور سنت کو ترک کر دینا بدعت کے کرنے سے

بہتر ہے۔ واللہ أعلم۔"

غازی پوری صاحب کیا اعادہ کی ممانعت یا اس کے بدعت ہونے پر کوئی خاص ممانعت آئی ہے۔ بینوا توجروا۔

۹۔ غازی پوری صاحب آپ کے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ سہو کرنے سے قبل دونوں طرف سلام پھیرے یا کہ ایک طرف ہی سلام پھیر کر کرے۔

صاحب "ہدایہ" نے دونوں طرف سلام پھیرنے کو صحیح قرار دیا ہے اور آپ کے صدر الاسلام نے ایک طرف سلام پھیرنے کے قائل کو بدعتی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: الهداية مع شرحه فتح القدير والعناية (۱/۱ ۰ ۵)۔

غازی پوری صاحب اس عمل کے بدعت ہونے پر اگر کوئی خاص دلیل ہے تو لائیں اور اپنے فقہاء کو مستفید کریں جو اس کے قائل ہیں۔

۱۰۔ غازی پوری صاحب ہم دوسری مثالوں کو چھوڑ کر زبان سے نیت ہی کے مسئلے کی طرف آتے ہیں اور اس کے بارے میں آپ کو بعض حنفی مشائخ کا فتویٰ سناتے ہیں۔

علامہ ابن أبی العزّ لکھتے ہیں:

" قال في " المفيد" : كره بعض مشايخنا النطق باللسان، لأن النيّة علم القلب والله تعالیٰ۔ مطلع على ما في الضمائر، فلا حاجة إلى الإفصاح باللسان۔"

"(أبو المفاخر الکردری نے) " المفید" [1] میں کہا ہے: ہمارے بعض مشائخ نے زبان سے نیت کرنے کو مکروہ جانا ہے [2] کیونکہ نیت دل کا علم ہے ضمائر میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے لہٰذا زبان سے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

ابن أبی العزّ ان کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" وهذا هو الصحيح، فإن قول القائل: نويت صلاة كذا، و كذا من نوع العبث من وجوه: أحدهما: أنه لم ينقل۔

الثاني: أنّه إمّا أن يريد به الإنشاء، أو الإخبار، وكل منهما باطل۔

أمّا الإنشاء فلأنّ الصلاة ليست من باب العقود التي يثبت حكمها بالإنشاء۔

---

[1] اس کا پورا نام "المفيد والمزيد" ہے اور یہ مؤلف کے شیخ أبو الفضل الکرمانی کی کتاب "التجريد" کی شرح ہے۔ مؤلف جن کا نام "عبد الغفور بن لقمان" ہے یہ اپنے وقت میں حنفیہ کے امام تھے اور ان کی وفات (۵۶۲ھ) میں ہوئی۔ منقول از حاشیہ "التنبیه علی مشکلات الهدایه (۱/۵۰۹)"۔

[2] "المفید" کے حوالے سے یہاں تک یہ قول ابن نجیم نے بھی "الأشباه والنظائر" (صفحہ: ۵۰) میں ذکر کیا ہے۔

و أمّا الإخبار، فكذلك ـأيضًاـ لأنّه إمّا أن يريد إخبار نفسه، أو ربّه، أو الكرام الكاتبين، و كل منها لا يصح الخ" (التنبيه على مشكلات الهدايه:١/٥٠٩).

"یہی صحیح ہے کیونکہ کہنے والے کا یہ کہنا کہ میں نے فلاں فلاں نماز کی نیت کی یہ کئی اعتبار سے لغو کی قسم میں سے ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ یہ منقول نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی اس بات سے یا تو اِنشاء کا ارادہ کرے گا یا اِخبار کا، اور یہ دونوں ہی باطل ہیں۔ انشاء اس لیے باطل ہے کہ نماز کا تعلق ان عقود سے نہیں جن کا حکم اِنشاء سے ثابت ہوتا ہے۔ [1]

اور اِخبار (خبر دینا) کا حکم بھی اسی طرح ہے کیونکہ وہ یا تو خود کو، یا اپنے رب کو اور یا کرام الکاتبین کو خبر دینا چاہتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔" [2]

---

[1] عقود سے مراد نکاح شادی اور خرید وفروخت وغیرہ ہے اور اِنشاء سے یہاں مراد یہ ہے کہ آدمی کہے کہ میں نے فلاں چیز تجھے فروخت کردی یا فلاں چیز تجھ سے خرید لی۔ میں نے فلاں عورت کا تجھ سے نکاح کردیا وہ جواب میں کہے کہ میں نے یہ نکاح قبول کرلیا وغیرہ وغیرہ۔

[2] علامہ ابن ابی العزّ نے اپنے اس کلام کے بعد ایک سوال اٹھایا ہے جو یہ ہے:" فإن قيل: هذا بمنزلة قوله:: " وجهت وجهي" إلى آخره فالجواب من وجهين:

أحدهما : أن هذا ورد به الشرع، و هذا لم يرد به......الخ

"اگر یہ کہا جائے کہ یہ (زبان سے نیت) "وجهت وجهي" کہنے کی طرح ہے تو اس کا دو طرح سے جواب ہے۔

ایک یہ کہ اس کے بارے میں تو شرع وارد ہوئی ہے یعنی حدیث میں اس کا ثبوت ہے اور اس (زبان سے نیت) کے بارے میں شرع وارد نہیں ہوئی۔" یعنی قرآن وسنت میں اسکا کوئی ثبوت نہیں۔

قلت: یہ درست ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں اس کا ذکر ہے اور اس حدیث کے بعض راویوں نے اس کو یوں ذکر کیا ہے:"كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلاة قال: وجهت وجهي" رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو "وجهت وجهي" پڑھتے۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم (حدیث:۷۷۱)، كتاب صلاة المسافرين، باب "صلوٰة النبي صلى الله عليه وسلم و دعائه بالليل" اور ترمذی (حدیث:۳۴۲۱، ۳۴۲۲) كتاب الدعوات، باب "ما جاء في الدعاء عند افتتاح الصلاة بالليل۔"

جبکہ دوسرے راویوں نے اس دعاء کو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھنے کا ذکر کیا ہے چنانچہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:" كان اذا استفتح الصلاة كبر، ثم قال: وجهت وجهي" جب آپ نماز شروع کرتے، تکبیر کہتے پھر "وجهت وجهي" پڑھتے۔ یہ روایت صحیح مسلم، ابوداؤد (۷۶۰)، نسائی (۲/۱۳۰) صحیح ابن خزیمہ (۴۶۲) اور صحیح ابن حبان (۳/۱۳۲/۱۷۷۰) میں ہے۔ ←

غازی پوری صاحب آپ کے جن مشائخ نے زبان سے نیت کو مکروہ کہا ہے، کیا انھوں نے بھی یہ بات ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تقلید میں کہی ہے؟

ہرگز ایسے نہیں کیونکہ یہ مشائخ تو ابن تیمیہ اور ابن قیم سے پہلے کے ہیں کیونکہ کردری جنھوں نے مشائخ سے یہ نقل کیا ہے۔ ان کی وفات (۵۶۲ھ) میں ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے (۵۶۰ھ) میں ہوئی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم ان سے بہت بعد کے ہیں کیونکہ شیخ الاسلام کا سن وفات (۷۲۸ھ) اور ابن قیم کا سن وفات (۷۵۱ھ) ہے۔

ابن نجیم نے کہا ہے:

"قال ابن أمير حاج: إنّه لم ينقل عن الأئمة الأربعة" الأشباه والنظائر۔" (صفحہ:۵۰)۔

''ابن اُمیر حاج نے کہا ہے کہ یہ (زبان سے نیت) أئمہ أربعہ سے منقول نہیں۔''

ان کا یہ قول (صفحہ:۳۷۲) میں بھی گزر چکا ہے۔ کیا انھوں نے بھی یہ بات ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تقلید کرتے ہوئے کہی ہے؟

امام ابن ہمام نے کہا ہے کہ بعض حفاظِ حدیث نے کہا ہے کہ کسی صحیح یا ضعیف سند سے رسول اللہ ﷺ سے زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں اور نہ ہی صحابہ اور تابعین سے یہ ثابت ہے اور یہ بدعت ہے ۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر (۲۶۶/۱۔۲۶۷)۔

امام ابن ہمام نے اپنا یہ کلام۔ جس کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ صاحب ''ہدایہ'' کے اس قول۔ "و يحسن ذلك

➡ امام نسائی نے اس کو اس باب کے تحت ''نوع آخر من الذكر والدعاء بين التكبير والقراءة" ذکر کیا ہے امام ابن خزیمہ نے اس پر یہ باب قائم کیا ہے:"باب ذكر الدعاء بين تكبيرة الافتتاح، و بين القراءة"اور حافظ ابن حبان نے اس پر یوں باب باندھا ہے:"ذكر البيان بأن المصطفى۔ ﷺ۔ كان يدعو بما وصفنا بعد التكبير لا قبل" یعنی ان سب أئمہ نے اس کو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانے والی دعا شمار کیا ہے اور اس کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:" و يقول حين يفتتح بعد التكبيرة: وجهت وجهي" یعنی آپ تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھتے اور یہ روایت ترمذی (۳۴۲۳) میں ہے۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ دعا تکبیر کے بعد پڑھی جائے نہ کہ تکبیر سے پہلے اور اس کی تائید حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے۔ مذکورہ حدیث "وجهت وجهی" کے بعد "إنّ صلاتی ونسكی......" کا ذکر بھی ہے اور حدیثِ جابر میں ہے:" كان النبي ﷺ اذا استفتح الصلاة كبر، ثم قال: إنّ صلاتي ونسكي......" یعنی نبی ﷺ تکبیر کے بعد "إنّ صلاتی......" پڑھتے اس حدیث کو نسائی (۱۲۹/۲) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ یہ دعا تکبیر کے بعد پڑھی جائے گی نہ کہ تکبیر سے پہلے ، علامہ شوکانی حدیثِ علی رضی اللہ عنہ کی روایت "كبر ثم قال" ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:" و هذا تصريح بأن هذا التوجه بعد التكبير لا ......" یہ صراحت ہے کہ یہ دعا تکبیر کے بعد ہے نہ کہ......'' نیل الاوطار:۱۹۲/۲)۔

لا جتماع عزیمته" یعنی زبان کے ساتھ نیت کرنا اس لیے بہتر ہے کہ زبان اور دل ایک ہو جائیں۔ کو ذکر کرنے کے بعد کیا ہے، کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ اصلاً محمود امر ہے۔ لہٰذا میں یہ بات نہ کہوں، اور انھوں نے یہ کلام علامہ ابن قیم (اگر چہ ان کا نام نہیں لیا) سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ انہی کا کلام ہے ملاحظہ ہو۔ زاد المعاد (۱/۲۰۱)۔

غازی پوری صاحب اب آپ اپنے امام ابن ہمام کے بارے میں کیا کہیں گے کہ انھوں نے بھی ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تقلید کی ہے۔

غازی پوری صاحب! اگر آپ کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم سے عداوت برائے عداوت ہے تو کم از کم اپنے ان مشائخ اور ائمہ کے اقوال کی روشنی میں اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اسی طرح زبان سے نیت کے علاوہ دیگر بعض جن مسائل کے بارے میں آپ کے ائمہ کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں اگر ان کو بھی پیش نظر رکھیں تو اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے آپ کے لیے مزید آسانی ہو جائے گی۔

اس کے باوجود بھی اگر یہ مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو پھر آپ کو کتاب و سنت کے دلائل اور کبار ائمہ کے اقوال کی روشنی میں بڑی وضاحت سے یہ سمجھا دیا جائے گا کہ جس کو آپ اصلاً محمود امر کہہ رہے ہیں وہ اصلاً محمود امر نہیں بلکہ مذموم و مردود امر ہے۔

غازی پوری صاحب شاید کہ بعد میں تفصیل کا موقع نہ ملے لہٰذا فی الوقت ہم یہاں آپ کے علامہ عینی اور مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے شرعی بدعت کی جو تعریف کی ہے اس کا ذکر دیتے ہیں:

(۱) علامہ عینی بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والبدعة في الأصل إحداث أمر لم يكن في زمن رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔"

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري:۸/۲۴۵ . المكتبة التجارية).

علامہ عینی کی اس تعریف کا ترجمہ گکھڑوی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے: "بدعت اصل میں ایسی نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی۔" (راہ سنت، :۷۷)۔

(۲) مولانا عثمانی صاحب بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لھا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔" (تفسیری حاشیہ بر ترجمہ شیخ الہند (صفحہ:۷۱۸) سورہ حدید، آیت:۲۷، حاشیہ:۱۰)۔

اسی طرح دیگر متعدد حنفی علماء سے بھی اس سے ملتی جلتی تعریف منقول ہے تفصیل کے لیے صفدر صاحب گکھڑوی کی کتاب "راہ سنت" (صفحہ:۷۷، و ما بعدھا) دیکھی جائے۔

غازی پوری صاحب اب آپ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر خود فیصلہ کریں کہ بدعت کی مذکورہ تعریف کے مطابق زبان سے نیت کرنا محمود امر ہے یا کہ مذموم اُمر۔

واضح رہے کہ بعض علماء نے بدعت کی جو مختلف قسمیں ذکر کی ہیں ان پر کوئی دلیل نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"کل محدثة بدعة، و کل بدعة ضلالة" ہرنئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" [1]

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:"کل بدعة ضلالة، و إن راها الناس حسنة" ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے نیکی ہی تصور کریں۔" [2]

رہا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا باجماعت نماز تراویح کے بارے میں یہ کہنا "نعم البدعة هذه" یہ اچھی بدعت ہے۔ [3] تو اس سے مراد لغوی بدعت ہے شرعی بدعت نہیں کیونکہ شریعت میں اس کی اصل موجود ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تین رات نماز تراویح پڑھائی نیز آپ نے امام کے ساتھ قیام کرنے کی ترغیب بھی دی ہے جیسا کہ ابوداود (۱۳۷۵) وغیرہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

غازی پوری صاحب بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ آپ نے مولانا صادق رحمہ اللہ کے بارے میں تو یہ کہہ دیا کہ ان کو یہ بھی نہیں پتہ کہ ان کے علماء نے کیا لکھا ہے مگر آپ کا حال یہ ہے کہ آپ نہ صرف اپنے کبار اُئمہ کے اُقوال سے نابلد ہیں بلکہ اپنے مذہب کے اُصول و فروع سے بھی ناآشنا ہیں جیسا کہ مذکورہ مسائل اور آئندہ آنے والے مسائل سے بھی پتہ چلتا ہے، دوسروں کے بارے میں "هذا مبلغهم من العلم" کہہ دینا بڑا آسان ہوتا ہے مگر اپنے علم کو ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

⑬ غازی پوری صاحب لکھتے ہیں:" صادق صاحب فرماتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں۔" (صفحہ:۱۹۰)۔

اور اس کی دلیل جو حدیث پیش کی ہے وہ یہ ہے:"صلو کما رأیتمونی أصلي" یعنی اس طرح نماز پڑھو جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں۔"

اب صادق صاحب سے کوئی پوچھے کہ آنحضور یہ مردوں سے فرما رہے ہیں کہ عورتوں سے "صلّوا" کے مخاطب مرد ہیں کہ عورتیں تو پھر اس مردوں والے خطاب میں عورتوں کو شامل کرنا کہاں سے جائز ہے۔ (صفحہ:۴۰)۔

---

[1] یہ حدیثِ جابر اور حدیثِ عرباض میں ہے حدیثِ جابر کو مسلم (۶/۱۵۳) اور نسائی (۳/۱۸۸۔۱۸۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حدیثِ عرباض کو اُبوداود (۴۶۰۷) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو مروزی نے "السنّة" (۸۲) میں اور لالکائی وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

[3] اسے بخاری (۲۰۱۰) نے روایت کیا ہے۔

یہ ہے غازی پوری صاحب کا کلام جس سے شاید قارئین یہ سمجھیں کہ موصوف بڑی ناقدانہ بصیرت کے مالک ہیں جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ یہ کلام موصوف کی جہالت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے پتہ چلے گا۔

1. غازی پوری صاحب ''صلّوا'' کے مخاطب اگر صرف مرد ہیں تو مثال کے طور پر درج ذیل الفاظ کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے:

ا۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ (البقرة:٢١).
''اے لوگوں اپنے رب کی عبادت کرو۔''
غازی پوری صاحب کیا عبادت کے اس حکم میں عورتیں بھی شامل ہیں یا کہ عبادت کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں۔

ب۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا:
﴿وَ أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكَاةَ﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو۔''
تو کیا اقامتِ نماز اور اداءِ زکوٰۃ کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے اگر کوئی عورت مالدار ہے تو کیا وہ نہ نماز پڑھے گی اور نہ ہی زکاۃ ادا کرے گی۔ [1]

ج۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾(الاسراء:٣١).
''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہیں کرو۔''
تو کیا یہ ممانعت صرف مردوں کے لیے ہے عورتیں اس میں شامل نہیں۔

د۔ مذکورہ آیت کے بعد اللہ عزوجل فرماتا ہے﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى﴾''اور زنا کے قریب نہیں جاوَ۔''
تو کیا اس ممانعت کا تعلق صرف مردوں سے ہے اور عورتیں اس میں داخل نہیں ہیں۔

ھ۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة:١٨٣).
''اے ایمان والوں تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔''
''آمنوا''اور''علیکم'' یہ دونوں صیغے (الفاظ) مذکر کے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورتیں اس حکم میں شامل

---

[1] امام ابن حزم لکھتے ہیں:'' و لا خلاف بين أحد من المسلمين قاطبة في أنهن مخاطبات بقوله تعالى﴿وَ أَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ﴾ ، و ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ و ﴿وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا﴾ إلى آخر كلامه۔ (انظر الإحكام:٣/٨٢) یعنی تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ان فرامین کی مخاطب عورتیں بھی ہیں۔''

نہیں ہیں لہٰذا ان پر روزہ فرض نہیں۔

غازی صاحب آپ نے کیسی بے تکی بات کہہ دی ہے اللہ عزوجل آپ کو ہدایت دے شریعت کے اُکثر اُوامر اور نواہی میں مخاطب مرد ہی ہیں۔ عورتوں سے استقلالاً خطاب بہت کم ہے آیئے اب قرآن مجید سے ایک ایسی مثال سنیے جس میں خطاب تو مذکر کے صیغے سے ہے کو لیکن اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ (البقرة:۱۷۸)۔

''اے ایمان والو تم پر مقتولین کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔''

یہاں بھی مذکورہ آیت کی طرح ''آمنوا'' اور ''علیکم'' مذکر کے صیغے ہیں تو کیا اس کے معنے یہ ہوئے کہ قصاص کا تعلق صرف مردوں سے ہے اگر کوئی عورت کسی عورت یا مرد کو قتل کردے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ اللہ عزوجل نے ﴿علیکم﴾ فرمایا ہے۔ ''علیکم و علیکن'' نہیں فرمایا آیئے اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا وہ سنیے:

﴿ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى﴾ ۔

''آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے۔''

اس قسم کی مثالیں بہت دی جاسکتی ہیں لیکن امید ہے غازی پوری صاحب کے سمجھنے کے لیے یہ چند مثالیں ہی کافی ہوں گی۔ العاقل تکفیه الإشارة''۔

۲ غازی پوری صاحب جیسے اپنے مذہب کی فروع سے نابلد ہیں اسی طرح اپنے مذہب کے اصول سے بھی ناآشنا ہیں جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے آپ کو معلوم ہوگا۔ [1]

علماء اُصول میں ''کلو واشربوا'' اس قسم کے جو اُمر کے صیغے (الفاظ) ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ عورتیں بھی ان میں شامل ہیں یا کہ نہیں؟

اُکثر حنابلہ اور امام ابن حزم وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ عورتیں ان میں داخل ہیں اسی طرح اُکثر علماء حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے [2] امام ابن ہمام اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] ان کے اپنے مذہب کے اصول وفروع سے ناآشنا ہونے کی چند مثالیں پہلے بھی گزر چکی ہیں ملاحظہ ہوں درج ذیل صفحات: ۳۲۳، ۳۴۹، ۳۶۳۔ وما بعدها، ۳۷۲)۔

[2] میں نے اکثر علماء حنفیہ کہا ہے جبکہ امام ابن ہمام اور سرخسی کے آنے والے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ تمام حنفیہ کا یہی مذہب ہے مگر اُکثر حنفیہ کہنا ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ بعض کے نزدیک عورتیں ان میں داخل نہیں۔

تنبیہ= آمدی اور ابن قدامہ وغیرہ اسی طرح بعض معاصر محققین نے بھی جو اُکثر حنفیہ کا مذہب ہے اس کو بعض حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ درست نہیں جیسا کہ میں نے ''روضة الناظر'' لابن قدامہ کی شرح میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

" و حينئذ ترجح الحنابلة، و هو قول الحنفية۔"(التحرير :۱/۲۳۴. تيسير التحرير) ۔
یعنی اس مسئلہ میں حنابلہ کا قول راجح ہے اور حنفیہ کا بھی یہی قول ہے۔
اور اس سے قبل امام ابن ہمام حنابلہ کے مذہب کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
" و يدلّ عليه أي على كونه للمشترك المعنوی" "شمول الاحكام المعلّقة بالصيغة"۔
''امیر بادشاہ ان کے اس کلام کے بعد شرح کے طور پر لکھتے ہیں:
" لهنّ ۔أيضًا۔ كوجوب الصلاة، والزكاة والصيام إلى غير ذلك۔"
(تيسير التحرير :۱/۲۳۲) .
یعنی حنابلہ کے مذہب پر کہ یہ صیغہ مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ اس صیغے سے متعلق جو احکام ہیں وہ عام ہیں۔ امیر بادشاہ ان کے اس کلام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:'' وہ احکام عورتوں کے لیے بھی ہیں جیسا کہ نماز، زکاۃ اور روزہ وغیرہ کا وجوب۔''
علامہ سرخسی لکھتے ہیں:
" فالمذهب عندنا أنّه يتناول الذكور، و الإناث جميعاً عند الاختلاط، و لا يتناول الإناث المفردات۔" (أصول السرخسي:۱/۲۳٤)۔
''سو ہمارا مذہب یہ ہے کہ یہ (خطاب) مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے مگر صرف عورتوں کو شامل نہیں ہے۔''
یعنی جب جمع مذکر کا صیغہ استعمال ہوگا تو اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوگا کہ اس سے مراد صرف عورتیں ہوں اور مرد ان کے ساتھ شامل نہ ہوں۔

⑭ قارئین آپ کو یاد ہوگا کہ اس فصل کے شروع میں ہم نے یہ کہا تھا کہ اس فصل میں سب سے پہلے ہم مقلد غازی پوری کی خیانتوں کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان کی بعض باتوں کا جائزہ لیں گے اور اب تک ان کی جتنی باتوں کا جائزہ لیا جا چکا ہے یہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا مگر کیا کیا جائے غازی پوری صاحب کی جہالتوں اور بے جا اعتراضات کو دیکھ کر طبیعت مزید لکھنے پر مجبور کرتی ہے بہر حال اب درج ذیل مزید دو باتوں کا جائزہ لے کر اس فصل کو ختم کریں گے اور اسی فصل پر یہ کتاب بھی اپنے اختتام کو پہنچے گی۔
مولانا صادق ﷫ نے "اقرأ بها في نفسك" کا ترجمہ یوں کیا ہے:''پڑھ تو اس کو آہستہ۔''
غازی پوری صاحب کو اس ترجمے پر بھی اعتراض ہے چنانچہ اس جملے کا ترجمہ یوں '' اپنے جی میں پڑھ لیا کرو۔'' کرنے کے بعد لکھتے ہیں:'' لیکن صادق صاحب نے اپنی طبیعت سے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ''تم آہستہ پڑھ لیا کرو'' ہم

آپ کہتے ہیں کہ اس کی بات سن کر میں نے اپنے جی میں کہا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آہستہ سے کہا؟ جی میں کہنا اور ہے اور آہستہ سے کہنا اور ہے اسی طرح جی میں پڑھنا اور ہے اور آہستہ سے کہنا اور ہے دونوں کو ایک قرار دینا صاحب علم کا کام نہیں ہے۔ (۱) ۔ (صفحہ:۴۱)۔

ہم غازی صاحب کے اس کلام پر زیادہ تبصرہ نہیں کرنا چاہتے بس اتنا کہیں گے کہ مولانا صادق صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے آپ کے علماء نے بھی اس کا یہی ترجمہ کیا ہے چنانچہ ملاعلی قاری ''اقرأ بها في نفسك'' کی شرح میں لکھتے ہیں: ''سراً غير جهر'' (المرقاة: ٢/٥٤٩) ''جہراً نہیں سراً پڑھ لیا کرو'' یعنی آہستہ سے۔

سہارنپوری صاحب نے بھی اس کے یہی معنے کیے ہیں، ملاحظہ ہو ''بذل المجهود'' (۵/۳۹)۔ اور ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں: ''و قوله ''في نفسك'' أي سرًّا۔'' (حاشية النسائي: ٢/١٣٦) اس کے بھی وہی معنے ہیں۔

شیخ عبدالحق دہلوی ''أشعة اللمعات'' میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''بخوانى فاتحه راپس امام نيز أما آهسته چنانچه بشنوائى خودرا۔''

(منقول از مرعاة المفاتيح: ۳/۱۱۳).

اسی طرح آپ کی ''الكفاية'' میں ہے کہ خطیب جب خطبہ میں ﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب:٥٦) کی تلاوت کرے تو سامع آہستہ سے درود وسلام پڑھے چنانچہ الفاظ یہ ہیں:

''فيصلّي السامع في نفسه أي فيصلي بلسانه خفيًّا۔'' (منقول از تحفة الاحوذی: ۲/۲۴۳)۔

''پس سامع اپنے جی میں درود پڑھے یعنی اپنی زبان کے ساتھ آہستہ سے درود پڑھے۔''

یہ تو آپ کے حنفی علماء کی شرح تھی ان کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اس جملے کی یہی شرح کی ہے چنانچہ امام باجی (۲) مالکی لکھتے ہیں:

''والقراء ة في النفس هي بتحريك اللسان بالتكلّم، و إن لم يسمع نفسه سرًّا''

(المنتقى: ١/١٥٧).

یعنی دل میں پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ زبان کے ساتھ سرًا پڑھا جائے اگرچہ خود کو بھی نہ سنائے۔

اس طرح اس کے معنے کے بارے میں امام بیہقی نے ''كتاب القراء ة'' (صفحہ:۳۱۔۳۲) میں اور امام نووی نے

---

(۱) ماشاءاللہ اگر علم ہو تو غازی پوری جیسا، اس رسالے کو دیکھنے سے پہلے ہم نہیں جانتے تھے کہ غازی پوری اس قدر علم میں کمزور ہیں کہ اپنے مذہب کو ہی نہیں جانتے چہ جائیکہ حدیث میں کچھ سوجھ بوجھ رکھتے ہوں بس حد سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

(۲) ان کی کنیت ابو ولید نام سلیمان بن حرب ہے اور یہ اندلس کے ہیں ان کی وفات (۴۷۴ھ) میں ہوئی اور باجی اندلس کے شہر باجہ کی طرف نسبت ہے جو کہ آج کل پرتگال میں واقع ہے۔

شرح مسلم (۱۰۳/۴) میں جو کہا ہے وہ بھی ضرور دیکھیں۔
مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مولانا صادق صاحب کا ترجمہ بالکل صحیح و درست ہے اور غازی پوری کا اعتراض یا تو جہالت یا پھر تعصب و عناد پر مبنی ہے۔(يهديه الله لقبول الحق)۔

⑮ موصوف نے (صفحہ:۴۸) میں لکھا ہے:

صادق صاحب نے اپنی اس کتاب میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو بھی سنت بتلایا ہے فرماتے ہیں "تکبیر اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔"

بھوپالی نواب صاحب سورہ فاتحہ کو واجب اور فرض بتلاتے ہیں اور بلا اس کے نماز کو باطل قرار دیتے ہیں۔(بدور الأهلہ:۱/ ۹۲) فتاویٰ علماء اہل حدیث میں بھی یہی لکھا ہے (۱۸۵/۵)۔

اور غیر مقلدین کے مقتدی و پیشوا ابن قیم فرماتے ہیں کہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے کہ آنحضور ﷺ نے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو اور فرماتے ہیں کہ جنازہ میں مقصودمیت کے لیے دعا کرنا ہوتا ہے نہ کہ قرآن کا پڑھنا۔ زاد المعاد۔"

یہ ہے موصوف کا کلام جس میں موصوف نے قارئین کو دھوکہ دینے کی کوشش بھی کی ہے اور پھر ابن قیم کے کلام میں تحریف بھی کی ہے اب اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

نمبر ا۔ دھوکہ کی تفصیل:

دھوکہ یوں دیا ہے کہ ابن قیم سے صرف یہ نقل کر دیا ہے کہ صحیح سند سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضور ﷺ نے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ اس سے عام قاری تو یہی سمجھے گا کہ نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ہی نہیں اور یہی موصوف کا مقصد ہے کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ ان کے پیشوا ابن قیم نے اعتراف کیا ہے کہ جنازے میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

غازی صاحب ابن قیم کی یہ بات تو آپ نے نقل کر دی لیکن اس سے قبل انھوں نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں جو دو صحیح حدیثیں ذکر کی ہیں کیا وہ آپ کو نظر نہیں آئیں ابن قیم کا یہ کلام تو آپ کو فوراً نظر آ گیا مگر وہ صحیح حدیثیں آپ کی نظر سے کیسے اوجھل ہو گئیں۔ اگر آپ کو اللہ عزوجل کا کچھ خوف ہوتا اور آپ کے اندر تھوری بہت بھی دیانت داری ہوتی تو ان حدیثوں کی طرف اشارہ کر دیتے اور کہتے کہ ان سے فاتحہ پڑھنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا اور وجوب والی جو حدیث ہے اس کے بارے میں ابن قیم نے یہ کہا ہے تو پھر بات قدرے معقول تھی مگر آپ ایسے نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ حدیثیں بھی آپ کے مذہب کے خلاف تھیں اس لیے ان کو ذکر کرنا آسان نہ

تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ نماز جنازہ میں ثناء" سبحانك اللهم"تو پڑھی جائے جس کا نماز جنازہ میں پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ ① مگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے جس کا صحیح احادیث میں ثبوت موجود ہے اب ان اَحادیث کو ملاحظہ کریں جن کو ابن قیم نے اپنے مذکورہ کلام سے قبل ذکر کیا ہے ابن قیم لکھتے ہیں

" وصلى ابن عباس على جنازة ، فقرأ بعد التكبيرة الأولى بفاتحة الكتاب جهراً ، وقال: "لتعلموا أنّها سنة۔

وكذلك قال أبو أمامة بن سهل: إن قراءة الفاتحه في الاولى سنّة"(زاد المعاد:۱/ ۵۰۴)۔

''ابن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد جہراً سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا تاکہ تمھیں علم ہو کہ اس کا پڑھنا سنت ہے۔''

اسی طرح اَبواُمامہ بن سہل بیان کرتے ہیں کہ:''تکبیر اولیٰ میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔'' ②

ان احادیث میں سنت سے مراد طریقہ ہے چنانچہ علامہ قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" سنّة أي طريقة للشارع فلا ينافي كونها واجبة " (إرشاد السارى :۲/ ۴۳۲) ۔

''سنت یعنی شارع کا طریقہ ہے لہٰذا یہ سورہ فاتحہ کے وجوب کے منافی نہیں۔''

---

① امام اَبوداؤد بیان کرتے ہیں کہ امام احمد سے نماز جنازہ میں دعاء استفتاح ''سبحانك اللهم" کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:''ما سمعت"مسائل أحمد لأبى داود(صفحہ:۱۵۳)"میں نے اس کے بارے میں نہیں سنا۔''یعنی کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جس میں اس کی صراحت ہو۔صفحہ(۳۹۴) میں آنے والا الطحاوی کا کلام بھی دیکھیں۔

قلت: حدیث اَبوامامہ بن سہل کے ظاہر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعاء استفتاح نہ پڑھی جائے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:" السنّة في الصلاة على الجنازة أن يقرأ في التكبيرة الأولى بأمّ القرآن مخافتة ثم يكبر" ''نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں آہستہ سے فاتحہ پڑھے پھر تکبیر کہے۔'' اس حدیث میں ثنا وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی کسی دوسری حدیث میں ہے۔اس حدیث کی تخریج اس کے بعد والے حاشیے میں آ رہی ہے۔

② حدیثِ ابن عباس کو بخاری(۱۳۳۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی ایک روایت میں ہے"إنّما جهرت لتعلموا أنّها سنّة" میں نے فاتحہ کو جہراً اس لیے پڑھا ہے کہ تمھیں معلوم ہوا کہ اس کا پڑھنا سنت ہے۔'' یہ روایت مستدرک حاکم(۱/ ۳۵۸) وغیرہ میں ہے اور اس روایت کی سند حسن درجے کی ہے مزید تفصیل کے لیے''القول المقبول" (صفحہ: ۷۰۵،۷۰۶) ملاحظہ ہو۔

اور حدیثِ اَبوامامہ بن سہل کو نسائی(۴/ ۷۵) اور عبدالرزاق (۳/ ۴۸۹۔۴۹۰) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ بھی صحیح حدیث ہے تفصیل کے لیے حوالہ مذکورہ (صفحہ:۷۰۴،۷۱۱)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" لفظ الفطرة، والسنّة في كلامهم هو:الدين والشريعة، و إن كان بعض الناس اصطلحوا على أنّ لفظ " السنّة" يراد بها ما ليس بفرض إذا قد يراد بها ذلك"

(مجموع الفتاوى (۲۲/۵۴۰) و"القواعد النورانية الفقهية" (ص:۶۳، بتخريجي و تعليقي).

" بعض علماء کی اصطلاح میں اگر چہ سنت سے مراد وہ عمل ہوتا ہے جو کہ فرض نہ ہو، کبھی اس سے یہ مراد بھی لیا جاتا ہے لیکن ان کے (سلف کے) کلام میں لفظ "فطرت" اور "سنت" سے مراد دین اور شریعت ہوتی ہے۔"

شیخ الاسلام نے اَحادیث سے مثالیں بھی دی ہیں سنت بمعنی فرض کی ایک مثال اس کتاب کے صفحہ:۳۲۸ میں مذکور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جس کے آخر میں ہے:"كراهية أن يتخذها النّاس سنّة" اور یہاں لفظ "سنت" سے مراد شریعت اور لازمی طریقہ ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر کے حوالے سے مذکورہ مقام پر ذکر ہوا [1] اسی طرح (صفحہ:۳۳۵) میں مذکور علامہ شوکانی کا کلام بھی دیکھیں۔

مولانا صادق صاحب نے سورہ فاتحہ کو اگر سنت کہا ہے اور نواب صاحب وغیرہ نے واجب اور فرض کہا ہے تو اس سے کیا ہو گیا یہ کہنا آپ کو تب زیب دیتا جب آپ لوگوں کے فقہاء کا مسائل میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب نے ایک ہی بات کہی ہوتی جب کہ ہم مثالوں اور دلائل سے آپ لوگوں کے فقہاء کا اختلاف ثابت کر چکے ہیں دیگر مسائل میں ہی اختلاف نہیں بلکہ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں بھی آپ لوگوں میں اختلاف ہے جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

غازی پوری صاحب آپ نے یہ بات بڑے فخر سے کہہ دی کہ غیر مقلدین کے مقتدی و پیشوا ابن قیم فرماتے ہیں: آیئے ہم آپ کو اس زمانے کے حنفیہ کے امام اَبو غدّہ عبد الفتاح اور محمد عوامہ کے شیخ عبد اللہ بن محمد غماری کا فتویٰ سناتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:" فصل: و الفاتحة فرض في صلاة الجنازة۔أيضًا۔ لأنها صلاة في عرف الشرع۔"فصل: اور فاتحہ نمازِ جنازہ میں بھی فرض ہے کیونکہ شرع کے عرف میں یہ بھی نماز ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے اس پر دلائل ذکر کرنے اور مخالفین کے دلائل کا ردّ کرنے کے بعد جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی سنیے۔

" و على هذا، إذا خلت صلاة الجنازة من قراء ة الفاتحه إنّها تكون باطلة، و تجب إعادتها، و لو على القبر، إذا لم يمكن إخراج الميّت"۔

---

[1] اس کے بارے میں امام ابن دقیق العید کا کلام بھی "إحكام الأحكام شرح عمدة الاحكام" (۱/۸۶۔۸۷) میں دیکھا جائے۔

اسی طرح لفظ "سنت" کی اصطلاحی تعریفات کے لیے اس کتاب کا صفحہ (۳۲۳ و مابعدھا) ملاحظہ کریں۔

''نتیجہ یہ ہوا کہ جس نمازِ جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ باطل ہوگی اس کا اعادہ ضروری ہے اگر چہ قبر پر ہی پڑھی جائے جب کہ میت کا نکالنا ممکن نہ ہو۔''

ملاحظہ ہوان کا رسالہ " الأدلة الراجحة علی فرضیة قراء ة الفاتحة (صفحہ: ۲۸، ۳۲)۔

نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنے کے بارے میں حنفیہ کا مذہب:

قارئین آپ نے مذکورہ دو حدیثوں کو۔ حدیث ابن عباس و حدیث ابی اُمامہ کو۔ ملاحظہ کر لیا ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔ [1] اور صحابی جب یہ کہے کہ فلاں کام سنت ہے تو اُکثر علماء کے ہاں اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہوا کرتا ہے۔ [2] حنفیہ میں سے امام ابن ہمام وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ وہ ''کتاب التحریر'' (۶۹/۳) میں لکھتے ہیں:

" و قوله: من السنّة ظاهر عند الأكثر في سنّيته عليه السلام"۔

'' صحابی کا قول (فلاں کام) سنت سے ہے تو اُکثر علماء کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔''

کتاب التحریر کے شارح اُمیر بادشاہ لکھتے ہیں:

"و قال الحافظ العراقی کما قال النووی: الأصح أنّه من التابعين موقوف، و من الصحابي ظاهر في أنّه سنّة النبي ﷺ" (تيسير التحرير :۶۹/۳) ۔

یعنی حافظ عراقی نے نووی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ اگر تابعی کہے تو موقوف حدیث ہوگی [3] اور اگر صحابی کہے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کی سنت ہوگی۔

''کتاب التحریر'' کے دوسرے شارح ابن اُمیر حاج لکھتے ہیں:

---

[1] اس کے بارے میں دیگر اُحادیث بھی ہیں مگر اسنادی اعتبار سے وہ کمزور ہیں ملاحظہ ہو مستدرک حاکم (۳۵۸/۱) اور "القول المقبول" (صفحہ:۷۰۶۔۷۰۷)۔

[2] مرفوع حدیث اسے کہتے ہیں جس میں کسی قول یا فعل کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جائے مثلاً یوں کہا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا۔''

اسی طرح جس میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف میں سے کسی وصف کا ذکر ہو یا جو کام آپ کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اس پر خاموشی اختیار کی، انکار نہیں کیا تو وہ بھی مرفوع حدیث کہلاتی ہے۔

[3] موقوف حدیث اسے کہا جاتا ہے جس میں صحابی کا قول یا فعل مذکور ہو یعنی یوں ہو کہ فلاں صحابی نے یہ کہا ہے یا ان کا یہ عمل ہے۔

" إنّ هذا قول أصحابنا المتقدمين، و به أخذ صاحب "الميزان"، و الشافعية، و جمهور المحدثين " (التقرير والتحبير:۲/۲۶۴).

" یہ ہمارے متقدمین حنفیہ کا قول ہے اور اسی کو صاحب "میزان" شافعیہ اور اُکثر محدثین نے لیا ہے۔"

علامہ عینی لکھتے ہیں:

" قول الصحابي " من السنّة" حكمه حكم المرفوع على القول الصحيح قاله شيخنا زين الدين" (عمدة القارى:۸/۱۴۰) ۔

"صحابی کے قول "من السنّة" کا صحیح قول کے مطابق حکم مرفوع حدیث کا حکم ہوتا ہے یہ بات ہمارے شیخ زین الدین۔حافظ عراقی۔ نے کہی ہے۔"

اب دیکھتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ یا قرآن میں سے کسی اور سورہ کی قراءت ہے یا نہیں۔

امام محمد ،ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اُثر۔جس میں نماز جنازہ میں تکبیر، اللہ تعالیٰ کی حمد، رسول اللہ ﷺ پر درود اور پھر دعا کا ذکر ہے۔کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" و بهذا نأخذ لاقراء ة على الجنازة، و هو قول أبي حنيفة۔"

(موطأ إمام مالك للشيباني صفحه:۱۱۱ دار القلم).

"ہم اسی کو لیں گے کہ نماز جنازہ میں کسی قسم کی قراءت نہیں اور ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔"

اور "بدائع الصنائع" (۱/۳۱۳) میں ہے:

" و لا يقرأ في الصلاة على الجنازة بشيىٔ من القرآن"

"نماز جنازہ میں قرآن میں سے کچھ نہ پڑھا جائے۔"

اس کے بعد انھوں نے امام شافعی کا قول ذکر کیا ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اور پھر ان کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں جو یہ ہیں۔"لا صلوٰة إلا بفاتحة الكتاب...... لا صلوة إلا بقراء ة" [1]

تھوڑا آگے چل کر انھوں نے امام شافعی کے ان دلائل کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

" لا يتناول صلاة الجنازة لأنّها ليست بصلاة حقيقة، إنّما هي دعاء، و استغفار للميّت" ملاحظہ ہو(۱/۳۱۳-۳۱٤)۔

"یہ اُحادیث نماز جنازہ کو شامل نہیں ہیں کیونکہ یہ حقیقت میں نماز نہیں ہے بلکہ یہ میت کے لیے دعاء اور استغفار ہے۔"

---

[1] حدیث" لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب" صحیح حدیث ہے اس کو بخاری (۷۵٦) اور مسلم (۴/۱۰۰-۱۰۱) وغیرہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حدیث "لا صلاة إلا بقراء ة" کے لیے "نصب الرایہ" (۱/۳۶۶ مع الهدایہ) دیکھیں۔

قلت: امام شافعی کی دلیل یہ عام اُحادیث ہی نہیں بلکہ نماز جنازہ میں واردشدہ خاص اُحادیث بھی ہیں جن میں عبداللہ بن عباس اور اُبوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہما کی مذکورہ اُحادیث بھی ہیں اور ان احادیث میں ایک ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ امام صاحب ان اُحادیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" وابن عباس، والضحاك بن قيس رجلان من أصحاب النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ لا يقولون السنّة إلا لسنّة رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ إن شاء الله "۔

''ابن عباس اور ضحاک بن قیس، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ ہی کی سنت کو سنت کہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

اس کے بعد انھوں نے اُبوامامہ بن سہل کی حدیث کو زہری سے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے اور وہی بات کہی ہے جو حدیثِ ابن عباس اور حدیثِ ضحاک کے بارے میں کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: الأمّ (۱/۴۵۳)۔

فاتحہ والی اُحادیث کی تأویلات:

حنفیہ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے والی اُحادیث کا جواب یہ دیا ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا ثنا کے طور پر تھا کہ نہ قراءت کے طور پر چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

" قلنا : كان ـ عليه السلام ـ يقرأ في سبيل الثناء لا على وجه القراءة، و قال الترمذي: حديث جابر، و ابن عباس ـ رضي الله عنهما ـ إسناده ليس بقوي" (النهاية:۳/۲۵۲).

''ہم کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام (فاتحہ) ثنا کے طور پر پڑھتے تھے نہ کہ قراءت کے طور پر اور ترمذی نے کہا ہے کہ جابر اور ابن عباس کی حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔''

کاسانی نے اس تأویل کے ساتھ ساتھ ایک اور بڑی عجیب بات کہی ہے لکھتے ہیں:

"و حديث ابن عباس معارض بحديث ابن عمر، وابن عوف، و تأويل حديث جابر أنّه كان يقرأ على سبيل الثناء لا على سبيل قراءة القرآن، و ذلك ليس بمكروه عندنا۔" (بدائع الصنائع: ۱/۳۱۴)۔

''حدیث ابن عباس کے خلاف ابن عمر اور ابن عوف کی حدیث ہے اور جابر کی حدیث کی تأویل یہ ہے کہ آپ ثناء کے طور پر پڑھتے تھے قرآن مجید کی قراءت کے طور پر نہیں، اور یہ ہمارے ہاں مکروہ نہیں ہے'' یعنی ثناء کے طور پر قراءت۔

قلت: علامہ عینی اور کاسانی کے مذکور کلام پر درج ذیل مؤاخذات ہیں:

① اس کی کیا دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ فاتحہ کو قراءت کے طور پر نہیں بلکہ ثنا کے طور پر پڑھا تھا چونکہ اس تأویل پر کوئی دلیل نہیں لہٰذا یہ تأویل باطل و مردود ہے۔

② رسول اللہ ﷺ نے اگر اس کو قراءت کے طور پر نہیں بلکہ ثنا کے طور پر پڑھا تھا تو کیا ابن عباس اور اُبو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہم کو اس کا علم نہیں ہوا کہ انھوں نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کو سنت کہہ دیا چونکہ اس تأویل سے صحابہ پر زد آتی ہے اس لیے بھی یہ مردود ہے۔

اس تأویل میں دراصل ان کے پیشوا امام طحاوی ہیں وہ اُحادیث کی تاویل کرنے اور ان کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنے میں جری واقع ہوئے ہیں جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ملاحظہ ہو۔(صفحہ:۲۳۸) وہ کہتے ہیں:

" و لعل قراء ة من قرأ الفاتحة من الصحابة كان على وجه الدعاء لا على وجه التلاوة، و قوله: إنّها سنةً، يحتمل أن يريد أن الدعاء سنّة"۔

''صحابہ میں سے جنھوں نے فاتحہ کو پڑھا شاید ان کا اس کو پڑھنا دعا کے لیے ہو تلاوت کے لیے نہیں اور ان کا یہ قول کہ''یہ سنت ہے'' اس میں احتمال ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ دعا سنت ہے۔''

حافظ ابن حجر ان کے اس قول کو فتح الباری (۲۰۴/۳) میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" ولا يخفى ما يجيىء على كلامه من التعقب، و ما يتضمنّه استدلاله من التعسّف"۔

''ان کے کلام پر جو تعاقب ہو سکتا ہے اور ان کے استدلال میں جو تکلف ہے وہ مخفی نہیں۔''

③ علی سبیل الجدل اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ آپ ﷺ نے فاتحہ کو ثنا کے طور پر پڑھا تھا تو آپ نے فاتحہ کے بعد سورت بھی پڑھی تو اس کا جواب کیا ہوگا کیونکہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا ذکر بھی ہے اور سورت کا پڑھنا بھی صحیح ثابت ہے۔[1]

④ عینی کا یہ کہنا کہ ترمذی نے کہا ہے کہ ابن عباس و جابر کی حدیث کی سند قوی نہیں ہے اس پر درج ذیل مؤاخذات ہیں:

أ۔ حدیث جابر کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کیا ہے لہٰذا یہ عینی صاحب کا وہم ہے۔[2]

ب۔ امام ترمذی نے حدیث ابن عباس کو دو سندوں سے روایت کیا ہے پہلی مقسم کی سند ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

" أن النبي ﷺ قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب۔"

---

[1] فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا ذکر نسائی (۷۴/۴۔۷۵) وغیرہ میں ہے تفصیل کے لیے "القول المقبول" (صفحہ:۷۰۵، حدیث:۶۶۷) دیکھیں۔

[2] حدیثِ جابر کو امام شافعی نے "الاُمّ": (۲۵۳/۱)، میں حاکم (۳۵۸/۱) اور بیہقی نے ''سنن'' (۳۹/۴) اور "معرفة السنن والآثار" (۱۶۸/۳) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

''نبی ﷺ نے نماز جنازہ پر فاتحہ پڑھی۔''

اس سند کے بارے میں امام ترمذی نے کہا ہے:"ليس إسناده بذلك القوي"یعنی اس کی سند قوی نہیں۔

اور دوسری سند طلحہ بن عوف کی ہے اور اس سند کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ انھوں نے (ابن عباس نے) نماز جنازہ پڑھائی تو سورہ فاتحہ پڑھی، طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ''اس کا پڑھنا سنت ہے یا تمام سنت میں سے ہے۔'' اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں:هذا حديث حسن صحيح" ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' (ملاحظہ ہو: ترمذی:۳/۳۴۶)۔

قارئین ابھی آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ علامہ عینی کے اس طرزِ عمل کو کس سے تعبیر کیا جائے گا۔

ج۔ عینی تو شارحِ بخاری ہیں اور طلحہ کی سند سے یہ حدیث تو ''صحیح بخاری'' میں بھی ہے اور پھر ترمذی کی سند کو ضعیف کہہ کر خاموشی سے گزر جانا انصاف کی بات نہیں ہے۔

عینی کی طرح امام ابن ہمام نے بھی یہ دعویٰ کر دیا کہ قراءت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" قالوا: لا يقرأ الفاتحة إلا أن يقرأها بنيّة الثناء، و لم تثبت القراء ة عن رسول الله ﷺ۔" (فتح القدير:٢/١٢١.١٢٢) ۔

''ان کا (أئمہ حنفیہ کا) کہنا ہے کہ فاتحہ نہ پڑھے الا کہ ثنا کی نیت سے پڑھے اور قراءت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔''

اور امام ابن ہمام کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ سے قراءت ثابت نہیں ہے انتہائی عجیب ہے کیونکہ حدیثِ عبداللہ بن عباس اور حدیثِ ابی امامہ بن سہل دونوں صحیح حدیثیں ہیں انھی ابن ہمام کے حوالے یہ ذکر ہوا کہ صحابی کا یہ کہنا ''من السنّة'' تو اس کا مرفوع حدیث کا حکم ہوتا ہے بلکہ بعض اس قسم کی اُحادیث کے بارے میں خود انھوں نے ان کے مرفوع ہونے کی صراحت کی ہے۔مثلاً:

وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث"من السنّة حمل الجنازة بجوانب السرير الأربعة"سنت یہ ہے کہ جنازہ کو چار پائی کے چاروں طرف سے اٹھایا جائے۔'' [1] ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فوجب الحكم بأن هذا هو السنّة" (فتح القدير:٢/١٤٣) .

---

[1] اس کو امام محمد نے کتاب "الآثار"(٢/٥٧) میں اور ابن ماجہ (١٤٧٨) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نصب الرایہ (٢/٢٨٦)۔

مگر اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔مصباح الزجاجہ (حدیث:٥٣٢) میں بوصیری کا کلام دیکھیں۔

یعنی اس کو رسول اللہ ﷺ کی سنت تسلیم کرنا ضروری ہے۔

علامہ عینی "عمدة القاری" (۱۴۰/۸) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول "لتعلموا أنّها سنّة" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "أي أنّ قراءة الفاتحة في صلاة الجنازة سنّة"۔ یعنی نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔"

⑤ کاسانی کے اس قول پر کہ حدیث ابن عباس کے معارض ابن عمر اور ابن عوف کی حدیث ہے درج ذیل ملاحظات ہیں:

ابن عمر اور ابن عوف کی جس حدیث کو انھوں نے ابن عباس کی حدیث کے معارض بتلایا ہے اسے انھوں نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

" روي عن عبد الرحمن بن عوف، و ابن عمر أنّهما قالا: ليس فيها قراءة شيء من القرآن"۔

" عبد الرحمٰن بن عوف اور ابن عمر سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ اس میں قرآن مجید سے کسی چیز کی بھی قراءت نہیں ہے۔"

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ ان کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں ہے جب کہ ان کے ظاہر انداز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ان سے مرفوع حدیث ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجھے ان الفاظ سے ان کا یہ قول نہیں ملا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نافع بیان کرتے ہیں:

" كان لا يقرأ في الصلاة على الجنازة۔" [1]

" وہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں کرتے تھے۔"

یہ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اُثر کے بارے میں کلام تھا رہے عبدالرحمٰن بن عوف تو مجھے ان کا اُثر نہیں ملا نہ مذکورہ الفاظ سے اور نہ ہی دیگر الفاظ سے۔ واللہ اُعلم۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ان دونوں سے اس طرح ثابت بھی ہو تو کیا مرفوع حدیث کے مقابلہ میں ان کے اُثر کی کوئی حیثیت ہے قطعاً کوئی حیثیت نہیں چنانچہ کاسانی کا ان کے اُثر کو مرفوع حدیث کے معارض کہہ کر حدیث کو نظر انداز کر دینا بہت بڑی جرأت ہے۔

کاسانی کا یہ کہنا کہ ثنا کے طور پر فاتحہ کا پڑھ لینا ہمارے ہاں مکروہ نہیں ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ اگر قراءت کے طور پر فاتحہ کو پڑھا جائے تو مکروہ ہے بلکہ بہت سے حنفی فقہاء نے کراہت کی صراحت کی ہے چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی (صفحہ: ۳۸۷) میں مذکور امام محمد کے قول " لا قراءة على الجنازة" پر تعلیق لگاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" أقول: يحتمل أن يكون نفياً للمشروعية المطلقة، فيكون إشارة إلى الكراهة، و به

---

[1] اس کو امام مالک نے "موطأ" (۱۹/۲۲۸/۱) میں اور ابن ابی شیبہ نے "مصنف" (۳۹۲/۲) میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔

صرح كثير من أصحابنا المتأخرين حيث قالوا: يكره قراء ة الفاتحة في صلاة الجنازة، و قالوا: لوقرأها بنيّة الدعاء لا بأس به......" (التعليق الممجد :۲/ ۱۱۲) .

''میں کہتا ہوں کہ ان کے اس قول میں احتمال ہے کہ مطلق طور پر قراءت کی مشروعیت کی نفی ہو تو یہ اس کی کراہت کی طرف اِشارہ ہوگا اور ہمارے متاخرین اُصحاب میں بہت سے اُصحاب نے اس کی (کراہت کی) صراحت کی ہے چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کی قراءت مکروہ ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اگر دعا کی نیت سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔''

ایک طرف تو نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کو مکروہ کہنے والے ہیں جب کہ دوسری طرف بعض حنفی علماء ایسے بھی ہیں جنھوں نے ان کا رد کیا ہے چنانچہ متاخرین حنفیہ میں سے شُرنُبلالی نے "النظم المستطاب لحكم القراء ة في صلاة الجنازة بأمّ الكتاب" نام سے ایک رسالہ لکھا ہے مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

" و ردّ فيها على من ذكر الكراهة بدلائل شافية، و هذا هو الأولىٰ لثبوت ذلك عن رسول الله ـ ﷺ ـ و أصحابه " إلى أن قال: " و نفس القراء ة ثابت، فلا سبيل إلى الحكم بالكراهة، بل غاية الأمر أن لا يكون لازمًا۔" (التعليق الممجد(۲/ ۱۱۲، ۱۱۳)۔

''انھوں نے اس رسالہ میں مکروہ کہنے والوں کا کافی وشافی دلائل سے ردّ کیا ہے اور لائق بھی یہی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے یہ ثابت ہے، نفس قراءت جب ثابت ہے تو مکروہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری نہیں۔''

مولانا عبدالحی لکھنوی نے "عمدة الرعاية" اور "إمام الكلام" میں بھی یہی اختیار کیا ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا نہ پڑھنے سے بہتر ہے جیسا کہ "مرعاة المفاتيح" (۵/ ۳۸۲) میں ہے۔

غازی پوری صاحب اب بتائیں کہ آپ کے اُکثر متاخرین فقہاء نے کیا کہا ہے اور آپ کے شُرنُبلالی اور لکھنوی صاحبان کیا کہتے ہیں، اس کے باوجود کیچڑ اہلحدیثوں پر اچھالتے ہو۔ اللہ عزوجل آپ کو ہدایت اور سمجھ دے۔

غازی پوری صاحب آپ مت یہ سمجھیں کہ اسی بات پر ہم نے آپ کا پیچھا چھوڑ دیا ہے بلکہ ابھی تو آپ کے لیے ہم نے آپ کے فقہاء کے تناقضات بھی بیان کرنے ہیں لہٰذا اپنے دل کو مضبوط کیجیے۔

حنفی فقہاء کے تناقضات:

صفحہ (۳۸۷) میں ذکر ہوا کہ کاسانی نے نمازِ جنازہ میں وجوب فاتحہ پر امام شافعی کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ انھوں نے جو اُحادیث ذکر کی ہیں وہ نمازِ جنازہ کو شامل نہیں ہیں کیونکہ نمازِ جنازہ حقیقت میں نماز نہیں ہے۔

اب دیکھیے کہ جب یہی کاسانی صاحب یہ بیان کرنے لگتے ہیں کہ کن چیزوں سے نماز جنازہ صحیح ہوگی کن سے فاسد اور کن کن چیزوں سے مکروہ ہوگی تو لکھتے ہیں

" أمّا ما تصِحّ به، فكل ما يعتبر شرطاً لصحة سائر الصلوات من الطهارة الحقيقية والحكمية، واستقبال القبلة، و ستر العورة، والنيّة يعتبر شرطاً لصحتها حتى إنّهم لوصلّوا على جنازة، والإمام غير طاهر فعليهم إعادتها، لأن صلاة الامام غير جائزة لعدم الطهارة فكذا صلاتهم...... و لو تحرّوا على جنازة فأخطأوا القبلة جازت صلاتهم ، و أن المكتوبة تجوز، فهذه أولى، و إن تعمدوا خلافها لم تجز كما في اعتبار شرط القبلة، لأنّه لا يسقط حالة الاختيار كما في سائر الصلوات الخ۔"

(بدائع الصنائع:۱/۳۱۵) .

"رہا یہ بیان کہ یہ نماز کن کن چیزوں سے صحیح ہوگی تو ہر وہ چیز جو دوسری نمازوں کے لیے شرط ہے۔ جیسا کہ حقیقی اور حکمی طہارت، استقبال قبلہ، ستر کا ڈھانکنا اور نیت۔ وہی چیزیں اس نماز کی صحت کے لیے بھی شرط ہیں حتی کہ لوگوں نے اگر نماز جنازہ ادا کی اور امام طہارت سے نہ تھا تو ان پر اس کا اعادہ ضروری ہے کیونکہ عدم طہارت کی وجہ سے امام کی نماز صحیح نہیں ہوئی چنانچہ ان کی نماز بھی صحیح نہ ہوگی۔"

اور اگر وہ نماز جنازہ کے لیے قبلہ کی تحری (تلاش) کریں لیکن اس کے باوجود وہ قبلہ کی سمت کو پا نہ سکیں تو ان کی نماز درست ہوگی کیونکہ (اس حالت) میں فرض نماز بھی درست ہوتی ہے تو یہ بالأولی درست ہوگی اور اگر انھوں نے جان بوجھ کر قبلہ کے دوسرے رخ نماز پڑھی تو ان کی نماز نہ ہوگی جیسا کہ دوسری نمازوں میں قبلہ کی شرط کا اعتبار ہے کیونکہ ان میں اختیاری حالت میں یہ شرط ساقط نہیں ہوتی۔"

ان تمام چیزوں میں نماز جنازہ کا وہی حکم ہے جو دوسری نمازوں کا ہے مگر فاتحہ کا پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ نماز جنازہ حقیقت میں نماز نہیں یہ عجیب فقاہت ہے۔

اور جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" فصل: و أمّا بيان ما تفسد به صلاة الجنازة، فنقول: إنّها تفسد بما تفسد به سائر الصلوات، و هو ما ذكرنا من الحدث العمد والكلام، والقهقهة، و غير ها من نواقض الوضوء......" (بدائع الصنائع :۱/۳۱۵،۳۱۶).

"یعنی نماز جنازہ ان چیزوں سے فاسد ہو جائے گی جن سے دوسری نمازیں فاسد ہو جاتی ہیں اور وہ چیزیں

جان بوجھ کر ہوا کا خارج کر دینا، کلام کرنا، قہقہہ لگا کر ہنسنا اور دیگر نواقض وضوء ہیں۔"

ان تمام چیزوں میں نماز جنازہ حقیقی نماز ہے مگر فاتحہ پڑھنے کے لیے حقیقی نماز نہیں ہے۔

تکبیر اولیٰ کے بعد کیا کرنا چاہیے اس کے بارے میں کاسانی لکھتے ہیں:

" فإذا كبر الأولى أثنى على الله -تعالىٰ- و هو أن يقول: سبحانك اللهم، و بحمدك إلى آخره، و ذكر الطحاوى أنّه لا استفتاح فيه، ولكن النقل، والعادة أنّهم يستفتحون بعد تكبيرة الافتتاح كما يستفتحون فى سائر الصلوات "

(بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۳، أيضًا البناية للعينى: ۳/ ۲۵۱) .

''جب تکبیر اُولیٰ کہے تو اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرے اور وہ یہ ہے کہ "سبحانك اللهم و بحمدك" آخر تک پڑھے۔ اور طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ اس میں استفتاح نہیں ہے لیکن نقل اور عادت یہ ہے کہ لوگ دوسری نمازوں کی طرح تکبیر اُولیٰ کے بعد اس میں بھی دعاء استفتاح پڑھتے ہیں۔''

شمس الأئمہ سرخسی لکھتے ہیں:

" اختلف المشايخ فيه، فقال بعضهم: يحمد الله كما في ظاهر الرواية، و قال بعضهم : يقرأ "سبحانك اللهمّ" إلى آخره كما فى الصلوات كلها، وهو رواية الحسن عن أبي حنيفة۔" (البناية: ۳/ ۲۵۲).

''مشائخ کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اللہ کی حمد بیان کرے جیسا کہ ظاہر روایت میں ہے [1] اور بعض نے کہا ہے کہ دوسری تمام نمازوں کی طرح'' سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ " آخر تک پڑھے اور یہ ابوحنیفہ سے حسن کی روایت ہے۔''

---

[1] ظاہر روایت سے مراد مسائل اُصول ہیں اور یہ وہ مسائل ہیں جو امام ابوحنیفہ، یوسف اور محمد اسی طرح امام زفر اور حسن بن زیاد سے مروی ہیں مگر ان مسائل کا عام طور پر اطلاق أئمہ ثلاثہ کے اُقوال پر ہوتا ہے اور جن کتب میں یہ مسائل پائے جاتے ہیں ان کو کتب ظاہر الروایہ کہتے ہیں اور یہ امام محمد کی درج ذیل کتب ہیں۔ مبسوط۔ اسے اُصل بھی کہا جاتا ہے۔ جامع صغیر، جامع کبیر، سیر اور زیادات۔ ان کتب کے بعد حاکم شہید کی کتاب ''المنتقی " اور کتاب "الکافی " بھی ظاہر روایت کے مسائل کی کتابیں ہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک مسائل کی دوسری قسم ''مسائل غیر ظاہر الروایہ'' کی ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جو مذکورین أئمہ سے مذکورہ کتب کے علاوہ دوسری کتب میں پائے جاتے ہیں اور وہ کتب امام محمد کی مذکورہ کتب کے علاوہ یا دیگر مؤلفین کی کتب میں پائے جاتے ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقدمہ النافع الکبیر لعبد الحی الکھنوی (صفحہ: ۱۷، ۱۸)۔

ثنا پڑھنے کے لیے تو نماز جنازہ کا حکم دوسری تمام نمازوں کی طرح ہے لیکن فاتحہ پڑھنے کے لیے یہ نماز دوسری نمازوں کی طرح حقیقی نماز نہیں ہے؟

چوتھی تکبیر کے بعد کیا کرے:

صاحب ''ہدایہ(۱۲۳/۱) لکھتے ہیں:''ثمّ یکبر الرابعة و یسلّم''۔

''پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔''

اور کاسانی لکھتے ہیں:

''و لیس فی ظاهر المذهب بعد التکبیرة الرابعة دعاء سوی السلام۔''

''ظاہر مذہب میں چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے کوئی دعا نہیں۔'' (۳۱۳/۱)۔

اب یہاں اپنے مشائخ کی فقہی موشگافیاں اور اختلاف ملاحظہ کیجیے۔ کاسانی اپنے مذکورہ کلام کے بعد لکھتے ہیں:

'' و قد اختار بعض مشائخنا ما یختم به سائر الصلوات :اللهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة، و في الآخرة حسنة''۔

''ہمارے بعض مشائخ نے اختیار کیا ہے کہ اس نماز کا اختتام اسی سے کیا جائے جس سے باقی دوسری نمازوں کا اختتام کیا جاتا ہے اور وہ ہے دعا ''ربنا اتنا فی الدنیا......''

عینی نے لکھا ہے کہ ''مبسوط'' میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ذکر کیا ہے:

'' وقنا برحمتك عذاب النار، وعذاب القبر، و شدة الحساب''

(البناية شرح الهداية:۲۵۳/۳۔۲۵۴، أيضًا۔ المبسوط(۶۴/۲)

عینی ہی لکھتے ہیں:

'' و فی ''المجتبی'' قیل : هو مخیّر بین الدعاء، والسکوت ، و قیل: یقول: ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾الخ، و قیل: یقول: ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا﴾ الاية (آل عمران:۸) و قیل: ﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ﴾ الاية: (الصافات:۱۸۰)۔''(البناية :۲۵۴/۳).

''مجتبی میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ اسے دعاء کرنے اور خاموش رہنے میں اختیار ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ پڑھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا﴾ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ﴾ پڑھے۔''

اسی طرح (فتح القدیر:۱۲۳/۲) بھی دیکھیں۔

یہ ہیں حنفی فقہاء کی موشگافیاں اور ان کا اختلاف، اور یہ کس قدر افسوس ناک اور تعجب کی بات ہے کہ نماز جنازہ کی صحت اور اس کے فساد کے لیے وہی شروط جو دوسری نمازوں کی صحت اور فساد کے لیے ہیں جیسے دوسری نمازوں میں تکبیر ثناء اور سلام ہے اور ان کا اختتام ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا......﴾ سے ہے اسی طرح اس نماز میں بھی تکبیر، ثنا اور سلام ہے اور اس کا اختتام بھی دوسری نمازوں ہی کی طرح کیا جائے۔ [1] مگر جب فاتحہ کی باری آئی تو نماز جنازہ حقیقی نماز ہی نہ رہی اس میں ثنا وغیرہ کو تو محض دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے ثابت کیا جائے مگر وہ سورہ فاتحہ جس کا اس میں پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اس کا انکار کر دیا جائے۔ إنّا للہ و إنا إلیہ راجعون.

غازی پوری صاحب یہ ہے آپ کے اپنے گھر کا حال اس کے باوجود زبان درازی اہل حدیث کے بارے میں کرتے ہو۔ دراصل بات یہ ہے کہ دوسرے کی آنکھ میں ایک چھوٹا سا تنکا بھی دکھائی دیتا ہے جب کہ اپنی آنکھ میں شہتیر بھی غائب ہو جاتا ہے۔ [2]

غازی پوری صاحب عربی کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا اپنا گھر شیشے کا ہو وہ دوسرے کے گھر کو پتھر نہیں مارے۔

نمبر۲: غازی پوری صاحب کی تحریف وخیانت:

غازی پوری صاحب نے علامہ ابن قیم سے جو یہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جنازہ میں مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہوتا ہے نہ کہ قرآن پڑھنا (زاد المعاد) تو اس میں انھوں نے تحریف اور خیانت سے کام لیا ہے علامہ ابن قیم کی عبارت بمعہ ترجمہ ملاحظہ کیجیے تاکہ آپ یہ معلوم کر سکیں کہ غازی پوری صاحب نے یہاں کیا تحریف وخیانت کی ہے وہ لکھتے ہیں:

" و مقصود الصلاة علی الجنازة: هو الدعاء للميّت، لذلك حفظ عن النبي ـصلی اللّٰه علیه وسلم۔ و نقل عنه ما لم ینقل من قراء ة الفاتحة، و الصلاة علیه صلی اللّٰه

---

[1] اس کا کیا ثبوت ہے کہ دوسری نمازوں کا، اختتام (ربنا اتنا فی الدنیا......) سے کیا جاتا ہے؟

[2] یہ صرف محاورہ ہی نہیں بلکہ حدیث بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "یبصر أحدکم القذاة في عین أخیه، و ینسی الجذع في عینه" اس کو ابن حبان (ج:۷، حدیث:۵۷۳۱) قضاعی نے "مسند الشهاب" (حدیث:۶۱۰) اور ابونعیم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے شیخ ألبانی نے "الأحادیث الصحیحة" (حدیث:۳۳) میں صحیح کہا ہے۔

اردو کا شاعر کہتا ہے:

غیر کی آنکھوں کا تنکہ تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

علیه وسلم۔" (زاد المعاد:١/٥٠٥)۔

یعنی نماز جنازہ سے مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہوتا ہے اسی لیے جس قدر اس کے بارے میں نبی ﷺ سے روایات محفوظ و منقول ہیں اس قدر قراءت فاتحہ اور آپ ﷺ پر درود پڑھنے کے بارے میں روایات منقول نہیں۔

یہ ہے ابن قیم کے کلام کا مطلب جسے غازی پوری صاحب نے بالکل بدل کے رکھ دیا ہے۔

مولانا صادق رحمہ اللہ سے اگر کہیں ترجمہ میں تھوڑا بہت تساہل ہو گیا تو موصوف ان پر فوراً برس پڑے اور شور مچانا شروع کر دیا مگر خود انھوں نے کس قدر دجل و فریب سے کام لیا ہے۔ اسے وہ بھولے ہوئے ہیں۔

⑯ موصوف نے (صفحہ:٤٩)۔ جو کہ ان کے رسالہ کا آخری صفحہ ہے۔ میں لکھا ہے جس کا مختصراً یہ ہے:

"صادق صاحب نے کتاب کے آخر میں دعائیں اور اذکار کے بیان میں جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے متعدد ضعیف اور بعض سخت ضعیف ہیں مگر صادق صاحب نے کسی ایک حدیث کے بارے میں نہیں فرمایا کہ وہ ضعیف ہے۔

شیخ الحدیث زکریا رحمہ اللہ نے فضائل کی کتابوں میں ضعیف احادیث کو ذکر کر کے بتلایا ہے کہ فلاں حدیث ضعیف ہے لیکن ان کی کتابوں کے خلاف غیر مقلدین شور مچاتے ہیں کہ فضائل اعمال کی کتابیں ضعیف احادیث سے بھری ہیں۔

یہ ہے غازی پوری صاحب کا کلام، سب سے پہلے ہم ان سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ آپ اپنی کتب فقہ کو چھوڑ کر جلدی سے زکریا صاحب کی فضائل اعمال کی کتب کی طرف کیوں بھاگ گئے یہ تو صرف اردو دان طبقہ کی کتب ہیں اور اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں مگر اپ کی وہ کتب جو صدیوں پہلے تصنیف شدہ ہیں اور حنفی مذہب کی معتبر کتب ہیں جن پر صرف آج کے برصغیر کے حنفی نہیں بلکہ صدیوں سے پوری دنیا کے حنفی اعتماد کرتے آئے ہیں کیا آپ ان میں یہ چیز دکھا سکتے ہیں اگر ان میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو پھر تو آپ کو یہ بات کہنے کا حق ہے ورنہ نہیں۔

شاید آپ کو یہ علم تھا کہ ان کے اندر کتنی واہی تباہی اور بے بنیاد روایات ہیں جن کو ان کا ضعف بیان کیے بغیر درج کیا گیا ہے۔[1] یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان سے نظر چرا کر تبلیغی نصاب کا رخ کیا۔

دوسری بات غازی پوری صاحب یہ کتاب اردو دان طبقہ کے لیے تألیف کی گئی ہے جب کہ احادیث کے ضعف کو صرف عربی زبان میں بیان کیا گیا ہے اردو میں اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا جیسا کہ احادیث کے متن کا اردو میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔

اس لیے اس کو مولانا زکریا صاحب کی دیانتداری نہیں بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری سے تعبیر کریں گے۔

شاید انھوں نے یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا ہو کہ اگر کوئی اعتراض ہو تو یہ کہنے کی گنجائش باقی رہے کہ عربی میں تو

---

[1] ان میں سے بعض کا اس کتاب میں مثال کے طور پر ذکر کیا جا چکا ہے ملاحظہ ہو: صفحہ (٢٥٨)، وما بعدها)

میں نے اُحادیث کے ضعف کو بیان کردیا ہے جب کہ یہ سراسر غیر معقول جواب ہے کیونکہ کتاب اردو دان طبقہ کے لیے لکھی گئی ہے اور اس کتاب کے قارئین کی اکثریت ایسی ہے کہ اس کے لیے عربی سمجھنا تو درکنار وہ صحیح طرح سے اردو بھی نہیں سمجھ پاتی۔

اس پر مثالیں ذکر کرنے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن مذکورہ بالا سطور میں جو ذکر ہوا اس کی دلیل کے طور پر یہاں صرف ایک مثال ذکر کی جاتی ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

" روى أنّه ـعليه الصلاة والسلام۔ قال: من ترك الصلاة حتى مضى وقتها، ثمّ قضى عذّب في النّار حقبًا، والحقب ثمانون سنة، والسنّة ثلاثمائة و ستون يومًا كل يوم كان مقداره ألف سنة۔"

''حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کردے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسی برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔''

یہ حدیث ہے جس کو موصوف نے نقل کیا ہے اس کو رسول اللہ ﷺ سے کس صحابی نے روایت کیا ہے اور کس امام نے اپنی کتاب میں اس کی تخریج کی ہے اس کا کوئی ذکر نہیں بس یہ کہہ دیا گیا۔''حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے۔''

موصوف اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" كذا في مجالس الأبرار،قلت: لم أجده فيما عندي من كتب الحديث إلّا أنّ مجالس الأبرار مدحه شيخ مشائخنا الشاه عبد العزيز الدهلويؒ "۔

موصوف نے اپنی اس عبارت کا ترجمہ نہیں کیا تاکہ قارئین پر یہ راز منکشف نہ ہو جائے کہ زکریا صاحب نے کیسی بے بنیاد و بے اُصل اُحادیث بھی ذکر کردی ہیں۔ اب اس عبارت کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے اور زکریا صاحب کو ان کی دیانتداری پر داد دیجیے ان کی مذکور عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

''مجالس الأبرار۔ میں اسی طرح ہے (یعنی اس حدیث کا اس میں ذکر ہے) میں کہتا ہوں کہ میرے پاس حدیث کی جو کتابیں ہیں مجھے ان میں یہ حدیث نہیں ملی مگر ''مجالس الأبرار'' کی ہمارے مشائخ کے شیخ عبد العزیز دہلوی نے مدح کی ہے۔''

یہ ہے موصوف کے کلام کا ترجمہ جو انھوں نے عربی میں کیا ہے لیکن اردو میں اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: ''تبلیغی نصاب، فضائل نماز، باب اُوّل فصل دوم، حدیث:۸، صفحہ تبلیغی نصاب:۳۵۵۔صفحہ فضائل نماز ۳۹، مکتبہ امدادیہ

ملتان پاکستان، سن طباعت ذکر نہیں۔

مولانا زکریا صاحب کی ہٹ دھرمی:

موصوف کی جماعت ہی کے لوگوں میں سے کسی نے ان سے کہا کہ اس حدیث کو بعض لوگوں نے ضعیف کہا ہے [1] لہٰذا اس کا اس کتاب میں ذکر کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کا حذف کردینا ہی بہتر ہے چنانچہ آپ کی کیا رائے ہے؟

''موصوف نے جواب میں کہا کہ اگر اس عاجز نے اس حدیث کو اپنی طرف سے ذکر کیا ہوتا تو اس کو حذف کیا جا سکتا تھا مگر جب یہ معتبر کتاب میں منقول ہے تو لوگوں کی تحذیر کے لیے اس کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ یہ ضعیف ہے...... اس کے بارے میں میں نے اپنے دوست واَحباب سے مشورہ کیا ہے لیکن اس حدیث کو حذف کردینے پر مطمئن نہیں ہوا ہوں۔''

(جماعة التبليغ از طالب الرحمن بصفحه: ٣٦١، ٣٦٢) [2]

موصوف کے آخری کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دوست واَحباب نے بھی اس حدیث کو حذف کردینے کا ہی مشورہ دیا تھا لیکن وہ ان کے کلام سے مطمئن نہیں ہوئے بلکہ اپنی رائے پر ڈٹے رہے۔ موصوف رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو اگر پیش نظر رکھتے تو پھر شاید اس کو حذف کردیتے۔

" من حدّث عني حديثًا يرى أنّه كذب فهو أحد الكاذبين۔"

''جو مجھ سے ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے۔ (جیسا کہ مذکورہ حدیث) تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔'' [3]

غازی پوری صاحب تیسری بات یہ ہے کہ اہل حدیث کا ''تبلیغی نصاب'' یا ''فضائل اَعمال'' پر اعتراض صرف یہ نہیں کہ اس میں ضعیف روایات ہیں بلکہ دوسرا اعتراض یہ بھی ہے کہ اس کے اندر بہت سی شرکیات، بدعات وخرافات بھی ہیں مثال کے طور پر فضائل درود میں مثنوی مولانا جامی کو ذکر کیا گیا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

زمهجوری برآمد جان عالم

ترحم یا نبی الله ترحم

مثنوی ذکر کرنے کے بعد انھوں نے اس کا ترجمہ از حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم خلیفہ مجاز

---

[1] یہ ضعیف نہیں بلکہ من گھڑت ہے۔

[2] اس حدیث کے بارے میں یہ تفصیل اس کتاب کے (صفحہ: ۲۵۶۔۲۵۷) میں بھی گزر چکی ہے۔

[3] اس حدیث کی تخریج کے لیے اس کتاب کا (صفحہ: ۲۵۸) دیکھیں۔

بیعت از حکیم الأمت حضرت مولانا الحاج اشرف علی صاحب تھانوی ذکر کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ سے اس کا ترجمہ سنیے۔

''آپ کے فراق سے کائناتِ عالم کا ذرّہ ذرّہ جانِ بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے اے رسول خدا نگاہ کرم فرمایئے اے ختم المرسلین رحم فرمایئے۔'' ملاحظہ ہو تبلیغی نصاب (صفحہ:۸۰۴،۸۰۵۔۸۰۶، فضائل درود فصل پنجم صفحہ:۱۲۶، ۱۲۷۔۱۲۸)۔

اس شعر اور ترجمہ کے بعد اللہ عز وجل کا یہ فرمان بھی سنیے:

﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَّ لَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ (الأعراف:۱۸۸)۔

ترجمہ از اشرف علی تھانوی صاحب:''آپ کہہ دیجیے کہ میں خود اپنی ذاتِ خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو۔'' (صفحہ:۲۱۱۔ اسلامک بک سروس نئی دہلی)۔

ایک دوسری مثال سنیے موصوف ''فضائل صدقات'' میں لکھتے ہیں:

''ابوسعید خزّار کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا باب بنی شیبہ سے نکل رہا تھا دروازہ سے باہر میں نے ایک نہایت خوبصورت آدمی کو مرے ہوئے پڑا دیکھا، میں جو اس کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا ابوسعید تمھیں معلوم نہیں کہ (محبت والے) دوست مرا نہیں کرتے ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔'' (فضائل صدقات حصہ دوم (صفحہ:۶۷۱، کتب خانہ فیضی لاہور)۔

اس قصے کے بعد اللہ عز وجل کا فرمان سنیے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ إِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ﴾ (الزمر:۳۰)۔

''ترجمہ از تھانوی صاحب......''آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔'' (صفحہ:۵۵۵)۔

اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ قول بھی ملاحظہ کیجیے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقع پر اپنے خطبہ میں کہا تھا:

" أمّا بعد: من كان منكم يعبد محمّدًا ﷺ فإن محمّدًا قد مات۔"

(بخاری، حدیث:۴۴۵۴، كتاب المغازى باب مرض النبي ﷺ و وفاته).

''تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرنے والا تھا پس یقیناً محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں۔''

اور اس سے پہلے انھوں نے کیا فرمایا جب وہ سُنح مقام سے آئے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا آپ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا اور رو پڑے پھر فرمایا:

" بأبي أنتَ و أمّي، واللهِ لا يجمع الله عليك موتتين ، أما الموتة التي كتبت عليك فقد متّها۔"

''میرے والدین آپ پر قربان ! اللہ کی قسم اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا [1] جو موت آپ کی تقدیر میں تھی وہ آپ پر آچکی ہے۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ابوبکر کیسی بات کہہ رہے ہو ہمیں موت تو نہیں آتی ہم تو صرف ایک جہاں سے دوسرے جہاں منتقل ہو جاتے ہیں مگر کاندھلوی صاحب کی بیان کردہ حکایات میں کوئی مردہ تو غسل دینے والے کا انگوٹھا پکڑ لیتا ہے، کوئی مردہ قبر میں قرآن پڑھتا ہے ملاحظہ ہو: (فضائل الصدقات: صفحہ: ۶۵۹، ۶۶۰).

اب یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے مردے کا غسل دینے والے کے انگوٹھے کو پکڑنے کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے:

''ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا کہ میرا انگوٹھا چھوڑ دے مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔'' (فضائل صدقات، حصہ دوم ،صفحہ: ۶۶۰).

یہ مرید بھی کوئی بڑا عجیب قسم کا انسان تھا کہ اس کے غسل کے لیے جب اس کے کپڑے اتارے گئے تو اس وقت وہ بالکل خاموش رہا حالانکہ یہ کام تو اسے اس وقت کرنا چاہیے تھا تاکہ غسل کے لیے اسے برہنہ نہ کیا جاتا۔

اور پیر صاحب کو بھی ماشاء اللہ علم غیب تھا کہ وہ فوراً سمجھ گئے کہ میرے مرید نے میرا انگوٹھا کس لیے پکڑا ہے۔

یہ چند چیزیں مثال کے طور پر ذکر کی گئی ہیں ورنہ ان کتب میں بہت سی شرکیات، خرافات، واہی تباہی اُحادیث و حکایات وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو عقیدہ توحید سے صراحتاً متصادم ہیں لہٰذا ان کتب کو تبلیغِ اسلام کی کتب کہنا سراسر اسلام پر زیادتی ہے۔

اسی پر غازی پوری صاحب سے ہماری گفتگو اختتام کو پہنچتی ہے اور جن باتوں کا جائزہ لیا گیا ہے ان کے علاوہ ان کی دیگر باتیں بھی ہیں مگر اختصار کے پیش نظر مذکورہ باتوں ہی کا جائزہ لیا گیا ہے امید ہے کہ انہی چند باتوں کا جائزہ قارئین کو غازی پوری صاحب کی حقیقت سمجھنے کے لیے کافی ہوگا۔ ان شاء اللہ

'' سبحانك اللّهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت استغفرك و أتوب إليك۔''

❀OOO❀

---

[1] دو موتوں سے مراد کیا ہے حافظ ابن حجر نے اس کے تین چار جواب ذکر کیے ہیں جن میں سب سے واضح جواب یہ ہے:
''انھوں نے یہ کہہ کر ان لوگوں کا ردّ کیا ہے جن کا خیال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوں گے اور ظالموں کی خبر لیں گے۔''
اگر یہ خیال صحیح ہو تو اس سے لازم یہ آتا تھا کہ آپ کو ایک دوسری موت بھی آئے گی لہٰذا انھوں نے یہ کہہ کر اس خیال کا ردّ کیا ہے۔
بقیہ جوابات کی تفصیل کے لیے ''فتح الباری'' (۱۱۴/۳) دیکھیں۔

فہرستیں

فہرست آیات

آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ
یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ	البقرة	۲۱	۳۷۹
وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	البقرة	۴۳، ۱۱۰	۳۷۹
یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ	البقرة	۷۵	۲۹۱
وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ	البقرة	۱۱۱	۴۳
تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ	البقرة	۱۱۱	۴۳، ۱۳۶، ۲۰۳، ۳۱۴
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ	البقرة	۱۷۸	۳۸۰
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ	البقرة	۱۸۳	۳۷۹
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى	البقرة	۱۷۸	۳۸۰
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ	البقرة	۱۸۵	۳۷۹
رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً	البقرة	۲۰۱	۳۹۵
وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا	البقرة	۲۷۸	۳۷۹
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا	آل عمران	۸	۳۹۵
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ	آل عمران	۳۱	۳۳۰
وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ	آل عمران	۱۱۸	۲۱۴
یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ	آل عمران	۱۵۴	۲۱۴
حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ	النساء	۲۳	۱۶۷
وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ	النساء	۳۲	۶۲

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ	النساء	۴۶	۲۹۱
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ	النساء	۵۹	۱۹۴،۱۹۵
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ	النساء	۷۷	۱۹۶،۳۲۱
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ	النساء	۸۰	۱۷۹،۳۲۰
وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا	النساء	۸۲	۲۱۱
و إن تطع أكثر من في الأرض يضلوك	الأنعام	۱۱۶	۱۵۱
خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ	الأعراف	۳۱	۱۹۶
مَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ	الأعراف	۱۷۶	۱۸۱،۱۸۲
أُوْلٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ	الأعراف	۱۷۹	۱۳۵
قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ	الأعراف	۱۸۸	۴۰۰
قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ	يونس	۵۹	۲۲
قَدْ أُجِيْبَتْ دَعْوَتُكُمَا	يونس	۸۹	۷۴
أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ	هود	۷۸	۴۲
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا	يوسف	۲۶	۲۷۳
رَبَّنَا إِنِّيْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ	إبراهيم	۳۷	۷۵
وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ	الإسراء	۳۱	۳۷۹
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى	الإسراء	۳۲	۳۷۹
كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ	الكهف	۵	۱۶،۱۳۶
سَيَقُوْلُوْنَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ	الكهف	۲۲	۱۸۱،۱۸۲
إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي النُّهٰى	طٰه	۵۴،۱۲۸	۲۰۳،۲۵۳
فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ	الحج	۴۶	۲۰۱،۲۰۳
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا	الحج	۷۷	۳۲۰

فہرست أحادیث وآ ثار

فہرست رواۃ واعلام

فہرس مصادر ومراجع [1]

نمبر شمار	مصدر یا مرجع	نمبر شمار	مصدر یا مرجع
۱	الإبانة لابن بطّة۔	۱۶	الأشباه والنظائر لابن نجيم۔
۲	إتحاف السادة المتقين للزبيدي۔	۱۷	أصول البزدوي۔
۳	الأجوبة الفاضلة للكهنوي۔	۱۸	أصول السرخسي۔
۴	الأجوة النافعة للألباني۔	۱۹	أصول الشاشي۔
۵	إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام لابن دقيق العيد۔	۲۰	أصول في البدع والسنن لمحمد العدوي۔
۶	الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم۔	۲۱	أصول الكرخي۔
۷	الإخبار بما لا يصح من أحاديث الأنكار لزكريا بن غلام قادر البلكستاني۔	۲۲	أضواء البيان للشنقيطي۔
۸	أخبار مكة للأزرقي۔	۲۳	الاعتصام للشاطبي۔
۹	الاختيارات الفقهية لابن تيمية۔	۲۴	إعلام الموقعين لابن القيم۔
۱۰	أخلاق النبيﷺ لأبي الشيخ۔	۲۵	اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية۔
۱۱	الأدلة الراجحة على فرضية قراءة الفاتحة لعبد الله بن محمد الغماري۔	۲۶	إكمال إكمال المعلم لمحمد بن خليفة أبي۔
۱۲	الأذكار للنووي۔	۲۷	إكمال المعلم بفوائد مسلم للقاضي عياض۔
۱۳	إرشاد السارى للقسطلاني۔	۲۸	الإمام لابن دقيق العيد۔
۱۴	إرواء الغليل للألباني۔	۲۹	الأمر بالاتباع والنهى عن الابتداع للسيوطي۔
۱۵	الأسماء والصفات للبيهقي۔	۳۰	الأمّ للشافعي۔

[1] واضح رہے کہ مصادر ومراجع کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا ہے ان کی طبعات وغیرہ کا ذکر نہیں کیا گیا جس کی وجہ اس فہرست کی تیاری کے وقت میرا اپنے مکتبہ سے دور ہونا ہے۔

۳۱	الإنصاف فی بیان أسباب الاختلاف للشاه ولي الله۔	۴۸	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لفخر الدین الزیلعي۔
۳۲	الأوسط لابن المنذر۔	۴۹	تجرید التمهید لابن عبد البر۔
۳۳	الإیثار بمعرفة رواة الآثار لابن حجر	۵۰	التحریر لابن الهمام۔
۳۴	الباعث علی إنکار البدع والحوادث لأبي شامة۔	۵۱	تحفة الأحوذي لعبد الرحمن المبارکفوري۔
۳۵	البحر الرائق لابن نجیم۔	۵۲	تحفة الأشراف للمزي۔
۳۶	بدائع الصنائع للکاساني۔	۵۳	تحفة الراکع والساجد لتقي الدین أبوبکر الجرّاعي۔
۳۷	بدائع الفوائد لابن القیم۔	۵۴	التحقیق لابن الجوزي۔
۳۸	البدع والنهي عنها لابن وضاح۔	۵۵	تحقیق المشکاة للألباني۔
۳۹	بذل المجهود لسهار نفوري۔	۵۶	التخریج والتعلیق علی روضة الناظر لابن قدامة للمؤلف۔
۴۰	البنایة في شرح الهدایة للعیني۔	۵۷	التخریج والتعلیق علی الطرق الحکمیة لابن القیّم للمؤلف۔
۴۱	بیان تلبیس المفتری محمد زاهد الکوثری لأحمد بن محمد بن الصدیق الغماري۔	۵۸	تذکرة الحفاظ للذهبي۔
۴۲	تاریخ بغداد للخطیب البغدادي۔	۵۹	الترجیح والتصحیح علی القدوري لابن قطلوبغا۔
۴۳	تاریخ جرجان للسهمي۔	۶۰	الترغیب والترهیب لابن شاهین۔
۴۴	تاریخ الخلفاء للسیوطي۔	۶۱	الترغیب والترهیب للمنذري۔
۴۵	تاریخ دمشق لابن عساکر۔	۶۲	تعجیل المنفعة لابن حجر۔
۴۶	التأریخ الکبیر للبخاري۔	۶۳	التعلیق المغني علی سنن الدارقطني لمحمد شمس الحق العظیم آبادي۔
۴۷	تاریخ واسط لبحشل الواسطي۔	۶۴	التعلیق الممجد لعبد الحی الکهنوي۔

#	المرجع	#	المرجع
۶۵	تفسير الطبري-	۸۲	الجامع الصغير لمحمد بن الحسن الشيباني-
۶۶	تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم-	۸۳	جامع العلوم والحكم لابن رجب-
۶۷	تفسير القرآن العظيم لابن كثير-	۸۴	الجرح والتعديل لابن أبي حاتم-
۶۸	تفسير القرطبي-	۸۵	الجزء المفقود من الجزء الأوّل من المصنف لعبد الرزاق-
۶۹	التقريب لابن حجر-	۸۶	جماعة التبليغ لطالب الرحمن-
۷۰	تقرير الترمذي لمحمود الحسن-	۸۷	الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي-
۷۱	التقرير والتحبير شرح التحرير لابن أمير حاج-	۸۸	حاشية درِّ المختار لابن عابدين-
۷۲	التلخيص لابن حجر-	۸۹	حاشية السندهي على النسائي-
۷۳	التمهيد لابن عبد البر-	۹۰	الحاوى للفتاوى للسيوطي-
۷۴	التنبيه على مشكلات الهداية لابن أبي العزّ-	۹۱	حجيّة السنّة لعبد الغنى عبد الخالق-
۷۵	التنكيل لما في تأنيب الكوثري من الأباطيل لعبد الرحمن المعلمي-	۹۲	حقيقة الصيام لابن تيمية-
۷۶	تهذيب التهذيب لابن حجر-	۹۳	حلية الأولياء لأبي نعيم-
۷۷	تهذيب الكمال للمزي-	۹۴	الحيرة والالتباس الموجودين فيي مذهب أهل الرأى والقياس لابن حزم-
۷۸	تيسير التحرير لأمير بادشاه-	۹۵	الخصائص الكبرىٰ للسيوطي-
۷۹	تيسير العزيز الحميد فى شرح كتاب التوحيد لسلمان بن عبد الله بن محمد بن عبد الوهاب-	۹۶	دراسات في الحديث النبوي لمحمد مصطفى الأعظمي-
۸۰	الثقات لابن حبان-	۹۷	دراسة حديثيّة مقارنة لنصب الراية و فتح القدير و منية الألمعي لمحمد عوامة-
۸۱	جامع الترمذي-	۹۸	الدراية لابن حجر-

٩٩	الدرر البهية للشوكاني۔	١١٩	السنن الصغرى للسنائي۔
١٠٠	الدر المختار لعلاء الدين الحصكفي۔	١٢٠	السنن الصغير للبيهقي۔
١٠١	الدّر المنثور للسيوطي۔	١٢١	السنن الكبرى للبيهقي۔
١٠٢	الدعاء للطبراني۔	١٢٢	السنن الكبرى للنسائي۔
١٠٣	دفاع عن الحديث النبوي والسيرة للألباني۔	١٢٣	السنن والمبتدعات لعمرو بن عبد المنعم۔
١٠٤	ديوان الضعفاء للذهبي۔	١٢٤	السنة لابن أبي عاصم۔
١٠٥	ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب۔	١٢٥	السنّة للمروزي۔
١٠٦	الرد الوافر على من زعم أنّ من سمّى ابن تيمية شيخ الاسلام كافر لابن ناصر الدين الدمشقي۔	١٢٦	سير أعلام النبلاء للذهبي۔
١٠٧	الرسالة للشافعي۔	١٢٧	السيرة النبوية لابن هشام۔
١٠٨	الرفع والتكميل للكهنوي۔	١٢٨	السيل الجرار للشوكاني۔
١٠٩	رياض الصالحين للنووي۔	١٢٩	الشرح المتمع لابن عثيمين۔
١١٠	زاد المعاد لابن القيّم۔	١٣٠	شرح أصول اعتقاد أهل السنّة والجماعة للالكائي۔
١١١	الزهد لابن المبارك۔	١٣١	شرح سنن أبي داود للعيني۔
١١٢	سبل السلام للصنعاني۔	١٣٢	شرح السنّة للبغوي۔
١١٣	سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني۔	١٣٣	شرح الطيبي للمشكاة۔
١١٤	سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني۔	١٣٤	شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العزّ۔
١١٥	السنن لابن ماجه۔	١٣٥	شرح علل الترمذي لابن رجب۔
١١٦	السنن لأبي داؤد۔	١٣٦	شرح العناية على الهداية لبابرتي۔
١١٧	السنن للدارقطني۔	١٣٧	شرح الفقه الأكبر لملاّ علي القاري۔
١١٨	السنن للدارمي۔	١٣٨	شرح مسلم للنووي۔

نمبر	کتاب	نمبر	کتاب
١٣٩	شرح معاني الآثار للطحاوي۔	١٥٨	عقد الجيد للشاه ولي الله۔
١٤٠	شرح المواهب اللدنيّة للزرقاني۔	١٥٩	العقيدة الطحاوية للطحاوي۔
١٤١	شعب الإيمان للبيهقي۔	١٦٠	عمدة الرعاية شرح الوقاية لعبد الحي الكهنوي۔
١٤٢	الصحيح لابن حبان۔	١٦١	عمدة القارى للعيني۔
١٤٣	الصحيح لابن خزيمة۔	١٦٢	عمل اليوم والليلة لابن السنّي۔
١٤٤	الصحيح لأبي عوانة۔	١٦٣	عمل اليوم والليلة للنسائي۔
١٤٥	الصحيح للبخاري۔	١٦٤	عون المعبود للعظيم آبادي۔
١٤٦	الصحيح لمسلم۔	١٦٥	فتاوىٰ ابن عثيمين إعداد و ترتيب أشرف بن عبد المقصود۔
١٤٧	صحيح الجامع الصغير وزياداته للألباني۔	١٦٦	الفتاوى العالمكيرية۔
١٤٨	صحيح سنن أبي داؤد للألباني (الأصل)	١٦٧	فتح البارى لابن حجر۔
١٤٩	صفة التسمية عند الأكل والشرب وغيرهما من الأمور للمؤلف۔	١٦٨	فتح الغفور في وضع الأيدي على الصدور لمحمد حيات السندهي۔
١٥٠	صفة صلاة النبى ﷺ للألبانى (الأصل)	١٦٩	فتح القدير لابن الهمام۔
١٥١	صلوٰة التراويح للألبانى۔	١٧٠	الفتوحات الربانية لابن علان۔
١٥٢	ضعيف الجامع الصغير و زياداته للألباني۔	١٧١	الفردوس لشيرويه بن شهردار الديلمي۔
١٥٣	ضعيف سنن أبي داؤد للألباني۔	١٧٢	الفقه المالكى وأدلّته لطاهر بن حبيب۔
١٥٤	ضعيف سنن أبي داؤد للألباني (الأصل)	١٧٣	الفوائد البهية للكهنوي۔
١٥٥	الطبقات لابن سعد۔	١٧٤	الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني۔
١٥٦	الطوام المرعشة في بيان تحريفات أهل الرأي المدهشة لبديع الدين الراشدي	١٧٥	فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت للأنصاري۔
١٥٧	عارضة الأحوذي لابن العربي۔	١٧٦	قواطع الأدلّة لأبي المظفر السمعاني۔

۱۷۷	قواعد الأحکام لابن عبد السلام۔	۱۹۶	مجموع في کشف حقیقة الجزء المفقود (المزعوم) من مصنف عبد الرزاق۔
۱۷۸	القواعد النورانیة الفقهیةلابن تیمیه بتخریج و تعلیق المولف۔	۱۹۷	مجموعة رسائل ابن عابدین۔
۱۷۹	القول المبین فی أخطأ المصلّین لمشهور حسن سلمان۔	۱۹۸	المحیط البرهاني لبرهان الدین۔
۱۸۰	کتاب الآثارلمحمد بن حسن الشیباني۔	۱۹۹	مختصر سنن أبي داود للمنذري۔
۱۸۱	کتاب الأصل لمحمد بن حسن الشیباني۔	۲۰۰	مختصر القدوري۔
۱۸۲	کشف الخفاء للعجلوني۔	۲۰۱	المدخل لابن الحاج۔
۱۸۳	الکفایة للخطیب البغدادي۔	۲۰۲	المدونة الکبری۔
۱۸۴	الکامل لابن عدي۔	۲۰۳	مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح لعبید الله المبارکفوري۔
۱۸۵	الکنی للدولابي۔	۲۰۴	مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح للملّا علي القاري۔
۱۸۶	کنز الدقائق شرح تبیین الحقائق للنسفي۔	۲۰۵	مسائل أحمد لأبي داود۔
۱۸۷	لسان المیزان لابن حجر۔	۲۰۶	المستخرج علی صحیح مسلم لأبي‌نعیم۔
۱۸۸	الماتریدیة للشمس السلفي الأفغاني۔	۲۰۷	المستدرك للحاکم۔
۱۸۹	المبسوط للسرخسي۔	۲۰۸	مسلم الثبوت لابن عبد الشکور۔
۱۹۰	مثیر العزم الساکن لابن الجوزي۔	۲۰۹	المسند لأبي یعلی۔
۱۹۱	المجروحون لابن حبان۔	۲۱۰	المسند لأحمد۔
۱۹۲	مجمع البحرین في زوائد المعجمین للهیثمي۔	۲۱۱	المسند للبزار ۔(کشف الأستار)
۱۹۳	مجمع الزوائد للهیثمي۔	۲۱۲	المسند للشافعي۔
۱۹۴	المجموع شرح المهذب للنووي۔	۲۱۳	المسند للطیالسي۔
۱۹۵	مجموع الفتاوی لابن تیمیة۔	۲۱۴	مسند الشامیین للطبراني۔

٢١٥	مسند الشهاب للقضاعي.	٢٣٤	مقدمة تحفة الأحوذي لعبد الرحمن المباركفوري.
٢١٦	مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي.	٢٣٥	مقدمة صفة الصلاة للألباني.
٢١٧	مشكل الآثار للطحاوي.	٢٣٦	مقدمة الفوائد البهيّة للكهنوي.
٢١٨	مصباح الزجاجة للبوصيري.	٢٣٧	مقدمة المغني لرشيد أحمد رضا.
٢١٩	المصنف لابن أبي شيبة.	٢٣٨	مقدمة النافع الكبير للكهنوي.
٢٢٠	المصنف لعبد الرزاق.	٢٣٩	مقدمة نصب الراية للبنوري.
٢٢١	المطالب العالية لابن حجر.	٢٤٠	منابر الهدى العدد ٣ منبر السنة٢٤.
٢٢٢	معالم السنن للخطابي.	٢٤١	المنتقى لابن الجارود.
٢٢٣	معرفة السنن والآثار للبيهقي.	٢٤٢	المنتقى للباجي.
٢٢٤	المعجم الأوسط للطبراني.	٢٤٣	المنتقى لمجد الدين ابن تيمية.
٢٢٥	المعجم الصغير للطبراني.	٢٤٤	منحة الخالق لابن عابدين.
٢٢٦	المعجم الكبير للطبراني.	٢٤٥	المنخول للغزالي.
٢٢٧	معجم الصحابة لابن قانع.	٢٤٦	منهاج السنّة لابن تيمية.
٢٢٨	معرفة علوم الحديث للحاكم.	٢٤٧	منية الألمعي لابن قطلوبغا.
٢٢٩	معنى قول المطلبي إذا صح الحديث فهو مذهبي للسبكي.	٢٤٨	المهذب لأبي إسحاق الشيرازي.
٢٣٠	المغني لابن قدامة.	٢٤٩	الموافقات للشاطبي.
٢٣١	المفهم لما أشكل من تلخيص مسلم لأبي العباس القرطبي.	٢٥٠	المواهب اللدنية للقسطلاني.
٢٣٢	المقاصد الحسنة للسخاوي.	٢٥١	الموضوعات الكبير لملّا علي القاري.
٢٣٣	مقدمة أصول الحديث لعبد الحق الدهلوي.	٢٥٢	الموطأ لمالك بن أنس.

۲۵۳	موطأ مالك لمحمد بن الحسن الشيباني۔	۲۶۹	تبلیغی نصاب از ارشد قادری۔
۲۵۴	ميزان الاعتدال للذهبي۔	۲۷۰	تبلیغی نصاب از محمد زکریا کاندھلوی۔
۲۵۵	النافع الكبير شرح الجامع الصغير للكهنوي۔	۲۷۱	التحقیق الحسن فی نفی الدعاء الاجتماعی بعد الفرائض والسنن از مولوی حکیم عماد الدین۔
۲۵۶	نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار لابن حجر۔	۲۷۲	تخریج فرقہ ناجیہ تالیف حکیم محمد اشرف سندھو۔ از مؤلف۔
۲۵۷	نصب الراية للزيلعي۔	۲۷۳	تذکرۃ الرشید از رشید احمد گنگوھی۔
۲۵۸	النكت الظراف على الأطراف لابن حجر۔	۲۷۴	تفسیری حاشیہ بر ترجمہ شیخ الہند از عثمانی۔
۲۵۹	النكت على ابن الصلاح لابن حجر۔	۲۷۵	حقیقت نما المعروف أکابر علماء دیوبند کا مذہب از حکیم محمد اشرف سندھو۔
۲۶۰	النهاية للعيني۔	۲۷۶	حلالہ کی شرعی حیثیت از رانا محمد شفیق پسروری۔
۲۶۱	نور الأنوار لملّا جيون۔	۲۷۷	درایت محمدی از مولانا محمد جوناگڑھی۔
۲۶۲	نيل الأوطار للشوكاني۔	۲۷۸	راہ سنت از سرفراز گکھڑوی۔
۲۶۳	الهداية للمرغيناني۔	۲۷۹	رحمۃ للعالمین از قاضی منصور پوری۔
۲۶۴	هدي الساري مقدمة فتح الباري لابن حجر۔	۲۸۰	سلفیت کا تعارف از ڈاکٹر رضا اللہ مبارکپوری۔
۲۶۵	الوفاء بأحوال المصطفى لابن الجوزي۔	۲۸۱	فتاوی اہل حدیث از محدث روپڑی۔
	اردو کتب		
۲۶۶	بہشتی زیور از أشرف علی تھانوی۔	۲۸۲	فتاوی ثنائیہ مدنیہ از حافظ ثناء اللہ مدنی
۲۶۷	البيان المفيد المعروف بہ "ردّ تقليد" لمولوي محمد أنصاري۔	۲۸۳	فتاوی علماء حدیث۔ ترتیب علی محمد سعیدی۔
۲۶۸	تاریخ التقلید از حکیم محمد اشرف سندھو۔	۲۸۴	فضائل صدقات از محمد زکریا کاندھلوی۔

نمبر	مصدر	نمبر	مصدر
۲۸۵	فقہی مسلک کی حقیقت۔از ابوزکی۔	۲۹۰	مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی از ارشاد الحق اُثری۔
۲۸۶	القول المقبول فی التخریج والتعلیق علی ''صلوٰۃ الرسول ﷺ'' از مؤلف۔	۲۹۱	مسنون نماز اَز مؤلف۔
۲۸۷	اللمحات إلی ما في أنوار الباري من الظلمات از رئیس اُحمد ندوي۔	۲۹۲	مقیاس حقیقت از حکیم محمد اُشرف سندھو۔
۲۸۸	ماہنامہ ''الامداد'' بابت صفر ۱۳۳۶ھ۔	۲۹۳	ہم اہل حدیث کیوں ہوئے؟۔
۲۸۹	مجموعۃ مقالات علمیۃ دربارہ ایک مجلس کی تین طلاق۔	۲۹۴	نتائج التقلید از حکیم محمد اشرف سندھو۔

فہرست مضامین

پہلا باب:

نام نہاد سلفی ابومسعود کے رسالہ

''فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی''

کے بارے میں

دوسرا باب:

"القول المقبول" کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے بارے میں

تیسرا باب:

مقلدین مولوی صاحبان کے بارے میں

تیسری فصل:......!!

مؤلف کی دیگر تألیفات وتحقیقات

ا۔ عربی کتب:

۱۔ فهرس الأحاديث والآثار الواردة في كتاب "المجروحين" للحافظ ابن حبان۔ مطبوع بمكة المكرمة۔

۲۔ صفة التسمية عند الأكل والشرب و غيرهما من الأمور۔ مطبوع بدار الفتح بالشارقة بدولة الإمارات العربية المتحدة۔

۳۔ أحسن المقال في تخريج حديث **"كل أمر ذي بال"**۔ مطبوع بمكتبة الفرقان بعجمان بالإمارات۔

۴۔ سواطع القمرين في تخريج حديث **" تركت فيكم أمرين"**۔

۵۔ أبو شحمة و حقيقة القصّة المنسوبة إليه۔

۶۔ بلال مؤذن الرسول۔ﷺ۔ و سماع النبي۔صلى الله عليه وسلم۔ لخشف نعليه في الجنّة هل وقع في المنام أم حصل ليلة المعراج؟

۷۔ رفع الالتباس عمّا اشتهر على ألسنة النّاس۔

۸۔ مصباح الزجاجة في تخريج و شرح خطبة الحاجة(مسودة)

۹۔ فضل الصلاة في المساجد الثلاثة(مسودة)

۱۰۔ جماع العلم للإمام الشافعي۔ تخريج و تعليق۔ مطبوع بدار الفتح۔

۱۱۔ القواعد النورانية الفقهية لشيخ الاسلام ابن تيمية۔ تخريج و تعليق۔ مطبوع بدار الفتح بالشارقة۔

۱۲۔ روضة الناظر لابن قدامة۔ تخريج و شرح۔ مطبوع بمكتبة الفرقان بعجمان۔

۱۳۔ تفسير ابن كثير مراجعة التخريج۔ مطبوع بدار الفتح۔[1]

[1] یہ کتاب شیخ محمد بن راشد آل مکتوم۔ جو آج کل حاکم دبئ اور وزیراعظم متحدۃ عرب امارات ہیں۔ کے خرچ پر تخریج کے ساتھ دارالفتح سے ۱۹۹۹ء میں طبع ہوئی اس پر تخریج کا کام دارالفتح کی "مجلس التحقیق العلمی" نے کیا۔ اور اس تخریج کی نظرثانی کی ذمہ داری شروع سے لے کر آخر تک ادارہ دارالفتح کی طرف سے مجھے سونپی گئی۔

۱۴۔ الرسالة للإمام الشافعي۔ تخريج و شرح۔ تحت الطبع بدار الفتح۔

۱۵۔ الطرق الحكمية لابن القيّم، تخريج و تعليق۔

۱۶۔ منهاج المسلم لأبي بكر الجزائري۔تخريج و تعليق۔

۱۷۔ إعلام أهل العصر بأحكام ركعتي الفجر للعظيم آبادي، تعليق و مراجعة التخريج۔

ب۔اردو کتب:

۱۸۔ مسنون نماز۔طبعہ دارالاشاعت أشرفیہ۔

۱۹۔ مختصر مسنون نماز۔طبعہ دارالاشاعت أشرفیہ۔

۲۰۔ مسنون تسمیہ۔طبعہ دارالاشاعت أشرفیہ۔

۲۱۔ مقالات عبدالرؤف ۔طبعہ دارالاشاعت أشرفیہ۔

۲۲۔ فلاح دارین تأ لیف حکیم محمد أشرف سندھو۔تخریج وتعلیق ۔طبعہ دارالاشاعت أشرفیہ۔

۲۳۔ فرقہ ناجیہ تألیف حکیم محمد أشرف سندھو۔تخریج وتعلیق ۔طبعہ دارالاشاعت أشرفیہ۔

۲۴۔ "القول المقبول" فی التخریج والتعلیق علی"صلوٰۃ الرسول ﷺ"طبعہ دارالاشاعت أشرفیہ۔

۲۵۔ دین اسلام کی تکمیل ۔تالیف حکیم محمد اشرف سندھو۔تخریج وتعلیق ۔(غیر مطبوع)

۲۶۔ رکعات قیام مضان تالیف حکیم محمد اشرف سندھو۔تخریج وتعلیق ۔(غیر مطبوع)

۲۷۔ مقیاس حقیقت تالیف حکیم محمد اشرف سندھو۔تخریج وتعلیق ۔(غیر مطبوع)۔

۲۸۔ سوئے حرم۔تالیف محمد منیر قمر سیالکوٹی۔تخریج وتعلیق ۔طبعہ مکتبہ ریحان چیمہ سیالکوٹ۔

۲۹۔ نقوش صحابہ۔ رضی اللہ عنہم۔ تالیف عبدالحکیم فیضی۔تخریج وتعلیق ۔غیر مطبوع۔